

شهر رمضان الذی انزل فیہ القرآن

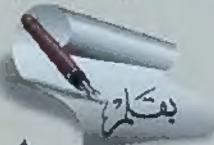
”رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن کریم اُتارا گیا ہے“۔

ایک ایسی کتاب کہ جس کی رہنمائی میں آپ رمضانُ المبارک کو کماحقہٗ وصول کرسکتے ہیں

دبستانِ رمضانُ المبارک



☆ رمضانُ المبارک کا استقبال واہتمام، فضائل ومناقب، انوارات وتجلیات
☆ روزہ، سحر وافطار، تراویح وقرآن، اعتکاف، شب قدر اور صدقۃ الفطر کے فضائل وفوائد، احکام ومسائل
☆ حضرت نبی اکرم ﷺ اور سلف صالحین کے معمولات رمضان المبارک
☆ ہمارے اکابر ومشائخ کے یہاں رمضان کے اہتمام ونظام الاوقات کا نصیحت آموز ودلنشیں تذکرہ
☆ عید کی رات کی عظمت، عید کے دن کا پیغام، نمازِ عید اور اس کے تفصیلی احکام ومسائل
☆ رمضان المبارک کے بعد کی زندگی کیسی ہو؟ یہ اور ان کے علاوہ اور بہت سی اہم وضروری چیزوں کے مفصل اور محقق تذکرے پر مشتمل قیمتی مجموعہ



بقلم

محمد سلمان الخیر نعیمی قاسمی سہارنپوری

معتمد جامعہ عربیہ احسن العلوم بڈھاکھیڑہ کاتلہ ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا

زیرِ سرپرستی

حضرت اقدس الحاج مولانا نعیم احمد صاحب مظاہری دامت برکاتہم

استاذ حدیث مظاہر علوم وقف سہارنپور



ناشر دار الکتب متصل دفتر مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور



شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

”رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن کریم اُتارا گیا ہے“۔



يا أيها الذين آمنوا

كتب عليكم الصيام

دبستانِ
رمضان المبارک

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

"رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن کریم اتارا گیا ہے"۔

دبستانِ رمضانُ المبارک

☆ رمضانُ المبارک کا استقبال واہتمام، فضائل ومناقب، انوارات وتجلیات

☆ روزہ، سحر وافطار، تراویح وقرآن، اعتکاف، شبِ قدر اور صدقۃ الفطر کے فضائل وفوائد، احکام ومسائل

☆ حضرت نبی اکرم ﷺ اور سلف صالحین کے معمولاتِ رمضان المبارک

☆ ہمارے اکابر ومشائخ کے یہاں رمضان کے اہتمام ونظام الاوقات کا نصیحت آموز ودلنشیں تذکرہ

☆ عید کی رات کی عظمت، عید کے دن کا پیغام، نمازِ عید اور اس کے تفصیلی احکام ومسائل

☆ رمضان المبارک کے بعد کی زندگی کیسی ہو؟ یہ اور ان کے علاوہ اور بہت سی اہم وضروری چیزوں کے مفصل اور محقق تذکرے پر مشتمل قیمتی مجموعہ



محمد سلمان الخیر نعیمی قاسمی سہارنپوری

مہتمم جامعہ عربیہ حسن العلوم بڈھاکھیڑہ کالمہ ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا



دار الکتب متصل دفتر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

تفصیلات

نام کتاب: دلبستانِ رمضان المبارک

مؤلف: محمد سلمان الخیر نعیمی قاسمی سہارنپوری

مہتمم جامعہ عربیہ حسن العلوم بدھا کھیڑہ وکالا کمہ ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا

سن اشاعت: جمادی الاخریٰ ۱۴۴۶ھ ☆ دسمبر ۲۰۲۴ء

صفحات: ۴۷۲

تعداد: گیارہ سو (1100)

ناشر: دارالکتب متصل دفتر مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور
9718326097, 82793 66417

قیمت: M.R.P:600

ملنے کا پتہ

دہلی، دیوبند اور سہارنپور کے سبھی معیاری کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

ضروری درخواست

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے، بشری طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح، حوالہ جات وغیرہ میں بھرپور احتیاط برتی گئی ہے، پھر بھی بہ تقاضائے بشریت اگر کوئی فروگذاشت یا غلطی نظر آئے، تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں، ان شاءاللہ آئندہ اس کی اصلاح کردی جائے گی اور ہم نشاندہی کے لیے شکر گزار رہوں گے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ
انتساب	15
عرضِ مرتب	17
تمہید	20
ماہِ رمضان کیا ہے؟	
ایک آسمانی اعلان	29
رمضانُ المبارک کی آمد اور ہماری ذمہ داریاں	
خطبۂ نبوی ﷺ	32
خطبۂ نبوی ﷺ کی جھلکیاں	33
استقبالِ رمضان اور اعمال کی فکر	35
اہتمامِ رمضان اور اکابرین	36
استقبالِ رمضان اور نظام الاوقات	36
ہماری ذمہ داری	37
استقبالِ رمضان اور اس کے تقاضے	
رمضان کا استقبال کیسے کریں؟	39
(۱) عظمت کا احساس	39
(۲) نعمت کا احساس	40
(۳) انابت الی اللہ	40
(۴) پیش قدمی	41
(۵) بہتر تبدیلی	43
آخری پیغام	43
رمضان المبارک کی عظمت، حرمت اور فضیلت	
حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کا خطبۂ ماہِ رمضان	48
حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کی پہلی تقریر	49
تشریح	50
رمضان المبارک ہمدردی وغم خواری کا مہینہ	51
چار چیزوں کی اس مہینہ میں کثرت	54
کلمۂ طیبہ کے فضائل	54
استغفار کے فضائل	57
آیات	57
روایات	58
جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ	61
دو قابل غور باتیں	61
حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کی دوسری تقریر	62
تشریح	62
جبریلؑ کی تین بددعائیں اور رسول اللہ ﷺ کی آمین	63
تشریح	63
استقبالِ رمضان پر ایک اور نصیحت آموز خطبہ	64

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

تشریح	65
اُمتِ محمدیہ کے لیے پانچ انعامات	68
رمضان میں اللہ کا ذکر کرنے والے	69
تشریح	69
ذکراللہ کی فضیلت واہمیت	70
آیات	71
روایات	72

تجلیاتِ رَمضانُ المبارک

رَمضانُ المبارک اور مؤمن کی تمنا	76
تشریح	76
سب مہینوں کا سردار رمضان	77
تشریح	77
رمضان میں نبی اکرم ﷺ کے دو خصوصی اعمال	78
تشریح	78
رمضان المبارک کا خصوصی اعزاز واکرام	79
تشریح	79
اُمتِ محمدیہ کیلئے رمضان المبارک میں پانچ تحفے	80
رمضان المبارک میں شیطان کی گرفتاری	81
تشریح	81
ایک شبہ	82
شیطان کی گرفتاری کا ایک دوسرا مطلب	83
تشریح	83
رَمضان المبارک میں عمرہ کرنے کی فضیلت	83
رمضان المبارک میں نیکیوں کی قیمت	84
تشریح	85
رَمضان المبارک کی خوب قدر کیجیے	86
تشریح	87
عارفین وصالحین کے یہاں رمضان کا اہتمام	87
دہلی اور اس کے اطراف میں رمضان کی بہار	89
ایک پُراثر اور حسبِ حال نظم	93
رمضان اُمتِ مسلمہ کیلئے کیا پیغام لیکر آتا ہے؟	94

رَمضانُ المبارک کو صحیح طور پر کیسے گزاریں؟

کامیاب انسان	95
ہماری خوش نصیبی	95
بزرگی کا معیار	96
حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کی ترغیب	96
رمضان میں معمولاتِ نبوی ﷺ	96
ہم رمضان کیسے گزاریں؟	97
(۱) روزے کی حفاظت	97
زیادہ روزہ لگنے کی وجوہات	98
(۲) عبادت کی کثرت	99
عبادت میں رکاوٹ	99
موت کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام	99
(۳) دعاؤں کی کثرت	100

(۴) تلاوتِ قرآن مجید کی کثرت 101
سلف صالحین کے واقعات 102
حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا معمول 102
حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کا معمول 102
حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا معمول 103
حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا معمول 103
مستورات کا قرآن سے لگاؤ 104
اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ 105
روزہ
روزہ کی فضیلت واہمیت 107
تشریح 108
روزے کے فوائد وثمرات 108
تقویٰ کا حصول اور اس کے ثمرات 109
تقویٰ کے ثمرات وفوائد 110
لمحہ فکریہ اور دعوتِ غور وفکر 112
بے عمل روزے داروں کیلئے وعید 116
روزہ: رمضان کی اہم ترین عبادت 116
روزے کی فرضیت اور اس سے متعلقہ مسائل 118
پورے مہینے کے روزے کہاں سے فرض ہوئے؟ 120
روزہ کی حالت میں دعاؤں کا اہتمام کیجیے! 120
روزہ؛ گناہوں کی معافی کا بہترین ذریعہ 121
تشریح 121
دو ضروری باتیں 121
توبہ کا طریقہ 122
روزہ کی خاص صفت 122
تشریح 123
روزے کی حالت میں گناہوں سے بچئے 123
ایک شبہ 127
روزے میں بندہ اللہ کی ایک صفت اپناتا ہے 127
تشریح 128
روزہ داروں کیلئے جنت کا خصوصی دروازہ 130
تشریح 131
رمضان کا ایک روزہ 132
تشریح 132
رمضان کا روزہ نہ چھوڑیے نہ توڑیے 133
روزہ؛ اسلام کا رکن عظیم ہے 135
روزہ سے کوتاہیوں کا ازالہ 136
تشریح 136
روزہ؛ جسم کی زکوٰۃ 137
تشریح 137
روزہ ڈھال ہے 138
تشریح 139
روزہ اور قرآن کی بندہ کے حق میں سفارش 141
تشریح 141

عنوان	صفحہ
تنبیہ	145
رمضان المبارک میں قرآن کی تلاوت	145
رمضان اور رسول اللہ ﷺ کی عبادت وریاضت کا حال	148
صیام وقیام پر اسلاف کے بعض آثار واقوال	149
روزہ کی اقسام: طبقاتِ انسانی کے حوالے سے	150
(۱) عوام کا روزہ	151
(۲) خواص العام کا روزہ	151
(۳) خواص الخاص کا روزہ	152
(۴) اخص الخواص کا روزہ	153
روزہ اور صحت	154
روزہ: احکام ومسائل	
چند اہم اور ضروری مسائل	157
سحری	160
سحری میں تاخیر کرنی چاہیے	162
ایک غلط فہمی کا ازالہ	163
سحری کے چند اور مسائل	164
سحری کے متعلق کچھ اہم گزارشات	165
سحری کیلئے جگانے کا مسئلہ	165
انتہائی اہم اور قابل توجہ بات	166
رمضان میں تہجد	166
رمضان میں فجر کی نماز	167
افطار	168
افطار کی فضیلت	168
افطار کے وقت دعاؤں کا اہتمام	169
افطار کی دعا	171
فائدہ	171
روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیے	171
کھجور کی اہمیت	172
طبِ نبوی میں کھجور	173
سائنس کیا کہتی ہے؟	173
روزہ جلدی افطار کریں	174
مسجد میں افطار	175
مغرب کی نماز میں تاخیر	176
بچوں کا روزہ	176
ایک مصیبت	177
روزہ کشائی کی تقریبات	178
روزہ افطار کرانا	178
افطار پارٹیاں	179
رمضان کے مہینے میں ہوٹل کھولنا	180
افطار سے متعلق کچھ اور باتیں	180
روزہ سے متعلق چند مزید ضروری مسائل	
روزے کے فدیہ کی مقدار	181
روزہ میں انجکشن یا ڈرپ لگانے کا حکم	181
روزہ کی حالت میں انہیلر وغیرہ کا استعمال	182

روزے کی حالت میں ڈائیلیسیز کروانے کا حکم	182	امام شافعیؒ	212
روزہ کی حالت میں بھاپ لینے کا حکم	183	امام احمد بن حنبلؒ	212
شوگر کے مریض کا روزے میں انسولین لگانا	183	حضرت عائشہؓ کی حدیث کی مکمل عبارت اور اس کا صحیح مفہوم	214
روزہ کی حالت میں برش کرنے کا حکم	183	ایک شبہ کا ازالہ	217
روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانا	184	دوسرے شبہ کا ازالہ	218
تراویح		تیسرے شبہ کا ازالہ	218
تراویح؛ رمضان المبارک کی اہم ترین عبادت	186	خصوصی توجہ	218
تراویح	186	**تراویح؛ احکام و مسائل**	
نمازِ تراویح کی فضیلت	186	تراویح کی نیت کا طریقہ	220
تشریح	186	تراویح کی دعا کا ثبوت	221
تراویح کے معنی	187	تسبیح تراویح میں لفظ "العظمة" کے تلفظ کی تحقیق	222
تراویح؛ سنتِ مؤکدہ ہے	188	تراویح میں آیتِ سجدہ کا اعلان	223
تشریح	188	تراویح میں تین رکعات اکھٹی پڑھ لینا	224
قیام اللیل کی اہمیت	189	تراویح کی چار رکعات ایک سلام سے پڑھنا	224
نمازِ تراویح اور اس کی تعدادِ رکعات	190	تراویح سے پہلے وتر پڑھنے کا حکم	225
نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعات اور اختلافِ اُمت	193	تراویح چھوڑنے والے کے روزے کا حکم	226
نمازِ تراویح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں	195	کیا تراویح چھوڑنے یا آٹھ رکعات پڑھنے سے گناہ ہوگا؟	227
نمازِ تراویح خلفائے راشدین کے زمانے میں	201	نائٹ ڈیوٹی کی وجہ سے تراویح چھوڑنا	227
تشریح	202	گھروں میں باجماعت تراویح پڑھنا/پڑھانا	228
نمازِ تراویح سے متعلق اکابرینِ اُمت کے اقوال	211	تراویح میں قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا	230
امام ابو حنیفہؒ	211	نمازِ تراویح کے بعد دعا	231
امام مالکؒ	211	شبینہ پڑھنے کا حکم	231

تراویح میں تکمیل قرآن کے موقع پر وعظ 233	
تراویح میں تکمیل قرآن کے موقع پر مٹھائی 233	
رمضان میں اکرامِ حافظ یا امام صاحب کی اضافی خدمت 234	
تراویح کی اُجرت، امام صاحب کا ہدیہ 236	
ایک لطیفہ 236	
رمضان اور قرآن	
امام الانبیاء ﷺ کا رمضان میں تلاوت کرنا 241	
رمضان میں ساٹھ (۶۰) قرآن ختم 241	
قرآن مجید کی تلاوت اور دلچسپی 241	
ہر رات ایک قرآن ختم 242	
نفلی عبادت اور قرآن کی تلاوت 242	
رمضان اور سترہ (۱۷) قرآن 242	
تین دنوں میں قرآن ختم 242	
ماہِ رمضان میں نوے (۹۰) قرآن ختم 242	
۳۳ مرتبہ قرآن ختم 243	
تین قرآن ختم 243	
ایک رات میں ایک قرآن 243	
قرآن مجید میں تدبر و تفکر 243	
روزانہ ایک قرآن ختم 244	
رمضان میں چالیس پارے روزانہ 244	
یومیہ قرآن کا ختم 244	
مستورات کا قرآنی شغف 244	
اِعتکاف	
اعتکاف: فضائل وفوائد، احکام ومسائل 248	
اعتکاف کیا ہے؟ 248	
اعتکاف کی روح 249	
حکمت 249	
اعتکاف اور انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت 250	
نبی اکرم ﷺ کا اعتکاف 252	
اعتکاف کے فضائل 253	
تشریح 253	
اِعتکاف: جہنم سے بہت دوری کا سبب 254	
تشریح 254	
اِعتکاف کا ثواب دو حج اور دو عمروں کے برابر 255	
تشریح 255	
اعتکاف کی فضیلت و سُنّیت، قرآن مجید میں 255	
اعتکاف کی حکمتیں اور فائدے 258	
اعتکاف ایک عظیم نبوی سنت، اسے حقیر نہ سمجھیں! 260	
اعتکاف سے متعلق ضروری مسائل 262	
اعتکاف کیوں؟ 262	
اعتکاف کا حکم 263	
اعتکاف کے لیے بہترین جگہ 263	
کسی دوسرے محلے، بستی یا شہر میں اعتکاف 263	
اعتکاف کی قسمیں 265	

اعتکاف درست ہونے کی شرطیں 266
اعتکاف کے مستحبات وآداب 266
اعتکاف میں مباح چیزیں 267
کن عذروں کی بناپر معتکف مسجد سے نکل سکتا ہے 267
اعتکاف کے مکروہات 268
اعتکاف کو فاسد کرنے والے اُمور 268
اعتکاف کن صورتوں میں توڑا جاسکتا ہے؟ 268
اعتکاف کی قضا 269
اعتکاف کا فدیہ 269
اِعتکاف کرنے والے کیلئے خاص رعایتیں 270
پوری شرعی مسجد میں کہیں بھی رہے 270
بشری تقاضوں کیلئے مسجد سے نکلنا 271
مسجد میں ریح خارج کرنا 271
سگریٹ، بیڑی اور تمباکو کا استعمال 271
دعا وسلام اور ملاقات 272
درس وتدریس اور تعلیم 272
حجامت بنانا/ بنوانا 273
دنیوی معاملات وعلاج ومعالجہ 273
چہل قدمی اور ورزش 273
پلنگ یا چارپائی پر سونا 274
فون کا استعمال 274
بیوی سے گفتگو 274

شبِ قدر

شبِ قدر کی اہمیت 276
شبِ قدر کا معنی ومفہوم 276
شبِ قدر کی فضیلت 277
یہ رات کیوں عطا ہوئی؟ 279
اُمتِ محمدیہ کی خصوصیت 279
پہلی اُمتوں میں عابد کسے کہا جاتا تھا؟ 280
شبِ قدر ہزار مہینوں سے افضل رات 280
تشریح 282
بدنصیب کون؟ 283
تشریح 283
شبِ قدر کو مخفی کیوں رکھا گیا؟ 284
ایک جھگڑا علمِ شبِ قدر سے محرومی کا سبب بنا 285
ایک صحابی کو (شبِ قدر سے) آگاہ فرمانا 286
شبِ قدر کی تعیین 287
حکمت 289
شبِ قدر کس کو ملتی ہے؟ 291
شبِ قدر کی پہچان 291
شبِ قدر کے اعمال 292
ایک ضروری بات 293
فائدہ 293

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

عنوان	صفحہ
صدقۃ الفطر	
صدقۃ الفطر: فضائل وفوائد، احکام ومسائل	295
صدقۂ فطر کیا ہے؟	301
صدقۂ فطر مقرر ہونے کی وجہ	302
صدقۂ فطر کا وجوب	302
صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟	302
صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا وقت	303
صدقۂ فطر کی ادائیگی کا وقت	303
صدقۂ فطر کی مقدار	304
صدقۂ فطر میں آدھا صاع گیہوں کے بعض دلائل	304
صدقۂ فطر یکساں یا اپنی حیثیت کے مطابق دینا؟	305
گیہوں کے بدلے قیمت دی جاسکتی ہے؟	306
صدقۂ فطر کس کو دیا جائے گا؟	306
متفرق مسائل	307
رمضان المبارک میں معمولاتِ نبوی ﷺ	
معمولاتِ نبوی ﷺ کا اجمالی جائزہ	309
(۱) صیامِ رمضان اور معمولاتِ نبوی ﷺ	309
رسول اللہ ﷺ کا دعا فرمانا	310
رمضان کا چاند دیکھنے پر خصوصی دعا	310
رمضان المبارک کو خوش آمدید کہنا	310
رمضان اور شعبان میں روزوں کا اتصال	311
کثرتِ عبادت وریاضت	313
سحری وافطاری کا معمول	313
برکت سے کیا مراد ہے؟	314
سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل	315
سحری میں تاخیر	316
رسول اللہ ﷺ کس چیز سے روزہ افطار فرماتے	317
بھوک کی حالت میں طعام کو نماز پر فوقیت دینا	318
بہترین عمل: عمل مداومت	318
(۲) معمولِ قیامِ رمضان	320
(۳) معمولِ ختمِ قرآن: ائمہ وفقہاء کی رائے میں	321
دورانِ رمضان رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبریل کے دور کا معمول	322
(۴) معمولِ تہجد	323
فضائل نمازِ تہجد	323
تہجد کا لغوی مفہوم	325
نمازِ تہجد کے اوقات	325
تہجد کے وقت کی دعا	326
(۵) کثرتِ صدقات وخیرات	328
(۶) معمولِ اعتکاف	329
رمضان المبارک میں اسلاف کے معمولات	
اہلِ مکہ کے معمولات	331
اہلِ مدینہ کے معمولات	331
نمازِ تراویح اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول	332
رمضان المبارک میں ہمارا معمول: ایک لمحہ فکریہ	332

نمازِ تہجد اور اس کی اہمیت وفضیلت 333

نمازِ تہجد اور صلحائے اُمت 338

فرض نماز اور تہجد کی نماز میں فرق 340

رَمضانُ المبارک میں اکابر ومشائخ کے معمولات

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ(م:۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 342

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ(م:۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 344

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ(م:۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 345

شیخ الاعاظم حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی ؒ(م:۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 347

قطب العالم مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری ؒ(م:۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 351

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی ؒ(م:۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 353

شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ(م:۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 355

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ(م:۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 361

بانی تبلیغ حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ(م:۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 365

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ(م:۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 369

قطب الارشاد مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری ؒ(م:۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 375

رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلوی ؒ(م:۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 378

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ(م:۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 382

مسیح الامت مولانا مسیح اللہ جلال آبادی ؒ(م:۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 391

حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلوی ؒ(م:۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 394

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی ؒ(م:۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 396

حبیب الامت مولانا قاری صدیق باندوی ؒ(م:۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 403

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی ؒ(م:۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء)

معمولاتِ رمضان المبارک 409

عید کی رات؛ انعام کی رات

شبِ عید کی فضیلت 414

صحابہ کرامؓ اور ائمہ سلف صالحین ؒ کے ارشادات ومعمولات 416

عید کا دن

عید کو عید کیوں کہتے ہیں؟ 421

عیدین کے مشروع ہونے کی دلیل 421

عیدین (یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کیا ہیں؟ 423

عید کے دن فرشتوں کا مبارک باد دینا 424

عید کے دن اللہ کا اپنے عبادت گزار بندوں پر فخر فرمانا 424
عید کے دن فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کا ثواب 425
عید کا دن؛ دعاؤں کی قبولیت کا دن 426
عید کے دن دف بجانا 426
عید کے دن کھیل کود کے پروگرام اور انہیں دیکھنا 427
تشریح 429
عید کا دن، اللہ کی عطا اور بخشش کا دن 431
فرمانبرداروں کیلئے خوشی اور نافرمانوں کیلئے حسرت کا دن 432
عید الفطر کو خوشی کا دن کیوں قرار دیا گیا؟ 435

نمازِ عید الفطر اور اس کے احکام و مسائل

عید الفطر کا پیغام 436
عید الفطر کے سنن و آداب 438
نمازِ عید مع طریقہ 439
عید کی نماز سے پہلے نوافل پڑھنا 440
عید کی نماز کے بعد دعا کا حکم 440
خطبہ کے دوران کی تکبیریں 441
نمازِ عید عیدگاہ میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے 442
بارش یا کسی اور عذر کی وجہ سے مسجد میں نمازِ عید 443
عیدین کی نماز میں مسنون قرأت 443
نمازِ عید میں خطبہ کا حکم 444
عید الفطر کا خطبہ 444
خطباتِ عیدین کے آغاز و اختتام پر تکبیرات کی تحقیق 447
عید کی مبارک باد دینا 449
عید کی نماز کے بعد مصافحہ و معانقہ 450
عورتوں کا عید کی نماز کے لیے عیدگاہ جانا 450
جمعہ کے دن عید ہو تو جمعہ کا حکم 454
عید کی نماز میں ایک رکعت یا دونوں نکل جائے 454
عید کی جماعت نہ مل سکے تو کیا کرے 455
اگر جمعہ یا عید کی نماز فاسد ہو جائے تو کیا کرے 456

رمضانُ المبارک کے بعد کی زندگی

تقویٰ 459
تعلق مع اللہ 460
اخلاص 461
عبادات 462
انفاق فی سبیل اللہ 463
حیا اور شائستگی 464
اخلاق اور حسنِ معاشرت 466

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

☆......مرکزِ علم وفن، منبع رشد وہدایت، اُم المدارس مادرِ علمی: دار العلوم دیو بند

مخزنِ اسرار وحکم مادرِ علمی: مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

منبعِ علوم ومعارف مادرِ علمی: دار العلوم وقف شاہ بہلول سہارنپور کے نام

☆......مشفق ومحسن مربی ومکرم والدین محترمین کے نام

اور

☆......اُن تمام اساتذۂ گرامی قدر کے نام جن کے سامنے احقر نے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور جن کی دینی، علمی، عملی، فکری، اصلاحی اور قلمی ذہن سازی اور پُر خلوص محبت ومحنت کے طفیل کسی درجہ علم دوستی اور کتب بینی کا ذوق وشوق عطا ہوا۔ **فجزاهم الله عنا وعن هذا الدين أحسن الجزاء.**

الٰہی! اگرچہ یہ تحفہ میرا نا قابل منظور ہے

پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دور ہے

☆



محمد سلمان الخیر نعیمی قاسمی سہارنپوری

عفا الله عنه وعافاه

الحبیب مسجد: 40 فٹا روڈ، شاہین باغ، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی

برائے رابطہ

8279366417

عرضِ مرتب

الحمد للّٰہ رب العلمین ، والصلوۃ والسلام علی خاتم الأنبیاء وأشرف المرسلین ، وعلی آلہ وأصحابہ وأتباعہ أجمعین الی یوم الدین ، أمّابعد!

رمضان المبارک کا مہینہ اپنی عظمت اور تقدس کے لحاظ سے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، عبادتوں کا یہ مہینہ نیکیوں کا موسم بہار بھی ہے، جن بندگانِ خدا کو اللہ توفیق دیتا ہے وہ نیکیوں کے اس موسم بہار سے خوب لطف اُٹھاتے ہیں، اور اپنا دامن مراد بھر لیتے ہیں، رات کے آخری حصے میں اُٹھ کر سحری کھانا، فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا، دن بھر روزے رکھنا، شام کو افطار کرنا، نمازِ تراویح پڑھنا، تہجد کا اہتمام کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا یہ وہ عبادتیں ہیں جو اس خاص مہینے میں خاص طور پر ادا کی جاتی ہیں، بہت سے لوگ اس مہینے کے آخری عشرے میں اعتکاف کی سنت بھی ادا کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو پورے سال اس ماہ مقدس کا انتظار رہتا ہے اور جب یہ مہینہ انہیں مل جاتا ہے تو وہ اسے پا کر اس قدر خوش ہوتے ہیں جیسے انہیں کوئی متاع گم شدہ حاصل ہوگئی ہو، اس مہینے کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ماہِ رجب کے آغاز سے ہی ہمارے آقا حضرت امام الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ رمضان کی آمد کا انتظار شروع فرمادیتے تھے اور اس تک پہنچنے کی دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ.

(مسند الامام أحمد: ۲۵۹/۱، المعجم الأوسط: ۱۸۹/٤، برقم: ۳۹۳۹، مجمع الزوائد: ۱٦۰/۲)

"اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان کے مہینہ میں برکت عطا فرما، اور ہمیں رمضان تک پہنچا"۔

ملا علی قاریؒ اس حدیث پاک کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"یعنی ان مہینوں میں ہماری طاعت وعبادت میں برکت اور زیادتی عطا فرما اور ہماری عمر لمبی کر کے بہ کمال اِدراک رمضان المبارک میں قیام وصیام کی توفیق عطا فرما"۔ (مرقاۃ المفاتیح: ٤۱۸/۳، ط: دار الکتب العلمیة)

اور حضرت عبادہ ابن صامت ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں رمضان کی آمد پر یہ دعا کرنے کی

تعلیم فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ سَلِّمْنِیْ لِرَمَضَانَ وَرَمَضَانَ لِیْ وَسَلِّمْهُ لِیْ مُتَقَبَّلاً۔(کنزالعمال:۵۸۴/۸)

”اے اللہ! مجھے رمضان کے لیے اور رمضان کو میرے لیے صحیح سلامت رکھئے اور رمضان کو میرے لیے سلامتی کے ساتھ قبولیت کا ذریعہ بنا دیجیے“۔

ظاہر ہے جس چیز کا اس قدر بے تابی کے ساتھ انتظار ہوتا ہو جب وہ چیز حاصل ہوتی ہے تو جتنی بھی خوشی ہو کم ہے اور اس چیز کی جس قدر بھی حفاظت کی جائے ناکافی ہے، رمضان کا مہینہ گیارہ مہینوں کے طویل انتظار کے بعد آتا ہے اور اپنے جلو میں بے شمار فضیلتیں اور برکتیں لے کر آتا ہے، بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس مہینے کی برکتوں اور فضیلتوں سے اپنے دل کا دامن بھر لیتے ہیں اور بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو یہ مہینہ پاکر بھی کچھ نہیں پاتے اور محروم رہ جاتے ہیں اور اس حدیث پاک کا مصداق بنتے ہیں:

فَاِنَّ الشَّقِیَّ مَنْ حُرِمَ فِیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ.(مسند الشامیین:۲۷۱/۳، رقم الحدیث:۲۲۳۸)

”بد بخت وہ شخص ہے جو اس ماہ مبارک میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے“۔

اس مہینے کے بے شمار فضائل ہیں، روایات میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں شعبان کے مہینہ کی آخری تاریخ میں (تفصیلی) خطبہ دیا (تقریر فرمائی): اے لوگو! تم پر ایک عظمت و برکت والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے روزہ، تراویح، شب قدر، مغفرت باری تعالیٰ اور رمضان میں اہتمام سے کیے جانے والے خصوصی اعمال کا تذکرہ فرمایا، جو تفصیل کے ساتھ آپ آئندہ اوراق میں ملاحظہ و مطالعہ فرمائیں گے۔

بہر کیف! جس مہینے کے اس قدر فضائل ہیں وہ مہینہ کس طرح گزارا جائے، جس ماہ مبارک کے لیے دنیا بھر کے مسلمان سراپا اشتیاق رہتے ہوں، اس کا استقبال کس طرح کیا جائے اور جس مہینے کو اللہ کا مہینہ کہہ کر تمام مہینوں سے افضل قرار دیا گیا ہے اس کے شب و روز کس طرح گزارے جائیں، قدر دان بندوں نے اس ماہ کو کیسے گزارا ہے؟ زیر نظر مجموعہ ”دبستانِ رَمضانُ المبارک“ میں یہی بتلانے و سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

الحمدللہ! بندہ کا معمول ہے کہ رمضان المبارک میں اللہ کے بندوں کے سامنے کچھ باتیں ماہ مبارک کی مناسبت سے اسباق کے طور پر سناتا ہے، جس کا خاصا فائدہ خود بھی محسوس کرتا ہے اور سامعین بھی محظوظ ہوتے

ہیں، اس بار بہت سے دوست واحباب کی فرمائش وخواہش ہوئی کہ کیوں نہ یہ متفرق باتیں کسی ایک کتابچہ میں جمع ہو جائیں؛ تاکہ ان کا افادہ عام وتام ہو اور دیگر حضرات بھی رمضان المبارک کو صحیح گزارنے میں اس سے رہنمائی حاصل کرسکیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور اسی کی توفیق سے یہ منتشر مضامین یکجا ہوکر ہدیۂ قارئین ہوسکے۔لہٰذا اس خامہ فرسائی اور اوراقِ سیاہی کو اسی زاویے سے دیکھا جائے کہ یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے ؛ بلکہ چند بکھرے موتیوں کی ایک لڑی، اور متعدد رنگ برنگ کے پھولوں کا حسین گلدستہ و بہترین شگوفہ ہے۔

احقر نے جب اس رسالہ کی 'جو اَب ایک خاصا ضخیم کتابی شکل اختیار کرچکا ہے' جمع وترتیب کا کام شروع کیا تھا تو اس کا اندازہ ایک سو بیس (۱۲۰) ایک سو تیس (۱۳۰) صفحات سے زیادہ کا نہ تھا؛ لیکن کام کرنے والے جانتے ہیں کہ انسان جوں جوں کام میں گھستا ہے اتنا ہی کام پھیلتا چلا جاتا ہے؛ چنانچہ لکھتا گیا اور مضامین ذہن میں آتے گئے اور مکمل ہونے کے بعد بھی جب کسی مقام پر نظر ڈالی تو کچھ نہ کچھ بڑھانے ہی کو جی چاہا، آخر بحالت موجودہ ہدیۂ قارئین ہے اور پڑھنے والے محسوس کریں گے کہ موضوع سے متعلق اس میں مختلف قسم کا بہت کچھ مواد آگیا ہے۔

شاید ہمارے قارئین کے علم میں ہو کہ بندہ اس سے قبل رمضان المبارک اور اس میں مشروع عبادات کے تفصیلی اَحکام ومسائل پر مشتمل ''اَنوارات رمضان المبارک'' نامی کتاب بھی ہدیۂ ناظرین کرچکا ہے، واضح رہے کہ وہ الگ کتاب ہے اور یہ الگ، اسی لیے زیرِ نظر کتاب میں جابجا تفصیلی احکام ومسائل کے مطالعہ وملاحظہ کے لیے بار بار ''اَنوارات رمضان المبارک'' کا حوالہ اور اس کے پڑھنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے مخلص خادموں کے غلاموں کے قدموں میں جگہ نصیب فرمائے، اور ان ٹوٹی پھوٹی کوششوں کو قبول فرما کر اپنے بندوں کو ان سے منتفع فرمائے۔آمین

ہر موئے بدن بھی جو زباں بن کے کرے شکر   کم ہے بخدا!! ان کی عنایات سے کم ہے

ناقل الحروف

محمد سلمان الخیر نعیمی سہارنپوری

خادم: جامعہ عربیہ احسن العلوم، بڈھا کھیڑہ کاتلہ، ضلع سہارنپور، یو۔پی، الہند

۱۸/ربیع الآخر ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۲/اکتوبر ۲۰۲۴ء، روزِ سہ شنبہ، قبیل صلوٰۃ الظہر

تمہید

رَمضان المبارک نیکیوں اور طاعات کے لیے موسمِ بہار کی طرح ہے، اسی لیے یہ مہینہ سال بھر کے اسلامی مہینوں میں سب سے زیادہ عظمتوں، فضیلتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے۔ اس ماہ میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اپنی رضا، محبت وعطا، اپنی ضمانت واُلفت اور اپنے انوارات سے نوازتے ہیں۔ اس مہینہ میں ہر نیک عمل کا اجر وثواب کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ماہ میں جب ایمان اور احتساب کی شرط کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے تو اس کی برکت سے پچھلی زندگی کے تمام صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جب رات کو قیام (تراویح) اسی شرط کے ساتھ کیا جاتا ہے تو اس سے بھی گزشتہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اس ماہ میں ایک نیکی فرض کے برابر اور فرض ستر فرائض کے برابر ہوجاتا ہے، اس ماہ کی ایک رات جسے شبِ قدر کہا جاتا ہے وہ ہزار مہینوں سے افضل قرار دی گئی ہے، رمضان کا روزہ فرض اور تراویح کو نفل (سنت مؤکدہ) بنایا ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور خیر خواہی کا مہینہ ہے، اس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، اس میں روزہ افطار کرنے والے کی مغفرت، گناہوں کی بخشش اور جہنم سے آزادی کے پروانے کے علاوہ روزہ دار کے برابر ثواب دیا جاتا ہے، چاہے وہ افطار ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے ہی کیوں نہ کرائے، ہاں! اگر روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا یا پلایا تو اللہ تعالیٰ اسے حوضِ کوثر سے ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد وہ جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہوگا۔ اس ماہ کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم سے آزادی کا ہے۔ جس نے اس ماہ میں اپنے ماتحتوں کے کام میں تخفیف کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ اس کی مغفرت اور اسے جہنم سے آزادی کا پروانہ دیں گے۔ پورا سال جنت کو رمضان المبارک کے لیے آراستہ کیا جاتا ہے۔ عام قانون یہ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک دیا جاتا ہے، مگر روزہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”روزہ صرف میرے لیے ہے اور اس کا اجر میں خود دوں گا“۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ملتی ہیں: ایک افطار کے وقت کہ اس کا روزہ مکمل ہوا اور دعا قبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے روزہ افطار کیا اور دوسری خوشی جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی۔ روزہ دار کے منہ کی بو (جو معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے آتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ روزہ اور قرآن کریم دونوں بندے کی شفاعت کریں گے اور بندے کے حق میں دونوں کی شفاعت

قبول کی جائے گی۔

اب اجمالاً چند وہ باتیں عرض کی جاتی ہیں، جن کا نبی اکرم ﷺ خود بھی اہتمام کیا کرتے تھے اور اُمت کو بھی اس کی تعلیم اور تلقین فرماتے تھے:

(۱) نبی اکرم ﷺ شعبان کی تاریخوں کی جس قدر نگہداشت فرماتے تھے اتنا دوسرے مہینوں کی نہیں فرماتے تھے۔

(۲) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان کی خاطر شعبان کے چاند کا اہتمام کیا کرو۔

(۳) آپ ﷺ نے سحری کھانے کا حکم فرمایا کہ: "سحری کھایا کرو؛ کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے"۔ اور فرمایا: "ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے"۔ یعنی اہلِ کتاب کو سو جانے کے بعد کھانا پینا ممنوع تھا اور ہمیں صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے تک اس کی اجازت ہے۔

(۴) آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک کہ (غروب آفتاب کے بعد) افطار میں جلدی کرتے رہیں گے"۔

افطار کی دعا: اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ.

"اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق سے افطار کیا"۔

اِفطار کے بعد کی دعا:

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

"پیاس جاتی رہی، انتڑیاں تر بتر ہو گئیں اور اجر ان شاء اللہ ثابت ہو گیا"۔

(۵) رمضان میں ذکر کرنے والا بخشا جاتا ہے اور اس ماہ میں مانگنے والا بے مراد نہیں رہتا۔

(۶) روزہ دار کی روزانہ ایک دعا قبول ہوتی ہے۔

(۷) رمضان میں روزانہ بہت سے لوگ دوزخ سے آزاد کیے جاتے ہیں۔

(۸) نبی اکرم ﷺ رمضان کے اخیر عشرہ میں خود بھی شب بیدار رہتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی بیدار رکھتے۔

(۹) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شبِ قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو۔

(۱۰) جب لیلۃ القدر آتی ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی معیت میں نازل ہوتے ہیں اور ہر بندہ جو کھڑا یا بیٹھا اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو (اس میں تلاوت، تسبیح و تہلیل اور نوافل سب شامل ہیں، الغرض کسی طریقے سے ذکر و عبادت میں مشغول ہو) اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

(۱۱) شبِ قدر کی دعا: **اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ.**

"اے اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں، معافی کو پسند فرماتے ہیں، پس مجھے بھی معاف فرما دیجیے"۔

(۱۲) اگر کسی نے بغیر عذر اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا، خواہ وہ ساری زندگی روزہ رکھتا رہے، وہ اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔

(۱۳) رمضان میں چار کام کثرت سے کیے جائیں: دو کام جن سے اللہ راضی ہوتے ہیں: (۱) **لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ** کی کثرت۔ (۲) استغفار زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے۔ اور دو کام جو ہر انسان کی ضرورت ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا جائے۔ (۲) جہنم سے پناہ مانگی جائے۔

(۱۴) تراویح کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے ایمان کے جذبے سے اور ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا، اس کے پہلے گناہ بخش دیے جائیں گے، اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا، ایمان کے جذبے اور ثواب کی نیت سے اس کے پہلے گناہ بخش دیے جائیں گے"۔

(۱۵) اعتکاف کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے رمضان میں (آخری) دس دن کا اعتکاف کیا، اس کو دو حج اور دو عمرے کا ثواب ہوگا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر ایک دن کا بھی اعتکاف کیا، اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایسی تین خندقیں بنا دیں گے کہ ہر خندق کا فاصلہ مشرق و مغرب سے زیادہ ہوگا"۔

(۱۶) رمضان میں قرآن کریم کا دور اور جود و سخاوت کی جائے، اس لیے کہ آپ ﷺ جود و سخا میں تمام انسانوں سے بڑھ کر تھے اور رمضان میں آپ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آکر آپ ﷺ سے قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔

(۱۷) روزہ کی حالت میں بے ہودہ باتوں: مثلاً: غیبت، بہتان، گالی گلوچ، لعن، طعن، غلط بیانی، تمام گناہوں سے پرہیز کیا جائے؛ ورنہ سوائے بھوکا پیاسا رہنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر کوئی دوسرا آکر ناشائستہ

بات کرے تو یہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں؛ کیونکہ روزہ ڈھال ہے، جب تک کوئی اس کو پھاڑے نہیں اور یہ ڈھال جھوٹ اور غیبت سے پھٹ جاتی ہے۔

یہ مہینہ گویا ایمان اور اعمال کو ریچارج کرنے کے لیے آتا ہے۔ رمضان عربی کا لفظ ہے، جس کا اُردو میں معنی ہی شدتِ حرارت کے ہیں، یعنی اس ماہ میں اللہ رب العزت روزہ کی برکت اور اپنی رحمتِ خاصہ کے ذریعہ اہلِ ایمان کے گناہوں کو جلادیتے اور ان کی بخشش فرمادیتے ہیں، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان کیا گیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث ظاہری معنوں پر بھی محمول ہوسکتی ہے، لہٰذا جنت کے دروازوں کا کھلنا، دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا اور شیطانوں کا قید ہونا اس مہینے کی آمد کی اطلاع اور اس کی عظمت اور حرمت وفضیلت کی وجہ سے ہے، شیاطین کا بند ہونا اس لیے ہوسکتا ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو وسوسوں میں مبتلا کرکے ایمانی وروحانی اعتبار سے ایذا نہ پہنچا سکیں، جیسا کہ دستورِ زمانہ بھی ہے کہ جب کوئی اہم موقع ہوتا ہے تو خصوصی انتظامات کیے جاتے ہیں، تمام شرپسندوں کو قید کردیا جاتا ہے؛ تاکہ وہ اس موقع پر کوئی رخنہ وفتنہ پیدا نہ کریں، اور حکومت اپنے حفاظتی دستوں کو ہر طرف پھیلادیتی ہے، یہی حال رمضان المبارک میں بھی ہوتا ہے کہ شیطانوں کو قید کردیا جاتا ہے۔ اور اس سے مجازی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، کیوں کہ شیاطین کا اُکسانا اس ماہ میں کم ہوجاتا ہے، اس لیے گویا وہ قید ہوجاتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنت کے دروازے کھولنے سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر طاعات اور عبادات کے دروازے اس ماہ میں کھول دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو عبادتیں کسی اور مہینے میں عام طور پر واقع نہیں ہوسکتیں، وہ عموماً رمضان میں بآسانی ادا ہوجاتی ہیں، یعنی روزے رکھنا، قیام کرنا، وغیرہ"۔

(شرح صحیح مسلم للنووی، برکاتِ رمضان: ۳۴)

الغرض رمضان المبارک کی بڑی فضیلت ہے، اسی وجہ سے کہا گیا کہ اگر لوگوں کو رمضان المبارک کی ساری فضیلتوں اور برکتوں کا پتہ چل جائے تو وہ تمنائیں کریں کہ کاش! سارا سال رمضان ہوجائے۔

رمضان المبارک کی بے شمار خصوصیتیں ہیں، جن میں چند ایک یہ ہیں:

(ا) سال بھر کے مہینوں میں رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے جس کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں آتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرۃ: آیت: ۱۸۵)

''رمضان وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے راہنمائی، ہدایت اور حق وباطل میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہے، پس جو کوئی یہ (مبارک) مہینہ پائے اُسے چاہیے کہ وہ اس کے روزے رکھے''۔

(۲) اسی ماہ کو شبِ قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر مکمل قرآن کریم کا نزول ہوا، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝﴾ (القدر: ۱تا۵)

''بلاشبہ ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا، اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شبِ قدر کیسی چیز ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر معاملہ لے کر حاضر ہوتے ہیں، یہ رات سراسر سلامتی ہے، وہ یعنی اس کی خیر و برکت صبح طلوعِ فجر تک رہتی ہے''۔

گویا رمضان اور قرآن کریم دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے کہ قرآن رمضان میں آیا تو رمضان کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا، اس لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ: رمضان اور قرآن کا جسم اور روح کا سا تعلق ہے۔ رمضان جسم ہے تو قرآن کریم روح ہے:

ماہِ صیام تیرا کیوں نہ ہو احترام　　　کہ نازل ہوا تجھ میں اللہ کا کلام

اس لیے ہمارے اکابر نے رمضان میں روزہ اور تراویح کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کو سب سے بہتر عبادت قرار دیا۔

ہمارے مخدوم ومحسن، پسندیدہ مصنف ومقرر اور اساتذہ کے درجے کی معروف علمی شخصیت، معتمدِ اکابر ومشائخ حضرت مولانا محمد عبداللہ طارق صاحب مظاہری دہلوی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''واضح رہے کہ رمضان المبارک میں قرآن پاک کے نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے پورا قرآن کریم دنیا کے اِس آسمان پر اُتار دیا گیا تھا اور پھر ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا دنیا میں آتا رہا۔ دوسرا مطلب یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے اِکتالیسویں سال رمضان المبارک میں قرآن مجید اُترنا شروع ہوا تھا"۔

(رمضان کیا ہے:۲۳)

(۳) رمضان کی ہر رات ایک منادی اعلان کرتا ہے:

"اے خیر کے طالب! آگے بڑھ، اور اے شر کے طالب! رُک جا"۔ (مشکوٰۃ المصابیح:۱۷۳)

یعنی خیر کے متلاشی اللہ تعالیٰ کی رضا والے کاموں میں مشغول ہو اور اس کی نافرمانی اور گناہوں سے باز آجا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا اثر اور ظہور ہر آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ رمضان میں اہلِ ایمان کا عموماً رجحان اور میلان نیکیوں اور عبادات کی طرف زیادہ ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک انسان کوشش کرے تو ایک رمضان سارے گناہ بخشوانے کے لیے کافی ہے، جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور یہ یقین کر کے رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہیں اور وہ تمام اعمالِ حسنہ کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا تو رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے رمضان میں قیام کرے گا (یعنی تراویح اور نوافل وغیرہ پڑھے گا) اس کے پچھلے اور اگلے سب (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔

(الموطا بروایة محمد بن الحسنؒ)

ایمان اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدوں پر یقینِ کامل ہو اور ہر عمل پر ثواب کی نیت اور اخلاص وللہیت اور رضائے الٰہی کا حصول پیشِ نظر ہو۔

(۴) دین کے جتنے ارکان ہیں وہ طاقت پیدا کرتے ہیں، یعنی ایک عبادت دوسری عبادت کے لیے معاون ومددگار اور تقویت کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح سے رمضان کا روزہ سال کے پورے گیارہ مہینے کی عبادت کے لیے طاقت پیدا کرتا ہے۔ روزہ کی وجہ سے دوسری عبادات کی ادائیگی کا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے اور توانائی ملتی ہے۔ اگر فرض روزہ کے تمام تقاضوں کا لحاظ رکھا گیا تو اس کا اثر پورے گیارہ مہینوں پر پڑے گا اور روزہ دار کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی ہوگی۔

(۴) روزہ جن چیزوں سے معمور کیا گیا ہے، اس کا لحاظ رکھا جائے۔ روزہ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا جائے، یعنی روزہ کے ساتھ ساتھ تراویح، اشراق، چاشت،

اوّابین، صلاۃ الحاجۃ، صلاۃ التسبیح، تلاوتِ قرآن، اللہ تعالیٰ کا ذکر، صدقہ، خیرات، عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی کوشش، شبِ قدر کی تلاش اور دعاؤں کی کثرت کا معمول بنایا جائے اور جتنا ہوسکے ان پر عمل کیا جائے۔

اس ماہ میں غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ ایثار اور ہمدردی کا معاملہ کیا جائے، ان پر سخاوت کی جائے، یہ اس لیے کہ ایک تو ان کا حق ہے اور دوسرا اس لیے کہ صدقہ وخیرات کرنے سے ممکن ہے کہ اللہ کے کسی بندے کا دل خوش ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور ہمارا مقصد پورا ہوجائے۔ یا ہوسکتا ہے ہماری عبادت، ہماری تلاوت، ہماری نمازوں میں کوئی کمی رہ گئی ہو یا اس قابل نہ ہوں کہ وہ قبولیت کا مقام حاصل کرسکیں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمالیں، اس لیے اس ماہ میں ہمیں پوری طرح خیرات وصدقات کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

بہرحال اس کی عظمتوں، برکتوں اور خصوصیتوں کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی حرمت کا پورا لحاظ رکھے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کا شاہی مہمان ہے، جو ہمارے پاس بوجھ بن کر نہیں، رحمت کی موج بن کر آتا ہے، اس لیے اس کے منافی کوئی کام نہ کریں۔

علماء نے لکھا ہے: ''ایک یہودی نے اپنے بیٹے کو رمضان کے دن میں کھاتے دیکھا تو اُسے مارا کہ تو نے اس کی حرمت کو باقی نہ رکھا، کہتے ہیں کہ پھر اسی ہفتہ اس کا انتقال ہوگیا تو شہر کے کسی عالم نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ہے، تعجب سے پوچھا: ''میاں! تم یہاں کیسے''؟ تو اس نے کہا: ''جب میری موت کا وقت آیا تو حرمت رمضان کی وجہ سے مجھے کلمہ پڑھا کر مشرف بہ اسلام کردیا گیا، اور الحمدللہ! میرا خاتمہ ایمان پر ہوا''۔

(نزہۃ المجالس، مترجم: ۳۲۵/۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں رمضانُ المبارک کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہماری تمام عبادات کو قبول فرمائے اور آخرت میں نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے طفیل جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ آمین

وصلَّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ أجمعین.

☆......☆......☆

ماہِ رمضان کیا ہے؟

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسالے کے شروع میں ہم اور آپ یہ معلوم کرلیں کہ رمضان المبارک کے مہینے کو ایسی کونسی اہمیت اور خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے متعلق ہم نے ایک مستقل رسالہ لکھنے کی ضرورت سمجھی۔

صرف ظاہر کو دیکھ سکنے والی نظر تو یہی فیصلہ کرے گی کہ جیسے سال بھر کے اور گیارہ مہینے ہیں یہ بھی انتیس یا تیس دن کا ہی ایک مہینہ ہے اور جس طرح کے صبح وشام اس سے پہلے اور اس کے بعد ہوتے ہیں اسی طرح کے صبح وشام رمضان المبارک میں بھی ہوتے ہیں، اور یہ بات کچھ بے جا بھی نہیں ہے جتنے ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان ملک کے وزیر اعظم اور صدر کے ہوتے ہیں اُتنے ہی سڑک پر جھاڑو دینے والے بھنگی اور کپڑے دھونے والے دھوبی کے بھی ہوتے ہیں، لیکن کیا کوئی معمولی سے معمولی آدمی بھی دونوں کو یکساں سمجھتا ہے؟

تو فرق ظاہری کچھ نہیں، بس فرق ہے تو دونوں کے درجے اور مرتبے کا ہے جسے ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی، یہی حال دنوں اور مہینوں کا بھی ہے کہ چاہے ظاہر میں یہ سب ایک سے نظر آتے ہوں؛ لیکن مرتبے میں برابر نہیں ہیں۔

آج کی دنیا میں لوگ اپنی سالگرہ مناتے ہیں، ملک کی آزادی کے دن خوشیاں مناتے ہیں، اس دن میں اور سال کے دوسرے دنوں میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے، جس دن وتاریخ کو ہمارا ملک دشمن کے ہاتھوں سے آزاد ہوا ہے وہ دن تاریخ ہمارے لیے خوشیاں منانے کا دن ہے۔

لیکن ذرا غور کرو یہ پوری کی پوری زمین خدا کی دوسری مخلوقات چاند، سورج اور بہت سے ستاروں کے مقابلے میں ہزارواں حصہ بھی نہیں اور پھر ہمارا ملک پوری دنیا کا نہ آدھا، نہ تہائی، نہ چوتھائی؛ بلکہ ایک ذرا سا حصہ ہے، جس کے آزاد ہونے پر ہم اتنے مگن ہیں کہ جس تاریخ کو وہ آزاد ہوا تھا اس تاریخ کو ہر سال پورا دن کھیل کود، سیر وتفریح میں لگا دیتے ہیں اور روزمرہ کے کام دھندوں کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں؛ حالانکہ اگر حساب لگائیں تو اس ایک دن کی چھٹی سے ملک کا لاکھوں سے زیادہ کا نقصان تو صرف آمدنی کا ہوتا ہے اور خرچ رہا الگ۔

لیکن یہ سب کس لیے برداشت ہے؟ صرف اس لیے کہ اس دن کا ایک مقام ہے، اس کی ایک اہمیت ہے

اس سے ہماری تاریخ کی ایک بہت اہم یادگار وابستہ ہے۔

اب ذرا اس پر بھی غور کرو کہ ہمارے خالق و مالک احکم الحاکمین رب العالمین کے ارشاد کے مطابق ہمارا یہ ملک ہی نہیں؛ بلکہ پوری زمین اور اس کے اندر کا سب کچھ صرف انسان کے لیے بنا ہے اور یہی تمام چیزوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے تو پھر انسان کا کتنا بلند مقام ہوا؟ اور اگر کہیں یہ انسان کسی باطل طاقت کا شکار ہو جائے تو سوچو کہ کتنا بھاری نقصان ہوا۔ اب اگر ساری کائنات کا یہ شہزادہ حضرتِ انسان اس باطل پنجے سے آزاد ہو جائے تو بتاؤ ہے کوئی ٹھکانا اس خوشی اور مسرت کا؟

آج سے کوئی ساڑھے چودہ سو برس پہلے یہ زمین یا اس کا کوئی ایک حصہ نہیں یا یہ چاند و سورج نہیں؛ بلکہ خود ان کا شہزادہ حضرتِ انسان جاہلیت و بت پرستی کی باطل طاقتوں میں گرفتار تھا اور یہ شہزادہ جو در حقیقت دنیا کی تمام چیزوں کا مالک تھا طاغوتی اور شیطانی طاقتوں کے اثر سے اس درجے گر چکا تھا کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کے آگے سر جھکا دیتا تھا اور اس طرح اپنے غلام کو اپنا آقا اور مالک سمجھے ہوئے تھا اور مسجودِ ملائک اینٹ پتھر کا ساجد بنا ہوا تھا، اس کے پیدا کرنے والے خدا سے اس کا اس طرح ذلیل ہونا دیکھا نہ گیا اور اس نے اس کو ان باطل کے شکنجوں سے آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور حضرت محمد ﷺ کا ایک ایسا قانون قرآن کریم کی شکل میں دے کر بھیجا جس نے آقا کو غلام کی غلامی سے نکال کر دوبارہ پھر آقا بنا دیا اور ذلت کے عمیق غار سے نکال کر اوجِ کمال تک پہنچا دیا، جس نے اس کی وحشت کو تہذیب و اخلاق سے اور اس کی جہالت کو علم و معرفت سے، اس کی نادانی کو حکمت و دانائی اور اس کی ظلمت و تاریکی کو بصیرت و روشنی سے بدل دیا اور بجائے اس کے کہ انسان چیزوں کے آگے جھکتا اُسے تمام چیزوں کو اپنے آگے جھکانے کے قابل بنا دیا۔

بس جس تاریخ کو انسانیت کی آزادی اور سربلندی کا یہ پروانہ الٰہی (یعنی قرآن مجید) انسانوں کو ملا وہ رمضان المبارک ہے، جو کسی ایک دو ملک یا زمین کے کسی حصے کا نہیں؛ بلکہ پوری انسانیت کا یومِ آزادی ہے۔ جس پر یہ چھوٹے چھوٹے ہزار ہا یومِ آزادی قربان ہو سکتے ہیں اور اگر دنیا کے کسی حقیر یومِ آزادی پر لاکھوں روپیہ خرچ ہو سکتا ہے تو اس یومِ آزادی پر خدا اور اس کے رسول کے اشاروں پر دنیا کی ہر ہر چیز لٹائی اور قربان کی جا سکتی ہے۔

پھر اس یومِ آزادی کی اہمیت میں چار چاندیوں اور لگ جاتے ہیں کہ انسانیت پر جب بھی کبھی غلامی کا دور آیا ہے اور آدم کی اولاد جب بھی کبھی اپنے دشمن شیطان کے ہاتھوں میں قید ہوئی ہے، ہمیشہ اس کو اسی مہینے میں آزادی

ملی ہے۔اس طرح رمضان کا مہینہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے خوشی اور مسرت اور خدا کے احسان کے شکریے میں عبادتیں کرنے کا زمانہ نہیں؛ بلکہ دنیا کے جتنے انسان بھی کسی نبی سے اپنا تعلق مانتے ہیں سب کے لیے خدا سے لَو لگانے کا زمانہ ہے۔

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دور میں انسانوں کو آزادی کا پروانہ صحیفوں کی شکل میں اسی مہینے کی پہلی یا تیسری تاریخ کو ملا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں آزادی کا یہ قانون زبور کی صورت میں بارہ یا اٹھارہ رمضان کو دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے نام سے چھ رمضان المبارک کو ملا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل کے نام سے تیرہ رمضان کو ملا۔

(تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر:۱/۲۱۶، تفسیر معالم التنزیل:۱/۱۷)

اِس مہینے کی خوشی میں خدائی قید خانے (جہنم) کے بہت سے قیدی آزاد کردیے جاتے ہیں۔

اِنَّ لِلّٰہِ عُتَقَاءَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ.

اس مہینے میں خدائی دربار پورے شباب پر ہوتا ہے اور منہ مانگی مرادیں ملتی ہیں۔

وَاِنَّ لِکُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ دَعْوَۃٌ مُّسْتَجَابَۃٌ. (رواہ الترمذی، رقم الحدیث:٦٨٢)

اس مبارک انسانیت کو جس شیطانی طاقت نے اپنے ناپاک پنجے میں جکڑ رکھا تھا اِس خوشی کے دن بھی اگر وہ ناکام نہ کردی جاتی تو یہ بات اس دن کی شان کے خلاف ہوتی اور جب اس کو زمین پر کھلے بندوں پھرنے دیا جاتا تو انسان کو دُکھ پہنچتا اور اس کی خوشی ادھوری رہ جاتی ،قدرت نے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے اس کے پُرانے دشمن کو قید کردیا تا کہ انسان اپنے دشمن کو جکڑا ہوا دیکھ کر خوش ہوجائیں اور ان کے دل کو سکون نصیب ہوجائے اور اطمینان سے اپنے مولیٰ کی یاد کریں اور اس جشن یومِ آزادی سے پوری طرح لطف اندوز ہوں۔

صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ.

اس آزادی کی خوشی میں اور آزاد کرنے والے پروردگار کے شکریے میں اس کے نیک بندے راتوں کو نمازیں پڑھتے ہیں اور دن بھر روزے رکھتے ہیں۔

اس مہینے میں عبادتوں کا بھاؤ بہت بڑھ جاتا ہے، جو عمل اور دنوں میں ایک نیکی دلاتا تھا رمضان المبارک میں

ستر نیکیاں دلاتا ہے۔

پھر وہ ہدایت اور روشنی کا پیغام چونکہ بے انتہا قیمتی دولت ہے، جس کا شکریہ بھی لازم ہے اور قرآن کا شکریہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ انسان اس کے حکموں پر چلنے کے لیے اپنے کو تیار کرے۔ قرآن کا مقصد ہے کہ ہم خود بھی شریعت کی راہ پر چلنا سیکھیں اور خدا کے دوسرے بندوں کو بھی اسی کی طرف لائیں، اس مقصد کے لیے اپنے کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔

یہ مہینہ انسانی قلوب پر روحانی بارشوں کا مہینہ ہے، جس طرح خدائے پاک نے زمین کے درختوں اور پھلوں، پھولوں کے لیے سال میں ایک بار بارش کے ذریعے غذا کا انتظام فرمایا ہے، اسی طرح مؤمنوں کے دلوں کی غذا کے لیے یہ مہینہ ہے، جس میں خدائے پاک کی رحمتیں موسلا دھار بارش کی طرح برستی ہیں۔

جس طرح ہم عید اور بقر عید کے لیے یا ملک کے ذمہ دار لوگ یومِ آزادی کے لیے، بہت پہلے ہی سے تیاری کرتے ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ مدتوں پہلے سے اس مہینے کے لیے تیار ہوجاتے تھے، دو مہینے پہلے رَجب سے دعاؤں کا اہتمام اور ایک مہینہ پہلے شعبان ہی کے چاند سے پوری طرح تاریخوں کا حساب رکھتے تھے۔

یہ مہینہ درحقیقت انتہائی اہم اور پوری دنیا کے انسانوں پر خدائے کریم کے بہت بڑے احسان کی یادگار ہے، اس کو صحیح طریقوں کے مطابق گزارنا چاہیے، اس کے قیمتی دن اور قیمتی راتیں پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مولائے کریم کی عبادت اور یاد میں گزارنے کی ضرورت ہے۔ یہ چند سطریں جو آپ کے سامنے ہیں اِسی مبارک مہینے کے متعلق چند ضروری باتیں جمع کرنے کی خاطر لکھی گئی ہیں۔

ایک آسمانی اعلان:

اللہ کے محبوب اور ہمارے سچے نبی حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کی جب پہلی رات آتی ہے تو آسمانوں میں یہ آواز لگتی ہے:

يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ. (رواہ الترمذی والنسائی وأحمد وغیرھم)

”اے نیکی کے تلاش کرنے والے! آگے بڑھ اور اے برائی کے چاہنے والے! باز آجا“۔

ایک دوسری حدیث میں اس اعلان کے ساتھ یہ بھی ہے:

هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ هَلْ مِنْ تَائِبٍ يَتُوْبُ اللّٰهِ عَلَيْهِ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ هَلْ مِنْ سَائِلٍ

یُعْطٰی سُؤْلَہ.(رواہ البیھقی عن ابن مسعود، الترغیب والترھیب:۱۰۴/۳)

”ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ اُس کی مغفرت ہوجائے؟ ہے کوئی اللہ سے لَو لگانے والا تا کہ اللہ بھی اس کی طرف توجہ کرے؟ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ ہم قبول کرلیں؟ ہے کوئی سائل کہ اس کی مانگ پوری کردی جائے؟“۔

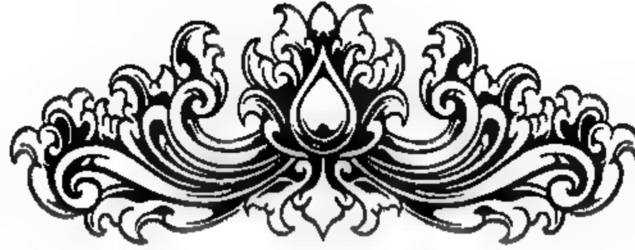
حدیث شریف میں ہے کہ یہ اعلان پوری رات ہوتا رہتا ہے، کس قدر قیمتی گھڑیاں ہیں کہ خود دینے والا آواز لگا رہا ہے، ایسے وقت میں بھی اگر ہم کچھ نہ کرسکیں تو آخر کب کریں گے؟۔(رمضان کیا ہے؟:۲۰تا۲۷)

☆......☆......☆

ماہِ رمضان

ہلالِ ماہِ رمضاں دیکھئے بالائے بام آیا
مبارک ہو مسلمانوں کہ پھر ماہِ صیام آیا
خدائے عزوجل کی رحمت و برکت کے ساماں ہیں
قیام اللیل میں مصروف ہر جانب مسلماں ہیں
درود وذکر کا اک سلسلہ ہر سمت جاری ہے
جدھر دیکھو اُدھر تحمید ہے تمجید باری ہے
کہیں تہلیل ہے تسبیح، سجدے، ہیں مناجاتیں
تلاوت اور تراویح ہیں دعاؤں کی ہیں برساتیں
خدا کے حکم سے روزہ رکھیں گے حق کے پروانے
رہیں گے تشنہ لب گر سامنے ہوں لاکھ پیمانے
زمیں تا آسماں اب مغفرت کا دور دورہ ہے
فرشتوں نے خدا کے حکم سے جنّت کو کھولا ہے
ملائک مغفرت کے لے کے نذرانے اُتر آئے
مہِ رمضان میں منظر حسیں ہر سو نظر آئے
خدائے عزّ وجل کی رحمتوں سے جھولیاں بھر لو
نجات و مغفرت سے زندگی کو زندگی کرلو
تجھے زریاب بخشا ہے خدا نے یہ سخن اعلیٰ
ہوئی ہے ماہ رمضاں میں کہ تو ایسے سخن آرا

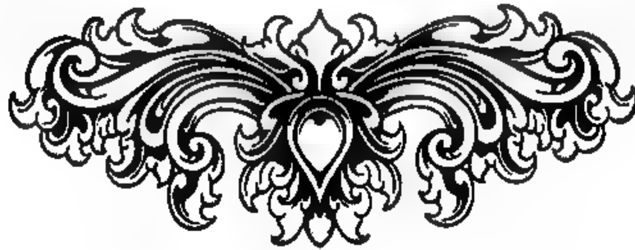
(ہاجرہ نور زریاب)



رمضانُ المبارک

اور

اس کا استقبال واحترام



رمضان المبارک کی آمد اور ہماری ذمہ داریاں

نیکیوں کا موسم بہار ماہ رمضان المبارک ہم پر سایہ فگن ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں والا مہینہ جلوہ گر ہے، عبادت اور اطاعت کا نورانی ماحول چھا چکا ہے رمضان المبارک مہمان بن کر آتا ہے اور اپنا اکرام کرنے والے اور قدر دانی کرنے والے کو انعامات الٰہی سے نواز کر جاتا ہے، اسی لیے اس مہینہ کی آمد کا انتظار ہر مسلمان کو رہتا ہے، اور جس کی آمد سے ہر ایک کو بے پناہ خوشی و مسرت ہوتی ہے اور ممکن بھر اس کی قدر دانی کی فکر لاحق ہوتی ہے، اس مہینہ کا انتظار خود حضرت نبی کریم ﷺ کو رہتا اور جیسا کہ عرض کیا گیا: آپ ﷺ رجب کے مہینہ سے اپنی دعاؤں میں اس کا اضافہ فرماتے: **اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ.**

''اے اللہ! ہمارے لیے رجب وشعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کے مہینہ تک پہنچا''۔

اور آپ ﷺ یہ دعا بھی فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِيْ لِرَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِيْ وَسَلِّمْهُ مُتَقَبَّلاً. (الدعاء للطبرانی، رقم الحدیث:۸۳۹)

''اے اللہ! مجھے رمضان کے لیے اور رمضان کو میرے لیے صحیح سالم رکھیے اور رمضان کو میرے لیے سلامتی کے ساتھ قبولیت کا ذریعہ بنائیے''۔

رمضان المبارک کے پیش نظر آپ ﷺ شعبان کے مہینہ میں عبادتوں کا اہتمام دیگر مہینوں کے مقابلے میں زیادہ فرماتے اور رمضان المبارک کی تیاری کا عملی نمونہ پیش فرماتے، اور حضرت نبی کریم ﷺ نے اس مہینہ کی عظمت اور اہمیت ہی کی بنیاد پر اس کی آمد سے پہلے شعبان کے آخری ایام میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جمع فرما کر اس کی فضیلت بیان کی اور اس کی خصوصیتوں کو بیان فرمایا اور ایک عظیم الشان خطبہ دے کر اس کی اہمیت اور عظمت کو اُجاگر کیا۔

خطبۂ نبوی ﷺ:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ دیا (تقریر فرمائی) اور اس میں فرمایا:

اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے اس مہینے میں ایک رات ہے (شب

قدر جو) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (تراویح) کو غیر فرض (یعنی سنت) کیا جو شخص اس مبارک مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی غیر فرض عبادت کرے گا تو اس کا ثواب دوسرے زمانے کی فرض نیکی کے برابر ملے گا اور اس مہینے میں فرض نیکی کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستر فرائض کے برابر ملے گا، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ ہمدردی وغم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن بندوں کے رزق میں اضافہ کر دیا جاتا ہے جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے) افطار کرایا تو یہ اس کے لیے گناہوں کی مغفرت او دوزخ کی آگ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کمی کی جائے، آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان مہیا نہیں ہوتا تو (غریب لوگ اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو ایک کھجور یا دودھ کی تھوڑی لسی پر یا صرف پانی ہی کے گھونٹ پر کسی کا روزہ افطار کرا دے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس مبارک مہینہ کا پہلا حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ کی آگ سے آزادی ہے، جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام وخادم کے کام میں ہلکا پن اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا، اور اس مہینہ میں چار چیزوں کی کثرت رکھا کرو جن میں دو چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ تم اپنے رب کو راضی کر سکتے ہو، اور دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تم کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے پناہ مانگو، اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پانی سے سیراب کرے اس کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) میرے حوض (کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائے۔

(صحیح ابن خزیمہ، رقم الحدیث: ۱۷۸۵، شعب الایمان، رقم الحدیث: ۳۳۲۹)

خطبۂ نبوی کی جھلکیاں:

رمضان المبارک کی آمد سے قبل حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہ خطبہ دیا اور اس کے ذریعے آپ نے درحقیقت صحابۂ کرامؓ کے سامنے استقبالِ رمضان کا حقیقی تصور پیش کیا اور رمضان المبارک کی نہ صرف اہمیت اور فضیلت بیان کی؛ بلکہ حقیقی استقبال کی فکروں کو بیدار کیا اور رمضان المبارک کے لیے ہمہ تن تیار رہنے اور اس کے لیے اپنے

معمولات میں ان تمام چیزوں کو داخل کرنے کی تعلیم دی جس مقصد کے لیے رمضان آتا ہے، عبادت تو ایک مسلمان سال بھر اپنی بساط بھر کرتا ہی ہے؛ لیکن رمضان المبارک چوں کہ خلاصۂ عبادتوں کا موسم اور نیکیوں کا سیزن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عبادتوں کے اجر وثواب میں اضافہ اور زیادتی کی جاتی ہے، نوافل پر فرض کا ثواب اور فرائض کا ثواب ستر درجہ بڑھا دیا جاتا ہے اس کو بیان کر کے ایمان والوں کے ذہن ودل میں یہ بات بٹھادی کہ رمضان المبارک کے استقبال کے لیے اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کرنا اور طاعات میں سرگرداں ہو جانا ضروری ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے استقبال رمضان کے موقع پر حضرات صحابہ کو فرمایا کہ یہ ہمدردی وغم خواری کا مہینہ ہے، بدنی عبادتوں کے لیے تیار ہونے کی آپ نے تلقین فرمائی، اور آپ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کے استفسار پر طریقہ بھی بتا دیا کہ اس عمل کو انجام دینے کے لیے کوئی لمبی چوڑی دعوت ضروری نہیں؛ بلکہ ایک کھجور، لسی یا پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو؛ لیکن مسلمان کو اس راہ سے بھی نیکیاں کمانے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے آمادہ ہونا ضروری ہے تبھی جا کر وہ ہمدردی سے مزین ہوگا اور اسے سارے انسانوں کے تئیں ہمدردی پیدا ہو گی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مہینہ صبر کی تربیت کا ہے؛ کیوں کہ اس میں روزہ کی شکل میں مسلمان لمبے وقت کے لیے اپنے تقاضوں اور خواہشات کو قربان کرتا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے حلال وجائز چیزوں کو بھی ترک کر دیتا ہے اس کے ذریعہ آپ ﷺ نے برداشت وتحمل کے مزاج کو حاصل کرنے کی تعلیم دی جس کے بغیر اس عظیم عبادت کی انجام دہی دشوار ہو جاتی ہے۔

اس خطبہ کے آخر میں نبی کریم ﷺ نے نہایت اہم چیز کی طرف توجہ دلائی اور رمضان المبارک میں اس کے حصول کو ضروری قرار دیا اور یہ سکھایا کہ رمضان المبارک کے بابرکت اوقات کو اور قیمتی لمحات کو ان چیزوں کی طلب اور دعا میں گذارنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس ماہ مبارک میں دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی ضرورت سے کوئی بندہ مستغنی نہیں، ہر ایک ان کا حاجت مند اور طلبگار ہے ان میں سے ایک جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ کی دعائیں اور التجائیں ہیں، رمضان کے مبارک ماحول میں اس فکر میں رہنا ضروری ہے کہ کسی طرح رمضان انسان کو جنت تک پہنچا دے اور جہنم سے محفوظ کر دے اس کو خداوند قدوس سے مانگنا اور حاصل کرنا ہے، اگر اس مبارک مہینہ میں بھی بندۂ مؤمن کی جنت کا فیصلہ نہ ہو جائے اور جہنم سے اس کی نجات کا اعلان نہ ہو جائے تو بلا شبہ وہ

سب سے بڑا شقی القسمت اور بدنصیب ہوگا، نبی کریم ﷺ نے اس مہینہ کو انسانوں کی مغفرت کا مہینہ قرار دیا اور اس انسان کو بدنصیب فرمایا جو رمضان کو پائے اور اپنی مغفرت نہ کروائے، آپ ﷺ نے رمضان کے مبارک مہینے کے آنے سے پہلے اس اہم ترین سعادت کے حصول کے لیے تیار ہو جانے کی ترغیب دلائی، اور اس کے ساتھ آپ نے رمضان کے مبارک لیل و نہار کو فضول گپ، لایعنی مشاغل، تضییع اوقات کے بجائے کارآمد بنانے کا نسخہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس مہینہ میں کلمۂ طیبہ اور استغفار کی کثرت کرنی چاہیے اور اپنی زبان کو غیر ضروری باتوں سے بچا تے ہوئے ذکراللہ کی کثرت میں تر رکھنا چاہیے۔

اس خطبہ میں آپ ﷺ نے رمضان کی حقیقت بھی بیان کردی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تقسیم کے انداز سے بھی آگاہ کردیا کہ اس مہینہ کا پہلا عشرہ رحمتوں کا ہے انسان کو رحمت الٰہی کے حصول میں منہمک رہنا چاہیے۔ دوسرا مغفرت کا ہے اس میں مغفرت اور بخشش کی دعاؤں کا التزام رکھنا چاہیے۔ اس کا آخری عشرہ جہنم کی آگ سے خلاصی اور چھٹکارہ پانے کا ہے، لہٰذا ان چیزوں کو پیش نظر رکھ کر عبادتوں کی تیاری کرنے اور اپنے ذہن ودل کو تیار کرنے کے لیے آپ ﷺ نے نہایت بلیغ اور عظیم خطاب فرماکر صحابۂ کرام کو اس جانب متوجہ کیا۔

استقبالِ رمضان اور اعمال کی فکر:

حضرت نبی اکرم ﷺ نے اور بھی بعض خطبات آمد رمضان سے قبل دیے جس میں آپ ﷺ نے مختلف انداز میں رمضان المبارک کی عظمت کو بیان کیا اور اس کی قدردانی کی بھرپور رغبت دلائی؛ چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آرہا ہے پس اس کے لیے تیاری کرو اور اپنی نیتوں کو صحیح کرو اور اس کا احترام اور تعظیم کرو، اس لیے کہ اس مہینہ کا احترام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم احترام والی چیزوں میں سے ہے؛ لہٰذا اس کی بے حرمتی مت کرو، اس لیے کہ اس مہینہ میں نیکیوں اور برائیوں دونوں کی جزاء وسزا میں اضافہ کردیا جاتا ہے۔ (کنز العمال)

حضرت نبی کریم ﷺ نے اس میں احترام رمضان کی شدید ضرورت کو بیان کیا، ہمارے ذہنوں میں یہ بات تو ہے کہ اس میں نیکیوں کا اجر وثواب بڑھا دیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس عظیم مہینہ میں اگر نافرمانی کی جائے اور شریعت کی تعلیمات کی مخالفت کی جائے تو سزا میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اس طرح نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو اپنے اعمال کی فکر میں رہنے اور بے احترامی والے کاموں سے احتراز کرنے کی تاکید کی۔

اہتمام رمضان اور اکابرین:

رمضان المبارک کا استقبال اور اس کی آمد سے قبل اس کی حقیقی تیاریوں کا اہتمام بزرگان دین میں خاص طور پر پایا جاتا تھا، نبی کریم ﷺ نے جس انداز میں صحابہ کرامؓ کے ذوق اور جذبات کو پروان چڑھایا اس کے اثرات اُمت میں پے در پے منتقل ہوتے گئے اور امت کے صلحا اور اتقیاء نے اپنے ظرف کے مطابق اس مبارک مہینہ کی قدر دانی کر کے ایک عملی نمونہ انسانوں کو دیا، آمد رمضان سے پہلے ہی وہ اپنی ذمہ داریوں کا جائزہ لے کر اپنے اوقات کو فارغ کر لیتے؛ تاکہ رمضان المبارک زیادہ سے زیادہ عبادات میں گذرے اور پورے شوق وانہماک کے ساتھ اعمال کو انجام دیا جا سکے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے یہاں تو رمضان المبارک کا مہینہ دن ورات تلاوت کا ہی ہوتا تھا کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارا نہ تھی، بعض مخصوص خدام کو صرف اتنی اجازت تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر سادی چائے کے ایک دو فنجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضر خدمت ہو جایا کریں۔ (فضائل رمضان:۷)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں:

رمضان المبارک میں مولانا کی خاص حالت ہوتی تھی اور دن رات عبادت خداوندی کے سوا کوئی کام ہی نہ ہوتا، دن کو لیٹتے اور آرام فرماتے؛ لیکن رات کا اکثر حصہ بلکہ تمام رات قرآن مجید سننے میں گذار دیتے۔ (اکابر کا رمضان:۳۱)

ماضی قریب کے اکثر بزرگان دین اور اکابرین کی رمضان المبارک میں یہی کیفیت ہوتی وہ مکمل خود کو فارغ کر لیتے اور دل وجان سے عبادات وطاعات میں مشغول ہو جاتے، اس طرح ان حضرات نے رمضان المبارک کی قدر کی اور نیکیوں سے دامن بھرا اور انعامات کے حق دار بن کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ تفصیل کے لیے مستقل عنوان کے تحت آئندہ اوراق ملاحظہ فرمائیں۔

استقبال رمضان اور نظام الاوقات:

استقبال رمضان صرف یہی نہیں ہے کہ جلسے سن لیں اور کچھ بیانات میں شرکت ہوگئی؛ بلکہ رمضان المبارک کا حقیقی استقبال یہ ہے کہ اس آنے والے مبارک مہینہ کے لیے اپنے روز کے نظام العمل میں کچھ تبدیلی لائیں، مصروفیات اور مشغولیات سے وقت کو فارغ کرنے کا نظم بنائیں؛ کیوں کہ دنیا میں کوئی کام بغیر نظام العمل کے

بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کونہیں پہنچتا تو عبادت کا نظام نظم وضبط کے بغیر کیسے قابو میں آسکتا ہے؟ اس لیے اس کے واسطے ہر مسلمان کو رمضان المبارک کی آمد سے قبل ہی اپنے معمولات کا جائزہ لینا ضروری ہے اور لایعنی وفضول کاموں سے اجتناب کرتے ہوئے رمضان المبارک کا نظام العمل ترتیب دینا چاہیے؛ تاکہ سلیقہ وسہولت کے ساتھ وقت کی رعایت وپابندی کے ساتھ رمضان المبارک کو گذارا جائے اور عبادتیں انجام دی جاسکیں۔

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

میرے والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان کا استقبال اور اس کی تیاری یہ ہے کہ انسان پہلے یہ سوچ کہ میں اپنے روزمرہ کے کاموں میں سے مثلاً تجارت، ملازمت، زراعت وغیرہ کے کاموں میں سے کن کن کاموں کو مؤخر کرسکتا ہوں، ان کو مؤخر کردے اور پھر ان کاموں سے جو وقت فارغ ہو اس کو عبادت میں صرف کرے۔ (اصلاحی خطبات: ۱۰/۵۷)

اس طرح اگر رمضان المبارک کا استقبال ہو تو پھر واقعی ہر مؤمن نیکیوں کو سمیٹنے اور اعمال کو انجام دینے میں اس قدر مصروف ہوگا کہ اسے بے کار اور لایعنی اُمور میں پڑنے اور وقت کو غیر ضروری چیزوں میں ضائع کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔

ہماری ذمہ داری:

رمضان المبارک کی قدر ومنزلت اور اس کے استقبال سے متعلق یہ چند باتیں ذکر کی گئیں۔ اصل یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں فکر مند ہونا چاہیے کہ آج کل جس طرح رواجی انداز میں رمضان کو خوش آمدید کہتے ہیں اور اس کی آمد پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں؛ لیکن رمضان کے چند دن گزرنے بھی نہیں پاتے کہ بے احترامی اور ناقدری کا معاملہ شروع ہوجاتا ہے، ابتدا میں مسجدیں مصلیوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں؛ بلکہ بعض اوقات تنگ دامنی کا شکوہ کرتی ہیں، مگر جوں ہی کچھ دن گزرنے نہیں پاتے کہ تعداد میں کمی اور ذوق وشوق میں انحطاط شروع ہوجاتا ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے رمضان کی حقیقی قدر نہیں جانی اور جس انداز میں عبادات کو انجام دینا تھا اس سے ہم غافل رہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری اُمت یہ تمنا کرے گی کہ سارا سال رمضان ہی ہوجائے۔ (سنن بیہقی)

اس لیے رسمی ورواجی مزاج کو ختم کرتے ہوئے ایک نئے انداز میں اور مکمل شوق واحترام کے ساتھ رمضان

المبارک کا استقبال کرنے کی ضرورت ہے کہ جو رمضان کے ختم ہونے تک کمزور نہ ہونے پائے، اس کے لیے مکمل لائحۂ عمل بنانے کی ضرورت ہے کہ:

☆عبادات کا اہتمام کیا جائے۔

☆فرائض کے ساتھ نماز تراویح مکمل ادا کی جائے۔

☆سنتوں اور نوافل کا التزام ہو۔

☆تلاوت قرآن کریم کا پورے اہتمام سے معمول بنایا جائے۔

☆تسبیحات وذکر کو بھی نظام العمل میں داخل کیا جائے۔

☆رمضان میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، پورے خلوص کے ساتھ دعاؤں کا معمول بنایا جائے۔

☆جھوٹ، غیبت، چغل خوری وغیرہ سے اجتناب کیا جائے۔

☆گناہوں سے اور نافرمانی والے کام انجام دینے سے بچا جائے۔

☆استغفار کی کثرت ہو۔

☆اوقات کو ضائع ہونے اور لایعنی کاموں میں لگنے سے بچایا جائے۔

☆حسبِ حیثیت صدقے وغیرہ کا اہتمام کیا جائے۔

☆امام الانبیاء والمرسلین حضرت نبی کریم ﷺ کی سنتوں اور آپ کے مبارک طریقوں کو معلوم کر کے ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

☆دینی کتابوں کا مطالعہ اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے۔

ان چیزوں اور ان کے علاوہ دیگر اور بھی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے جذبات کے ساتھ رمضان المبارک کا استقبال کیا جائے تو ان شاء اللہ رمضان کی خیر و برکات اور اس کی سعادتوں سے ہر ایمان والا بہرہ ور ہوگا، اور رمضان مسلمانوں کی زندگی کو سدھارنے کا ذریعہ بنے گا؛ ورنہ تو اللہ تعالیٰ کے جو بندے رمضان کی قدر کرتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں وہ رحمت الٰہی سے اپنے دامن کو بھر لیتے ہیں اور رمضان المبارک ان کی زندگیوں میں انقلاب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

☆......☆......☆

اِستقبالِ رَمضان اوراس کے تقاضے!

رَمضانُ المبارک کی آمد آمد ہے، ہر طرف مؤمن کے اندر اس کے تئیں اظہار مسرت ہے۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس کا انتظار مؤمن آدمی سال بھر کرتا ہے؛ کیونکہ یہ نیکی، برکت، بخشش، عنایت، توفیق، عبادت، زہد، تقویٰ، مروّت، خاکساری، مساوات، صدقہ وخیرات، رضائے مولیٰ، جنت کی بشارت، جہنم سے گلوخلاصی کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مقدس میں مؤمن کے اندر فکر آخرت کے ذریعہ رب سے ملاقات کی خواہش بیدار ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! اس قدر پاکیزہ ومحترم مہینہ! یہ رب کی طرف سے اس پر ایمان لانے والوں کے لیے عظیم تحفہ ہے۔ اب ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ اس ماہ عظیم الشان کا کیسے استقبال کریں اور کس عمدگی سے اس مہینے کے فیوض وبرکات سے اپنے دامن کو نیکیوں کے موتی بھرلیں؟

رَمضان کا استقبال کیسے کریں؟

اپنے ذہن میں ذرا تصور پیدا کریں کہ جب آپ کے گھر کسی اعلیٰ مہمان کی آمد ہوتی ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ کا جواب ہوگا۔ ہم بہت ساری تیاریاں کرتے ہیں۔ گھر آنگن کو خوب سجاتے ہیں، خود بھی ان کے لیے زینت اختیار کرتے ہیں، پورے گھر میں خوشی کا ماحول ہوتا ہے، بچوں کے لب پہ نغمے، چہرے پہ خوشی کے آثار ہوتے ہیں۔ مہمان کی خاطر تواضع کے لیے ان گنت پرتکلف سامان تیار کیے جاتے ہیں۔ جب ایک مہمان کے لیے اس قدر تیاری تو مہمانوں میں سب سے اعلیٰ اور رب کی طرف سے بھیجا ہوا مہمان ہو تو اس کی تیاری کس قدر پرزور ہونی چاہیے؟ آیئے اس تیاری سے متعلق آپ کے لیے ایک مختصر خاکہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) عظمت کا احساس:

عزیزانِ گرامی! رمضان کا مہینہ بے حد عظیم ہے، اس کی عظمت کا احساس اور قدر ومنزلت کا لحاظ آمد رمضان سے قبل ہی ذہن ودماغ میں پیوست کرلیا جائے؛ تاکہ جب رمضان میں داخل ہوں تو غفلت، سستی، بے اعتنائی، ناقدری، ناشکری، احسان فراموشی اور صیام وقیام سے بے رغبتی کے اوصاف رذیلہ نہ پیدا ہوں۔ یہ اتنی عظمت وقدر والا مہینہ ہے کہ اس کی ایک رات کا نام ہی قدر ومنزلت ہے، جیسا کہ سورۂ قدر سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) نعمت کا احساس:

رمضان جہاں رب کا مہمان ہے وہیں اس کی طرف سے ایک عظیم نعمت بھی ہے۔ عام طور سے انسان کو اس نعمت کا احساس کم ہی ہوتا ہے جو حاصل ہو جاتی ہے لیکن جو نہیں مل پاتی اس کے لئے تڑپتا رہتا ہے۔ ایک بینا کو آنکھ کی نعمت کا احساس کم ہوتا ہے اس لئے اس کا استعمال فلم بینی اور برائی کے مشاہدے میں کرتا ہے۔ اگر اسے یہ احساس ہو کہ یہ رب کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرنی چاہئے تو کبھی اپنی آنکھ سے برائی کا ادراک نہ کرے۔ بینا کی بنسبت اندھے کو آنکھ کی نعمت کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ یہ فرق ایمان میں کمی کا سبب ہے۔ جس کا ایمان مضبوط ہو گا وہ ہر نعمت کی قدر کرے گا۔ ایمان کا تقاضہ ہے کہ ہم رمضان جیسے مقدس مہینے کی نعمت کا احساس کریں۔ اور اس احساس کا تقاضہ ہے کہ اس نعمت پہ رب کی شکر گذاری ہو جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ، وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۝﴾ (ابراہیم:۷)

''اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے، تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے، تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے''۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ۝﴾ (ابراہیم:۲۸،۲۹)

''کیا آپ نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اُتارا، یعنی جہنم میں جس میں یہ سب جائیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے''۔

نعمت میں رمضان جیسا مہینہ نصیب ہونے کی بھی نعمت ہے اور صحت وتندرستی اس پہ مستزاد ہے۔ ان نعمتوں کا احساس کیوں نہ کریں، کہ ان نعمتوں کے بدلے ہمیں ہر قسم کی نیکی کی توفیق ملتی ہے۔ روزہ، نماز، صدقہ، خیرات، دعا، ذکر، انابت الی اللہ، توبہ، تلاوت، مغفرت، رحمت وغیرہ ان نعمتوں کی دین ہے۔

(۳) اِنابت اِلی اللہ:

جب ہم نے اپنے دل میں مہمان کی عظمت بحال کرلی، اس عظیم نعمت کی قدر ومنزلت کا بھی احساس کرلیا تو اب ہمارا یہ فریضہ بنتا ہے کہ دنیا سے رخ موڑ کے اللہ کی طرف لوٹ جائیں۔ ''انابت الی اللہ'' عظمت اور نعمت کے احساس میں مزید قوت پیدا کرے گی۔ اللہ کی طرف لوٹنا صرف رمضان کے لئے نہیں

ہے بلکہ مومن کی زندگی ہمیشہ اللہ کے حوالے اور اس کی مرضی کے حساب سے گذرنی چاہئے۔ یہاں صرف بطور تذکیر ذکر کیا جارہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو بندہ رب سے دور ہوکر روزہ کے نام پہ صرف بھوک اور پیاس برداشت کرے۔ اگرایسا ہے تو روزے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پہلے رب کی طرف لوٹیں، اس سے تعلق جوڑیں اور اس کو راضی کریں پھر ہماری ساری نیکی قبول ہوں گی۔

انابت الی اللہ سے میری مراد، ہم رب پر صحیح طور ایمان لائیں، ایمان باللہ کو مضبوط کریں، عبادت کو اللہ کے لئے خالص کریں، رب پہ مکمل اعتماد کریں، اللہ کو سارے جہاں کا حاکم مانیں، خود کو اس کا فقیر اور محتاج جانیں، کسی غریب ومسکین کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں، ناداروں کی اعانت کریں، بیماری ومصیبت میں اسی کی طرف رجوع کریں۔ یہ ساری باتیں انابت الی اللہ میں داخل ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جونماز بھی پڑھتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں، لمبے لمبے قیام اللیل کرتے ہیں مگر غیراللہ کو پکارتے ہیں، اللہ کو چھوڑ کو اوروں کو مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ بیماری اور مصیبت میں مردوں سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا روزہ کیسے قبول ہوگا؟ گویا ایسے عقیدے والوں کا مکمل رمضان اور اس کی نیکیاں ضائع ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لاریب ہے۔

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾ (الزمر:۶۵)

"یقیناً آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہوجائے گا اور بالیقین آپ زیاں کاروں میں سے ہوجائیں گے"۔

اس لیے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کرلیں۔

(۴) پیش قدمی: اس کے دو پہلو ہیں۔ (الف) منکر سے اجتناب (ب) معروف کی رغبت۔

(الف) منکر سے اجتناب: رمضان کے استقبال میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہم پہلے اپنے گذشتہ گناہوں سے سچی توبہ کریں اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرلیں۔ دیکھا جاتا ہے لوگ ایک طرف نیکی کرتے ہیں تو دوسری طرف بدی کرتے ہیں۔ اس طرح اعمال کا ذخیرہ نہیں بن پاتا؛ بلکہ بدی کے سمندر میں ہماری نیکیاں ڈوب جاتی ہیں۔ ویسے بھی ہمارے پاس نیکی کی کمی ہے وہ بھی ضائع ہوجائے تو نیکی کرنے کا فائدہ کیا؟ اس لیے نیکی کو اگر بچانا چاہتے ہیں اور رمضان المبارک کی برکتوں، رحمتوں، نعمتوں، بخششوں اور نیکیوں کو بچانا چاہتے

ہیں تو بدی سے مکمل اجتناب کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ (التوبۃ:۵۳)

''کہہ دیجیے کہ تم خوشی یا ناخوشی کسی بھی طرح خرچ کرو قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا، یقیناً تم فاسق لوگ ہو''۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فسق وفجور اور ناپسندیدگی سے خرچ کرنے کی وجہ سے صدقہ کو قبول نہیں کرتا۔

اور حدیث میں ہے، صحابہ بیان کرتے ہیں: **كنا مع بُرَيْدَةَ في يومٍ ذي غيمٍ، فقال: بَكِّروا بالصلاةِ، فإن النبيَّ ﷺ قال: مَن ترك صلاةَ العصرِ حَبِطَ عملُه.** (صحيح البخاري، رقم الحديث:٥٩٤)

''ہم لوگ بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی غزوہ میں بارش والے دن تھے، تو انہوں نے کہا کہ نماز عصر جلدی پڑھو، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: جو شخص عصر کی نماز چھوڑ دے تو اس کا (نیک) عمل ضائع ہو جاتا ہے''۔ جو آدمی عبادت بھی کرے اور گناہ کا کام بھی کرے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا نیک عمل مردود ہے۔ ﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ﴾ (العنکبوت:۴۵)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز بے حیائی و برائی کے کام سے روکتی ہے''۔ تو جو نماز یا روزہ بے حیائی سے نہ روکے وہ اللہ کے یہاں قابل رد ہے۔

(ب) معروف کی رغبت:

رمضان بھلائی کمانے کے واسطے ہے، اللہ تعالیٰ مومنوں کو متعدد طریقے سے اس مہینے میں بھلائی سے نوازتا ہے، ہمیں ان بھلائیوں کے حصول کی خاطر رمضان سے پہلے ہی کمربستہ ہو جانا چاہیے اور مواقع حسنات سے مستفید ہونے کے لیے برضا و رغبت ایک خاکہ تیار کرنا چاہیے؛ تا کہ ہر قسم کی بھلائیاں سمیٹ سکیں۔ سمجھ کر قرآن پڑھنے کا اہتمام (کم از کم ایک ختم)، پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ نفلی عبادات، صدقہ و خیرات، ذکر و اذکار، دعا و مناجات، طلب عفو و درگذر، قیام اللیل کا خاص خیال، روزے کے مسائل کی معرفت بشمول رمضان کے مستحب اعمال، دروس و بیانات میں شرکت، اعمال صالحہ پہ محنت ومشقت اور زہد و تقوی سے مسلح ہونے کا مکمل خاکہ ترتیب دیں اور اس خاکے کے مطابق رمضان المبارک کا روحانی ومقدس مہینہ گذاریں۔

رمضان میں ہر چیز کا ثواب دو چند ہو جاتا ہے اور روزے کی حالت میں کار ثواب کرنا مزید اضافہ حسنات کا باعث ہے، اس لیے اس موسم میں معمولی نیکی بھی گرانقدر ہے خواہ مسواک کی سنت ہی کیوں نہ ہو۔ ہر نماز کے

لیے مسواک کرنا، اذان کا انتظار کرنا؛ بلکہ پہلے سے مسجد میں حاضر رہنا، تراویح میں پیش پیش رہنا، نیکی کی طرف دوسروں کو دعوت دینا، دروس ومحاضرات کا اہتمام کرنا، منکرات کے خلاف مہم جوئی کرنا اور صالح معاشرہ کی تشکیل کے لیے جدوجہد کرنا سبھی ہمارے خاکے کا حصہ ہوں۔

(۵) بہتر تبدیلی:

استقبال رمضان کے لیے خود کو مکمل تیار کریں، نیکی کا جذبہ وافر مقدار میں ہو اور اپنے اندر اچھائی کے تئیں ابھی سے ہی بدلاؤ نظر آئے۔ پہلے سے زیادہ سچائی اور نیکی کی راہ اختیار کرے۔ رمضان چونکہ رمضان ہے اس لیے اس سے قبل ہی بہتری کا اظہار شروع ہونے لگ جائے۔ تقوی کے اسباب اپنائے اور خود کو متقی انسان بنانے پہ عبادت کے ذریعہ جہد کرنے کا مخلصانہ جذبہ بیدار کرے۔ یہاں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اپنے اندر بہتری پیدا کرنے کی خوبی اور خاصہ صرف رمضان کے لیے نہیں؛ بلکہ سال بھر کے لیے پیدا کرے۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو رمضان کے نمازی ہوا کرتے ہیں اور رمضان رخصت ہوتے ہی نماز سے؛ بلکہ یہ کہیں اللہ سے ہی غافل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ابھی سے ہی یہ راہ معیار ہے کہ اچھائی کے لیے بدلاؤ مہینہ بھر کے لیے نہیں سال بھر؛ بلکہ زندگی بھر کے لیے ہو۔ اسی طرح کا بدلاؤ رمضان کے سارے اعمال کو اللہ کے حضور شرف قبولیت سے نوازے گا اور آپ کی اُخروی زندگی کو بہتر سے بہتر کرے گا۔

آخری پیغام:

رمضان کے استقبال کے لیے کوئی خاص دعا، خاص عبادت وروزہ یا کوئی مخصوص ومتعین طریقہ شریعت میں وارد نہیں ہوا ہے۔ حدیث میں رمضان کے استقبال میں ایک دو دن پہلے کا روزہ رکھنا منع ہے؛ لہٰذا دین میں کسی طرح کی بدعت کے ارتکاب سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان کا بہترین استقبال کرنے، اس مہینے سے ہر طرح کا فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرے اور رمضان میں بکثرت اعمال صالحہ انجام دینے کی توفیق دے اور ان اعمال کو آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

یاد رکھنا چاہیے کہ ماہِ رمضان کی برکت اور فضیلت ایسی عظیم الشان ہے جو اس ماہ مبارک کو مہینوں اور سالوں پر نہیں بلکہ صدیوں پر فوقیت دیتی ہے۔

☆......☆......☆

رمضان کی عظمت، حرمت اور فضیلت!!

رمضان المبارک کے مہینے کو سارے مہینوں پر برتری حاصل ہے کہ اس میں بے پناہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور خیر و برکت نازل ہوتی ہیں، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں، نیکیوں کی توفیق زیادہ سے زیادہ حاصل ہوتی ہے، مؤمنین کے رزق میں اضافہ ہو جاتا ہے، نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر فرض کے برابر ہو جاتا ہے، رمضان کا ابتدائی عشرہ رحمت، درمیانی مغفرت اور آخری دوزخ سے خلاصی کا ہے، اس میں ایک رات شب قدر ہے جس میں پوری رات عبادت ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اسی مہینے میں قرآن کریم نازل ہوا ہے، دن میں روزہ اور رات میں تراویح کا اجتماعی نظام قائم کیا جاتا ہے، اس طرح اس مہینہ کی نورانیت اور تاثیر میں بے انتہاء اضافہ ہو جاتا ہے، ہر مؤمن بندے کو کسی نہ کسی درجے میں اس کا احساس وادراک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ:۲:۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اُتارا گیا ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں، پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کرے، اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے دشواری نہیں چاہتا، اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کر سکو اور اس لیے کہ اس نے تمہیں جو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اس لیے کہ تم شکر گزار بن جاؤ“۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ. (أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الصوم، باب هل يقال رمضان أو شهر رمضان ومن رأى كله واسعا، ٦٧٢/٢، الرقم: ١٨٠٠، ومسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب فضل شهر رمضان، ٧٥٨/٢، الرقم: ١٠٧٩، والنسائي في السنن، كتاب الصيام، باب فضل شهر رمضان، ١٢٦/٤، الرقم: ٢٠٩٧)

''جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ، وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَفُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَيُنَادِيْ مُنَادٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ! أَقْبِلْ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ! أَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذٰلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ. (أخرجه الترمذي في السنن، كتاب الصوم، باب ما جاء في فضل شهر رمضان، ٦٦/٣، الرقم: ٦٨٢، وابن ماجه في السنن، كتاب الصيام، باب ما جاء في فضل شهر رمضان، ٥٢٦/١، الرقم: ١٦٤٢، وابن حبان في الصحيح، ٢٢١/٨، الرقم: ٣٤٣٥)

''جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے شیطانوں اور سرکش جنوں کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا، اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں پس ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔ ایک ندا دینے والا پکارتا ہے: اے طالب خیر! آگے آ، اے شر کے متلاشی! رک جا، اور اللہ تعالیٰ کئی لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ ماہ رمضان کی ہر رات یونہی ہوتا رہتا ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُبَارَكٌ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ تُفْتَحُ فِيْهِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ فِيْهِ أَبْوَابُ الْجَحِيْمِ وَتُغَلُّ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ، لِلّٰهِ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ. (أخرجه النسائي في السنن، كتاب الصيام، باب ذكر الاختلاف على معمر فيه، ١٤٢/٤، الرقم: ٢١٠٦، وفي السنن الكبرى، ٦٦/٢، الرقم: ٢٤١٦، وابن أبي شيبة في المصنف، ٢٧٠/٢، الرقم: ٨٨٦٧، والمنذري في الترغيب والترهيب، ٦٠/٢، الرقم: ١٤٩٢، والهيثمي في مجمع الزوائد، ١٤٣/٣)

''تمہارے پاس ماہ رمضان آ گیا ہے۔ یہ مبارک مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کے روزے فرض کیے ہیں۔ اس میں آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور بڑے شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔ اس (مہینہ) میں اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی رات (بھی) ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو اس کے ثواب سے محروم ہو گیا سو وہ محروم ہو گیا''۔

سیدنا حضرت انس بن مالک ﷺ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

هٰذَا رَمَضَانُ قَدْ جَاءَ تُفْتَحُ فِيْهِ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَتُغْلَقُ اَبْوَابُ النَّارِ وَتُغَلُّ فِيْهِ الشَّيَاطِيْنُ، بُعْدًا لِمَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ إِذَا لَمْ يُغْفَرْ لَهٗ فِيْهِ فَمَتٰى؟

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف، ٢/٢٧٠، الرقم: ٨٨٧١، والطبراني في المعجم الأوسط، ٧/٣٢٣، الرقم: ٧٦٢٧، والمنذري في الترغيب والترهيب، ٢/٦٠، الرقم: ١٤٩٢)

''رمضان المبارک کا مقدس مہینہ آ گیا ہے۔ اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ اس میں شیاطین کو (زنجیروں میں) جکڑ دیا جاتا ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بد نصیب ہے جس نے رمضان کا مہینہ پایا؛ لیکن اس کی بخشش نہ ہوئی۔ اگر اس کی اس (مغفرت کے) مہینہ میں بھی بخشش نہ ہوئی تو (پھر) کب ہوگی؟''۔

حضرت ابوہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرَ. (أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن ما اجتنبت الكبائر، ١/٢٠٩، الرقم: ٢٣٣، والترمذي في السنن، أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل الصلوات الخمس، ١/٤١٨، الرقم: ٢١٤، وابن ماجه عن أبي أيوب الأنصاري في السنن، كتاب الطهارة وسننها، باب تحت كل شعرة جنابة، ١/١٩٦، الرقم: ٥٩٨، وأحمد بن حنبل في المسند، ٢/٣٥٩، ٤١٤، ٤٨٤، الرقم: ٨٧٠٠، ٩٣٤٥، ١٠٢٩٠، وأبو يعلى في المسند، ١١/٣٧١، الرقم: ٦٤٨٦، وابن حبان في الصحيح، ٥/٢٤، الرقم: ١٧٣٣)

''پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے لے کر دوسرا جمعہ پڑھنا اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے روزے رکھنا،

ان کے درمیان واقع ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں، جب تک کہ انسان گناہ کبیرہ نہ کرے‘‘۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حلفاً فرمایا:

أَظَلَّكُمْ شَهْرُكُمْ هٰذَا بِمَحْلُوْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَا مَرَّ بِالْمُسْلِمِيْنَ شَهْرٌ خَيْرٌ لَهُمْ مِنْهُ وَلَا مَرَّ بِالْمُنَافِقِيْنَ شَهْرٌ شَرٌّ لَهُمْ مِنْهُ بِمَحْلُوْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيَكْتُبُ أَجْرَهُ وَنَوَافِلَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُ وَيَكْتُبُ إِصْرَهُ وَشَقَاءَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُ وَذٰلِكَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يُعِدُّ فِيْهِ الْقُوَّةَ مِنَ النَّفَقَةِ لِلْعِبَادَةِ وَيُعِدُّ فِيْهِ الْمُنَافِقُ اتِّبَاعَ غَفَلَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاتِّبَاعَ عَوْرَاتِهِمْ. (أخرجه ابن خزيمة في الصحيح، ١٨٨/٣، الرقم: ١٨٨٤، وأحمد بن حنبل في المسند، ٣٧٤/٢، الرقم: ٨٨٥٧، والبيهقي في شعب الإيمان، ٣٠٤/٣، الرقم: ٣٦٠٧، والطبراني في المعجم الأوسط، ٢١/٩، الرقم: ٩٠٠٨، والمنذري في الترغيب والترهيب، ٥٨/٢، الرقم: ١٤٨٥)

’’تم پر ایسا مہینہ سایہ فگن ہوگیا ہے کہ مسلمانوں پر اِس سے بہتر مہینہ اور منافقین پر اس سے بڑھ کر بُرا مہینہ کبھی نہیں آیا۔ پھر دوبارہ رسول اللہ ﷺ نے حلفاً ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس مہینے کا ثواب اور اس کی نفلی عبادت اس کے آنے سے پہلے لکھ دیتا ہے اور اس کی بدبختی اور گناہ بھی اس کے آنے سے پہلے لکھ دیتا ہے؛ کیونکہ مؤمن اس میں انفاق کے ذریعے قوت حاصل کر کے عبادت کرنے کی تیاری کرتا ہے اور منافق مؤمنوں کی غفلتوں اور ان کے عیب تلاش کرنے کی تیاری کرتا ہے‘‘۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا، فَلَمَّا ارْتَقٰى دَرَجَةً قَالَ: آمِيْنَ فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ، قَالَ: آمِيْنَ فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ قَالَ: آمِيْنَ فَلَمَّا نَزَلَ، قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ، قَالَ: إِنَّ جِبْرِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ: بُعْدًا لِمَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، قُلْتُ: آمِيْنَ، فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ: بُعْدًا لِمَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، قُلْتُ: آمِيْنَ، فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ، قَالَ: بُعْدًا لِمَنْ أَدْرَكَ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ قُلْتُ: آمِيْنَ. (أخرجه الحاكم في المستدرك، ١٧٠/٤، الرقم: ٧٢٥٦، وابن حبان في الصحيح، ١٤٠/٢، الرقم: ٤٠٩، وابن خزيمة في الصحيح، ١٩٢/٣، الرقم: ١٨٨٨، والبيهقي في السنن الكبرى، ٣٠٤/٤، الرقم: ٨٢٨٧، وابن أبي شيبة في المصنف، ٢٧٠/٢، الرقم: ٨٨٧١،

والطبراني في المعجم الأوسط، ٩/١٧، الرقم: ٨٩٩٤، والمعجم الكبير، ١٩/١٤٤، الرقم: ٣١٥، وأبو يعلى في المسند، ١٠/٣٠٨، الرقم: ٥٩٢٢، والبزار في المسند، ٤/٢٤١، الرقم: ١٤٠٥، والمنذري في الترغيب والترهيب، ٢/٣٣٠، الرقم: ٢٥٩١)

"منبر کے قریب آجاؤ، ہم آگئے۔ جب رسول اللہ ﷺ (منبر کے) ایک درجہ پر چڑھے، تو فرمایا: "آمین" جب دوسرے پر چڑھے، تو فرمایا: "آمین" اور جب تیسرے پر چڑھے، تو فرمایا: "آمین"۔ جب اُترے تو ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے آج آپ سے ایک ایسی چیز سنی ہے جو پہلے نہیں سنا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل (علیہ السلام) میرے پاس آئے اور کہا جسے رمضان ملا؛ لیکن اسے بخشا نہ گیا وہ بدقسمت اور محروم ہوگیا۔ میں نے کہا: آمین۔ جب میں دوسرے درجے پر چڑھا تو انہوں نے کہا: جس کے سامنے آپ کا نام لیا گیا اور اس نے درود نہ بھیجا وہ بھی بدقسمت ہوگیا۔ میں نے کہا: آمین جب میں تیسرے درجے پر چڑھا تو انہوں نے کہا: جس شخص کی زندگی میں اس کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک بوڑھا ہوگیا اور انہوں نے اسے (خدمت و اطاعت کے باعث) جنت میں داخل نہ کیا، وہ بھی بدقسمت ہوگیا۔ میں نے کہا: آمین"۔

حضرت ابومسعود غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَاَهَلَّ رَمَضَانُ فَقَالَ: لَوْ يَعْلَمُ الْعِبَادُ مَا رَمَضَانُ لَتَمَنَّتْ اُمَّتِي اَنْ يَكُوْنَ السَّنَةَ كُلَّهَا. (أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، ٣/٣١٣، الرقم: ٣٦٣٤، وابن خزيمة في الصحيح، ٣/١٩٠، الرقم: ١٨٨٦، والمنذري في الترغيب والترهيب، ٢/٦٢، الرقم: ١٤٩٥)

"رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا تھا کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر لوگوں کو رمضان کی رحمتوں اور برکتوں کا پتہ ہوتا تو وہ خواہش کرتے کہ پورا سال رمضان ہی ہو"۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کا خطبۂ ماہِ رمضان:

رمضانُ المبارک کا مہینہ چونکہ انتہائی قیمتی ہے اور اس کا ایک ایک منٹ اور سکنڈ بھی بہت زیادہ قدر کرنے کے قابل ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے ہی صحابۂ کرام کو جمع فرما کر تقریریں فرماتے اور رمضان کی اہمیت اور قدر و قیمت سمجھاتے ہوئے اچھے عملوں کا شوق دلاتے تھے، ہم یہاں پر حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کی دو تقریریں نقل کرتے ہیں:

نبیِ اکرم ﷺ کی پہلی تقریر:

سیّدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان المعظم کے آخری دن صحابۂ کرام کو جمع فرما کر خطبہ دیا، جس میں فرمایا:

يَـآيُّهَـا الـنَّـاسُ! قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَـنْ اَدّٰى فِيْـهِ فَرِيْضَةً كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْـجَنَّةُ، وَشَهْـرُ الْـمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يَزْدَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ، مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ مَغْفِرَةً لِـذُنُوْبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَجْرِهِ شَيْءٌ قَالُوْا: لَيْسَ كُلُّنَا نَجِـدُ مَا يُفَطِّرُ الصَّائِمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى تَمْرَةٍ اَوْ شَـرْبَةِ مَـاءٍ اَوْ مَذْقَةِ لَبَنٍ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ، مَنْ خَفَّفَ عَـنْ مَـمْلُوْكِهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَاَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ وَاسْتَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ خَصْلَتَيْنِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ وَخَصْلَتَيْنِ لَا غِنٰى بِكُمْ عَنْهُمَا، فَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ فَشَهَادَةُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَتَسْتَغْفِرُوْنَهُ وَاَمَّا اللَّتَانِ لَا غِنٰى بِكُمْ عَنْهُمَا فَتَسْاَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ، وَتَعُوْذُوْنَ بِهِ مِنَ النَّارِ وَمَنْ اَشْبَعَ فِيْـهِ صَـائِـمـاً سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَاُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ. (أخرجه ابن خزيمه فى الصحيح، ۱۹۱/۳، الرقم: ۱۸۸۷، والبيهقى فى شعب الإيمان، ۳۰۵/۳، الرقم: ۳۶۰۹، والمنذرى فى الترغيب والترهيب، ۵۸/۲، الرقم: ۱۴۸۳، والحارثى فى المسند، ۴۱۲/۱، الرقم: ۳۱۲)

”اے لوگو! تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ یہ مہینہ بڑی عظمت اور برکت والا ہے۔ اِس ماہِ مبارک میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اِس ماہِ مبارک کے روزے اللہ (تعالیٰ) نے فرض کیے ہیں اور اِس کی راتوں کا قیام (بصورتِ نمازِ تراویح) زائد عبادت ہے (جو رمضان المبارک میں ہی ادا کی جاتی ہے) جو کوئی صاحبِ ایمان اِس ماہِ مبارک میں رَبِّ ذوالجلال والاکرام کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لیے غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا وہ گویا ایسے ہوگا جیسے اُس نے دوسرے مہینوں میں ایک فرض ادا کیا اور جو اِس ماہِ مبارک میں ایک فرض ادا کرے گا وہ گویا ایسے ہے جیسے اُس نے دُوسرے مہینوں میں ستر (۷۰) فرض ادا

کیے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ ماہِ مبارک ہے جس میں مؤمن بندوں کے رزق میں اِضافہ کیا جاتا ہے۔ اِس مہینہ میں جو صاحبِ ایمان کسی (ایمان والے) کا روزہ اِفطار کرائے گا (نیت ثواب ورضائے اِلٰہی کے لیے) تو اُس کے لیے تین اَجر ہیں: (۱) اُس کے گناہوں کی بخشش ہوگی (۲) اُس کی گردن جہنم کی آگ سے آزاد ہوگی اور (۳) اُس کو روزہ دار کی طرح ثواب ملے گا بغیر اِس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی ہو۔ (حضرت سیّدنا سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں) ہم نے (بارگاہِ رسالت مآب میں) عرض کیا، یارسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو روزہ اِفطار کرانے کا سامان میسر نہیں تو کیا غرباء اِس ثواب کو حاصل کر سکیں گے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا: اللہ (تعالیٰ) یہ ثواب اُس (غریب ایمان والے) کو بھی عطا فرمائے گا جو دُودھ (یا لسّی) کے ایک گھونٹ سے، یا ایک کھجور سے یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ سے روزہ دار کا روزہ اِفطار کرائے گا۔ (حضرت نبی اکرم ﷺ نے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا) یہ وہ ماہِ مبارک ہے کہ جس کے اوّل حصہ میں رحمت ہے۔ درمیانی حصہ میں مغفرت ہے اور آخری حصہ میں آگ سے آزادی ہے اور جو صاحبِ ایمان اِس مہینہ میں خادم یا ملازم کے کام یا اوقاتِ کار اور اوقاتِ مزدوری میں تخفیف کرے گا اللہ اُسے بخش دے گا اور اُسے دوزخ کی آگ سے آزادی عطا فرمائے گا۔ اس میں چار کام زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرو۔ دو کاموں کے ذریعے تم اپنے رب کو راضی کرو گے اور دو کاموں کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارۂ کار نہیں۔ جن دو کاموں کے ذریعے تم اپنے رب کو راضی کرو گے ان میں سے ایک: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دینا ہے اور دوسرا: استغفار یعنی اس سے بخشش طلب کرنا ہے۔ جن دو کاموں کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارۂ نہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور دوسرا یہ ہے کہ دوزخ سے پناہ مانگو۔ (اس کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ نے اِرشادِ مبارک فرمایا) اور جو ایمان والا کسی بندۂ مؤمن کو اِفطار کے بعد خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا، اللہ تبارک اُسے میرے حوضِ کوثر سے پانی پلائے گا اور ایسا سیراب فرمائے گا کہ اُس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے"۔

تشریح:

اِس حدیث شریف میں رمضان المبارک کی برکتوں کی پیشگی اِطلاع فرمائی جارہی ہے۔ اِس مبارک اِطلاع میں ماہِ رمضان المبارک کی عظمت اور فضیلت کا اِظہار ہے۔ ہم مسلمانوں کو اس ماہِ مبارک کی عبادت کے لیے تیار فرمانا ہے۔ مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں قَدْ اَظَلَّكُمْ فرما کر اِشارہ فرمایا ہے کہ جیسے درخت یا چھت بندے کو

اپنے سایہ میں لے کر سورج کی تپش سے بچالیتے ہیں اَیسے ہی ماہِ رمضان المبارک بندۂ مؤمن کو اپنے سایۂ رحمت میں لے کر دنیاوی اور اُخروی عذاب سے بچالیتا ہے۔ گویا یہ سایہ دار، باردار درخت ہے یا ڈھال۔ اِس ماہِ رمضان المبارک کی بڑی عظمت، فضیلت اور برکت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اِس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے اَفضل ہے۔ قرآنِ مجید میں اِس رات کو قدر کی رات فرمایا گیا ہے۔ قدر کے معنی تقدیر کے ہیں اور لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ تقدیر کے فیصلے نافذ فرمانے کے لیے فرشتوں کو مأمور فرماتا ہے۔ شب قدر بڑی قدر و منزلت اور عظمت والی رات ہے۔ یہ رات تقدیروں کے فیصلے، تقدیروں کے بدلنے اور بنانے کی رات ہے۔ اِس کو شب قدر اِس لیے کہتے ہیں کہ اللہ ربُّ العزت نے اِس میں ایک بڑی قدر و منزلت والی کتاب بڑی قدر و منزلت والے رسول پر بڑی قدر و منزلت والی اُمت کے لیے نازل فرمائی۔ اِس رات کی زبردست برکت تو یہ ہے کہ قرآن کریم جیسی اعلیٰ نعمت اِس رات نازل ہوئی۔ خطبۂ مبارکہ میں رمضان المبارک کی راتوں میں قیام کو **لَیْلِهٖ تَطَوُّعًا** یعنی زائد عبادت فرمایا گیا ہے جسے قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح کہتے ہیں۔ نمازِ تراویح مسلمانوں کے لیے ایک زائد نماز ہے جو صرف ماہ رمضان المبارک میں ماہِ صیام کا چاند نظر آتے ہی پہلی رات سے نمازِ عشاء کے بعد ادا کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبۂ عظیم میں ماہِ رمضان المبارک کو صبر اور غم خواری کا مہینہ فرمایا ہے۔ صبر اِسلامی اِصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے نفس کی خواہشات کو دبانا اور تلخیوں اور نا گواریوں کو جھیلنا ہے۔ ماہِ رمضان المبارک اَوّل تا آخر اَیسے ہی گزرتا ہے۔ اَیسے ہی روزہ رکھ کر فاقہ کشی کی تلخی کا اِحساس ہوتا ہے اور غربا ؤ مساکین کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ بلاشبہ رمضان المبارک صبر اور غم خواری کا مہینہ ہے۔

صبر ایک اَیسی نعمت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو میری اِس نعمت کو اِختیار کرے گا، میں اُس کے ساتھ ہوں: ”بے شک اللہ (تبارک وتعالیٰ) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔ (البقرہ:۱۵۳)

رَمضانُ المبارک؛ ہمدردی وغم خواری کا مہینہ:

ہم میں سے بہت سے لوگ رمضان المبارک کے اس پہلو سے واقف ہی نہیں ہیں کہ یہ ہمدردی کا مہینہ ہے، ہم روزے بھی رکھتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، تراویح کی نماز بھی مستعدی کے ساتھ ادا کرتے ہیں

قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے ہیں؛ لیکن اس مہینہ کا جو پیغام ہے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، یقیناً یہ تمام کام اجر وثواب کے ہیں اور ایک ایک عمل پر ہمیں ستر ستر گنا ثواب ملنے والا ہے؛ لیکن یہ ثواب تو صرف ہمیں ملے گا، ہمارے ذریعے دوسروں کو اس ماہ مبارک میں کتنا فائدہ پہنچا، ہم نے رمضان کی مقدس ساعتوں میں کبھی اس سوال پر غور نہیں کیا؟

اس مہینے میں اللہ کی رحمتوں کی وجہ سے اور عبادتوں کے تسلسل کے باعث ہمارے دلوں میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے طبیعت خیر کے کاموں کی طرف مائل ہونے لگتی ہے، ہمیں اپنے دلوں کی اس نرمی اور خیر کی طرف طبیعتوں کے اس میلان سے اس ماہ مقدس میں پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، اور فائدہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں ہمارے عزیز واقارب میں، اپنے حلقۂ تعارف میں اور پاس پڑوس کے مکانوں میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو اپنی کم آمدنی کے باعث اس مہینے کی ظاہری نعمتوں سے مستفید نہیں ہو سکتے، کیا یہ اچھا لگتا ہے کہ ہمارے دستر خوان پر طرح طرح کی نعمتیں سجی ہوئی ہوں اور انواع واقسام کے کھانے رکھے ہوئے ہوں، دوسری طرف ہمارے قریب کے کچھ لوگ روٹی کے ٹکڑے کے بھی محتاج ہوں یا روکھا سوکھا کھا کر پیٹ بھر رہے ہوں، یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ رمضان المبارک کی خوشیوں میں ان لوگوں کو بھی شریک کرلیں جو اپنی تنگ دستی کے سبب اس مہینے میں بھی عام دنوں کی طرح نظر آنے والے ہیں، ماہِ رمضان کو ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ بلاوجہ قرار نہیں دیا گیا، اس میں صاحبِ حیثیت مسلمانوں کے لیے ایک پیغام ہے کہ ضرورت مند انسانیت کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری بھی اس ماہ مبارک کی ایسی ہی عبادت ہے، جس پر ستر گنا اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ کیا ہم یہ ثواب کمانے کے لیے تیار ہیں؟

رسولِ کریم ﷺ نے ماہِ رمضان المبارک میں ایمان والوں کو ایک دوسرے سے مضبوط تعلقات استوار کرنے کے لیے خوبصورت پیکیج عطا فرمایا ہے کہ جو ایمان والا اپنے دوسرے ایمان والے بھائی کا روزہ اِفطار کروائے گا، اُسے تین اِنعامات ملیں گے: (۱) بخشش کا پروانہ (۲) جہنم سے نجات اور (۳) روزے دار جتنا ثواب۔ اور یہ پیکج صرف اَمیروں کو ہی نہیں عطا فرمایا؛ بلکہ غرباء پر بھی کرم فرمایا ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی دُودھ کے ایک گھونٹ، ایک کھجور یا پانی کے ایک گھونٹ سے روزہ اِفطار کرائے گا، اُسے بھی اِنہی انعامات سے نوازا جائے گا۔ روزہ کی برکت سے بہن، بھائیوں اور قرابت داروں کے تعلقات کی مضبوطی اور ایک دوسرے سے محبت اور پیار کے بندھن کو مضبوط کرنے کے لیے یہ ایک خوبصورت پیکج ہے۔

مزید برآں اِرشاد فرمایا کہ جو شخص اِفطاری اور نماز کی اَدائیگی کے بعد روزہ دار کو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا اُس کو ایسی نعمت سے نوازا جائے گا جو قیامت کے ہولناک اور خوفناک وقت کے لیے اِنتہائی ضروری ہے۔ وہ نعمت مبارکہ یہ ہے کہ فرمایا جو کسی روزے دار کو خوب پیٹ بھر کھانا کھلائے گا، اللہ رحیم و کریم اُسے رسولِ کریم ﷺ کے حوضِ کوثر سے پانی پلائے گا اور جنت میں داخل ہونے تک اُسے پیاس نہیں لگے گی۔ کیسے خوش نصیب وہ لوگ ہوں گے، جنہیں قیامت کے دن خود خالقِ کائنات پانی عطا فرمائے گا۔

آج وقت ہے کہ ہم اِس اِنعام اِلٰہی کو حاصل کرنے کے لیے تھوڑی سی ہمت کر لیں۔ یہ ضروری نہیں کہ دس بیس اور سو پچاس روزے داروں کی اِفطاری کروائی جائے تو اِفطاری ہو گی؛ بلکہ خلوصِ دل اور صرف اور صرف اللہ رب العالمین کی رضا اور خوشنودی کے لیے ایک روزہ دار کی اِفطاری پر بھی اِتنا ہی انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اِنعام نہ گنا جاسکتا ہے نہ تولا جاسکتا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس خطبۂ رمضان المبارک کے آخر میں ماہِ رمضان المبارک کی تین فضیلتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) پہلا عشرہ؛ رحمت (۲) دوسرا عشرہ؛ مغفرت اور (۳) تیسرا عشرہ؛ دوزخ کی آگ سے آزادی ہے۔ ماہِ رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر خاص رحمت نازل فرماتا ہے کہ نمازِ عشاء کے ساتھ پورے ماہِ مبارک کے لیے نمازِ تراویح کی ہمت عطا فرماتا ہے جس سے آئندہ ملنے والی نعمتوں کی اِستعداد پیدا ہوتی ہے اور وہ بندے جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اِہتمام رکھتے ہیں، اُن کے لیے رمضان المبارک خصوصی رحمتیں لے کر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ دوسرے عشرہ میں تمام صغیرہ گناہوں کی معافی ہے جو جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلہ کا سبب ہے۔ تیسرے عشرہ میں دوزخ کی آگ سے آزادی حاصل ہوتی ہے اور روزہ داروں کے لیے جنتی ہونے کا اِعلان کر دیا جاتا ہے۔

مزید برآں اجر و ثواب کی بارش کر دی گئی کہ جو صاحبِ اِیمان ماہِ رمضان المبارک میں اپنے خادم، ملازم اور ماتحت عملہ کے اوقاتِ کار میں تخفیف کرے گا اُس کے لیے بدلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس پیکیج کا اعلان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو نہ صرف یہ کہ بخشش عطا فرمائے گا؛ بلکہ آگ سے آزادی بھی عطا فرمائے گا۔

چار چیزوں کی اس مہینہ میں کثرت:

خطبہ نبوی سے معلوم ہوا کہ رمضان میں ایک فرض عمل کا ثواب ستر فرض کے ثواب کے برابر ہو جاتا ہے، اور ایک نفل عمل کا ثواب ایک فرض کے ثواب کے برابر ہو جاتا ہے، لیکن رمضان میں خاص طور پر کسی خاص ذکر کا افضل ہونا متعین نہیں، البتہ حدیث شریف میں ہے کہ چار چیزوں کی اس مہینہ میں کثرت رکھا کرو، جن میں سے دو چیزیں ایسی ہیں کہ تم ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کرو گے، اور دو ایسی ہیں کہ جن سے تمہیں چارۂ کار نہیں، پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو وہ: کلمۂ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے، اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں: جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ۔ گویا یہ کلمات کثرت سے پڑھیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ.

کلمۂ طیبہ اور استغفار کی فضیلت عام دنوں میں بھی ثابت ہے، احادیث میں کلمۂ طیبہ کو افضل الذکر کہا گیا، اور اعمال نامہ میں استغفار کی کثرت کو خوشخبری اور بشارت قرار دیا گیا ہے؛ اس لیے رمضان میں قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ کلمۂ طیبہ اور استغفار کی بھی کثرت کریں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر کلمۂ طیبہ اور استغفار کے چند فضائل بھی تحریر کر دیے جائیں؛ تاکہ قارئین کرام و سامعین عظام کو تشویق و ترغیب ہو جائے۔

کلمۂ طیبہ کے فضائل:

(۱) حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جناب نبی کریم ﷺ میرے یہاں صبح تشریف لائے اور فرمایا: جو شخص قیامت کے دن **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کو اس طرح سے کہتا ہوا آئے کہ اس کلمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہی کی رضامندی چاہتا ہو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو ضرور حرام فرما دیں گے۔ (أخرجه البخاري في باب العمل الذي يبتغى به وجه الله: ۵/۲۳۶۰، برقم: ۶۰۵۹، ط: دار ابن كثير، اليمامة، بيروت)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: سب سے زیادہ فضیلت والا ذکر "**لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ**" ہے، اور سب سے زیادہ فضیلت کی حامل دعا "**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**" ہے۔

(أخرجه الترمذي في سننه في باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة: ۵/۳۲۵، برقم: ۳۳۸۳، ط: دار الغرب الإسلامي، بيروت)

(۳) حضرت ابوہریرہ﷛ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قیامت کے روز آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق کون خوش نصیب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ! حدیث پر تمہارا حرص دیکھ کر میرا گمان یہی تھا کہ اس بارے میں تم سے پہلے مجھ سے کوئی نہ پوچھے گا۔ قیامت کے دن میری شفاعت کا زیادہ مستحق وہ خوش نصیب ہوگا جس نے دل کے اخلاص کے ساتھ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا ہو۔(أخرجه البخاری فی باب صفة الجنة والنار:۲۴۰۲/۵، برقم:۶۲۰۱، ط:دار ابن کثیر، الیمامة، بیروت)

(۴) حضرت ابوہریرہ﷛ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو، پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے ایمان کی تجدید کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کثرت سے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھا کرو۔(أخرجه أحمد فی مسنده :۳۲۸/۱٤، برقم:۸۷۱۰ط:مؤسسة الرسالة. مجمع الزوائد: باب فضل لا إله إلا الله:۸۷/۱۰، برقم:۱٦۷۹۹، ط:دار الفکر، بیروت)

(۵) حضرت زید بن خالد جہنی﷛ کہتے ہیں کہ مجھے جناب رسول اللہ ﷺ نے بھیجا کہ لوگوں کو خوشخبری سناؤ کہ جس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لاشریک ہے، تو اس کے لیے جنت ہے۔

(أخرجه الطبرانی فی الکبیر:۲٥٤/٥، برقم: ۵۲٦۲ ،ط:مکتبة العلوم والحکم، الموصل. مجمع الزوائد: باب فیمن شهد أن لا إله إلا الله:۱٦۳/۱، برقم:۲۰ ،ط:دار الفکر، بیروت)

(٦) حضرت ابوہریرہ﷛ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا، تو یہ (کلمہ) اس کو ایک نہ ایک دن (ضرور) نفع پہنچائے گا؛ اگرچہ عذاب سہنے کے بعد ہو۔(أخرجه الطبرانی فی الأوسط:۱۲/٤، برقم:۳٤۸٦، ط:دار الحرمین، القاهرة. مجمع الزوائد: باب فیمن شهد أن لا إله إلا الله:۱٦۱/۱، برقم:۱۳، ط:دار الفکر، بیروت)

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری اُمت کے ایک شخص کو سارے لوگوں کے سامنے نکال کر لائے گا اور اس کے سامنے (اس کے گناہوں کے) ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے، ہر دفتر حد نگاہ تک ہوگا، پھر اللہ عز وجل پوچھے گا: کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا تجھ پر میرے کراماً کاتبین نے ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں اے میرے رب! پھر اللہ کہے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ تو وہ کہے گا: نہیں اے میرے رب! اللہ کہے گا، اچھا، تیری ایک نیکی میرے پاس ہے، آج تجھ پر کوئی ظلم (وزیادتی) نہ ہوگی، پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس پر "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" لکھا ہوگا۔ اللہ فرمائے گا: جاؤ اپنے (اعمال کے) وزن کے موقع پر موجود رہو، وہ کہے گا: اے میرے رب! ان دفتروں کے سامنے یہ پرچہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ فرمائے گا: تمہارے ساتھ زیادتی نہ ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر وہ تمام دفتر ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں، پھر وہ سارے دفتر اُٹھ جائیں گے (یعنی بے وزن ثابت ہوں گے) اور وہ پرچہ بھاری ہوگا، (کیونکہ) اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہیں"۔ (أخرجه الترمذي في باب ما جاء فيمن يموت وهو يشهد أن لا إله إلا الله: ٣٢١/٤، برقم: ٢٦٣٩، ط: دار الغرب الإسلامي، بيروت)

(۸) سیدنا حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرمائے گا: تم ہر اس شخص کو آگ سے نکالو جس نے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا ہو اور اس کے دل میں ذرّہ برابر بھلائی ہو، اس کو (بھی) آگ سے نکالو جس نے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا ہو، اس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر خیر ہو، اس کو (بھی) آگ سے نکالو جس نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا ہو، اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی بھلائی ہو"۔

(أخرجه أحمد في مسنده: ٣٧٣/٢١، برقم: ١٣٩٢٨، ط: مؤسسة الرسالة)

(۹) حضرت معاذ بن جبل ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو موت آئے اس حال میں کہ وہ دل کے یقین کے ساتھ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیتا ہے۔ (أخرجه ابن ماجه في باب فضل لا إله إلا الله: ٧١٠/٤، برقم: ٣٧٩٦، ط: دار الرسالة العالمية)

(۱۰) حضرت طلحہ ﷺ کی بیوی حضرت سُعدیٰ مُرّیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمر ﷺ طلحہ ﷺ کے پاس سے گزرے، تو انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تم کو رنجیدہ پاتا ہوں؟ طلحہ ﷺ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر کوئی اسے موت کے وقت کہے گا تو وہ اس کے نامۂ اعمال کا نور ہوگا، اور موت کے وقت اس کے بدن اور روح دونوں اس سے راحت پائیں گے؛ لیکن میں یہ کلمہ آپ ﷺ سے دریافت نہ کر سکا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی، حضرت عمر ﷺ نے کہا کہ میں اس کلمہ کو جانتا ہوں، یہ وہی کلمہ ہے جو آپ ﷺ نے اپنے چچا (ابوطالب سے وفات کے وقت) پڑھنے کے لیے کہا تھا، اور اگر آپ ﷺ کو اس سے زیادہ باعث نجات کسی کلمہ کا علم ہوتا تو وہی پڑھنے کے لیے فرماتے۔

(سنن ابن ماجه، باب فضل لا إله إلا الله: ٧٠٩/٤، برقم: ٣٧٩٥، ط: دار الرسالة العالمية)

استغفار کے فضائل:

اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنا اور اپنے گناہوں پر نادم ہوتے ہوئے ان کی معافی چاہنا، توبہ واستغفار کہلاتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر توبہ واستغفار کا حکم دیا ہے، قرآن وحدیث میں توبہ واستغفار کے بارے میں متعدد فضائل وفوائد منقول ہیں، استغفار کی فضیلت سے متعلق جو آیات وروایات آئی ہیں اُن میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں:

آیات:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝﴾ (الانفال: ۳۳/۸)

”اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے اس حال میں کہ (اے حبیبِ مکرم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کررہے ہوں“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾ (ھود: ۳/۱۱)

”اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر تم اس کے حضور (صدق دل سے) توبہ کرو وہ تمہیں وقت معین تک اچھی متاع سے لطف اندوز رکھے گا اور ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت کی جزا دے گا (یعنی اس کے اعمال وریاضت کی کثرت کے مطابق اجر ودرجات عطا فرمائے گا)“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ۝﴾ (ھود: ۵۲/۱۱)

”اور اے لوگو! تم اپنے رب سے (گناہوں کی) بخشش مانگو پھر اس کی جناب میں (صدقِ دل سے)

رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بنتے ہوئے اس سے روگردانی نہ کرنا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝﴾ (نوح:۱۰تا۱۲)

''(حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں) تو میں نے (اپنی قوم سے) کہا: (اے لوگو!) اپنے رب سے معافی مانگو، بیشک وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے۔ (اور توبہ واستغفار کی برکت سے) وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا۔ اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغات بنادے گا اور تمہارے لیے نہریں بنائے گا''۔

روایات:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل میں سے ایک شخص تھا جس نے ننانوے قتل کیے تھے اور پھر مسئلہ پوچھنے نکلا تھا (کہ اس کی توبہ قبول ہوسکتی یا نہیں) وہ ایک راہب کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: کیا (اس گناہ سے) توبہ کی کوئی صورت ممکن ہے؟ راہب نے جواب دیا: نہیں۔ اس نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا۔ پھر اس نے ایک اور شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ تم فلاں بستی (میں جہاں نیک لوگ رہتے ہیں) جاؤ (ان کے ساتھ مل کر توبہ کرو۔) وہ اس بستی کی طرف روانہ ہوا؛ لیکن ابھی نصف راستے میں بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا ہونے لگا کہ کون اس کی روح لے جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو (جہاں وہ توبہ کرنے کے لیے جا رہا تھا) حکم دیا کہ اس کی نعش کے قریب ہو جائے اور دوسری بستی کو (جہاں سے نکلا تھا) حکم دیا کہ اس کی نعش سے دور ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: اب دونوں کا فاصلہ دیکھو (جس طرف کا فاصلہ کم ہو اسے اس بستی کے رہنے والوں کے حساب میں ڈال دو) اور جب فاصلہ ناپا گیا تو اس بستی کو (جہاں وہ توبہ کرنے جا رہا تھا) ایک بالشت نعش سے زیادہ قریب پایا اور اس کی مغفرت کر دی گئی''۔ (أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: الأنبياء، باب: أم حسبت أن أصحاب الكهف والرقيم: ۳/ ۱۲۸۰، الرقم: ۳۲۸۳)

حضرت براء ابن عازب ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم اس شخص کی خوشی کے متعلق کیا کہتے ہو جس کی اونٹنی کسی سنسان جنگل میں اپنی نکیل کی رسی کھینچتی ہوئی نکل جائے، جس سرزمین میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو اور اس اونٹنی پر اس کے کھانے پینے کی چیزیں لدی ہوں، وہ شخص اس اونٹنی کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک جائے، پھر وہ اونٹنی ایک درخت کے تنے کے پاس سے گزرے اور اس کی نکیل اس تنے میں اٹک جائے اور اس شخص کو وہ اونٹنی اس تنے میں اٹکی ہوئی مل جائے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ بہت خوش ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! بخدا، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص کی سواری کے (ملنے کی) بہ نسبت زیادہ خوشی ہوتی ہے''۔

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: الدعوات، باب: التوبة: ٢٣٢٤/٥، الرقم: ٥٩٤٩)

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار، توبہ کرنے والے ہیں''۔

(أخرجه الترمذي في السنن، كتاب: صفة القيامة والرقائق والورع، ٦٥٩/٤، الرقم: ٢٤٩٩)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص پابندی کے ساتھ استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر غم سے نجات اور ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کے وہم و خیال میں بھی نہ ہو''۔

(سنن أبوداود، باب: في الاستغفار: ٨٥/٢، الرقم: ١٥١٨)

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لوہے کی طرح دلوں کا بھی ایک زنگ ہے اور اس کا پالش استغفار ہے''۔

(أخرجه الطبراني في المعجم الصغير: ٣٠٧/١، الرقم: ٥٠٩، وفي المعجم الأوسط: ٧٤/٧، الرقم: ٦٨٩٤)

حضرت عبداللہ ابن بسر ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''(قیامت کے روز) جو شخص اپنے نامۂ اعمال میں استغفار کی کثرت پائے، اس کے لیے خوش خبری ہے (وہ خوش نصیب ہے)''۔ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ٣٨١٨)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! اللہ کے سامنے توبہ واستغفار کرو، بے شک میں بھی دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں"۔

(صحيح مسلم، باب استحباب الاستغفار:٢٠٧٥/٤، ط:مطبعة عيسى البابي، القاهرة)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"ہم (صحابہ) ایک مجلس میں آپ ﷺ سے سو مرتبہ (استغفار کا یہ کلمہ پڑھنا) شمار کیا کرتے تھے: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"۔

(سنن أبي داوٗد، أبواب فضائل القرآن، باب في الاستغفار:٦٢٧/٢، ط:دارالرسالة العالمية)

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص استغفار کرتا رہے، اُسے (گناہ پر) اصرار کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا؛ اگرچہ دن میں ستر مرتبہ وہ اس گناہ کا ارتکاب کیوں نہ کرے"۔(سنن أبي داوٗد، باب في الاستغفار:٦٢٥/٢، ط:دارالرسالة العالمية)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص صبح کے وقت یقین کے ساتھ "سید الاستغفار" پڑھ لے اور اسے شام سے پہلے موت آجائے تو وہ جنت والوں میں سے ہوگا، اور جو شام میں اسے یقین کے ساتھ پڑھ لے اور صبح سے پہلے اسے موت آجائے تو وہ جنت والوں میں سے ہوگا"۔

سید الاستغفار یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِيْ وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ.(صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب أفضل الاستغفار:٦٧/٨، ط:السلطانية)

"اے اللہ! تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، تو نے ہی مجھ کو پیدا کیا اور میں تیرا ہی بندہ ہوں اور میں تیرے عہد پر ہوں اور میں عہد میثاق کے پورا کرنے پر مستقیم ہوں اور تیرے وعدے پر ہوں یعنی تیرے حشر کے ہونے والے وعدے پر یقین کرنے والا ہوں اور تیرے وعدے پر ہوں اور اس کے علاوہ، میں پناہ مانگتا ہوں اس چیز کی برائی سے، جو میں نے کی اور میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں، جو تیری طرف سے مجھ پر ہیں اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، پس مجھ کو بخش دے، تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا"۔

جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ:

خطبہ نبوی میں دوسری وہ دو چیزیں کہ جن کی کثرت کا حکم ہے، اور ان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کے بغیر تمہیں چارۂ کار نہیں، یعنی وہ سب کی اولین ضروریات میں سے ہیں، یہ ہیں: جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ۔

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہے تو جنت کہتی ہے: اے اللہ! اسے جنت میں داخل فرمادیجیے، اور جو شخص تین مرتبہ جہنم سے پناہ طلب کرتا ہے تو جہنم عرض کرتی ہے: اے اللہ! اسے جہنم سے بچالیجیے"۔

(رواہ الترمذی، برقم:٢٥٧٢، والنسائی:٢٧٩/٨، برقم:٥٥٢٣)

لہٰذا ماہِ مبارک میں خاص طور پر اٹھتے بیٹھتے پورے استحضار و توجہ کے ساتھ ان دعا کا اہتمام فرمائیں: **اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ.**

دو قابلِ غور باتیں:

مندرجہ بالا حدیث (یعنی خطبہ نبوی) میں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

(۱) اس پوری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سحری کی ترغیب نہیں دی ہے، افطاری کرانے کی ترغیب دی ہے اس لیے کہ عام طور پر لوگ سحری تھوڑا پانی پی کر بھی کر لیتے ہیں، افطاری کی ہوئی ہوتی ہے، تو سحری کی ضرورت بھی کم؛ محسوس ہوتی ہے؛ لیکن پورا دن مسلسل بھوک اور پیاس کی وجہ سے افطاری کی ضرورت بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے؛ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے افطاری کی ترغیب دی ہے، یہ مطلب نہیں کہ سحری پر اجر و ثواب نہیں ہے، سحری پر بھی اجر ہے؛ لیکن ترغیب افطاری کی زیادہ دی ہے؛ اس لیے کہ اس کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

یہ بات ایسی ہے کہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، اس کو آپ بھی محسوس کرتے ہیں، میں بھی محسوس کرتا ہوں۔

(۲) دوسری بات: نبی اکرم ﷺ نے افطاری کا ذکر حدیث میں شروع میں بھی کیا اور آخر میں بھی کیا ہے۔ شروع میں فرمایا: "جس شخص نے روزہ دار کو روزہ افطار کرایا ہوگا تو اللہ تعالیٰ روزہ دار کے برابر روزہ افطار کرانے والے کو بھی اجر دے گا"۔ حضرات صحابہؓ نے پوچھا: ہم میں سے تو ہر شخص کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ افطار کرائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھجور کا ٹکڑا کھلا دے، پانی کا گھونٹ پلا دے، لسّی کا گلاس پلا دے، تو شروع میں کھانے، پینے دونوں کا ذکر ہے۔

آخر میں آپ ﷺ نے پھر ذکر کیا، اس میں صرف پانی کا ذکر کیا: ''جس نے روزہ دار کو پانی پلایا''۔ تو صرف پانی کا ذکر ہے، یہ بتلانے کے لیے کہ اس وقت آدمی کو صرف پانی کی طلب ہوتی ہے، پانی کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے ،اس کا بطورِ خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ کی دوسری تقریر:

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ قریب تھا کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **أتاكم رمضانُ، شهرُ بركةٍ، يغشاكم اللهُ فيه، فيُنزِلُ الرحمةَ، ويَحُطُّ الخطايا ويستجيب فيه الدعاءَ، وينظر اللهُ تعالى إلى تنافُسِكم فيه، ويُباهي بكم ملائكتَه، فأرُوا اللهَ من أنفُسِكم خيرًا، فإنَّ الشقيَّ من حُرِمَ فيه رحمةَ اللهِ عزَّ وجلَّ.**

(أخرجه الطبراني كما في الترغيب والترهيب للمنذري:۲/۹۹، برقم:۱۴۹۰)

''رمضان کا مہینہ آرہا ہے جو بہت برکتوں کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ اس میں تمہاری طرف (خصوصی) توجہ فرماتا اور تم پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے، گناہوں کو بخشتا اور دعائیں قبول کرتا ہے، نیکیوں میں تمہارے آپس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کو دیکھ کر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے؛ لہٰذا تم خدائے پاک کو اپنی نیکیاں دکھاؤ، بڑا ہی بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے''۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے سامنے فخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور فرشتوں کو خبر دی تو فرشتوں نے کہا تھا کہ ''اللہ میاں! آدم کو آپ پیدا تو کر رہے ہیں مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ اس کی اولاد زمین میں اودھم مچائے گی اور لڑائی جھگڑے کرے گی''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''جاؤ تمہیں کیا خبر مجھے سب معلوم ہے''۔ اب جب اس کے نیک بندے اچھے کام کرتے ہیں تو وہ خوش ہو کر فرشتوں سے کہتا ہے کہ ''دیکھو ذرا! یہ وہی آدم کی اولاد ہے نا؟''۔

غور کرو کہ ہم ذرا سی نیکی کر کے کتنے اونچے بن گئے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ہماری بڑائی اور تعریف کرتا ہے اور فرشتے معلوم ہے کہ کیسی پاک اور نیک مخلوق ہے؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ''کبھی بھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں''۔ اب بتاؤ کہ اگر ہم نے اپنے آرام و راحت میں لگ کر نیکیوں سے سستی

کی تو اپنا کتنا بڑا نقصان کر لیا اور کیسا قیمتی موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ اسی وجہ سے ہمارے پیارے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ "بڑا ہی بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے"۔

حضرت جبرئیلؑ کی تین بددعائیں اور رسول اللہ ﷺ کی آمین:

ایک حدیث میں تو ایسی سخت بات فرمائی ہے کہ سن کر دل کانپ جائے؛ چنانچہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"منبر کے قریب آجاؤ، ہم لوگ حاضر ہوگئے، جب آپ نے منبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، پھر جب دوسری سیڑھی پر قدمِ مبارک رکھا تو فرمایا: آمین، پھر جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین، جب آپ (خطبہ سے فارغ ہوکر منبر سے) اُترے تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آج تو ہم نے آپ کی زبانِ مبارک سے (منبر پر چڑھتے ہوئے) ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنتے تھے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل (علیہ السلام) میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے یہ دعا کی کہ ہلاک و برباد ہو وہ شخص جو رمضان کا مبارک مہینہ پائے اور پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہو (یعنی مغفرت کرانے کے کام نہ کرے) میں نے کہا: آمین، پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکرِ مبارک ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین، پھر جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اُس کے ماں باپ دونوں یا کوئی سا ایک بوڑھے ہوجائیں اور وہ اس شخص کو جنت میں داخل نہ کرائیں (یعنی یہ ان کی خدمت کر کے جنت کا حقدار نہ بن سکے) میں نے کہا: آمین"۔ (الترغیب والترہیب: ۹۲/۲)

تشریح:

اس حدیث شریف میں تین بددعائیں ہیں اور کس کی زبان سے ہیں؟ سارے فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام کی، اور آمین کس نے کہی؟ سارے رسولوں کے سردار اللہ کے محبوب ہمارے رسول ﷺ نے۔ اللہ، اللہ۔

ان تینوں ہی بددعاؤں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، جب بھی کبھی رسول اللہ ﷺ (میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان) کا پیارا نام سنے فوراً درود پڑھے۔ اسی طرح والدین کی خدمت میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہونے دے اور یاد کرے کہ میرے سامنے جتنے کمزور یہ آج ہوگئے ہیں ایک دن اس سے بھی بہت زیادہ کمزور ان کے سامنے میں تھا اور مجھے انہوں نے اپنی جان سے زیادہ پیارا بنا کر رکھا تھا اور اس وقت کا رکھنا تو کسی چیز کا بدلہ بھی نہ تھا اب اگر میں

ان کی خدمت کرتا ہوں تو میرا کیا احسان اور کچھ نہ سہی کم از کم احسان کا بدلہ ہی احسان سے دینا چاہیے۔

پہلی بات جو فرمائی گئی ہے دراصل یہاں ہمیں اسی کا ذکر کرنا ہے، کسی کی مغفرت نہ ہونا حقیقت میں خود اس کا قصور ہوتا ہے؛ کیونکہ خدائے پاک تو ہر وقت معاف کرنے کو تیار ہے۔ اب اگر کوئی معافی مانگتا ہی نہ ہو تو قصور کس کا اور پھر رمضان کا مہینہ تو ایسا مبارک مہینہ ہے کہ اس میں بندے کی تھوڑی سی محنت بھی بہت کچھ دلا سکتی ہے۔

الغرض یہ مہینہ خدائے پاک کی بے پناہ رحمتوں کا مہینہ ہے، پروردگارِ عالم نے اکثر و بیشتر اپنے نبیوں پر اپنا کلام پاک اسی مہینے میں اُتارا ہے، اس لیے نیک کاموں کو اس مہینے سے ایک خاص مناسبت ہے، ہوشیاری اور عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان وقت کو دیکھے، یوں تو نیکی ہر وقت نیکی ہی ہے اور ایک نیکی کا دس گنا تو کبھی بھی کہیں نہیں گیا؛ لیکن رمضان کا مہینہ نیکیوں کا خاص موسم اور سیزن ہے، اس میں جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ عبادتوں اور ذکر و تسبیحات اور صدقہ و خیرات کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بارگاہِ الٰہی میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس عظیم مہینہ کی صحیح قدر دانی کے ساتھ اس کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اِستقبالِ رَمضان پر ایک اور نصیحت آموز خطبہ:

حضرت سیدنا عبداللہ بن عُکَیم جُہَنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رمضان المبارک کی آمد ہوتی تو امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یکم رمضان المبارک کی شب نمازِ مغرب کے بعد لوگوں کو نصیحت آموز خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرماتے:

"اے لوگو بیٹھ جاؤ! بے شک اس مہینے کے روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں؛ البتہ اس میں نوافل کی ادائیگی فرض نہیں ہے؛ لہٰذا جو بھی نوافل ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ نوافل ادا کرے؛ کیونکہ یہ وہی بہترین نوافل ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور جو نوافل کی ادائیگی کی اِستطاعت نہیں رکھتا اُسے چاہیے کہ اپنے بستر پر سو جائے۔ تم میں سے ہر بندہ یہ کہتے ہوئے ڈرے کہ اگر فلاں شخص روزہ رکھے گا تو میں روزہ رکھوں گا، اور اگر فلاں شخص نوافل ادا کرے گا تو میں بھی نوافل پڑھوں گا۔ جو بھی روزہ رکھے یا نوافل ادا کرے تو اللہ عزوجل کی رضا کے لیے کرے۔ تم میں سے ہر شخص کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جب تک وہ نماز کے انتظار میں ہوتا ہے درحقیقت نماز ہی میں ہوتا ہے۔ آپ نے دو تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ شانہٗ کے گھر میں فضول باتیں کرنے سے بچتے رہو۔ پھر تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا: خبردار! تم میں سے کوئی بھی ہرگز اس مبارک مہینے کو فضول نہ گزارے۔ جب تک چاند نہ دیکھ لو اس وقت تک روزہ نہ رکھو اگر چاند (Moon) مشکوک ہوجائے تو تیس (۳۰) دن پورے کرو اور جب تک اندھیرا (یعنی سورج کے ڈوب جانے کا یقین) نہ ہو اس وقت تک افطار نہ کرو۔

(مصنف عبدالرزاق، کتاب الصلوٰۃ، باب قیام رمضان: ۲۰۲/۴، رقم الحدیث: ۷۷۴۸)

تشریح:

اے عاشقانِ رمضان! سنا آپ نے کہ حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ماہِ غفران یعنی رمضان کی اَہمیت و فضیلت سے کس قدر واقف تھے اور اس بابرکت مہینے سے کیسی والہانہ عقیدت و محبت کرتے تھے کہ جیسے ہی یہ مبارک مہینہ جلوہ گر ہوتا توان کی خوشی کی انتہا نہ رہتی، آپ آمدِ رمضان پر نہ صرف خود نیکیوں میں مشغول ہوجاتے؛ بلکہ مسلمانوں میں عبادت کا ذوق و شوق بیدار کرنے کے لیے انہیں بھی اس مقدس مہینے میں اخلاص کے ساتھ کثرت سے نفل عبادت کی ترغیب دلاتے، اس لیے کہ نوافل عبادات سے اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے۔

یہ بات تو تقریباً سبھی کو معلوم ہے کہ رَمضانُ المبارک کا مہینہ وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ یعنی دُنیائے انسانیت پر اللہ رب العالمین کی سب سے بڑی نعمت مکمل ہوئی۔ اس ماہِ مبارک کی ایک فضیلت یہ ہے کہ اس میں فرائض کا ثواب ستر (۷۰) گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور نوافل کا ثواب فرض کے برابر کردیا جاتا ہے۔ اسی ماہ مبارک میں وہ عظیم رات آتی ہے جو ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ یہ رات ایسی بابرکت ہے کہ قرآن مجید کی ایک مستقل سورۃ اس کے فضائل میں نازل ہوئی۔ یہ رات ایسی بابرکت رات ہے کہ سال بھر کے تقدیر کے فیصلے اسی رات میں کیے جاتے ہیں۔ یہ ماہ مبارک ایسا مقدس ہے کہ اس میں سرکش شیاطین پابند سلاسل کردیے جاتے ہیں تاکہ مؤمن بندوں کے لیے یکسوئی سے عبادت کرنا آسان ہوجائے۔ اس ماہ مبارک کی فضیلت کا یہ عالم ہے کہ اس مہینے میں جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں؛ تاکہ آسمان سے خیر و برکت کا نزول ہمہ وقت ہوتا رہے۔

بہت سے لوگ بلاؤں کو آسمان سے منسوب کرتے ہیں کہ آسمانی بلا نازل ہوئیں؛ لیکن مالک کائنات کے رسول اعظم ﷺ نے، جو سراپا رحمت ہیں، یہ بتایا ہے کہ جب آسمان کے دروازے کھلتے ہیں تو اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں،

رحمتیں نہیں۔

نزول رحمت اور خیر و برکت کا یہ مہینہ نہایت ہی بابرکت اور خیر و صلاح کا مہینہ ہے۔ یہ ایسا مبارک مہینہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس مہینے میں یکسوئی سے عبادت کر کے اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بناپائے، تو حدیث میں ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے۔

رمضان المبارک کا یہ بابرکت مہینہ چند یوم کے بعد شروع ہونے والا ہے۔ اس مہینے کی برکت اور فضیلت ایسی عظیم الشان ہے جو اس ماہ مبارک کو مہینوں اور سالوں پر نہیں بلکہ صدیوں پر فوقیت دیتی ہے۔ اس ماہ مبارک میں جنت کا حصول آسان ہو جاتا ہے، نیکیوں کی تو گویا اس ماہ مبارک میں بہار آجاتی ہے۔

ایسا ماہ مبارک اب تمام انسانوں سے چند لمحوں کے فاصلے پر ہے۔ اگرچہ اس مقدس مہینہ کے استقبال کی تیاری پورے سال کرنی چاہیے۔ تاہم اس میں اگر چوک ہو جائے تو شعبان المعظم کا پورا مہینہ تو اس کے استقبال کی تیاری میں گزارنا ہی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ شعبان کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ یوں تو آپ ﷺ ہر مہینے میں روزے رکھتے تھے؛ لیکن سب سے زیادہ روزے شعبان میں رکھتے تھے۔ یہ بھی گویا ماہ رمضان کے استقبال کی تیاری تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی معمول تھا کہ شعبان کے آخر میں روزے نہیں رکھتے تھے۔

صحیح البخاری میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے نہ رکھا کرو، اسی طرح حدیث کی بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۵ رشعبان کے بعد آپ ﷺ روزے نہیں رکھا کرتے تھے۔ گویا رمضان سے پہلے روزے نہ رکھنا رمضان المبارک کا خصوصی اہتمام کرنے کے لیے ہے۔

ماہ رمضان المبارک کے استقبال کا تقاضا یہ ہے کہ اس ماہ مقدس کی آمد سے قبل ہی اس مہینے کو گزارنے کی منصوبہ بندی کر لینی چاہیے۔ اس لیے کہ یہ مقدس مہینہ بڑی برکتوں کا ہے اور اس کی برکتیں اور نعمتیں پوری طرح تب حاصل ہوں گی جب اس کا اہتمام پہلے سے کیا جائے گا۔ اس لیے رمضان کی تیاری اگر پورے سال نہ کر سکیں تو کم از کم شعبان کے مہینے میں اس کی تیاری ضرور کر لینی چاہیے۔

رمضان المبارک کے استقبال کے حوالے سے مزید چند اہم پہلو ہیں۔ ان کو سامنے رکھیں اور ان کے مطابق اگر اس ماہ مبارک کی تیاری کریں تو اُمید ہے کہ اس ماہِ مقدس سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔

ہم سب کی زندگی کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک گھڑی کی طرح ہے۔ ہم نے اپنے دن کو بھی بالکل گھڑی

کی طرح مقرر کر رکھا ہے۔ جس طرح گھڑی میں وقت بتانے کے لیے گھنٹے اور منٹ ہوتے ہیں اسی طرح ہم لوگ بھی وقت کے ساتھ اپنے کاموں کو مقرر کر لیتے ہیں۔ یعنی صبح یہ کام کرنا ہے، دوپہر میں یہ کام اور شام کو یہ کام۔ پورا دن بلکہ پورا سال اور اس سے بھی بڑھ کر پوری زندگی اسی ایک پروگرام کے مطابق گزر جاتی ہے۔ کسی بھی نئے کام کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ زندگی کا بہت اچھا استعمال نہیں ہے۔ زندگی کا اچھا استعمال اس کی منصوبہ بندی کرنا اور اس کو طریقے سے بسر کرنے میں ہے۔ ماہ رمضان المبارک بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

رمضان المبارک کے استقبال کی پہلی تیاری تو یہ ہے کہ اپنے وقت کو رمضان المبارک کے مطابق ڈھال لیں۔ سال کے بقیہ دنوں کے پروگرام کو معطل کر کے رمضان المبارک کے لیے ایک نیا نظام الاوقات بنائیں جس میں سب سے زیادہ اہمیت عبادت کو ہو۔ یعنی رمضان المبارک صرف عبادت کے لیے ہے۔ بقیہ تمام تقاضے ضرورت کے مطابق پورے کیے جائیں گے۔ آرام کی ضرورت کا خیال رکھا جائے گا۔ بشری تقاضے بھی پورے کیے جائیں گے۔ معاشی ضرورتوں اور ڈیوٹی وغیرہ کا بھی اہتمام ہوگا۔ لیکن صرف بقدر ضرورت اور عبادت ہوگی بقدر استطاعت۔ اگر عبادت میں انہماک کی دولت مل گئی تو یہ سب سے بڑی دولت ہوگی۔ اللہ کے نیک بندے وہ ہوتے ہیں جو اس کے سامنے سجدہ اور قیام میں راتیں بسر کرتے ہیں۔ پورے سال نہ سہی اس ماہ میں تو اس کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔

استقبال ماہ رمضان کے حوالے سے ہم کو دوسرا اہتمام یہ کرنا چاہیے ہم اس ماہ میں صدقہ و خیرات میں غیر معمولی اضافہ کریں۔ عام دنوں میں اللہ کی راہ میں ہم جو خرچ کرتے ہیں، رمضان میں اس سے زیادہ خرچ کریں۔ زکوٰۃ تو فرض ہے، اس کے علاوہ بھی زیادہ سے زیادہ داد و دہش کرنی چاہیے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ کا خیر و خیرات کا معمول ایسا ہو جاتا تھا جیسے آندھی میں تیز ہوا۔ یعنی بہت زیادہ خرچ کیا کرتے تھے۔ ہم کو چاہیے کہ اس ماہ مبارک میں غریبوں اور ناداروں کو زیادہ سے زیادہ دیں اور اس پر شکر ادا کریں۔ کسی کی مدد کرنا در اصل رب العالمین کی رحمت ہے جو وہ ہمارے ذریعے کرواتا ہے، اس لیے اگر کسی کو نیک کام کی اور کسی کی امداد کی توفیق ملے تو اس کو شکریہ ضرور ادا کرنا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے اس کو اپنی رحمت کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

تیسرا کام یہ ہے کہ رمضان المبارک میں صلہ رحمی کا خصوصی معمول بنانا چاہیے ساتھ ہی رشتے داروں کے حقوق

زیادہ سے زیادہ ادا کرنے چاہئیں۔ اگر کسی رشتہ دار سے ناچاقی ہے یا جھگڑا ہے تو رمضان المبارک شروع ہوتے ہی اس سے اپنا جھگڑا ختم کر دیں۔ اس سے معافی مانگیں اور اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ صلہ رحمی کا معاملہ کریں۔

چوتھا کام یہ ہے کہ رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ قرآن مجید کی تلاوت کریں، کم از کم تین پارے روزانہ کا معمول ہونا چاہیے۔ تراویح میں جو قرآن سنا جائے اس کو تراویح سے پہلے پڑھ کر جائیں اور امام کی تلاوت کو بھی دھیان سے سنیں۔ اس کے علاوہ فجر کے بعد، ظہر کے بعد اور عصر کے بعد ضرور تلاوت کریں۔ جس کو عربی آتی ہو وہ تو قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھے اور جس کو عربی نہیں آتی وہ عام تلاوت کے علاوہ اس کا بھی اہتمام کرے کہ روزانہ ایک پارہ یا سوا پارہ معنی کے ساتھ قرآن مجید کو سمجھے اور جو کچھ سمجھے اس پر عمل کرے۔

ان کاموں کے علاوہ نوافل کا اہتمام، دعا کا اہتمام اور مناجات کے ساتھ ساتھ توبہ واستغفار کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر رمضان المبارک کی آمد سے قبل ہی رمضان المبارک گزارنے کی منصوبہ بندی کر لی جائے گی تو اس مبارک مہینہ سے بھرپور استفادے کا موقع ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ماہِ مقدس کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔

اُمتِ محمدیہ کے لیے پانچ انعامات:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أُعْطِيَتْ أُمَّتِيْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِيْ: أَمَّا وَاحِدَةٌ فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ نَظَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ وَمَنْ نَظَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِ لَمْ يُعَذِّبْهُ أَبَدًا، وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فَإِنَّ خُلُوْفَ أَفْوَاهِهِمْ حِيْنَ يُمْسُوْنَ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ، وَأَمَّا الثَّالِثَةُ فَإِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَأَمَّا الرَّابِعَةُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ جَنَّتَهٗ فَيَقُوْلُ لَهَا: اسْتَعِدِّيْ وَتَزَيَّنِيْ لِعِبَادِيْ أَوْشَكُوْا أَنْ يَسْتَرِيْحُوْا مِنْ تَعَبِ الدُّنْيَا إِلٰى دَارِيْ وَكَرَامَتِيْ، وَأَمَّا الْخَامِسَةُ فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ آخِرُ لَيْلَةٍ غُفِرَ لَهُمْ جَمِيْعًا، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ فَقَالَ: لَا، أَلَمْ تَرَ إِلَى الْعُمَّالِ يَعْمَلُوْنَ فَإِذَا فَرَغُوْا مِنْ أَعْمَالِهِمْ وُفُّوْا أُجُوْرَهُمْ؟. (أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، ٣/٣٠٣، الرقم: ٣٦٠٣، وفي فضائل الأوقات، ١/١٤٥، الرقم: ٣٦، والمنذري في الترغيب والترهيب، ٢/٥٦، الرقم: ١٤٧٧)

’’میری اُمت کو ماہِ رمضان میں پانچ تحفے ملے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے۔ پہلا یہ ہے کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ التفات فرماتا ہے اور جس پر اُس کی نظرِ رحمت

پڑ جائے اسے کبھی عذاب نہیں دے گا۔ دوسرا یہ ہے کہ شام کے وقت ان کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک (کستوری) کی خوشبو سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ فرشتے ہر دن اور ہر رات ان کے لیے بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ چوتھا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جنت کو حکم دیتا ہے کہ میرے بندوں کے لیے تیاری کر لے اور مزین ہو جا؛ تاکہ وہ دنیا کی تھکاوٹ سے میرے گھر اور میرے دارِ رحمت میں پہنچ کر آرام حاصل کریں۔ پانچواں یہ ہے کہ جب (رمضان کی) آخری رات ہوتی ہے ان سب کو بخش دیا جاتا ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: کیا یہ شبِ قدر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ جب مزدور اپنے کام سے فارغ ہو جاتے ہیں تو انہیں پوری پوری مزدوری دی جاتی ہے؟''۔

رمضان میں اللہ کا ذکر کرنے والے:

سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ذَاكِرُ اللّٰهِ فِيْ رَمَضَانَ مَغْفُوْرٌ لَهٗ وَسَائِلُ اللّٰهِ فِيْهِ لَا يَخِيْبُ. (أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط، ۱۹۵/٦، الرقم: ٦١٧٠، ٢٢٦/٧، الرقم: ٧٣٤١، والبيهقي في شعب الإيمان، ٣١١/٣، الرقم: ٣٦٢٧، والديلمي في مسند الفردوس، ٢٤٢/٢، الرقم: ٣١٤١، والمنذري في الترغيب والترهيب، ٦٤/٢، الرقم: ١٥٠١، والهيثمي في مجمع الزوائد، ٦٤/٢)

''ماہِ رمضان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا بخش دیا جاتا ہے اور اس ماہ میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے والے کو نامراد نہیں کیا جاتا''۔

تشریح:

موجودہ گھڑیاں اہل ایمان کے لیے بڑی ہی پُر آشوب ہیں۔ ملک و ملت جس نازک دور اہے سے گزر رہے ہیں، اس میں بظاہر تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ظلمت ایسی کہ ہر نفس بے چین و پریشان ہے۔ گھروں میں، بازاروں میں، سڑکوں پر غرض جہاں آپ چلے جائیں ہیجانی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہر کوئی بے سکون و مضطرب نظر آرہا ہے، زبانوں پر ایک ہی سوال ''آئندہ کیا ہوگا؟'' دلوں میں ایک ہی تمنا و آرزو کہ کسی طرح آفات و آلام کا یہ پہاڑ سر سے ٹل جائے۔ جس کسی کا ذہن اور تجربہ جہاں تک کام کرتا ہے، وہ اس کے مطابق رائے پیش کر دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے ہمارے مسائل کا حل منصفانہ انتخابات میں پوشیدہ ہے۔ کوئی کرپشن زدہ حکمرانوں کو دشنام دیتا ہے۔ کوئی جاگیرداروں، سرمایہ داروں، وڈیروں اور

افسر شاہی کا شاکی دکھائی دیتا ہے۔ کوئی قوم کی فلاح و بہبود کے لیے جمہوریت، جمہوریت کا نعرہ لگاتا سنائی دیتا ہے۔ ذرائع ابلاغ رات دن اپنے تجزیوں، تبصروں میں ملکی مسائل کا رونا روتے رہتے ہیں۔ مگر حل کیا ہے؟ ایسا حل جو حقیقی، نتیجہ خیز اور کارگر ہو، الجھی ہوئی ڈور کا ایسا سرا جس کو پکڑنے سے ساری گتھیاں خود بخود سلجھتی جائیں، معاشرہ بحرانوں کے بھنور سے نکل آئے، قلوب کو سکون اور اذہان کو تراوٹ نصیب ہو سکے۔

ذکر اللہ کی فضیلت و اہمیت:

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ انسانی قلب کا سکون و آرام اللہ کی یاد میں ہے، پروردگار عالم کے ذکر سے اضطرار کو قرار ملتا ہے، بے سکونی کا احساس ختم ہوتا ہے، ظلمتوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم بیماریوں کا ذکر تو کرتے ہیں، مگر اس کے علاج کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ہم لفظی اور زبانی کلامی باتوں پر تو یقین رکھتے ہیں، مگر قرآن و حدیث کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے کتراتے ہیں۔ اللہ رب کریم ارشاد فرماتے ہیں:

''بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی بے قرار اُسے پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور تکلیف دور کر دیتا ہے اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو''۔ (النمل:۶۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے، چاہتے یہ ہیں کہ کرنا تو کچھ پڑے نہیں اور کام سب ہو جائیں۔ بعض شب و روز اس انتظار میں رہتے ہیں کہ فلاں کام سے فارغ ہو جائیں، فلاں مقدمے سے نمٹ لیں، فلاں کی شادی سے فارغ ہو جائیں، تب خدا کی یاد میں لگیں۔ چوں کہ ایسی فراغت میسر نہیں ہوتی، اس لیے ایسا شخص کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، محروم ہی رہتا ہے اور ایک دن موت آ کر کام تمام کر دیتی ہے۔ یاس اور حسرت کی حالت میں خسران کی گٹھڑی سر پر رکھے ہوئے اس عالم سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کام کرنے کی صورت تو یہی ہے کہ اس آلودگی کی حالت میں خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اس کی برکت سے فراغ بھی میسر ہو جائے گا۔ اور دنیا میں رہتے ہوئے کہاں فراغ؟ یہ نفس و شیطان کا ایک بڑا زبردست کید (دھوکا) ہے۔ لوگ (حق تعالیٰ تک) رسائی کی تمنا تو کرتے ہیں، مگر معلوم بھی ہے کہ رسائی کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں، جن میں پہلی شرط یہ ہے کہ تم برے ہو یا بھلے، اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، پھر رحمتِ حق تم کو از خود جذب کرے گی۔ ذرا کام میں تو لگ کر دیکھو، (حق تعالیٰ) تمہاری اس ٹوٹی پھوٹی ہوئی متاع کو کیسے قبول فرماتے ہیں۔
(ملفوظات حکیم الامت:۱۰۲/۴)

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ ہے، اور اس میں ذکر اللہ کی فضیلت اور دعاؤں کی اجابت دونوں ہی بڑھ جاتی ہیں، جیسا کہ اوپر حدیث میں گزرا، تو کیوں نہ ہم اس ماہ میں ان اہم چیزوں کا خاص اہتمام کریں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیات وروایات کی روشنی میں ذکر اللہ کے کچھ اور فضائل وفوائد ذکر کر دیے جائیں ؛ اُمید ہے کہ یہ قارئین کرام کے لیے تشویق وترغیب کا باعث ہوں گے۔

آیات: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝﴾ (البقرۃ:۲/۱۵۲)

"سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو"۔

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ (النساء:۴/۱۰۳)

"پھر اے (مسلمانو!) جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہر حال میں) یاد کرتے رہو"۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝﴾ (الانفال:۸/۴۵)

"اے ایمان والو! جب (دشمن کی) کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو؛ تاکہ تم فلاح پاجاؤ"۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾ (الرعد:۱۳/۲۸)

"جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے"۔

﴿ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۝﴾ (العنکبوت:۲۹/۴۵)

"اور واقعی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے، اور اللہ ان (کاموں) کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو"۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۝﴾ (الاحزاب:۳۳/۴۱)

"اے ایمان والو! تم اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ اور صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو"۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ○﴾ (المنافقون:۶۳/۹)

''اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد (کہیں) تمہیں اللہ کے ذکر (یعنی اس کی یاد) سے ہی غافل نہ کردیں، اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں''۔

روایات: سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر (ذکرِ خفی) کرے تو میں بھی (اپنے شایان شان) خفیہ اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر (ذکرِ جلی) کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک بازو کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے نزدیک آئے تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں''۔ (صحیح البخاری، کتاب: التوحید: ۶/۲۶۹۴، الرقم: ۶۹۷۰)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما دونوں نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے بارے میں گواہی دی کہ آپ نے فرمایا: ''جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیٹھتے ہیں انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ (سکون و طمانینت) کا نزول ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنی بارگاہ کے حاضرین میں کرتا ہے''۔ (صحیح مسلم، باب: فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر: ۴/۲۰۷۴، الرقم: ۲۷۰۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قیامت اس وقت برپا ہوگی، جب دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے گا''۔

(صحیح مسلم، کتاب: الایمان، باب: ذھاب الایمان آخر الزمان: ۱/۱۳۱، الرقم: ۱۴۸)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں سے سب سے اچھا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے ہاں بہتر اور پاکیزہ ہے، تمہارے درجات میں سب سے بلند ہے، تمہارے سونے اور چاندی کی خیرات سے بھی افضل ہے، اور تمہارے دشمن کا سامنا کرنے یعنی جہاد سے بھی بہتر ہے اس حال میں کہ تم انہیں قتل کرو اور وہ تمہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب: الدعوات: ۴۵۹/۵، الرقم: ۳۳۷۷)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! احکامِ اسلام مجھ پر غالب آ گئے ہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جسے میں انہماک سے کرتا رہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیری زبان ہر وقت ذکرِ الٰہی سے تر ہونی چاہیے۔ (سنن الترمذی، کتاب: الدعوات، باب: ماجاء فی فضل الذکر: ۴۵۸/۵، الرقم: ۳۳۷۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں"۔

(مسند احمد بن حنبل: ۶۸/۳، الرقم: ۱۱۶۷۱، مسند ابویعلی: ۵۲۱/۲، الرقم: ۱۳۷۶)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: کون سے مجاہد کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اُن میں سے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ اس نے دوبارہ عرض کیا: روزہ داروں میں سے کس کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اُن میں سے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ پھر اُس نے ہمارے لیے نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقے کا ذکر کیا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ ہر بار فرماتے رہے: جو اُن میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو حفص! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے تمام نیکیاں لے گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بالکل (درست ہے)۔

(مسند احمد بن حنبل: ۴۳۸/۳، الرقم: ۱۵۶۵۲، المعجم الکبیر: ۱۸۶/۲۰، الرقم: ۴۰۷)

حضرت ابوجوزاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں"۔

(شعب الایمان: ۳۹۷/۱، الرقم: ۵۲۷، الترغیب والترہیب: ۲۵۶/۲، الرقم: ۲۳۰۵)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت نبی اکرم ﷺ سے جدا ہوتے ہوئے جو آخری بات کی وہ یہ تھی: میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "سب سے زیادہ پسندیدہ عمل یہ ہے کہ جب تو فوت ہو تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو"۔

(صحیح ابن حبان: ۹۹/۳، الرقم: ۸۱۸، المعجم الکبیر: ۱۰۶/۲۰، الرقم: ۲۰۸، الزہد لابن المبارک: ۴۰۱/۱، الرقم: ۱۱۴۱)

جاننا چاہیے کہ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اذکار و دعوات کو دس قسموں میں تقسیم کیا ہے:

"(۱) تسبیح (۲) تحمید (۳) تہلیل (۴) تکبیر (۵) فوائد طلبی اور پناہ خواہی (۶) اظہار فروتنی و نیازمندی (۷) توکل (۸) استغفار (۹) اسمائے الٰہی سے برکت حاصل کرنا (۱۰) درود شریف"۔

اُستاذِ مکرم، فقیہ العصر، محدث الوقت حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ (سابق شیخ الحدیث وصدر المدرّسین: دارالعلوم، دیوبند) ذکر کردہ تقسیم کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

"پہلا اور دوسرا ذکر: تسبیح وتحمید ہیں۔ تسبیح کے معنی ہیں تمام عیوب ونقائص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا۔ تحمید کے معنی ہیں تعریف کرنا، یعنی تمام خوبیوں اور کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا۔ جب کسی جملہ میں تسبیح وتحمید دونوں جمع ہو جائیں تو وہ معرفت ربانی کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے، جیسے: "**سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ**" یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور خوبیوں کے ساتھ متصف ہیں "**سبحان اللّٰہ العظیم**" یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور عظیم المرتبت ہیں۔ بڑے مرتبے والا وہی ہوتا ہے جو خوبیوں کے ساتھ متصف ہو، اسی وجہ سے حدیث میں ان دونوں جملوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دونوں جملے زبان پر ادائیگی میں ہلکے اور ترازو یعنی ثواب میں بھاری اور رحمٰن (مہربان ہستی) کو بہت پیارے ہیں۔

تیسرا ذکر: تہلیل ہے۔ "**لا إلٰہ إلا اللّٰہ**" میں توحید اور شانِ یکتائی کا بیان ہے۔ یہ جملہ شرک جلی وخفی کو دفع کرتا ہے اور جملہ حجابات کو رفع کرتا ہے۔ حدیث میں ہے "**لا إلٰہ إلا اللّٰہ**" کے لیے اللہ تعالیٰ سے وَرے کوئی حجاب نہیں، یہاں تک کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔

چوتھا ذکر: تکبیر ہے۔ "**اللّٰہ اکبر**" کے ذریعے اللہ کی عظمت وقدرت اور سطوت وشوکت کو پیش نظر لایا جاتا ہے اور یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف مشیر ہے۔ حدیث میں اس کی یہ فضیلت آئی ہے کہ اللہ اکبر آسمان وزمین کو بھر دیتا ہے۔

پانچواں ذکر: فوائد طلبی اور پناہ خواہی ہے، یعنی ایسی دعائیں جن میں ایسی مفید چیزیں طلب کی جائیں جو جسم یا روح کے لیے مفید ہوں، خواہ نفع خلقت کے اعتبار سے ہو یا دل کے سکون کے اعتبار سے، جیسے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور طلب کرنا اور خواہ ان فوائد کا تعلق اہل وعیال سے ہو یا جاہ ومال سے، اسی طرح مضر چیزوں سے پناہ چاہنا بھی اس زمرہ میں آتا ہے۔

چھٹا ذکر؛ اظہارِ فروتنی و نیاز مندی ہے۔ یہ عبدیت (بندگی) انسان کا امتیازی وصف اور بڑا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلل و بندگی، عاجزی و سرافگندگی اور محتاجی و مسکینی کا اظہار کرنا ہی بندگی ہے۔ بندگی انسان کا مقصد تخلیق ہے، اسی مقصد کی تحصیل کے لیے نماز مقرر کی گئی ہے۔ نماز میں اور نماز سے باہر اذکار اور بہت سی دعائیں مشروع کی گئی ہیں۔

ساتواں ذکر؛ توکل ہے۔ توکل کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا۔ اور توکل کی روح ہے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تام، یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ سب کچھ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، بندہ بذات خود کچھ نہیں کر سکتا۔ انسان کے تمام معاملات پر مکمل غلبہ انہی کو حاصل ہے، انہی کی تدبیر کارگر ہے، باقی تمام تدابیر مقہور و مغلوب ہیں؛ مگر توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ظاہری اسباب اختیار نہ کرے۔ صحیح توکل یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر اعتماد کرے، کام کا انجام ان پر چھوڑ دے اور جو کچھ غیب سے ظاہر ہو اس پر مطمئن رہے۔

آٹھواں ذکر؛ استغفار ہے۔ استغفار کے معنی ہیں توبہ کرنا، اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگنا اور رحمت الٰہی کا جویاں (متلاشی) ہونا۔ استغفار کی روح یہ ہے کہ آدمی اپنے ان گناہوں کو سوچے جنہوں نے اس کے نفس کو میلا اور گندہ کر دیا ہے اور اسباب مغفرت اختیار کر کے نفس کو ان گناہوں سے پاک کرے۔ اسباب مغفرت نیک اعمال، اپنے احوال کو ملائکہ کے مشابہ کرنا اور ندامت کے آنسو بہانا ہیں۔

نواں ذکر؛ اللہ کے ناموں سے برکت حاصل کرنا ہے۔ اللہ کے ناموں کی برکت ہی سے مخلوقات منور ہوتی ہیں، پس جو بندہ ان ناموں کی طرف متوجہ ہوگا، وہ اللہ کی رحمت کو خود سے قریب پائے گا۔

دسواں ذکر؛ درود شریف ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے احسانات اُمت پر بے حساب ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ مؤمنین آپ ﷺ کا ذکر خیر کریں اور ہر وقت یاد رکھیں، اسی لیے درود مشروع کیا گیا"۔

(تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی: ۴۲/۸)

اس وقت جب کہ پورا ملک افراتفری کا منظر پیش کر رہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ انفرادی و اجتماعی توبہ کی جائے، ذکر الٰہی کو اپنا شیوہ بنایا جائے، احادیث مبارکہ میں جو جو موقع محل کی دعائیں اُمت کو بتلائی گئی ہیں، ان کے سیکھنے سکھانے کا بھرپور اہتمام کیا جائے، بزرگوں سے تعلق استوار کیا جائے، ان کی مجالس کو غنیمت سمجھا جائے، ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا جائے، دل کی دنیا آباد کی جائے، روحانیت و ایمانیت کی شمع فروزاں کی جائے۔ جو اس حقیقت کو پالے گا، اُسے ایمان کی حلاوت و مٹھاس نصیب ہوگی اور نا اُمیدی و مایوسی کا طوفان خس و خاشاک دکھائی دے گا۔

تجلیاتِ رمضانُ المبارک

جاننا چاہیے کہ عربی زبان میں رَمضان کا مادّہ رَمَــضٌ ہے، جس کا معنی سخت گرمی اور تپش ہے۔ رمضان میں چونکہ روزہ دار بھوک و پیاس کی حدت اور شدت محسوس کرتا ہے؛ اس لیے اسے رمضان کہا جاتا ہے۔

(لسان العرب لابن منظور: ۱۶۲/۷)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ رمضان رمضاء سے مشتق ہے، اس کا معنی سخت گرم زمین ہے؛ لہٰذا رمضان کا معنی سخت گرم ہوا۔ رمضان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ جب عربوں نے پرانی لغت سے مہینوں کے نام منقل کیے، تو انہیں اَوقات اور زمانوں کے ساتھ موسوم کردیا۔ جن میں وہ اس وقت واقع تھے۔ اتفاقاً رمضان ان دنوں سخت گرمی کے موسم میں آیا تھا۔ اس لیے اس کا نام رَمضان رکھ دیا گیا۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ۲۲۹/۴)

رمضان المبارک اور مؤمن کی تمنا:

حضرت ابو مسعود غفاریؓ سے روایت ہے کہ رمضان المبارک کے آغاز کے موقع پر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: **لَوْ يَعْلَمُ الْعِبَادُ مَا رَمَضَانُ؟ لَتَمَنَّتْ أُمَّتِيْ أَنْ تَكُوْنَ السَّنَةَ كُلَّهَا.**

(الجامع شعب الایمان للبیهقی، رقم الحدیث: ۳۳۶۱)

"اگر لوگ رمضان کی اہمیت کو سمجھ جائیں تو وہ یہ تمنا کرنے لگیں کہ پورا سال ہی رمضان ہو"۔

تشریح:

زیرِ نظر حدیث رمضان المبارک کے فضائل کے حوالے سے قرآن و حدیث میں مذکور ارشادات کا نہایت جامعیت کے ساتھ احاطہ کرتی ہے؛ چناں چہ قرآن نے روزوں کی فرضیت کا اہم مقصد ﴿ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴾ بیان کیا ہے کہ توقع کی جاتی ہے کہ رمضان کے روزوں کے ذریعے تم پرہیزگار بن جاؤ۔ تقویٰ کی

تکمیل دو پہلوؤں سے ہے: ایک حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد کا قیام، یعنی متقی وہ ہوگا جو احکاماتِ شرعیہ کا پابند ہو، حقوق اللہ کی تمام نوعیتوں کو اخلاص کے ساتھ اختیار کرے اور اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے یکسوئی پیدا کرے۔ یوں انسان کے لیے اللہ کی رحمتوں کا حصول ممکن اور اس کا قرب آسان ہو جاتا ہے۔ دوسرا پہلو حقوق العباد کے حوالے سے ہے کہ متقی آدمی عدل وانصاف پر کار بند اور اخلاق وصفات میں سیرتِ طیبہ کا پیروکار ہو اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

ایک موقع پر رمضان المبارک کی آمد سے قبل نبی اکرم ﷺ نے خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں آپ ﷺ نے ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ: ”یہ مہینہ صبر اور برداشت کا مہینہ ہے“۔ صبر کا اجر روزِ قیامت جنت کی صورت میں ملے گا۔ کسی بھی مؤمن کی زندگی کا اصل مقصد دُنیوی کامیابی کے ساتھ اُخروی کامیابی ہے کہ انسان کو جنت نصیب ہو اور اس کی روحانی ترقیات اور کمالات کا راستہ کھل جائے۔ اس نعمت کے حصول کے لیے روزہ مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ: ”جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے تو یہ اس کے لیے گزشتہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا“۔ ایک اور حدیث کی رو سے: ”روزہ رکھ کر روزہ دار ایسے ہو جاتا ہے، جیسے دنیا میں آج ہی آیا ہو“۔ یعنی اسے گناہوں کی نحوستوں اور اثرات بد سے نجات مل جائے گی۔ اس طرح کی متعدد آیات واحادیث ہیں جو اس حدیث پاک کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ ان آیات واحادیث کی روشنی میں مؤمن بجا طور پر یہ تمنا کرتا ہے کہ سارا سال ہی رمضان ہونا چاہیے، تاکہ اللہ کے قرب کا ایک یقینی راستہ اسے مل جائے، لیکن شریعت نے انسانوں کے لیے سہولت رکھی ہے اور سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کیے ہیں۔

سب مہینوں کا سردار رمضان:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سَيِّدُ الشُّهُوْرِ رَمَضَانُ وَاَعْظَمُهَا حُرْمَةً ذُوالْحِجَّةِ. (مجمع الزوائد: ۳/ ۱۴۰)

”سب مہینوں کا سردار رمضان ہے اور سب سے زیادہ قابلِ احترام ذوالحجہ کا مہینہ ہے“۔

تشریح:

رمضان اور ذی الحجہ کی یہ خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور مہینہ ایسا نہیں جس سے کسی اسلامی فریضے کا خصوصی تعلق ہو۔

صرف یہی دو مہینے ایسے ہیں جن میں سے ایک میں اسلام کا ایک اہم فریضہ روزہ ادا ہوتا ہے اور دوسرے میں حج ہوتا ہے اور ان میں سے رمضان کو سرداری کا درجہ اس لیے حاصل ہے کہ اس میں بہت سے ایسے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں جو کسی اور مہینے میں نہیں ہوئے اور اعمال کا سب سے زیادہ انعام اسی مہینے میں ملتا ہے۔ اور بھی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

رمضان المبارک میں حضرت نبی اکرم ﷺ کے دو خصوصی اعمال:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ ﷺ ـ اَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ، وَكَانَ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُوْلُ اللّٰهِ ـ ﷺ ـ اَجْوَدُ بِالْخَيْرِ، مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ. (صحیح البخاری: ۲۵۵/۱، کتاب الصوم، رقم الحدیث: ۱۸۰۳)

''رسول اللہ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور رمضان میں جب جبرئیل (علیہ السلام) آپ ﷺ سے ملتے تو دوسرے اوقات کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ جود و کرم فرماتے۔ حضرت جبرئیلؑ رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن کا دَور کرتے۔ غرض! نبی کریم ﷺ لوگوں کو بھلائی پہنچانے میں بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ جود و کرم فرمایا کرتے تھے''۔

تشریح:

اس روایت کے ذریعہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے رمضان المبارک کے دو معمولات کو خصوصیت سے بیان کرر ہے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ آپ ﷺ کا عام حالات میں سخی دل اور فیاض ہونا تو معروف ہے، مگر رمضان المبارک میں آپ کا یہ وصف اپنے پورے عروج پر ہوتا تھا۔ ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے میں آپ نہایت مستعد ہو جاتے۔ گرمی کی شدت اور گھٹن کے وقت بارش لانے والی ٹھنڈی ہوا اور تیز بارش جس طرح موسم کو یکسر بدل دیتی ہے، آپ ﷺ اسی طرح اعزہ و اقرباء اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پوری کرتے۔ اللہ کی راہ میں مال خوب خرچ کرتے۔ گویا دیگر مہینوں کے برعکس آپ رمضان المبارک میں اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی طرف بہت متوجہ رہتے۔

(۲) دوسرا یہ کہ رمضان المبارک کی ہر رات جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لاتے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

قرآن کا دَور کرتے (یعنی دونوں حضرات باری باری ایک دوسرے کو قرآن سناتے)۔ گویا رمضان المبارک میں آپ ﷺ کا کثرتِ تلاوت کا معمول ہوتا اور اس مبارک عمل میں جبرئیلؑ بھی آپ کے ساتھ شریک ہوتے۔ یوں رمضان المبارک میں کثرتِ تلاوت اور آپس میں دَور کرنا امام الانبیاء ﷺ اور امام الملائکہؑ کی مشترکہ سنتِ مبارکہ ہے۔

زیرِ نظر حدیث کی روشنی میں رمضان المبارک کے معمولات میں مذکورہ بالا دو اُمور پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے: ایک اللہ کے راستے میں خرچ اور دوسرا تلاوتِ قرآنِ حکیم۔ احادیث کی روشنی میں رمضان کی برکت سے ہر عمل کا اَجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ مخلوقِ خدا کو مشکلات سے نکالنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ انسانی مشکلات میں معاشی تنگ دستی اور محتاجی بے شمار مسائل کی ماں ہے۔ اس لیے رمضان کے مبارک اوقات میں کمزور معیشت کے حامل لوگوں کی طرف خصوصی توجہ کرنی چاہیے۔ تلاوتِ قرآن مجید کی ایک عمدہ صورت نمازِ تراویح میں قرآن کا سننا اور سنانا ہے۔ اللہ کے نیک بندے ہر دور زمانہ میں تہجد اور اوّابین وغیرہ کے نوافل میں بھی تلاوت و سماعِ قرآن کا اہتمام کرتے چلے آئے ہیں۔

رَمضانُ المبارک کا خصوصی اعزاز و اکرام:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ) جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیے جاتے ہیں''۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صفۃ إبلیس وجنودہ: ۱۱۹۴/۳، رقم الحدیث: ۳۱۰۳)

تشریح:

مندرجہ بالا حدیث پاک کی روشنی میں جنت کے دروازوں کا کھولا جانا اور جہنم کے دروازوں کا بند ہونا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ رمضان المبارک میں ایسے اعمال کی توفیق دی جاتی ہے جو جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے بچنے کا باعث ہیں۔ ماہِ رمضان میں باقی مہینوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور خیرات و برکات کثرت سے تقسیم ہوتی ہیں۔ پس روزہ دار گناہِ کبائر سے بچتا ہے اور روزے کی برکت سے اس کے صغیرہ گناہ بھی بخش دیے جاتے ہیں۔ جس کے سبب وہ جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

مسند الہند حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"جنت کے دروازوں کا کھولا جانا اہل ایمان کے لیے فضل ہے؛ ورنہ کفار و مشرکین تو ان دنوں میں گمراہی و ضلالت میں پہلے سے زیادہ مصروف ہو جاتے ہیں؛ کیونکہ شعائر اللہ کی ہتک کرتے ہیں۔ اہل ایمان چونکہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور عبادت و ریاضت کرتے ہیں۔ اس مبارک مہینے میں نیکیوں کی کثرت کرتے ہیں اور برائیوں سے بچے رہتے ہیں"۔ (حجۃ اللہ البالغہ:۸۸/۲)

اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔

اور جنت کے دروازوں کے کھولے جانے کا فائدہ یہ ہے کہ ملائکہ روزہ داروں کے عمل کو اچھا جان کر ان کے لیے جنت تیار کرتے ہیں اور یہ اللہ رب العزت کی طرف سے روزہ داروں کی بڑی عزت افزائی ہے۔

اُمتِ محمدیہ کے لیے رمضان المبارک میں پانچ تحفے:

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری اُمت کو ماہِ رمضان میں پانچ تحفے ملے ہیں، جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے۔

پہلا یہ کہ جب ماہِ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ التفات فرماتا ہے اور جس پر اللہ کی نظر پڑ جائے اسے کبھی عذاب نہیں دے گا۔

دوسرا یہ کہ شام کے وقت ان کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک (کستوری) کی خوشبو سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہے۔

تیسرا یہ کہ فرشتے ہر دن اور رات ان کے لیے بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

چوتھا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی جنت کو حکم دیتے ہوئے کہتا ہے: میرے بندوں کے لیے تیاری کر لے اور مزین ہو جا، قریب ہے کہ وہ دنیا کی تھکاوٹ سے میرے گھر اور میرے دارِ رحمت میں پہنچ کر آرام حاصل کریں۔

پانچواں یہ کہ جب (رمضان کی) آخری رات ہوتی ہے ان سب کو بخش دیا جاتا ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا: کیا یہ شبِ قدر کو ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ جب مزدور کام سے فارغ ہو جاتے ہیں تب انہیں مزدوری دی جاتی ہے؟"۔

(شعب الایمان:۳۰۳/۳، رقم الحدیث:۳۶۰۳، الترغیب والترہیب:۵۶/۲، رقم الحدیث:۱۴۷۷)

رمضانُ المبارک میں شیطان کی گرفتاری:

سیدنا حضرت ابوہریرہ ﷛ سے مروی روایت میں چوتھے نمبر پر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَتُصَفَّدُ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيٰطِيْنِ فَلَا يَخْلُصُوْا فِيْهِ اِلٰى مَا كَانُوْا يَخْلُصُوْنَ اِلَيْهِ فِيْ غَيْرِهٖ.

(رواه أحمد والبزار والبيهقي، أنظر: الترغيب والترهيب: ٩١/٢)

''اس مہینے میں سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، تاکہ جن برائیوں تک وہ غیر رمضان میں پہنچ جاتے تھے اب نہ پہنچ سکیں''۔

تشریح:

قارئین کرام! جہاں مال ہوتا ہے چور وہیں آتا ہے، رمضان کے مبارک مہینے کی تمام خوبیاں اور فضیلتیں سن کر جب اللہ کے نیک بندے عبادتوں کی طرف لپکتے اور دن رات خدا سے لَو لگاتے ہیں تو عبادتوں کا چور شیطان بھی اپنی کوششیں بڑھا دیتا اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کسی نہ کسی طرح ان کا رمضان ضائع کرا دیتا؛ لیکن قربان اس مولائے کریم کی مہربانیوں کے کہ اس نے رمضان المبارک کے قیمتی موقع اور عبادتوں کے موسم کو ضائع کرانے والے شیطان کو اپنے فضل وکرم سے گرفتار کرکے جکڑ کر ڈال دیا اور رمضان بھر ہمارے لیے عبادتوں کا میدان خالی چھوڑ دیا۔

عام دنوں میں تو ہم اگر نیکیوں کی طرف چلتے ہیں تو شیطان ہمیں اِدھر اُدھر کی سکھا پڑھا کر روکنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے راستے کا یہ روڑا بھی رمضان بھر کے لیے صاف کر دیا اور حکم دیا کہ اب تو کچھ کرکے دکھاؤ، ہم اگر اب بھی پیچھے ہٹیں اور سستی کریں اور ایسے بہترین اور قیمتی موقع سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ہم سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں بڑے بڑے پاپی، گنہگار اور دنیا کو ستانے والے بھی کچھ نہ کچھ اللہ کی طرف توجہ کرلیتے ہیں اور اپنے بُرے فعلوں سے باز آجاتے ہیں یا کم از کم ہلکے پڑ جاتے ہیں اور تقریباً ہر ایک کے دل میں خدا کا خوف اور نیکیوں کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور برائی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

ایک شبہ:

شاید کسی کے دل میں یہ بات آ رہی ہو کہ ہم نے تو بہت سے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جن کے لیے رمضان اور غیر رمضان دونوں برابر ہیں اور ان کی برائی میں کچھ بھی کمی نہیں آتی تو کیا اُن کے شیطان بند نہیں ہوئے؟ یا بند ہو گئے تھے مگر کسی طرح چھوٹ چھٹا کر بھاگ آئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان تو سبھی بند ہو گئے ہیں اور خدا کے جیل خانے سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ نہیں لیکن اگر تم نے کبھی سلائی کی مشین چلتی دیکھی ہوگی یا بچپن میں پہیہ چلا کر کھیلے ہو گے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ جب آدمی مشین یا کسی گھومنے والی چیز کو چلاتا رہتا ہے اور پھر اس کو اچانک چھوڑ دیتا ہے تو وہ کچھ دیر تک بغیر ہاتھ لگائے بھی چلتی رہتی ہے، اب اگر کوئی تم سے پوچھے کہ بتاؤ اس مشین کو کون چلا رہا ہے؟ تو تم کیا کہو گے ؟ یہی کہ جس شخص نے اسے دیر تک چلایا تھا اسی کے چلانے سے اب تک چل رہی ہے۔

بس جب تم اتنی بات سمجھ گئے تو یہ بات بھی آسانی سے سمجھ لو گے کہ ہمارے جسم کے کل پرزوں کی یہ مشین گیارہ مہینے تک شیطان نے خوب تیزی سے چلائی تھی اور شعبان کی تیس تاریخ کو جب اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو عید کی رات تک یہ مشین خود بہ خود چلتی رہی۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس پر گیارہ مہینے تک شیطان کا جتنا زیادہ قبضہ رہتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ رمضان میں بھی برائی میں پھنسا رہتا ہے اور جس نے گیارہ مہینے تک اپنی مشین کو شیطان کے قبضہ میں پوری طرح نہیں جانے دیا ہوتا وہ رمضان میں بڑی آسانی سے برائیوں سے بچ جاتا ہے اور نیکی کرنے کے لیے اسے زیادہ زور نہیں لگانا پڑتا۔

دوسری ایک بات یہ بھی ہے کہ تمام گناہ شیطان ہی نہیں کراتا؛ بلکہ انسان کا اپنا نفس اور بُری صحبتیں اور غلط عادتیں بھی بہت سے گناہ کراتی ہیں۔ (زرقانی شرح مواہب: ۹۹/۸)

لہٰذا اگر شیطان بند ہو گیا ہے تو باقی چیزیں بھی کچھ نہ کچھ اپنا اثر دکھاتی ہیں۔

ہماری سعادت اور نیک بختی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر ادا کریں اور رمضان میں کچھ کر کے دکھائیں اور شکر یہی ہے کہ خدا کے احکام اور اس کی مرضی کے سامنے اپنے دل کی خواہشوں کو ختم کر دیں اور اس کی مرضی پر اپنی مرضی قربان کر دیں۔

جس میں ہوں آپ راضی میں بھی اسی میں راضی
میری وہی خوشی ہے جو آپ کی خوشی ہے

شیطان کی گرفتاری کا ایک دوسرا مطلب:

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ.

(صحيحين عن صفية كمافي تخريج العراقي على الاحياء: ۲۰۸/۱)

"شیطان آدمی کی رگوں میں خون کی طرح (ہر ہر جگہ) دوڑتا ہے"۔

تشریح:

جب انسان کا پیٹ بھرتا ہے اور رگوں میں طاقت آتی ہے تو رگوں اور پٹھوں کے اندر سے شیطانی تحریکیں شروع ہوجاتی ہیں اور گناہوں کی طرف رغبت ہونے لگتی ہے اور جب پیٹ خالی ہوتا ہے تو برائی کا خیال بہت کم آتا ہے؛ لہٰذا جب روزے کی وجہ سے پورے جسم پر بھوک و پیاس کا اثر ہوگا تو رگوں اور پٹھوں کا زور بھی کم ہوجائے گا اور اوپر کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کے جسم میں شیطان کا ٹھکانا رگیں ہیں؛ لہٰذا جب رگیں کمزور ہوں گی تو شیطانی طاقت بھی ضرور کم ہوگی اور وہ گویا مہینہ بھر تک بغیر ہاتھ پیر کا ہو کر پڑا رہے گا اور کچھ نہ کر سکے گا۔

رمضانُ المبارک میں عمرہ کرنے کی فضیلت:

رمضان المبارک میں چونکہ نیک اعمال کا ثواب، ستر (۷۰) گنا زائد ہوجاتا ہے؛ لہٰذا بالخصوص رمضان المبارک میں عمرہ کا ثواب بھی بہت بڑھ جاتا ہے؛ چنانچہ روایات میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "رمضان المبارک کا عمرہ، حج کے برابر ہوتا ہے"۔ (صحيح البخاري: ۲۳۹/۱، صحيح مسلم: ۴۰۹/۱)

جیسا کہ صحابیٔ جلیل سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس اور اُم معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے:

عُمْرَةٌ فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً. (جامع الترمذي، رقم الحديث: ۹۳۹، أبواب الحج)

"نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان المبارک میں عمرہ (کا ثواب) ایک حج کے برابر ہے"۔

اور حضرت اُمِ سنان انصاریہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں اللہ کے نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی آیا ہے:

أَوْحَجَّةً مَعِيْ. (صحيح البخاري، رقم: ۱۸۶۳، صحيح مسلم، رقم: ۱۲۵۶، سنن أبي داوٗد، رقم: ۱۹۹۰)

''رمضان المبارک میں عمرہ کرنا، میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے''۔

روایت ہے کہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہانے نبی اکرم ﷺ سے آکر شکایت کی کہ (میرے شوہر) ابوطلحہ اوران کے بیٹے خود حج کو چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اُم سلیم! رمضان کا عمرہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے''۔

(صحيح ابن حبان، رقم الحديث:٣٦٩١، الترغيب والترهيب كامل:٢٦٤)

رَمضان المبارک میں نیکیوں کی قیمت:

بہت سے بڑی عمر کے حضرات نے دیکھا بھی ہوگا یا کم از کم سنا تو ہوگا ہی کہ یہی ماچس (دیا سلائی) جو آج کل چند روپیوں میں مل جاتی ہے، آج سے پچاس پچپن سال پہلے جنگ کے موقع پر بعض جگہوں پر بارہ آنے اور روپے تک کو ملنا مشکل تھی اور جو نمک آج مہنگائی کے دور میں بھی چند روپیوں کلو سے زیادہ نہیں لوگوں نے پچاس پچپن سال پہلے دو روپے سیر تک خریدا ہے۔

تو کیا اِس نمک میں آبِ حیات (جو ایک قسم کا پانی ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ جو اسے پی لیتا ہے کبھی نہیں مرتا، وہ) مل گیا تھا؟ اور کیا ماچس میں تیلیاں زیادہ بھر دی گئی تھیں؟ کچھ بھی نہیں بس وقت وقت کی بات ہے ۔ایک ہی چیز کل ہم نے دس روپے کو بیچی تھی آج وہ ستر میں مشکل سے ملتی ہے۔

بالکل اسی طرح سمجھو کہ انسان جو کام کرتا ہے خدائے پاک اُسے نیکیوں کے بدلے خریدتا ہے اور اس نے بتا دیا ہے کہ تمہاری نیکیاں ہم فلاں وقت اس بھاؤ لیں گے اور فلاں وقت اس کی قیمت اتنی ہوگی۔ مثلاً نماز تم عام دنوں میں تنہا پڑھو تو ایک ہی نماز سمجھی گئی اور جماعت سے پڑھی تو اس کی قیمت ستائیس گنا ہوگئی۔
(مشکوٰۃ المصابیح:۱/۲/۷)

اور رمضان المبارک میں ایک نماز ستر نمازوں کے برابر ہوگئی، پھر آپ کو اللہ نے توفیق دی اور آپ حج کو گئے تو اب بیت اللہ شریف کی مسجد حرام میں نماز پڑھی تو بعض روایات کے بموجب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوگئی۔ (مشکوٰۃ:۱/۲/۷، احیاء العلوم بتخریج العراقی:۱/۲۰۹، مشکل الآثار:۱/۲۴۵)

اور اگر عمل خالص اللہ کے لیے کیا جائے تو اس کے بڑھنے کی تو کوئی حد ہی نہیں۔

لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اعمال کا اجروثواب تو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ نبوی میں بھی بڑھ جاتا ہے اور بیت المقدس میں بھی، اور بھی بہت سے حالات اور بہت سے مقامات ہیں؛ لیکن سب سے زیادہ آسان اور گھر بیٹھے بٹھائے اور خوب ریل پیل سے جو ملتا ہے وہ صرف رمضان المبارک ہی میں ملتا ہے جس کے لیے نہ سفر کرنے کی ضرورت، نہ پاسپورٹ بنوانے کی ضرورت اور نہ مہینوں کاروبار چھوڑنے اور گھر سے الگ رہنے کی ضرورت، دن کے وقت اپنے کام دھندے بھی کر سکتے ہیں اور رات میں آرام بھی گھر پر ہوسکتا ہے اور پورے ایک مہینے تک خدا کی رحمت کے دسترخوان سے دنیا اور آخرت کی نعمتیں بھی لوٹی جاسکتی ہیں اور اس میں بھی ایک رات ایسی قیمتی بنادی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس ایک مہینے میں انسان اگر چاہے تو وہ کچھ کما سکتا ہے جو سال بھر محنت کر کے بھی بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

سیّدنا حضرت سلمان فارسی ﷺ کی تفصیلی روایت پہلے گزر چکی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فِيْهِ فَرِيْضَةً كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ. (صحيح ابن خزيمة: ۱۹۱/۳، الرقم: ۱۸۸۷)

"جو شخص اس مہینے میں کوئی نفلی عبادت کرے اس کا ثواب اتنا ہے جتنا غیر رمضان میں فرض کا اور جس نے اِس مہینے میں کوئی فرض ادا کیا اس کو غیر رمضان کے ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا"۔

تشریح:

اب آپ ذرا اندازہ لگائیے کہ اس مہینے میں صرف فرض نمازیں ڈیڑھ سو ہوئیں اور تیس روزے ہوئے، پھر زکوٰۃ کا حساب بھی لوگ عام طور پر رمضان سے رمضان ہی تک رکھتے ہیں، اس کے علاوہ بھی فرض اور واجب اعمال بہت سے ہوتے ہیں ہر ایک کا ستر گنا لگائیے، پھر نفلی عبادتیں مثلاً صدقہ خیرات، کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، کسی ننگے کو کپڑے پہنانا، کسی بے چارہ قرضے میں دبے ہوئے انسان کا قرضہ نمٹا دینا، دو آدمیوں میں صلح کرا دینا وغیرہ سیکڑوں نفلی عبادتیں ہیں، ہر ایک ان میں سے فرض کے برابر ہو جاتی ہے اور ایک فرض ایک نفل سے کتنا اونچا ہوتا ہے اس کا اندازہ آپ مشہور محدث علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے اس قول سے کیجیے، وہ فرماتے ہیں:

"ستر نوافل مل کر ایک فرض کے برابر ہوتے ہیں"۔ (فضائل صدقات: ۲۴۸/۱)

جوبات علامہ سیوطیؒ نے کہی ہے اگر غور کریں تو خود اس اوپر والی حدیث سے بھی صاف سمجھ میں آتی ہے کیونکہ جب ایک فرض ستر فرضوں کے برابر ہو گیا اور نفل فرض کے برابر ہوا تو ظاہر ہے کہ درجہ اور قوت کے لحاظ سے ایک فرض ستر نوافل کے برابر ہوا۔

بہر کیف! تواب مطلب یہ ہوا کہ رمضان میں ہر عبادت چاہے وہ فرض ہو یا نفل ستر گنا ہو جاتی ہے، اب اگر ہم اپنی چھوٹی بڑی تمام عبادتیں ملائیں اور ہر ایک کا ستر گنا لگائیں تو سوچو کتنا بڑا ذخیرہ بن جاتا ہے، کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رمضان کے مہینے میں خوب عبادتیں اور نیکیاں کر کے ثواب لُوٹتے ہیں۔

دراصل یہ مہینہ عبادتوں کا موسم اور اُن کی فصل کا زمانہ ہے، جس طرح ہر درخت ہر کھیتی اپنے موسم میں خوب پھولتی پھلتی اور خوب بڑھتی ہے، اسی طرح اس مہینے میں عبادتیں خوب بڑھتی ہیں، پس جو جتنی زیادہ نیکیاں کرنا چاہے کر لے یہی وجہ ہے کہ اللہ والے اور نیک لوگ رمضان المبارک کا بہت اہتمام کرتے ہیں اور بہت سے تو کام دھندے بالکل چھوڑ کر عبادتوں ہی میں لگ جاتے ہیں اور جن کے پاس اتنی گنجائش نہیں ہے وہ کچھ وقت کاروبار کا اور کچھ عبادتوں کا کر لیتے ہیں، کام دھندے تو ہمیشہ ہی ہوتے رہتے ہیں، رمضان کا مہینہ سال میں ایک بار آتا ہے اور کون جانتا ہے کہ یہ مبارک گھڑیاں آئندہ سال ہمیں ملیں گی یا نہیں، اس لیے جو کرنا ہے کر لیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اور تمام مسلمانوں کو اس مبارک مہینے کی قدر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

رمضان المبارک کی خوب قدر کیجیے!

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے، تو فرمایا: آمین۔ دوسرے زینے پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ تیسرے زینے پر قدم رکھے تو فرمایا: آمین۔ اس کی وضاحت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ! مَنْ اَدْرَکَ رَمَضَانَ فَلَمْ یُغْفَرْ لَهٗ فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ، فَقُلْتُ: آمین، قَالَ: وَمَنْ اَدْرَکَ وَالِدَیْهِ اَوْ اَحَدَهُمَا فَدَخَلَ النَّارَ، فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ، فَقُلْتُ: آمین، قَالَ: وَمَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ، فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ، فَقُلْتُ: آمین. (الترغیب والترهیب: ۵۸۴/۱، رقم الحدیث: ۹۹۶)

"میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد (ﷺ) جس شخص نے رمضان پایا اور اس کو بخش نہیں دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے، تو میں نے کہا: آمین (اے اللہ! اس بددعا کو قبول فرما) جبریل علیہ السلام نے دوسری بددعا فرمائی: جس شخص نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پایا، پھر بھی وہ جہنمی ٹھہرا تو اللہ اس کو اپنی رحمت

سے دور کرے، تو میں نے کہا: آمین۔ جبریل علیہ السلام نے تیسری بددعا فرمائی: جس شخص کے سامنے آپ (ﷺ) کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی رحمت سے دور کرے، تو میں نے کہا: آمین (یا اللہ! قبول فرما)''۔

تشریح:

ان احادیث سے واضح ہے کہ رمضان کا مہینہ نہایت عظمت وسعادت کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کی خصوصی عظمت کی وجہ سے اس ماہ مبارک میں وہ وہ اقدامات فرماتا ہے جو مذکورہ حدیثوں میں بیان ہوئے۔ جن سے اس مہینے کی خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

عارفین وصالحین کے یہاں رمضان کا استقبال واہتمام:

رمضان المبارک؛ نزول قرآن کی سالگرہ، رحمتوں اور برکات وتجلیات کا مہینہ، طاعات وعبادات کی بہار کا زمانہ اور روحانیت کا جشن عام ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان مبارک میں اعمال خیر کے بارے میں تیز ہوا آندھی سے بھی آگے رہتے تھے۔ (صحیحین)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کا اخیر عشرہ آتا تو آپ ﷺ پوری رات بیدار رہتے گھر والوں کو بیدار فرماتے اور عبادات ونوافل کے لیے کمر کس لیتے۔ (صحیحین)

عارفین عشاق اور عالی ہمت خاصانِ خدا کی بھی دلی مراد برآنے کا وہ موسم اور ان کا محبوب ترین مہینہ ہے، جس کے لیے وہ سال بھر دن گنتے رہتے ہیں، اولیائے متقدمین کا ذکر نہیں، بعض قریب العہد بزرگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ عید کا چاند دیکھتے ہی آنے والے رمضان کا انتظار شروع ہو جاتا تھا۔

ایک معاصر مؤرخ دور اخیر کے ایک بزرگ حضرت مولانا سید شاہ ضیاء النبی حسنی رائے بریلویؒ (م:۱۳۲۶ھ) کے متعلق لکھتے ہیں:

''آمدِ رمضان سے اتنے خوش ہوتے ہیں کہ چھ مہینے پہلے سے ذکر کیا کرتے ہیں کہ اب رمضان آتا ہے، اتنے مہینے باقی ہیں، اور اتنا ہی اس کے جانے سے محزون ہوتے ہیں: "مَنْ فَرِحَ بِدُخُوْلِهٖ وَلَهِفَ بِخُرُوْجِهٖ" کے سچے مصداق آپ ہی ہیں''۔ (حاشیہ رمضان اور اس کے تقاضے: ۳۲)

رمضان المبارک آتے ہی ان میں ایک نیا جوش وولولہ، اور ایک نئی نشاط وامنگ پیدا ہوجاتی تھی اور وہ کبھی زبان حال سے یوں گویا ہوتے تھے ؎

هٰذَا الَّذِيْ كَانَتِ الْاَيَّامُ تَنْتَظِرُ فَلْيُوْفِ لِلّٰهِ اَقْوَامٌ بِمَا نَذَرُوْا

''یہ وہ دولت ہے جس کا زمانہ کو انتظار تھا، اب وقت آگیا ہے کہ نذر ماننے والے اپنی نذریں پوری کریں''۔

اور کبھی کیف وسرور میں آکر یوں گنگنانے لگتے تھے ؎

پلا ساقیا وہ مئے دل فروز کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز

رمضان المبارک کے آتے ہی دینی وروحانی مرکزوں اور خانقاہوں کی فضا بدل جاتی تھی، ان لوگوں کے علاوہ جو وہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوتے تھے، شیخ ومرشد سے بیعت وعقیدت کا تعلق رکھنے والے دور دور سے اس طرح کھنچ کھنچ کر آجاتے تھے، جیسے آہن پارے مقناطیس کی طرف، اور پروانے شمع کی طرف آجاتے ہیں۔ یہ روحانی مرکز ذکر وتلاوت اور نوافل وعبادات سے اس طرح معمور ہوجاتے کہ گویا دن میں اس کے سوا کوئی کام اور رمضان کے بعد پھر کوئی رمضان آنے والا نہیں، ہر شخص دوسرے شخص سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان ہی کا نہیں، اپنی زندگی کا آخری دن سمجھتا، اور خواجہ میر درد کے اس شعر کی سچی تصویر اور عملی تفسیر بن جاتا ؎

ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

جو خدا کا بندہ تھوڑی دیر کے لیے بھی اس ماحول میں آجاتا، وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوجاتا، افسردہ طبیعتوں میں نئی گرمی؛ بلکہ سرگرمی، پست ہمتوں میں عالی ہمتی اور اولوالعزمی؛ بلکہ مردہ دلوں میں زندہ دلی اور بلند پروازی پیدا ہوجاتی۔ بجلی کا ایک کرنٹ تھا جو دلوں سے دلوں کی طرف پہنچ جاتا، اور مردہ جسموں میں ایک بجلی سی پیدا کردیتا۔ جو شخص اس روحانی وملکوتی فضا کو دیکھتا، اس کا قلب شہادت دیتا کہ جب تک خدا طلبی کا یہ ہنگامہ برپا ہے اور دین وروحانیت کی شمع کے پروانوں کا ہجوم ہے اور ہر قسم کے دنیوی اغراض اور نفس پرستی ودنیا طلبی سے بالاتر ہوکر خدا کو راضی کرنے اور اپنی آخرت کو بنانے کے لیے اتنے آدمی کسی جگہ جمع ہیں، دنیا تباہ نہ ہوگی اور زندگی کی اس بساط کو تہہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اس وقت وہ بے اختیار خواجہ صاحب کے الفاظ میں اس طرح

گویا ہو جاتا تھا۔

از صد سخنِ پیرم یک نکتہ مرا یاد است

عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

''اپنے مرشد کی سو باتوں میں سے ایک بات مجھے یاد رہ گئی ہے کہ عالم اس وقت تک ویران نہیں ہوگا جب تک کہ (معرفت کا) میکدہ قائم ہے''۔

دہلی اور اس کے اطراف میں رمضان کی بہار:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

افسوس ہے کہ آٹھویں صدی میں سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ غیاث پور (دہلی) اور تیرہویں صدی میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''خانقاہ مظہریہ'' واقع چتلی قبر (دہلی) کے رمضان المبارک کا آنکھوں دیکھا حال کسی مؤرخ نے نہیں لکھا، اور وہاں ذکر وتلاوت کی سرگرمی، شب بیداری اور وہاں کا نظام الاوقات کسی کتاب میں تفصیل سے نہیں ملتا؛ لیکن ''فوائد الفواد''، ''سیر الاولیاء'' اور ''دُرّ المعارف'' میں اس کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ جو شخص ان خانقاہوں کے شب وروز اور ان مشائخ کے ذوق وشوق اور ساز وسوز سے واقف ہے، وہ ان نقطوں سے پوری تحریر اور ان نامکمل خطوط سے پوری تصویر تیار کرسکتا ہے کہ۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

لیکن جن خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کے حصے میں ان خانقاہوں کی وراثت اور جن علماء ومشائخ کے حصے میں ان بزرگان سلف اور مشائخ پیشین کی نیابت وخلافت آئی، انہوں نے ان مناظر کو تازہ اور زندہ کر دیا اور تاریخ نے ان کے عہد میں اپنے آپ کو دہرا دیا۔

وہ لوگ تو خال خال ہوں گے جنہوں نے گنگوہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں رمضان کی بہار دیکھی ہے؛ لیکن وہ لوگ بکثرت موجود ہیں جنہوں نے گنگوہ کے دور کے بعد شیخ وقت حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے دور میں رائے پور میں اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دور میں تھانہ بھون میں رمضان کی بہار دیکھی اور جس وقت وہ اس زمانے کو یاد کرتے ہیں، ان کے

دل پر ایک چوٹ لگتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کے بیان کے مطابق حضرت رائے پوریؒ کے دور میں رمضان میں چار سو، پانچ سو سے زیادہ کا مجمع ہوتا تھا۔ (آپ بیتی)

ہمارے علم میں اس اخیر دور میں جس نے اسلاف کی اس سنت دیرینہ کو زندہ کیا اور اس کو نئی آب وتاب بخشی ، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات تھی، انہوں نے اپنے مخصوص طالبین و مخلصین کی درخواست پر کسی ایک جگہ قیام کر کے رمضان المبارک کے گزارنے کا معمول بنالیا، اور اطراف واکناف؛ بلکہ ملک کے دور دراز گوشوں سے منتسبین اور ارادت مند پروانہ وار جمع ہونے لگے۔ حضرتؒ نے ایک عرصہ تک سلہٹ میں رمضان المبارک گزارا، پھر کئی سال بانس کنڈی (بنگال) میں رمضان گزارا، ایک دو سال اپنے وطن مالوف ''الٰہ داد پورہ'' متصل ٹانڈہ ضلع فیض آباد، خاص اپنے دولت خانہ پر رمضان المبارک گزارا، ان سب مقامات پر سیکڑوں کی تعداد میں مریدین وخدام اور اس ماہ مبارک کے قدرداں جمع ہوتے ، جو آپ کے مہمان ہوتے، آپ ہی ان مقامات پر قرآن شریف سناتے، لوگ ذکر وشغل، تلاوت وعبادات میں پوری سرگرمی وعالی ہمتی سے مشغول رہتے، خدام کو بڑی کیفیات وترقیات محسوس ہوتیں اور وہ عرصہ تک مزے لے لے کر ان پر کیف ، پر سرور ساعتوں کا ذکر کرتے۔ اگر اللہ کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی، تو غالباً ''الٰہ داد پورہ'' میں یہ مبارک سلسلہ جاری رہتا اور خدا جانے کتنے بندگان خدا اپنی مراد کو پہنچتے اور تربیت وتکمیل کے مدارج سے گزرتے؛ لیکن مولانا کی وفات (یوم جمعرات ۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ، مطابق ۵؍ دسمبر ۱۹۵۷ء) نے اس سلسلہ کو منقطع کر دیا اور لوگ کف افسوس ملتے رہ گئے۔ (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی: ۱۲۲ تا ۱۲۶)

مرشدنا حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی رمضان کا غیر معمولی اہتمام تھا۔ رمضان المبارک میں خاص بہار ہوتی، لوگ بہت پہلے سے اس کے منتظر ہوتے اور تیاریاں کرتے ، ملازمین چھٹیاں لے کر آتے ، مدارس دینیہ کے اساتذہ اس موقع کو غنیمت جان کر اہتمام سے آتے ، علماء وحفاظ کی خاصی تعداد جمع ہو جاتی، تقسیم سے پہلے مشرقی پنجاب کے اہل تعلق وخدام اور وہاں کے مدارس کے علماء کی تعداد غالب ہوتی، شعبان کی آخری تاریخوں میں رمضان گزارنے کے لیے رائے پور آجاتے ، اور پھر یکسوئی وانہماک کے ساتھ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو کر دنیا سے الگ تھلگ اس گاؤں میں جس کو شہر

سے ملانے والی کوئی پختہ سڑک بھی نہیں اور نہ کوئی ریلوے اسٹیشن قریب ہے، اس مبارک مہینہ کو وصول کرنے میں مشغول ہو جاتے، اور عید کی نماز پڑھ کر ہی یہاں تشریف لے جاتے۔

اہل رائے پور اور اطراف کے اہل تعلق اولوالعزمی اور عالی ہمتی سے مہمانوں اور مقیمین خانقاہ کے افطار، طعام اور سحر کا انتظام کرتے۔

رمضان المبارک میں اپنے شیخ کی اتباع میں مجلسیں سب ختم ہو جاتیں، باتوں کے لیے کوئی خاص وقت نہ تھا، ڈاک بھی بند رہتی، تخلیہ نماز کے وقت کے علاوہ تقریباً ۲۴ رگھنٹے رہتا، کسی ایسے کے آنے سے گرانی ہوتی جس کے لیے وقت صرف کرنا پڑتا، افطار علالت سے پیشتر مجمع کے ساتھ ہوتا، جس میں کھجور اور زمزم کا خاص اہتمام ہوتا، مغرب کے متصل کھانا علالت سے پہلے مجمع کے ساتھ اس کے بعد چائے، عشاء کی اذان تک یہی وقت چوبیس گھنٹے میں مجلس کا تھا۔

اذان کے بعد نماز کی تیاری اس درمیان میں حضرات علماء کا مجمع اگلی صف میں ہوتا، بعض اہم اہم سوالات کرتے اور حضرت ان کا جواب دیتے، عشاء کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ کبھی نشست اور کبھی لیٹ جاتے، خدام بدن دبانا شروع کرتے، مسجد وخانقاہ میں تراویح ہوتی، مسجد میں قرآن مجید ہوتا اور خانقاہ میں بھی، یوں تو حفاظ کی کثرت ہوتی، مگر حضرت اچھے پڑھنے والے بہتر حافظ کو پسند کرتے۔ (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری: ۱۲۳ تا ۱۲۵)

اس سنت کا تسلسل واستمرار؛ بلکہ اس کی ترقی وتوسیع، اس شخصیت کے حصہ میں آئی، جس کے ہاتھوں سے اپنے اسلاف وشیوخ اور اساتذہ ومربیوں کے بہت سے کارناموں کی حفاظت، بہت سی تصنیفات کی اشاعت اور بہت سی ناتمام چیزوں کی تکمیل مقدر ہو چکی تھی۔ یوں تو رمضان کا اہتمام، اس میں تلاوت وعبادت کا انہماک ،انقطاع ویکسوئی ، اہل قلوب اور اہل معرفت کا ہر دور میں خصوصی شعار رہا ہے؛ لیکن (حضرت) شیخ (مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ) کے یہاں اس بارے میں رمضان کی مشغولیت اور یکسوئی وانقطاع کی جو کیفیت نظر آتی تھی اس کے سمجھنے کے لیے ایک واقعہ جو لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے مدد دے گا۔

شیخ کے یہاں رمضان میں ملاقات تو ملاقات، بات کرنے کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی اور جب کہ روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے اور احتیاطاً کچھ زیادہ پڑھنے کا معمول تھا (کہ مبادا انتیس کا چاند ہو جائے)۔

حضرت شیخ قدس سرہ کی آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳۸ھ کے ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے

کا معمول شروع ہوا، جو تقریباً ۱۳۸۰ھ تک رہا؛ بلکہ اس کے بھی کچھ بعد تک۔

تو یوں بھی تواضع اور خاطر داری میں گفتگو و ملاقات کی فرصت ملنی مشکل تھی، حکیم طیب صاحب رام پوری مرحوم کے حضرت شیخ سے خاندانی تعلقات وعزیز داری تھی، اور حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب سے تعلق کی بناء پر، جو اس سلسلہ کے مشائخ میں تھے، حضرت شیخ اور اس سلسلہ کے سب بزرگ ان کا خاص لحاظ کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ رمضان المبارک میں شیخ کے یہاں آگئے، جب بھی انہوں نے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا تو خدام نے کہا کہ یہ وقت حضرت شیخ کی مصروفیت کا ہے، اس وقت بات کرنے کی فرصت نہیں، جب ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے شیخ سے کہا: "بھائی جی! السلام علیکم، بات نہیں کرتا، صرف ایک فقرہ کہوں گا، رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے، مگر یوں بخار کی طرح کبھی نہیں آتا، السلام علیکم جارہا ہوں"۔

رمضان المبارک میں شیخ کا نظام الاوقات بہت بدل جاتا، سرگرمی، جفاکشی، بلند ہمتی، ذوق عبادت و تلاوت اور یکسوئی وانقطاع اپنے نقطۂ عروج پر ہوتا۔

راقم السطور کو ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء میں ایک مرتبہ پورا رمضان ساتھ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ نظام الدین میں قیام تھا، اور شیخ کی خصوصی شفقت و تعلق کی وجہ سے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ پورے مہینہ کا اعتکاف تھا، روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے کا التزام تھا، قدرے اضافہ کے ساتھ (تاکہ اگر ۲۹ رکا چاند ہوجائے تو تیس قرآن مجید ختم کرنے کے معمول میں فرق نہ آئے) نظام الاوقات یہ رہتا تھا کہ افطار صرف ایک مدنی کھجور سے، پھر ایک پیالی چائے اور ایک بیڑہ پان۔ نماز مغرب کے بعد اوابین شروع فرمادیتے، جن میں کئی پارے پڑھتے، اوابین سے فراغت کے بعد اور عشاء کی نماز سے پیشتر ایک خصوصی مجلس ہوتی، جس میں خاص عزیز وخدام شریک رہتے، عشاء اور تراویح کے بعد پھر مجلس ہوتی، جس میں ہلکی سی افطاری عموماً امرود یا کیلے کا کچالو یا کچھ پھلکیاں بڑے وغیرہ؛ لیکن قلیل مقدار میں، کھانے کا اس وقت بھی ذکر نہیں، یہ گرمیوں کا زمانہ تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (کاندھلوی) رحمۃ اللہ علیہ بہت ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنے کے عادی تھے، اس لیے تراویح میں بہت دیر ہوجاتی، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مجلس میں بیٹھ کر حاضرین مجلس تو آرام کرنے چلے جاتے اور شیخ نوافل میں مشغول ہوجاتے، سونے کا ایک منٹ کے لیے بھی معمول نہ تھا، اخیر وقت میں سحر کھاتے اور چوبیس گھنٹے میں یہی کھانے کا وقت تھا، نماز فجر اول وقت ہوجاتی، نماز کے بعد آرام فرماتے اور دن نکلنے کے بعد بیدار ہوتے، چوبیس گھنٹے میں یہی سونے کا وقت تھا، پھر دن

پھر قرآن مجید ہی کا دور رہتا، یہی رمضان کا سب سے بڑا معمول تھا، جو کچھ وقت ملتا قرآن مجید کی تلاوت اور دور میں گزرتا اور رمضان کی اسی مشغولیت اور علوئے ہمت میں صحت کے تنزل کے باوجود اور ترقی ہی ہوتی چلی گئی۔

ہر سال مجمع بھی بڑھتا چلا گیا، حتیٰ کہ ۱۳۹۴ھ کے رمضان میں 'جو دارالطلبہ جدید' مظاہر علوم سہارنپور میں گزرا' مولوی نصیر الدین صاحب (خادمِ خاص حضرت شیخ) نے بتایا کہ آج اٹھارہ سو مہمان ہیں، عشرۂ اولیٰ کے ختم ہی پر مہمان ایک ہزار تک پہنچ گئے تھے، ۲۷-۲۸/ رمضان تک تعداد دو ہزار تک پہونچ گئی۔

سہارن پور کے رمضان کے زمانہ میں اگرچہ مقیمین پورے انہماک و یکسوئی کے ساتھ (الا ماشاء اللہ) تلاوت و نوافل اور رمضان کے خصوصی معمولات میں منہمک رہتے، شیخ بار بار فرماتے: "جتنا جی چاہے ساتھی سوئیں اور کھائیں لیکن باتیں نہ کریں کہ سب سے زیادہ مضر یہی ہے"۔ لیکن شیخ کو پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ رمضان کے اوقات پوری طرح وصول کیے جا رہے ہیں یا اس میں کوتاہی ہے، کبھی کبھی شیخ از راہ تواضع و احتسابِ نفس (اس مجمع و اجتماع کو) میلے سے تعبیر فرماتے، ۲۴/ فروری ۱۹۷۴ء کے ایک مکتوب میں جو راقم سطور کے نام ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"ایک یہاں کے ہجوم کے متعلق آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ میں کئی سال سے مولوی منور، مفتی محمود وغیرہ خصوصی احباب سے بار بار یہ سوال کرتا تھا کہ اس میلہ سے جو رمضان میں یہاں لگتا ہے، فائدہ زیادہ ہے یا نقصان؟"۔

ایک پُر اثر اور حسب حال نظم:

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ عزیزی مولوی محمد ثانی مرحوم کی وہ نظم درج کردی جائے، جس میں رمضان المبارک کو وداع کہنے کے سلسلہ میں اس تاریخی موقع، اس پر کیف منظر اور اس کے ایک تاریخی یادگار بن جانے کی طرف لطیف اشارے کیے گئے ہیں۔ یہ نظم جب مولوی معین الدین صاحب نے بلند آواز سے پڑھی، تو ایک سماں بندھ گیا، خود شیخ پر ایک اثر معلوم ہوتا تھا، خاص طور پر آخری دو شعروں پر بہت سی آنکھیں اشکبار اور پڑھنے والے کی آواز گلوگیر ہوگئی:

رحمتِ حق آئی قسمت ور چلے ۔۔۔ سجدہ ریزی کو خدا کے گھر چلے

نعمتوں سے گود بھرنے خوش نصیب ۔۔۔ زاہدانِ باصفا بڑھ کر چلے

وا ہوئے در بزمِ رحمت کے تمام ۔۔۔ اہلِ درد و سوز کھنچ کھنچ کر چلے

گلشن رحمت کی ہردم سیر کی ۔۔۔ اپنے دامن کو گلوں سے بھر چلے

رہ گئے محروم ہم ہی کم نصیب جھاڑ کر دامن کو اپنے گھر چلے
"شمع کی مانند اس کی بزم میں چشم تر آئے تھے دامن تر چلے"
قدرِ نعمت کی نہ کچھ ہم کر سکے بوجھ عصیاں کا لیے سر پر چلے
ہائے رے حسرت نصیبی، وائے غم "کس لیے آئے تھے اور کیا کر چلے"
نور سمٹا، چاندنی پھیکی پڑی سر چھپانے کو مہ و اختر چلے
ماہِ رحمت کے شب و روز و سحر ہر طرف تم نور برسا کر چلے
تم سے ملتی تھی دلوں کو تازگی تم چلے ارمان سارے مر چلے
الفراق اے ماہِ رمضان الفراق زخم دل پر کیا لگے نشتر چلے
آئے رحمت کو لیے ہر سال تو تیری رحمت کی ہوا گھر گھر چلے
ایک جھونکا تیری رحمت کا اِدھر بہر الطاف، اے کرم گستر! چلے
ہوں نہ ہوں یہ لطف کے دن پھر نصیب اور دورِ بادۂ کوثر چلے
اور بھی کچھ اور بھی کچھ اور بھی جانے کب در بند ساقی کر چلے
"ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ جب تلک بس چل سکے ساغر چلے"

(رمضان اور اس کے تقاضے: ۳۲ تا ۴۲)

رَمضانُ المبارک اُمتِ مسلمہ کے لیے کیا پیغام لے کر آتا ہے؟

اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ رمضان المبارک اُمتِ مسلمہ کے لیے یہ پیغام لاتا ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، ایک دوسرے کے لیے رحمت وشفقت کا پیکر بن جائیں۔ دوسروں کی ضرورتوں کا بھی اس طرح احساس کریں جس طرح اپنی ضرورتوں کو محسوس کرتے ہیں۔ افسوس کہ کئی صاحبِ ثروت ایسے ہیں جو روزہ ٹھنڈے دفاتر، ایئر کنڈیشنڈ گھروں اور گاڑیوں میں گزار کر شام کو انواع واقسام کے کھانوں، رنگا رنگ پھلوں اور نوع بنوع مشروبات سے چنے ہوئے دستر خوان پر بیٹھتے وقت باہر گلیوں اور سڑکوں میں بیٹھے ہوئے غریب ومفلس روزہ دار مسلمان بھائیوں کی ضرورتوں کا احساس بھی نہیں کرتے۔ عین ممکن ہے کہ ہمارے پڑوس میں کوئی خالی پیٹ پانی کے گھونٹ سے روزہ رکھ رہا ہو اور شام کو افطاری کے وقت کھانے کے لیے کسی کے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا ہو؛ لہٰذا رمضان المبارک ہمیں اپنے نادار، مفلس، فاقہ کش، تنگ دست مسلمان بھائی جن کے پاس اتنی طاقت نہیں کہ وہ لباس وطعام خرید کر اپنا اور اپنے بچوں کا تن ڈھانپ سکیں اور ان کا پیٹ پال سکیں، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہِ رمضان ہمیں ریاکاری، غیبت، عیب جوئی، مکر وفریب، بغض وحسد اور جھوٹ جیسے بے شمار معاشرتی وروحانی امراض سے بچانے کی تربیت بھی کرتا ہے۔

رمضانُ المبارک کو صحیح طور پر کیسے گزاریں؟

جب رمضانُ المبارک ایسا مہتم بالشان مہینہ ہے، جیسا کہ ماقبل میں لکھا گیا تو ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی صحیح قدر کیسے کی جاسکتی ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ کی منشا و مرضی کے مطابق صحیح طور مکمل طریقہ سے کیسے وصول کیا جاسکتا ہے؟ تو اس سلسلے میں وقت کے کامل ولی، عارف باللہ، محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی، مدظلہ العالی کا ایک انتہائی اہم اور پُر مغز بیان پیش خدمت ہے، اُمید ہے کہ باتوفیق بندے اس سے روشنی حاصل کر کے ماہِ مبارک کو مکمل طور پر عظمت وقدر دانی کے ساتھ گزاریں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلَمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ!

کامیاب انسان:

اللہ جل شانہٗ نے انسان کو اس دنیا میں اپنی بندگی کے لیے بھیجا ہے۔ یہ انسان یہاں چند روز کا مہمان ہے، اپنی مہلت اور مدت مکمل ہونے کے بعد اگلے سفر پر روانہ ہوگا۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جو یادِ الٰہی میں اپنا وقت گزارے، جو اللہ رب العزت کی رضا جوئی کے لیے ہر لحہ بے قرار رہے، جس کا ہر عمل سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہو، جس کا ہر کام شریعت مطہرہ کے مطابق ہو، ایسا انسان دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب ﴿فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ اس پر صادق آتا ہے۔

ہماری خوش نصیبی:

ہماری یہ خوش نصیبی ہے کہ رمضان کا بابرکت مہینہ ایک دفعہ پھر ہماری زندگیوں میں آیا ہے۔ ایسا مہینہ کہ جس کے ایک ایک پل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار بارش کی طرح برستی ہے۔ جو انسان بھی اس ماہ مبارک کا دل

میں ادب رکھتا ہے۔ اس کے روزے رکھتا ہے، گناہوں سے بچتا ہے اور عبادات کا اہتمام کرتا ہے۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور جنت کے اعلیٰ درجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔

بزرگی کا معیار:

سلف صالحین کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ جب وہ کسی کی بزرگی کا تذکرہ کرتے تو یوں کہتے کہ فلاں آدمی تو بہت بزرگ آدمی ہے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ اس نے تو اپنی زندگی کے اتنے رمضان گزارے ہیں۔ ان کے نزدیک بزرگی کا یہ پیمانہ تھا۔ بزرگی اور ترقی درجات کا اندازہ لگانے کا یہ معیار تھا کہ فلاں انسان زندگی کے اتنے رمضان المبارک گزار چکا اب اس کے درجے کو تو ہم نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ اکبر۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کی ترغیب:

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رمضان المبارک کی آمد پر صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا تمہارے اوپر ایک برکتوں والا مہینہ آیا ہے، اس میں اللہ رب العزت تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تم پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں، تمہاری خطاؤں کو معاف کرتے ہیں، دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں۔ اور فرمایا:

يَنْظُرُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى تَنَافُسِكُمْ فِيْهِ. (رواه الطبرانی)

"اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے تنافس کو دیکھتے ہیں"۔

تنافس کہتے ہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کو، کسی بات میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے کو۔ تو اس بات کی ترغیب دی گئی کہ رمضان المبارک کے مہینے میں نیک اعمال اور عبادات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ اس لیے اس مہینے میں ہر بندہ یہ کوشش کرے کہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے والا بن جاؤں۔ جیسے کلاس میں امتحان ہوتا ہے تو ہر بچے کی کوشش ہوتی ہے کہ میں فرسٹ آجاؤں اسی طرح رمضان المبارک میں ہماری کوشش یہ ہو کہ ہم زیادہ عبادت کرنے والے بن جائیں۔

رمضان المبارک میں معمولاتِ نبوی ﷺ:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ جب بھی رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے اعمال میں

تین باتوں کا اضافہ محسوس کرتے۔

پہلی بات؛ آپ ﷺ عبادت میں بہت زیادہ کوشش اور جستجو فرمایا کرتے تھے، حالانکہ آپ کے عام

دنوں کی عبادت بھی ایسی تھی کہ ''حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہُ'' یعنی آپ ﷺ کے قدم مبارک ورم زدہ ہوجایا کرتے

تھے۔ تاہم رمضان المبارک میں آپ کی یہ عبادت پہلے سے بھی زیادہ ہوجایا کرتی تھی۔

دوسری بات؛ آپ اللہ رب العزت کے راستے میں خوب خرچ فرماتے تھے۔ اپنے ہاتھوں کو بہت کھول

دیتے تھے۔ یعنی بہت کھلے دل کے ساتھ صدقہ وخیرات فرمایا کرتے تھے۔

تیسری بات؛ آپ ﷺ مناجات میں بہت ہی زیادہ گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے۔

ان تین باتوں میں رمضان المبارک کے اندر تبدیلی معلوم ہوا کرتی تھی۔ عبادت کے اندر جستجو زیادہ کرنا،

اللہ رب العزت کے راستے میں زیادہ خرچ کرنا اور دعاؤں کے اندر گریہ وزاری زیادہ کرنا۔

ہم رمضان کیسے گزاریں:

اب ہم اگر نیکیوں کے اس سیزن سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، روٹھے ہوئے رب کو منانا چاہتے ہیں،

اپنی بگڑیاں بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم رمضان المبارک میں چند چیزوں کا خاص طور پر اہتمام

کریں۔ ان کی وجہ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان کے فیوضات وبرکات سے مالا مال کردیں گے۔

(۱) روزے کی حفاظت:

ہمیں چاہیے کہ ہم روزہ رکھیں تو پورے آداب وشرائط کے ساتھ رکھیں۔ روزے میں کھانے پینے اور جماع

کی پابندی تو ہے ہی۔ اس بات کی بھی پابندی ہو کہ جسم کے کسی عضو سے کوئی گناہ نہ ہو۔ روزے دار آدمی کی آنکھ بھی

روزہ دار ہو، زبان بھی روز دار ہو، کان بھی روزے دار ہوں، شرمگاہ بھی روزہ دار ہو، دل ودماغ بھی روزہ دار ہوں۔اس طرح ہم سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک روزہ دار بن جائیں۔اسی لیے حدیث شریف میں آیا: اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا.

"روزہ آدمی کے لیے ڈھال ہے جب تک وہ اسے پھاڑ نہ دے"۔

ڈھال سے مراد یہ ہے کہ روزہ انسان کے لیے شیطان سے حفاظت کا کام کرتا ہے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ روزہ کس چیز سے پھٹ جاتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا جھوٹ سے اور غیبت سے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَ الْعَطْشُ.

"کتنے لوگ ہیں جن کو روزے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ نہیں ملتا"۔

کیوں؟ روزہ بھی رکھا اور گانے بھی سنے۔روزہ بھی رکھا اور بازار میں جاتے ہوئے غیر محرم کا نظارہ بھی کیا، روزہ بھی رکھا اور لوگوں پہ بہتان لگائے، جھوٹ بولا، دھوکا دیا، تو ایسا روزہ اللہ کے ہاں اجر نہیں پاتا۔یہ ظاہرداری کر رہا ہے۔روزے کی حقیقت حاصل نہیں ہے۔اسی لیے حدیث پاک میں آیا ہے:

لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ اِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ.

"روزہ کھانے اور پینے سے بچنے کا ہی نام نہیں؛ بلکہ روزہ تو لغو اور فحش کاموں سے بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے"۔

اسی طرح ایک اور جگہ پر روزہ داروں کے متعلق فرمایا:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّضَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ.

"جو بندہ جھوٹ اور اپنے عمل کے کھوٹ کو نہیں چھوڑتا، اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی پروا نہیں"۔

کہ ویسے تو روزہ دار ہیں اور کم تول رہے ہیں، ملاوٹ کر رہے ہیں، رشوت لے رہے ہیں، بہتان لگا رہے ہیں، غیبت کر رہے ہیں، ایسے بندے کے بھوکا پیاسا رہنے کی اللہ کو کیا ضرورت۔

زیادہ روزہ لگنے کی وجوہات:

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو آدمی پرہیز گاری کے ساتھ روزہ رکھتا ہے اسے بھوک پیاس بہت کم محسوس ہوتی ہے اور زیادہ بھوک پیاس اسی کو لگتی ہے جو بد پرہیزیاں کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے دور کی بات ہے، دو عورتوں نے روزہ رکھا اور روزہ ان کو اتنا لگا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئیں۔ یہ بات حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں کہیں کہ کلی کریں۔ دونوں کو کہا گیا کہ کلی کریں، چنانچہ ان کے منہ سے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نکلے۔ وہ حیران کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا پیا۔ یہ کیا ہوا؟ حضور ﷺ نے بتلایا کہ یہ دراصل روزہ رکھ کر دوسروں کی غیبت کرتی رہیں اور غیبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مردار کا گوشت کھانا۔

یہ واقعات اس لیے پیش آئے کہ ہم جیسوں کے لیے آئندہ مثال بن سکیں، اللہ تعالیٰ نے عبرت بنا دیا؛ تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے روزے کی حفاظت کریں اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنے کی کوشش کریں۔ تب ہمیں روزے پر اجر بھی ملے گا اور روزہ کی برکات بھی نصیب ہوں گی۔

(۲) عبادت کی کثرت:

ہم رمضان المبارک میں فرض نمازوں کو تکبیر اولیٰ کے ساتھ پابندی سے ادا کرنے کی کوشش کریں۔ دیگر مسنون اعمال، نفلی عبادات، ذکر اذکار کی کثرت کریں۔ عبادت کے ذریعے اپنے جسم کو تھکائیں۔ ہمارے جسم دنیا کے کام کاج کے لیے روز تھکتے ہیں زندگی میں کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ یہ اللہ کی عبادت کے لیے تھک جایا کریں، کوئی ایسا وقت آئے کہ ہماری آنکھیں نیند کو ترس جائیں۔

عبادت میں رکاوٹ:

رمضان المبارک کے مہینہ میں بڑے بڑے شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ پھر بھی انسان عبادت نہ کرے تو رکاوٹ کونسی چیز بنی؟ انسان کا اپنا نفس بنا۔ شیطان ہمارے نفس کو اتنا بگاڑ دیتا ہے کہ گو خود گرفتار ہو جاتا ہے۔ اب وہ چھوٹے چھوٹے شطونگڑے رہ جاتے ہیں۔ تو یہ چھوٹے چھوٹے شطونگڑے ہی ہمارے نفس کو سیدھا نہیں ہونے دیتے۔

ہماری تن آسانی کا یہ حال ہے ہمارے لیے ایک قرآن پاک تراویح میں سننا مشکل ہوتا ہے۔ بعض لوگ

کہتے ہیں جی فلاں مسجد میں جانا ہے، کیوں؟ جی وہاں ۳۰ منٹ میں تراویح ہوجاتی ہیں، فلاں جگہ ۲۵ منٹ میں ہوجاتی ہیں، ہم مسجدیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کہاں ہم پانچ منٹ پہلے فارغ ہوسکتے ہیں۔

موت کے بعد ہے، بیدار دلوں کو آرام:

اپنے نفس کو سمجھائیں، بہت عرصہ غفلت میں گزار بیٹھے، اس مہینے کو کمانے کی ضرورت ہے۔ اہل دل حضرات اس مہینہ میں آرام کو خیر باد کہہ دیا کرتے تھے۔ ہم بھی رمضان المبارک میں آرام کو خیر باد کہہ دیں۔ ہم سوچیں کہ سال کے گیارہ مہینے اگر ہم اپنی مرضی سے سوتے جاگتے ہیں تو ایک مہینہ ایسا بھی ہو جس میں ہم بہت کم سوئیں۔ اچھی بات ہے اگر آنکھیں نیند کو ترستی رہیں، اچھی بات ہے اگر جسم کو تھکا دیں، ہاں، اگر تم آج اللہ کی رضا کے لیے جاگو گے تو قیامت کے دن اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہوگا۔ یہ آنکھیں آج جاگیں گی تو کل قبر کے اندر میٹھی نیند سوئیں گی۔

موت کے بعد ہے، بیدار دلوں کو آرام

نیند بھر کر وہی سویا جو کہ جاگا ہوگا

تو یہ جاگنے کا مہینہ ہے۔ ہم اپنے آرام میں کمی کر لیں۔ یوں سمجھیں کہ یہ مشقت اٹھانے کا مہینہ ہے۔

(۳) دُعاؤں کی کثرت:

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کچھ دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس میں دعاؤں کی کثرت کرنی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

وَ اِنَّ لِکُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّ لَیْلَةٍ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ.

''رمضان المبارک میں ہر مسلمان کی ہر شب و روز میں ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے''۔

اس لیے اللہ کے آگے رو رو کر دعائیں کرنی چاہئیں، نہ معلوم کونسی گھڑی میں دعا قبول ہوجائے۔ تہجد کا وقت قبولیت دعا کا خاص وقت ہے؛ لہٰذا سحری سے پہلے تہجد کے نوافل پڑھ کر اللہ کے آگے گریہ و زاری کی جائے اور اپنی تمام حاجات اللہ کے سامنے پیش کی جائیں۔ اللہ کو منایا جائے۔

احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، فرمایا:

''تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی ایک روزہ دار کی افطار کے وقت، دوسرے عادل بادشاہ کی دعا، تیسرے مظلوم کی دعا''۔

اس لیے افطاری کے وقت دعاؤں کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے۔ایک بات پر غور کیجیے کہ بالفرض اللہ تعالیٰ کا کوئی بہت ہی نیک اور برگزیدہ بندہ ہو اور وہ آدمی آپ کو کسی وقت بتادے کہ ابھی مجھے خواب کے ذریعے بشارت ملی ہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے،تم جو کچھ مانگ سکتے ہو،اللہ رب العزت سے مانگ لو۔اگر وہ آپ کو بتائے تو آپ کیسے دعا مانگیں گے؟ بڑی عاجزی وانکساری کے ساتھ رو رو کر اللہ رب العزت سے سب کچھ مانگیں گے؛ کیونکہ دل میں یہ استحضار ہوگا کہ اللہ کے ایک ولی نے ہمیں بتادیا ہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے۔جب ایک ولی بتائے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے تو ہم اتنے شوق کے ساتھ دعا مانگیں گے اب ذرا سوچئے کہ ولیوں اور نبیوں کے سردار،اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے فرمایا کہ روزہ دار آدمی کی افطار کے وقت اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتے ہیں تو ہمیں افطاری کے وقت کتنے شوق اور لجاجت سے اور پر اُمید ہو کر اللہ رب العزت سے دعائیں مانگنی چاہئیں۔

مگر ہوتا کیا ہے۔عصر کا وقت شروع ہوا،بس اس کے بعد سے افطاری شروع ہوگئی،افطاری بنائی جارہی ہے، مشورے دیے جارہے ہیں۔اس میں کباب بھی ہونے چاہئیں،سموسے بھی ہونے چاہئیں،پھل بھی ہونے چاہئیں،فلاں بھی ہونا چاہیے۔دس پندرہ منٹ پہلے دسترخوان پہ لگا کے بس اس کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں۔اتنی بھی توفیق نہیں کہ دعا ہی مانگ لیں۔یہ لانا وہ لانا،یہ رہ گیا وہ رہ گیا،اور اسی میں افطاری کا قیمتی وقت گزر جاتا ہے۔ہونا یہ چاہیے کہ وہ جو افطاری کا آخری آدھا گھنٹہ ہے اس آدھے گھنٹے میں خوب توجہ الی اللہ کے ساتھ بیٹھیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجات بیان کریں اور اپنی دنیا و آخرت کی اور جان و ایمان کی سلامتی کی دعائیں کریں۔

ویسے بھی دستور یہ ہے کہ اگر آپ کسی آدمی کو مزدوری کرنے گھر لائیں اور وہ سارا دن پسینہ بہائے اور شام کے وقت گھر جاتے ہوئے آپ سے مزدوری مانگے تو آپ اس کی مزدوری کبھی نہیں روکیں گے؛ حالانکہ ہمارے اندر کتنی خامیاں ہیں۔بغض ہے،کینہ ہے،حسد ہے،بخل ہے؛لیکن جو ہمارے اندر تھوڑی سی شرافت نفس ہے وہ اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ جس بندے نے سارا دن محنت کی ہے ہم اس کو شام کے وقت مزدوری دیے بغیر خالی بھیج دیں۔اگر ہمارا دل یہ نہیں چاہتا تو جس بندے نے اللہ کے لیے بھوک اور پیاس برداشت کی اور افطاری کے وقت اس کا مزدوری لینے کا وقت آئے تو کیا اللہ تعالیٰ بغیر مزدوری دیے اس کو لوٹا دیں گے۔ہرگز نہیں۔اس لیے صدق یقین کے ساتھ افطاری کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔

حدیث شریف میں اس بات کی ترغیب آئی ہے کہ رمضان شریف میں استغفار کی کثرت کریں، جنت کی طلب کریں اور جہنم سے پناہ مانگیں؛ لہٰذا اپنی دعاؤں میں ان تینوں چیزوں کو بار بار مانگیں۔ ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ بامراد فرمائیں گے۔

(۴) تلاوت قرآن مجید کی کثرت:

رمضان المبارک کو قرآن پاک سے خاص نسبت ہے؛ کیونکہ قرآن مجید اسی مہینے میں نازل کیا گیا: ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ (البقرة:۱۸۵)

"رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا"۔

اس سے پہلے بھی جتنی آسمانی کتابیں اور صحیفے آئے وہ بھی اسی مہینے میں نازل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ اس مہینے کو کلامِ الٰہی سے خاص نسبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک اس مہینے میں کثرت سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ اس مہینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن پاک کا دور کیا کرتے تھے۔ اصحاب رسول ﷺ سے لے کر آج تک یہ روایت چلی آرہی ہے کہ اس ماہ میں قرآن پاک کی تلاوت کثرت سے کی جاتی ہے۔ ہمارے بہت سے اکابر اس ماہ میں ایک دن میں ایک قرآن پاک اور بعض دو قرآن پاک بھی پڑھ لیا کرتے تھے؛ لہٰذا ہمیں بھی اپنے اکابر کی اتباع میں کثرت تلاوت کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ وقت قرآن پاک کی تلاوت کرنی چاہیے۔

سلف صالحین کے واقعات:

سلف صالحین اس مہینہ کی برکات سے کیسے فائدہ اٹھاتے تھے اس کی چند مثالیں عرض کی جاتی ہیں؛ تاکہ ہمیں بھی اندازہ ہوجائے کہ ہمارے اسلاف یہ مہینہ کیسے گزارتے تھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا معمول:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ آپ رمضانُ المبارک میں ۶۳ مرتبہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک قرآن پاک دن میں پڑھتے تھے۔ ایک قرآن پاک رات میں پڑھتے تھے اور تین قرآن پاک تراویح میں سنا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں ۶۳ قرآن پاک ۶۰ قرآن پاک دن اور رات میں اور ۳ قرآن تراویح کی نماز میں، اللہ اکبر! تفصیل مستقل عنوان پر آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد سلمان الخیر نعیمی سہارنپوری)

حضرت رائے پوریؒ کا معمول:

حضرت رائے پوریؒ کے معمولات میں لکھا ہے۔ جب ۲۹؍شعبان کا دن ہوتا تھا تو اپنے مریدین و متوسلین کو جمع فرما لیتے اور سب کو مل لیتے اور فرماتے کہ بھئی! اگر زندگی رہی تو اب رمضان المبارک کے بعد ملاقات ہوگی اور اپنے ایک خادم کو بلاتے اور اسے ایک بوری دے دیتے اور فرماتے کہ رمضان المبارک میں جتنے خطوط آئیں وہ سب اس بوری میں ڈال دینا، زندگی رہی تو رمضان المبارک کے بعد ان کو کھول کر پڑھیں گے۔ رمضان المبارک میں ڈاک نہیں دیکھا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ یہ مہینہ بس میں نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اگر زندگی رہی تو اس کے بعد پھر دوستوں سے ملاقات ہوگی۔ آپ کے ہاں پورا رمضان المبارک اعتکاف کی حالت میں گزارنے کا معمول تھا، ۲۹؍شعبان کے دن جو شخص آپ کی مسجد میں بستر لے جاتا اس کو مسجد میں بستر لگانے کی جگہ نہیں ملا کرتی تھی۔ دور دراز سے لوگ رمضان المبارک کا مہینہ وہاں گزارنے کے لیے آتے تھے اور پورا رمضان المبارک عبادت اور یادِ الٰہی میں گزار دیا کرتے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا معمول:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں فرماتے تھے:

''میں اکابرین ہی کے نقش قدم پر رمضان المبارک یکسوئی کے ساتھ عبادت میں گزارا کرتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ میں سارا دن قرآن پاک کی تلاوت میں لگا رہتا۔ کچھ وقت نوافل وغیرہ میں گزرتا۔ میرا ایک دوست جو کسی دوسرے محلے میں رہتا تھا وہ رمضان المبارک میں ملنے آیا۔ اسے میرے معمولات کا اندازہ نہیں تھا۔ اس نے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا پھر اپنے کمرے میں آکر تلاوت شروع کر دی۔ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے کمرے میں آگیا، وہ انتظار میں بیٹھا رہا۔ میں تلاوت کرتا رہا حتیٰ کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ عصر کی اذان ہوئی تو میں پھر نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ ہم دونوں نے آکر نماز پڑھی، نماز کے بعد فارغ ہوتے ہی میں سیدھا اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا اور تلاوت شروع کر دی۔ وہ پھر کمرے میں آیا (وہ دوست تھا بچپن کا، بڑا بے تکلف دوست تھا) اس نے کمرے میں آکر دیکھا تو میں پھر تلاوت شروع کر بیٹھا تھا وہ تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا پھر کہنے لگا ''بھئی! رمضان المبارک تو ہمارے پاس بھی آوے، مگر یوں بخار کی طرح نہیں آوے''۔

یعنی اس کا اندازہ تھا کہ ان پر تو رمضان یوں آتا ہے جیسے کسی کو بخار چڑھ جاتا ہے اور فرماتے تھے کہ واقعی مجھے پورا مہینہ جذبہ رہتا تھا۔ اللہ اکبر۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا معمول:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی نماز تراویح اس وقت ختم ہوتی جب سحری کا وقت ہو جاتا تھا؛ چنانچہ تراویح ختم کرتے ہی سحری کھاتے اور ساتھ ہی فجر کی نماز کے لیے تیار ہو جاتے تھے، ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔ ایک مرتبہ کئی دن مسلسل مجاہدے میں گزر گئے تو گھر کی مستورات نے محسوس کیا کہ حضرتؒ کی طبیعت میں نقاہت اور کمزوری ہے ایسا نہ ہو کہ طبیعت زیادہ خراب ہو جائے۔ تو انہوں نے منت سماجت کی کہ حضرت! آپ درمیان میں ایک رات وقفہ کر لیں طبیعت کو کچھ آرام مل جائے گا، پھر دس پندرہ دن گزر جائیں گے؛ لیکن حضرت فرمانے لگے کہ معلوم نہیں کہ آئندہ رمضان کون دیکھے گا اور کون نہیں دیکھے گا۔ گھر کی مستورات نے کسی بچے کے ذریعے قاری کو پیغام بھجوایا کہ "قاری صاحب! آپ کسی رات بہانہ کر دیں کہ میں تھکا ہوا ہوں، آرام کرنے کو جی چاہتا ہے" (حضرتؒ کی عادت شریفہ تھی کہ دوسروں کے عذر بڑی جلدی قبول کر لیا کرتے تھے) قاری صاحب نے کہا، بہت اچھا۔ وہ میرے شیخ و مرشد ہیں، ان پر اس وقت کمزوری اور ضعف غالب ہے تو چلو آج کی رات ذرا آرام میں گزرے گی۔ قاری صاحب تراویح پڑھانے کے لیے آئے تو کہنے لگے کہ حضرت! آج میری طبیعت بہت تھکی ہوئی ہے اس لیے آج میں زیادہ تلاوت نہیں کر سکوں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا: ہاں، بہت اچھا، آپ بالکل تھوڑی سی تلاوت کریں۔ قاری صاحب نے ایک دو پارے سنا کر اپنی تراویح مکمل کر دی، تو حضرتؒ نے فرمایا: قاری صاحب! آپ تھکے ہوئے ہیں اب آپ گھر نہ جائیے؛ بلکہ یہیں میرے بستر پر سو جائیں۔ قاری صاحب کو مجبوراً تعمیل کرنا پڑی۔ حضرت کے بستر پر لیٹ گئے حضرت نے فرمایا قاری صاحب! آپ بالکل آرام کریں اور سو جائیں۔ پھر لائٹ بجھا دی اور کواڑ بند کر دیے، قاری صاحب فرماتے ہیں کہ جب تھوڑی دیر کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کوئی بندہ میرے پاؤں دبا رہا ہے مٹھی چاپی کر رہا ہے۔ میں حیران ہو کر اٹھ بیٹھا جب قریب ہو کر دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میرے پیر و مرشد حضرت شیخ الہندؒ اندھیرے میں بیٹھے میرے پاؤں دبا رہے ہیں۔ میں نے کہا، حضرت! آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمانے لگے کہ قاری صاحب! آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ میں تھکا ہوا ہوں تو میں نے سوچا کہ چلو میں آپ کے پاؤں دبا دیتا ہوں آپ کو کچھ آرام مل جائے گا۔ قاری صاحب کہنے لگے حضرت! اگر آپ نے رات جاگ کر ہی گزارنی ہے تو چلیں میں قرآن سناتا ہوں آپ قرآن ہی سنتے رہیں رات یوں بسر ہو جائے گی؛ چنانچہ قاری صاحب پھر مصلے پر آ گئے، انہوں نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت نے قرآن سننا شروع کر دیا، اللہ اکبر!

مستورات کا قرآن سے لگاؤ:

حضرت شیخ الہند کے ہاں مستورات بھی تراویح میں قرآن پاک سنا کرتی تھیں، آپ کے صاحبزادے قرآن پاک سناتے تھے اور پردے کے پیچھے گھر کی مستورات اور بعض دوسری عورتیں جماعت میں شریک ہو جایا کرتی تھیں۔ ایک دن حضرت کے صاحبزادے بیمار ہوگئے تو حضرت نے کسی اور قاری صاحب کو بھیج دیا۔ قاری صاحب نے تراویح میں چار پارے پڑھے۔ جب سحری کے وقت حضرت گھر تشریف لے گئے تو گھر کی عورتیں بڑی ناراض ہوئیں۔ کہنے لگیں۔ حضرت! آج آپ نے کس قاری صاحب کو بھیج دیا۔ اس نے تو بس ہماری تراویح خراب کردی۔ پوچھا کیوں کیا ہوا؟ کہنے لگیں پتہ نہیں اس کو کیا جلدی تھی بس اس نے چار پارے پڑھے اور بھاگ گئے، پھر پتہ چلا کہ یہ عورتیں رمضان المبارک میں تراویح کی نماز میں سات قرآن پاک سنا کرتی تھیں۔

جی ہاں! کئی خانقاہوں پر تین قرآن پاک تراویح میں پڑھنے کا معمول رہا ہے، کئی خانقاہوں پر پورا رمضان المبارک اعتکاف کرنے کا معمول رہا ہے، ہمارے سلف صالحین یوں مجاہدہ کیا کرتے تھے یہ رمضان المبارک کمانے کا مہینہ ہے اپنے جسم کو تھکانے کا مہینہ ہے۔

اَسلاف واَکابر کے معمولاتِ رمضان پر مستقل عنوان آگے آرہا ہے، اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

(محمد سلمان الخیر نعیمی سہارنپوری)

اللہ کو راضی کرنے کا طریقہ:

سلف صالحین اللہ جل شانہٗ کو راضی کرنے کے لیے یوں عبادت کیا کرتے تھے۔ جیسے کوئی کسی روٹھے ہوئے کو مناتا ہے۔ سبحان اللہ! روٹھے ہوئے رب کو مناتے تھے۔ اگر کوئی غلام بھاگ جائے اور پھر پکڑا جائے تو وہ اپنے مالک کے سامنے آتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ وہ اپنے مالک کے سامنے آکر ہاتھ جوڑ دیتا ہے اپنے مالک کے پاؤں پکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے میرے مالک آپ درگزر کردیں آئندہ میں احتیاط کروں گا۔

میرے دوستو! رمضان المبارک میں ہم اللہ رب العزت کے سامنے اسی طرح اپنے ہاتھ جوڑ دیں، سر بہ سجود ہو جائیں اور عرض کریں کہ اے اللہ! ہم نادم ہیں، شرمندہ ہیں، جو کوتاہیاں اب تک کر بیٹھے ہیں ان کو تو معاف کردے۔ آئندہ زندگی ہم تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ گزارنے کی کوشش کریں گے۔

☆......☆......☆



روزہ



روزہ کی فضیلت واہمیت

روزہ ایک ایسی عظیم عبادت ہے جسے صرف اُمتِ محمدیہ ﷺ پر ہی فرض نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس اُمت سے پہلے تمام اُمم سابقہ کو بھی اس کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رمضان المبارک کے روزے اس لیے فرض کیے ہیں کہ انہیں تقویٰ کی نعمت ودولت حاصل ہو۔تقویٰ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنے رب کا بندہ اور اس کا فرماں بردار بن کر رہے۔روزے کی حقیقت سامنے رکھنے سے یہ بات ہماری محدود عقل بھی سمجھ لیتی ہے کہ تقویٰ کے حصول کے لیے یہ عبادت مؤثر ترین تدبیر ہے۔

رَمضانُ المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، برکتوں، کامیابیوں اور کامرانیوں کا مہینہ ہے۔اپنی عظمتوں اور برکتوں کے لحاظ سے دیگر مہینوں سے ممتاز ہے۔رمضان المبارک وہی مہینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کا نزول لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ہوا۔ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ جنت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جہنم کے دروازے بند کردیتا ہے اور شیطان کو جکڑ دیتا ہے؛ تاکہ وہ اللہ کے بندے کو اس طرح گمراہ نہ کرسکے جس طرح عام دنوں میں کرتا ہے اور یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر اپنے بندوں کی مغفرت کرتا ہے اور سب سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم سے آزادی کا انعام عطا کرتا ہے۔

رَمضانُ المبارک کے روزے رکھنا اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے، نبی اکرم ﷺ نے ماہ رمضان اور اس میں کی جانے والی عبادات (روزہ، قیام، تلاوت قرآن، صدقہ خیرات، اعتکاف، عبادت لیلۃ القدر وغیرہ) کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔روزہ کی دوسرے فرائض سے یک گونہ فضیلت کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ہوتا ہے: "**الصوم لی وانا اجزء بہ** "یعنی روزہ خالص میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس بدلہ دوں گا۔روزہ کے احکام ومسائل سے آگاہی ہر روزہ دار کے لیے ضروری ہے؛ لیکن افسوس روزہ رکھنے والے بیشتر لوگ ان احکام ومسائل سے لاعلم ہوتے ہیں؛ بلکہ بہت سے افراد تو ایسے بھی ہیں جو بدعات وخرافات کی آمیزش سے یہ عظیم عمل برباد کرلینے تک پہنچ جاتے ہیں۔کتبِ احادیث وفقہ میں ائمہ محدثین وفقہاء نے **کتابُ الصیام** کے نام سے باقاعدہ عنوان قائم کیے۔اور کئی علماء اور اہل علم نے رمضان المبارک کے احکام ومسائل وفضائل کے حوالے سے مستقل کتب تصنیف کی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "دبستانِ رمضان المبارک" میں بھی بندہ نے رمضان المبارک سے متعلقہ مسائل کو قرآن وحدیث اور عباراتِ فقہاء کی روشنی میں اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ رمضان المبارک میں مشروع ومحبوب اعمال کے تمام احکام ومسائل کا مجملاً ذکر آ گیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں انسان کو اشرف واکرم بنایا، اس کی فطرت میں نیکی اور بدی، بھلائی اور برائی، تابعداری وسرکشی اور خوبی وخامی دونوں ہی قسم کی صلاحیتیں اور استعدادیں یکساں طور پر رکھ دی ہیں۔ اسی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ کسی بھی انسان سے اچھائی اور برائی دونوں ہی وجود میں آسکتی ہیں۔ ایک انسان سے حسنات بھی ممکن ہیں اور سیئات بھی، اس کے باوجود کوئی سیئات ومعصیات سے مجتنب ہو کر اپنی زندگی اور اس کے قیمتی لمحات کو حسنات وطاعات سے مزین اور آراستہ کر لے تو یہ اس کے کامیاب اور خالق ومخلوق کے نزدیک اشرف واکرم ہونے کی سب سے بڑی نشانی ہے اور یہی تقویٰ وپرہیز گاری ہے جو روزہ کا مقصدِ اصلی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ○ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ﴾ (البقرة:۱۸۳، ۱۸۴)

"اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ، جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر، تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ، چند روز ہیں گنتی کے"۔

تشریح:

تقویٰ کا معنی ہے: نفس کو برائیوں سے روکنا اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ روزہ ہے، جیسا کہ ایک صحابیؓ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے کسی ایسے عمل کا حکم دیجیے جس سے حق تعالیٰ مجھے نفع دے"، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا مِثْلَ لَهُ. (سنن النسائی: ۱/ ۱۴۰)

"یعنی روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی عمل نہیں"۔

روزے کے فوائد وثمرات:

روزہ؛ نماز، زکوٰۃ اور حج کی طرح ایک عبادت ہے اور عبادات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا، اس

سے تعلق ورابطہ استوار کرنا اور اس کی رضا حاصل کرنا ہے۔ ان عبادات سے کچھ دنیوی مفادات بھی حاصل ہو جائیں تو وہ ضمنی فوائد ہیں، اصل مقصد سے ان کا تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عبادت کی ادائیگی ہر صورت میں ضروری ہے چاہے اس کی علت یا حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اس کا کوئی دنیوی فائدہ ہمیں حاصل ہو یا نہ ہو؛ حتیٰ کہ ہمیں ظاہری طور پر اس میں اپنے جان و مال کا نقصان ہی کیوں نہ محسوس ہو؛ لیکن احکامِ الٰہی اور عبادات میں کوتاہی ہمارے لیے جائز نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جان و مال، یعنی سب کچھ قربان کر دینا ہی مؤمن کا مطلوب و مقصود ہے۔

روزہ بھی ایک ایسی عبادت ہے جس سے کچھ طبی فوائد بھی انسان کو حاصل ہوتے ہیں، جیسے حکماء کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ زیادہ کھانے سے اجتناب صحت کے لیے مفید ہے۔ روزے میں انسان بسیار خوری (زیادہ کھانے) سے بچ جاتا ہے (بشرطیکہ وہ عام رواج کے برعکس ثقیل اور بھاری غذاؤں سے پرہیز کرے) اور شکم سیری اور پُرخوری سے معدے پر بوجھ زیادہ پڑ جاتا ہے جس سے مختلف بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس بھوک یا کم خوراکی معدے کی بیماریوں کا بہترین علاج ہے۔ تاہم یہ ایک ضمنی فائدہ ہے، روزے کا اصل مقصد وہ روحانی اور قلبی فوائد ہیں جو روزوں کو ان کی شرائط اور آداب کے ساتھ رکھنے کی صورت میں روزے داروں کو حاصل ہوتے ہیں؛ چنانچہ اس کے چند روحانی فوائد و ثمرات حسبِ ذیل ہیں:

تقویٰ کا حصول اور تقویٰ کے ثمرات:

روزوں کا سب سے بڑا فائدہ تقویٰ کا حصول ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: تم پر روزہ رکھنا اس لیے فرض کیا گیا ہے:

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرہ:۲/۱۸۳) ''تاکہ تم متقی بن جاؤ۔'' کیونکہ روزہ بھی عبادت ہی ہے اور عبادت کا مقصد اور فائدہ بھی اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حصول ہی بتلایا ہے۔ (البقرہ:۲/۲۱)

☆...... یہ تقویٰ کیا ہے جو روزوں سے انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے؟

☆...... اور وہ روزے سے پیدا کس طرح ہوتا ہے؟

☆...... اور تقویٰ سے کیا فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں؟

یہ تین سوال قابلِ غور ہیں:

تقویٰ کا مطلب، دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا اس طرح راسخ ہو جانا ہے کہ انسان اس کی نافرمانی کے ارتکاب سے باز رہے، ہر قدم سوچ کر اٹھائے اور زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر معاملے میں اس کی ہدایات وتعلیمات کی پابندی کرے، اسے حضرت ابی ابن کعب ﷺ نے اس مثال سے واضح کیا ہے کہ ایک شخص ایسی تنگ گزرگاہ سے گزرے جس کے دونوں طرف کانٹے ہوں تو وہ ایسی گزرگاہ سے کپڑے سنبھال کر اور دامن سمیٹ کر چلے گا؛ تاکہ اس کا دامن کانٹوں سے نہ الجھے۔ تقویٰ بھی اسی احتیاط اور معصیت سے دامن بچا کر زندگی گزارنے کا نام ہے۔

اور یہ تقویٰ روزے سے اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ روزے کی حالت میں ایک مؤمن نہ کھاتا ہے نہ کچھ پیتا ہے اور نہ بیوی سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتا ہے؛ حالانکہ عام حالات میں اس کے لیے ان میں سے کوئی چیز بھی ممنوع اور حرام نہیں ہے۔ کھانا پینا بھی حلال امر ہے اور بیوی سے مباشرت بھی جائز کام ہے؛ لیکن ایک مؤمن روزے میں یہ حلال کام بھی نہیں کرتا، حتیٰ کہ گھر کی چاردیواری کے اندر بھی نہیں کرتا جہاں اسے کوئی دیکھنے یا روکنے والا نہیں ہوتا۔ یہ کیا ہے۔ یہ وہی تقویٰ، اللہ کا ڈر ہے جو روزے سے اس کے اندر پیدا ہوا ہے۔

جب ایک مؤمن اللہ تعالیٰ کے ڈر سے محض اس لیے حلال کام بھی نہیں کرتا کہ روزے میں اللہ تعالیٰ نے ان سے روک دیا ہے اور کسی کے نہ دیکھنے کے باوجود وہ باز رہتا ہے تو گویا روزے نے اس کے اندر وہ تقویٰ پیدا کر دیا ہے جو روزے کا اصل مقصد ہے۔ اگر انسان اس ماہانہ مشق کو اپنے احساس وشعور کا حصہ بنالے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ خوف قدم قدم پر اس کے دامن گیر رہ سکتا ہے اور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز رکھ سکتا ہے۔ جب وہ اللہ کے حکم پر، اللہ تعالیٰ کے ڈر سے، جائز اور حلال کاموں سے بھی وقتی طور پر رکا رہتا ہے تو جن چیزوں اور کاموں کو اللہ نے ہمیشہ کے لیے حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، ایک مؤمن اور ایک متقی ان کا ارتکاب کس طرح کر سکتا ہے؟

ایک مؤمن کے اندر جب یہ تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہو جاتا ہے، تو اسے حسب ذیل ثمرات وفوائد حاصل ہوتے ہیں۔

تقویٰ کے ثمرات وفوائد:

(۱) ایک مؤمن کی ایمانی قوت میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا نقش اس کے دل میں مزید گہرا

ہو جاتا ہے۔ وہ اس کی اطاعت وفرماں برداری میں راحت اور اطمینان محسوس کرتا اور نافرمانی میں اس کی گرفت سے ڈرتا ہے۔

(۲) اس کے عقیدۂ آخرت میں تازگی اور پختگی آجاتی ہے۔ وہ روزے میں اپنی لذتیں قربان اور اپنی خواہشیں ترک کرتا ہے تو ایسا وہ اس یقین کی بنیاد پر کرتا ہے کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں اس سے زیادہ لذتوں والی چیزیں عطا فرمائے گا۔ عقیدۂ آخرت اور حسن صلہ کا یہ تصور روزے کی مشکلات اور مشقتوں ہی کو اس کے لیے آسان نہیں کرتا؛ بلکہ دین وشریعت کے ہر معاملے میں اس کے اندر صبر وثبات کی خوبیاں پیدا کرتا ہے جو اسے دین پر قائم رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انحراف نہیں کرنے دیتیں۔

(۳) جب ایک مؤمن اللہ تعالیٰ کے حکم سے روزے میں ایک خاص وقت (صبح صادق کے ہو جانے) پر کھانے پینے اور دیگر خواہشات سے رک جاتا ہے اور ایک دوسرے وقت پر (سورج کے غروب ہوتے ہی) کھانا پینا شروع کر دیتا ہے اور دوسری جائز خواہشات بھی پوری کرنی چاہتا ہے تو کر لیتا ہے۔ تو شب وروز کے لمحات و اوقات میں اللہ تعالیٰ کی یہ فرماں برداری اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبودیت وبندگی اور اس کے سامنے سرافگندگی و خود سپردگی کا جذبہ وشعور پیدا کرتی ہے کہ انسان کا اپنا کچھ نہیں ہے، سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے۔ ایک ایک لمحے اور ایک ایک گھڑی کو اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں یا اس کی مرضی ومنشا کے مطابق ہی گزارنا ہے۔ اسی کا نام کمال عبودیت اور کمال بندگی ہے جو انسان سے مطلوب ہے۔

(۴) اور جب بندگی کا یہ شعور اور ہر لمحے اور ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کا یہ جذبہ عام ہو جاتا ہے تو پھر پورا معاشرہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ جاتا اور پورا ماحول ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے، پھر کفر وشرک، یعنی غیروں کا رنگ وہاں سے مٹ جاتا اور معصیت ونافرمانی کی تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں۔ ہر طرف ''صِبْغَةَ اللّٰهِ'' ہی کی جلوہ آرائی اور دین وشریعت ہی کی روشنی نظر آتی ہے۔ جیسے رمضان المبارک میں ہوتا ہے۔ رمضان میں دن کو سب مسلمان ایک ہی کیفیت میں نظر آتے ہیں۔ گھر میں ہوں تب بھی، دفتر اور کارخانے میں ہوں تب بھی، سڑکوں اور بازاروں میں ہوں تب بھی، تنہا ہوں تب بھی مجلس میں ہوں تب بھی، امیر ہوں تب بھی فقیر ہوں تب بھی، راعی وحکمراں ہوں تب بھی اور رعایا ہوں تب بھی۔ سب ایک ہی جذبے سے سرشار، سب پر ایک ہی کیفیت کا غلبہ اور سب ایک ہی آقا کے غلام اور ایک ہی حاکم کے محکوم نظر آتے ہیں۔ پورے معاشرے

اور ماحول میں یہ یکسانیت کس نے پیدا کی۔ایک ہی جذبہ واحساس کی کارفرمائی کیوں ممکن ہوئی ؟اور سب پر ایک ہی رنگ کا غلبہ کیوں اور کیسے ہوا؟

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی کامل بندگی واطاعت کے جذبے سے ہوا جو رمضان المبارک میں روزوں کی وجہ سے انسانوں کے اندر پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایک مہینے کے مسلسل روزوں کی مشق سے مسلمان معاشروں اور ملکوں میں ایسا ہی ماحول مستقل طور پر پیدا کرنا چاہتا ہے، جس میں نیکی غالب اور بدی مغلوب ہو، خیر کی کارفرمائی ہو اور شر کو رونمائی کا موقع نہ ملے، حق پر چلنے والے سرخرو ہوں اور باطل پر چلنے والے روسیاہ۔

لیکن ایسا تب ہی ہوسکتا ہے جب رمضان المبارک میں حاصل ہونے والے تقوی کی ہم حفاظت کریں، اس جذبے اور شعور کو زندہ رکھیں جو روزہ ہمارے اندر پیدا کرتا ہے، اس ایمانی پختگی کو قائم اور اس عقیدۂ آخرت کو دل و دماغ میں ہر وقت متحضر رکھیں جس سے روزے کی حالت میں ہم سرشار رہتے ہیں۔

لمحۂ فکریہ اور دعوتِ غور وفکر:

آج ہمارے معاشرے میں صورت حال اس کے برعکس ہے، نیکی مغلوب اور بدی غالب ہے۔شر خوب پھل پھول رہا ہے اور خیر سکڑتا اور سمٹتا جارہا ہے، حق کی قوتیں کمزور ہو رہی ہیں اور باطل قوتیں دندنا رہی ہیں، حتیٰ کہ نیکی کرنے والے منہ چھپاتے پھر رہے ہیں اور برائی کرنے والے ڈنکے کی چوٹ پر خوب دھڑلے سے برائیاں کر رہے ہیں؛ حالانکہ ہم سالہا سال سے رمضان المبارک کے روزے رکھتے چلے آرہے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود نیکی کا عمومی ماحول نہیں بن رہا ہے، ہمارے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو رہی ہے اور ہم بداخلاقی و بدکرداری کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے چلے جارہے ہیں۔ایسا کیوں ہے؟

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم ایک رسم کے طور پر روزہ رکھ لیتے ہیں اور اس کی روح کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش نہیں کرتے، ایک محدود وقت کے دوران میں تو ہم کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں؛ لیکن محرمات ابدی (یعنی جو چیزیں ہمیشہ اور ہر وقت حرام ہیں ان) سے اجتناب ضروری نہیں سمجھتے۔گویا تقویٰ کی اصل حقیقت سے ہم محروم ہی رہتے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روزے سے ہماری ایمانی قوت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے نہ عقیدۂ آخرت کا صحیح استحضار ہی حاصل ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہی ہمارے دلوں میں راسخ ہوتا ہے۔

جبکہ برائیوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایمان مستحکم، آخرت پر یقین مضبوط اور اللہ تعالیٰ

کا خوف عناں گیر ہو۔ جب ایسا ہو جاتا ہے تو پھر انسان نہ صرف یہ کہ خود برائی کا ارتکاب نہیں کرتا؛ بلکہ برائی کو ہوتا ہوا دیکھنا بھی اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ ایمان اور تقویٰ اسی جذبہ و شعور کا نام ہے۔

آج ضرورت اسی شعوری ایمان اور حقیقی تقویٰ کی ہے جو برائی کی راہ میں سد سکندری بن جائے۔ معاشرے میں کھلم کھلا کسی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت نہ ہو اور لوگ معصیت کا ارتکاب کرتے ہوئے اسی طرح شرم اور حجاب محسوس کریں جیسے رمضان المبارک میں سرعام کھانے پینے میں ایک روزہ خور بھی شرم اور حجاب محسوس کرتا ہے۔

مذکورہ فوائد کے علاوہ روزے کے چند اور فوائد بھی ہیں۔ روزے دار کو کوشش کرنی چاہیے کہ روزے کے یہ سارے فائدے وہ حاصل کرے؛ تاکہ یہ عبادت لاحاصل نہ رہے۔ یہ مزید فوائد حسب ذیل ہیں:

☆ روزہ نفس کی سرکشی کا زور توڑنے میں مددگار عمل ثابت ہوتا ہے:

عام طور پر دو چیزیں گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتی ہیں۔ ایک نفس کی بڑھتی ہوئی خواہش اور اس کی سرکشی۔ دوسرا شیطان کا وجود اور اس کا مکر و فریب۔

رمضان المبارک میں سرکش شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے جس سے یقیناً نیکی کے رجحان میں اضافہ ہوتا اور خدا خوفی کا ماحول پروان چڑھتا ہے۔ خیر کے اس اضافے اور نیکی کے ماحول سے انسان اگر پورا فائدہ اٹھائے تو اس سے یقیناً اس کے مزاج و کردار کا وہ فساد دور ہو سکتا ہے جو رمضان المبارک کے گزرتے ہی دوبارہ لوٹ آتا ہے اور رمضان کی مشق و تربیت کو کالعدم کر دیتا ہے۔

روزہ نفس کی بڑھتی ہوئی سرکشی کو بھی لگام دیتا اور اس کی حیوانی خواہشوں کو بھی بے قابو نہیں ہونے دیتا۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے نوجوانوں کو بطور خاص فرمایا تھا کیونکہ نوجوانی میں نفس زیادہ زورآور ہوتا ہے:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَ اَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ.

(صحيح البخاري، رقم الحديث: ٥٠٦٥، صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٤٠٠)

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ شادی کر لے، اس لیے کہ یہ (شادی) نگاہوں کو پست رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے میں بہت زیادہ معاون

ثابت ہوتی ہے اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ روزے رکھے؛ کیونکہ یہ (روزہ) اس کی نفسانی خواہشوں کا زور توڑے رکھے گا''۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس کی سرکشی کا زور توڑنے کے لیے روزہ ممد و معاون ہے۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے روزے کو ایک نفع بخش عمل قرار دیا۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے کہا، اللہ کے رسول! مجھے ایسا کام بتلائیے جو مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا: ''روزے رکھا کرو، اس کی مثل کوئی چیز نہیں''۔ (سنن النسائی، باب فضل الصیام، رقم الحدیث: ۲۲۲۳)

☆ روزے سے صبر کا وصف راسخ ہوتا ہے:

صبر بھی ایک ایسا اہم عمل ہے کہ اس کے بغیر دین پر عمل اور ایمانی تقاضوں کی تکمیل ممکن نہیں۔ صبر کا وصف ہی انسان کے اندر ایسا حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ساری دنیا سے لڑنے اور باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

صبر کے مفہوم میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں:

(۱) اپنے نفس پر کنٹرول کر کے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اور اس کی معصیت سے بچنا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں نفس کی لذتوں اور اس کے حیوانی تقاضوں کو نظر انداز کر دینا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں، انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اور لوگوں کی لعنت و ملامت کی پروا نہ کرنا۔

روزے میں انسان اپنے نفس کی لذتوں اور اس کے حیوانی تقاضوں کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتا ہے جس سے اس کے اندر صبر کا وصف راسخ ہوتا اور مذکورہ خوبیوں کا انعکاس ہوتا ہے۔

☆ روزے سے اخوت و ہمدردی کا احساس اجاگر ہوتا ہے:

روزے میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے تو اسے ان لوگوں کی تکلیفوں کا احساس ہوتا ہے جن کی زندگی تنگ دستی اور فقر و فاقہ میں گزرتی ہے، اس لیے کہ مومنوں کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى.

(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين... الخ، رقم الحديث: ٢٥٨٦)

"آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے میں، ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت ونرمی کرنے میں مؤمنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے۔ جب جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم بیدار رہتا ہے اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے"۔

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ، اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ، اِشْتَكٰى كُلُّهٗ، وَ اِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهٗ، اِشْتَكٰى كُلُّهٗ.

(صحیح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنین...الخ، رقم الحدیث:٦٥٨٦)

"سب مسلمان شخص واحد کی طرح ہیں، اگر اس کی آنکھ میں درد ہوتا ہے تو اس کا سارا جسم درد محسوس کرتا ہے اور اس کے سر میں درد ہوتا ہے تب بھی سارا جسم درد محسوس کرتا ہے"۔

اور جب ایک مسلمان روزے کی حالت میں فقر وفاقہ کی کیفیتوں سے گزرتا ہے تو اس کے اندر ایسے لوگوں کے بارے میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو مستقل طور پر فقر وفاقہ سے دوچار رہتے ہیں؛ چنانچہ وہ اپنی طاقت کے مطابق ان سے بھائی چارگی کا اظہار کرتا اور ان کی تکلیفوں کو دور کرنے میں ان کے ساتھ تعاون کرتا ہے؛ جیسا کہ اسلام کا تقاضا ہے۔

☆ روزہ اخلاق وکردار کی بلندی پیدا کرتا ہے:

حضرت نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَ لَا يَصْخَبْ، فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ: اِنِّیْ امْرُؤٌ صَائِمٌ. (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ١٩٠٤)

"روزہ ایک ڈھال ہے، جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو دل لگی کی باتیں کرے نہ شور وشغب۔ اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑنے کی کوشش کرے تو کہہ دے، بھئی! میں تو روزے دار ہوں"۔

اس حدیث میں روزے کو ڈھال قرار دیا گیا ہے، کس چیز سے؟ گالی گلوچ سے، شور وشغب اور دل لگی کی باتوں سے؛ حتیٰ کہ کوئی گالی بھی دے دے تو کہہ دیا جائے، میں تو روزے دار ہوں، میں روزے کی حالت میں اپنی زبان کو گالی سے آلودہ نہیں کروں گا، لڑائی کا جواب لڑائی سے نہیں، عفو ودرگزر سے دوں گا۔

یہ اخلاق وکردار کی وہ بلندی ہے جو روزے سے پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔

بے عمل روزے داروں کے لیے وعید:

حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ.

(مشكاة، الصوم، باب تنزيه الصوم، رقم الحديث:٢٠١٤)

"کتنے ہی روزے دار ہیں جن کو ان کے روزے سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی شب بیدار ہیں، جن کو ان کی شب بیداری سے سوائے بیداری اور بے خوابی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔

یہ کون سے بدنصیب روزے دار ہوں گے جنھوں نے روزے رکھ کر بھوک پیاس کی تکلیف تو برداشت کی ہوگی؛ لیکن روزے کے اجر وثواب سے محروم رہیں گے؟ یہ وہی لوگ ہوں گے جن کے اندر روزے سے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے، نہ اخلاق وکردار کی بلندی اور نہ دیگر فوائد وثمرات ہی انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ **اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ.**

رَوزہ: رَمضانُ المبارک کی اہم ترین عبادت:

یہ ہم سب جانتے ہیں کہ رَمضان المبارک کی اہم ترین عبادت روزہ ہے، یاد رکھیے کہ روزے کو عربی میں "صوم" کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں: رُکنا، شریعت کی اصطلاح میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور ہم بستری کرنے سے رُکنے کو "صوم" کہتے ہیں۔

اگر کسی نے صبح صادق کے بعد بھی کچھ کھالیا یا پی لیا، یا سورج غروب ہونے سے ایک منٹ پہلے کچھ کھا پی لیا تو اس کا روزہ نہیں ہوا۔

اسی طرح روزہ میں نیت بھی ضروری ہے، نیت کے معنی یہ ہیں کہ آدمی روزہ رکھنے کے ارادے سے مقررہ وقت میں کھانا پینا چھوڑ دے، اگر کسی نے دل میں روزے کی نیت نہیں کی اور تمام دن بھوکا پیاسا رہا تب بھی اس کا روزہ نہیں ہوا۔ (معارف القرآن:۱/۴۴۲)

روزہ فرض ہے اور ان عبادات میں سے ایک ہے جن کو اسلام کے بنیادی ارکان کہا جاتا ہے، رمضان کے تمام روزے رکھنا ہر مسلمان مرد وعورت، عاقل، بالغ پر فرض ہیں، جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر روزے نہیں رکھے گا وہ سخت گنہ گار ہوگا۔

حضرات مفسرین کرام نے مذکورہ آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ روزہ کوئی معمولی عبادت نہیں ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سابقہ اُمتوں پر بھی روزے فرض تھے، شریعتِ محمدی میں بھی اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بنی الاسلام علی خمس، شهادة ان لااله الاالله وان محمدًا رسول الله واقام الصلوة وايتاء الزكوة والحج وصوم رمضان .(صحيح البخاری: ١٢/١، رقم الحديث:٨، صحيح مسلم: ٤٥/١، رقم الحديث:١٦، سنن الترمذی:٥/٥، رقم الحديث:٢٦٠٩)

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا"۔

ایک روایت میں ان تمام عبادات کو یکساں طور پر فرض قرار دیا گیا ہے، ایسا نہیں کہ ان میں سے ایک یا دو یا تین عبادتیں ادا کرلی جائیں اور باقی چھوڑ دی جائیں، حضرت عمارہ بن حزامؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اربع فرضهن الله فی الاسلام فمن جاء بثلاث لم يغنين عنه شيئا حتی ياتی بهن جميعا: الصلوة والزكوة وصيام رمضان وحج البيت.** (مسند أحمد بن حنبل: ٤/ ٢٠٠، رقم الحديث: ١٧٨٢٤، كنز العمال: ٢٣/١، مجمع الزوائد: ١٣٨/١)

"چار عبادتیں اللہ نے اسلام میں فرض کی ہیں، جو شخص ان میں سے تین کو ادا کرے تو وہ اس کو (مکمل طور پر) نفع نہ دیں گی جب تک سب کو ادا نہ کرے: نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝﴾ (البقرة:٢:١٨٥)

"پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کرے، اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے

لیے دشواری نہیں چاہتا، اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کر سکو اور اس لیے کہ اس نے تمہیں جو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اس لیے کہ تم شکر گزار بن جاؤ"۔

چونکہ روزے بھاری عمل ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے سات طریقوں سے ایمان والوں کی ذہن سازی کی؛ تاکہ یہ بھاری عمل ان پر آسان ہو جائے۔ بتایا گیا کہ ہر عاقل، بالغ، مسلمان پر روزے فرض ہیں، روزے اگر واقعی تمام آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے رکھے جائیں، تو انسان میں تقویٰ پیدا کرنے کے ساتھ انسانی احساسات کو بھی بیدار کرتے ہیں، جس مہینے میں روزے فرض کیے گئے ہیں اسے یہ خصوصیت اور فضیلت بھی حاصل ہے کہ اس میں قرآن جیسی عظیم الشان کتاب نازل ہوئی۔ (آیت: ۱۸۳،۱۸۴)

﴿وَالصَّآئِمِينَ وَالصَّٰٓئِمَٰتِ وَالْحَٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَٰفِظَٰتِ وَالذَّٰكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّٰكِرَٰتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب، ۳۳: ۳۵)

"اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان سب کے لیے بخشش اور عظیم اجر تیار فرما رکھا ہے"۔

روزے کی فرضیت اور اس سے متعلقہ چند مسائل:

معلوم ہونا چاہیے کہ روزہ اسلام سے پہلے بھی بعض اُمتوں پر فرض رہا ہے اور یہودیوں کا روزہ تو مشہور ہی ہے، اسلام میں روزہ مرحلہ وار فرض ہوا، پہلے صرف یومِ عاشوراء (محرم کی دسویں تاریخ) کا روزہ فرض تھا۔
(صحیح البخاری، باب وجوب صوم رمضان، رقم: ۱۸۹۲)

بعد میں پورے ماہِ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے، تو یومِ عاشوراء کے روزہ کی فرضیت باقی نہ رہی، اس آیت میں رمضان المبارک کے روزوں کا ذکر ہے، جو ہجرت کے دوسرے سال (۲ریا۸ریا۱۰رشعبان میں) فرض کیے گئے۔ (تفسیر مظہری: ۱/۱۸۹، شرح المواھب: ۸/۹۷، زاد المعاد: ۱/۱۹۰، جمع الوسائل: ۲/۹۴، عمدۃ القاری: ۵/۱۶۲)

اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ روزہ کا مقصد نفس کی تربیت ہے کہ آدمی کے اندر ضبط کی صلاحیت پیدا ہو، اس کی بہیمیت کمزور پڑے اور روحانیت پروان چڑھے، اور وہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچا سکے، نیز روزہ کے دن مقرر ہیں، ایک مہینہ، اس میں روزہ کی ترغیب بھی ہے کہ محض چند دنوں کی تو بات ہے؛ اس لیے پست ہمت نہیں

ہونا چاہیے، آگے فرمایا گیا ہے کہ بیماری اور سفر ایسا عذر ہے، جس کی وجہ سے وَقتی طور پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ، بیماری سے ایسی بیماری مراد ہے کہ جس میں روزہ سے نقصان کا اندیشہ ہو، یعنی اگر روزہ رکھے تو بیماری بڑھ جائے گی یا طول پکڑ لے گی یا مریض کے اندر بھوک کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہ ہو، جس کا فیصلہ ماہر معتبر معالج (حکیم یا ڈاکٹر) کے مشورہ سے اور خود مؤمن کے ضمیر کی آواز پر ہوگا، کوئی ایک ہی حد ہر مریض کے لیے متعین و مقرر نہیں ؛ کیوں کہ قویٰ، عمر، موسم اور ہمت و حوصلہ کے فرق کے اعتبار سے ہر انسان کے اندر قوتِ برداشت مختلف ہوتی ہے۔

ایک اور بات یہ بھی یاد رکھیے کہ سفر سے مراد ''سفرِ شرعی'' ہے، جس کی مسافت کم سے کم ۴۸ رمیل (یعنی ۷۷ رکیلومیٹر) ہے، اس سے کم کے سفر میں روزہ چھوڑ دینا جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جن اَسفار میں روزہ چھوڑنا ثابت ہے، وہ طویل اسفار ہی ہیں، چند میل کے سفر پر روزہ توڑ لینا ثابت نہیں، ائمۂ مجتہدین اور سلف صالحین قریب قریب اس پر متفق ہیں۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۴۵)

یہ بھی ذہن میں رہے کہ حالت سفر میں ہی قرآن نے روزہ توڑنے کی اجازت دی ہے ؛ اس لیے اگر کسی کی صبح گھر پر ہو تو روزہ توڑ کر سفر شروع کرنا جائز نہیں ؛ کیوں کہ یہ سفر سے پہلے ہی روزہ توڑنا ہوا، اگر روزہ رکھ کر سفر شروع کرے اور سفر شروع کرنے کے بعد روزہ رکھنے میں ناقابل برداشت مشقت نہ ہو تو اس روزہ کو پورا کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ ہندیہ: ۱/ ۲۰۶)

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے کام کو شروع کرنے کے بعد توڑنے سے منع فرمایا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾ (البقرة: ۲۶۴)

نیز وَقتی بیماری اور سفر کی وجہ سے جو روزے فوت ہو جائیں، بعد میں ان کی قضا واجب ہوگی۔ اور رَہے وہ انتہائی کمزور اور مستقل کے بیمار حضرات جو بہ مشقت ہی روزہ رکھ سکتے ہوں، وہ فدیہ ادا کر سکتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آیت کریمہ سے بوڑھے اور بوڑھیاں مراد ہیں، یعنی ان کے لیے روزہ کے بدلہ فدیہ ادا کر دینے کی اجازت ہے، اسی طرح جو لوگ مستقل بیمار ہوں اور مرض کے باعث روزہ رکھنے سے قاصر ہوں ؛ ان کے لیے بھی روزوں کے بدلہ فدیہ ادا کر لینا درست ہے۔ (روائع البیان: ۱/ ۲۰۸)

اور فدیہ یہ ہے کہ ایک مسکین کو دو پہر اور رات کا کھانا پیٹ بھر کھلا دیا جائے۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۵۴)

رمضان المبارک ہو تو افطار کے بعد کا اور سحری کا کھانا کھلا دینا کافی ہے، اگر کھانا کھلانے کے بجائے

غلہ دینا چاہے تو ایک روزہ کے بدلہ ایک ہی مسکین کو "نصف صاع گیہوں" جدید اوزان کے مطابق ایک کلو چھ سو اکانوے (۱۶۹) گرام دیدے۔ (تفسیر آیات الاحکام:۱/۱۵۷، فتاویٰ تاتارخانیہ:۱/۲۰۳)

یا متوسط قسم کا کھلے بازار میں دستیاب گیہوں کی قیمت ادا کردے، لیکن آج کل چوں کہ اتنے گیہوں کی قیمت سے دو وقت کا کھانا پورا ہونا دشوار ہے، اس لیے احتیاطاً دو وقت کے کھانے کے بہ قدر پیسے ادا کردینا چاہیے۔

(أنظر: اللؤلؤ والمرجان فی خلاصۃ القرآن)

پورے مہینے کے روزے کہاں سے فرض ہوئے؟

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ وغیرہ محققین حضرات علماء نے لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں وہ دانہ یا پھل کھالیا تھا جس سے خدا نے انہیں روکا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کے پیٹ میں اس کا اثر پورے ایک مہینے تک رہا تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو اتنے ہی دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا، بس وہی تعداد اُن کی اولاد کے لیے بھی مقرر ہوئی۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:۵/۱۶۳)

یاد رہے کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے، لیکن ہم ایک مہینے کے روزے صرف اس لیے رکھتے ہیں کہ خدا کا حکم ہے۔

دوسرے اگر ایک مہینے سے کم مثلاً ایک آدھ ہفتے کے روزے فرض کیے جاتے تو انسانوں کی زندگی پر اس کا کوئی خاص اثر نہ پڑتا اور اپنے پر قابو پانے کی جو مشق ایک مہینے میں ہوجاتی ہے نہ ہوسکتی۔ اسی طرح ایک مہینے سے زیادہ مدت مقرر کرنے میں بھی تندرستی پر بُرا اثر پڑسکتا تھا اس لیے خدائے پاک نے ایک مہینے کی مدت مقرر فرمادی، بس ہمارے لیے اسی میں بھلائی ہے۔

پھر چونکہ اس ایک مہینے کی تخصیص بھی ضروری تھی، تاکہ تمام اُمت بیک وقت اجتماعی طور پر اس فریضے کو ادا کرسکے اور اس کے لیے اس زمانے سے زیادہ بہتر، موزوں بھلا اور کونسا زمانہ ہوسکتا تھا جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہو یعنی رمضان المبارک، اس لیے یہی مہینہ مقرر کردیا گیا۔

روزہ کی حالت میں دعاؤں کا اہتمام کیجیے!

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ، اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ، فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ٥﴾ (آیت:۱۸۶)

"اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیجیے) کہ میں قریب ہی ہوں، جب کوئی مجھ سے دعاء کرتا ہے تو دعا کرنے والوں کی دُعاء قبول کرتا ہوں، تو لوگوں کو بھی چاہیے کہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں؛ تاکہ وہ ہدایت سے سرفراز ہوں"۔

رَمضانُ المبارک کا مہینہ اور روزہ کی حالت دعا کی قبولیت کا زمانہ ہے اور اس میں دعا کا خصوصی اہتمام مطلوب ہے، غالباً اسی لیے روزہ کے احکام کے ساتھ اس آیت میں دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے، متعدد احادیث مبارکہ میں یہ بھی مضمون وارد ہوا ہے، اس لیے روزہ کی حالت میں؛ بالخصوص افطار کے قریب خوب لجاجت کے ساتھ دعاؤں میں مشغول ہونا چاہیے کہ یہ دعاؤں کی قبولیت کا اہم وقت ہے۔

روزہ؛ گناہوں کی معافی کا بہترین ذریعہ:

سیدنا حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

(صحيح البخاري، رقم الحديث:٢٠١٤، صحيح مسلم، رقم الحديث:٧٦٠)

"جس نے ایمان کے ساتھ اجر وثواب کی نیت سے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے اب تک کے تمام گناہ بخش دیے گئے"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگلے اور پچھلے تمام گناہ بخش دیے گئے۔

تشریح:

اگلے اور پچھلے گناہوں کا مطلب یہ ہے کہ جو گناہ اب تک ہو چکے ہیں وہ بھی اور جو آئندہ ہوں گے وہ بھی سب معاف ہو گئے، اور یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ بہت کم کسی عمل پر اس کی خوش خبری دی گئی ہے۔

دو ضروری باتیں:

اب یہاں دو ضروری باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں:

اوّل؛ تو یہ کہ جن حدیثوں میں کسی نیک عمل سے گناہوں کے معاف ہونے کا انعام بیان ہوا ہے علماء نے دوسری حدیثوں کی روشنی میں ان کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اس سے چھوٹے چھوٹے گناہ مراد ہوتے ہیں، بڑے بڑے گناہوں کے لیے توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے۔

لیکن اگر کسی کا نیک عمل ایسا ہو کہ جس میں خلوص بھی پورا پورا ہو، دل ندامت اور شرمندگی میں ڈوب

رہاہو، آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسوؤں کے قطرے بھی گر رہے ہوں تو یہ عمل ہی خود بہت بڑی توبہ ہے اور اگر خدائے پاک کسی کے عمل ہی پر چھوٹے بڑے تمام گناہ بخش دے تو اس سے کون پوچھنے والا ہے؛ لیکن اگر اس کے ساتھ توبہ واستغفار بھی ہو تو کیا کہنا، رسول اللہ ﷺ باوجود اپنے بے انتہا کمالات اور بزرگیوں کے دن میں ستر ستر بار استغفار کرتے تھے۔

توبہ کا طریقہ:

توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت توبہ کی نیت سے خوب دل لگا کر پڑھے اور اس کے بعد پھر اپنے تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرے۔

توبہ کے تین رُکن ہیں، جن کے بغیر توبہ، توبہ نہیں بنتی:

(۱) اب تک کیے ہوئے پر ندامت وشرمندگی (۲) آئندہ کبھی نہ کرنے کا پکا عہد (۳) اور اس وقت بُرے کاموں سے بالکل علیحدگی۔

دوم؛ دوسری بات اوپر والی حدیث کے متعلق یہ ہے کہ جو گناہ ابھی تک ہوئے نہیں اُن کی مغفرت اگرچہ کچھ عجیب سی بات لگتی ہے کہ؛ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کئی حدیثوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ گناہوں کی مغفرت ان کے موجود ہونے سے پہلے بھی ہوسکتی ہے۔

(دیکھیے: حافظ صاحبؒ کی کتاب "الخصال المكفرة عن الذنوب المتقدمة والمتاخرة")

اور ممکن ہے کہ مغفرت کا مطلب یہ ہو کہ آئندہ اس شخص کو گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے۔

(أنظر: الخصال المكفرة، ومرقاة المفاتيح: ٢/ ٥٤٠)

لیکن اس کا اثر بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ انسان اگر بچنا چاہے تو خدا کی طرف سے اس کی مدد ہو اور وہ آسانی سے بچ سکے؛ لیکن اگر کوئی بچنے کی کوشش ہی نہ کرے تو اس کا کیا علاج، اور ایک مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنے پاس سے اتنا اجر وثواب دے دیتا ہے کہ اگر آئندہ اس سے گناہ ہو بھی جائیں تو یہ ثواب ان کا بدل بن جائے۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح: ۲/ ۵۴۰)

روزہ کی خاص صفت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ. (أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم،٢/٦٧٣، الرقم:١٨٠٥، ومسلم في الصحيح، كتاب الصيام، باب فضل الصيام،٢/٨٠٧، الرقم:١١٥١، والنسائي في السنن، كتاب الصيام، باب فضل الصيام،٤/١٦٣، الرقم:٢٢١٦، وفي السنن الكبرى، ٢/٩٠، الرقم:٢٥٢٥، وأحمد بن حنبل في المسند،٢/٣٢٣، الرقم:٧١٧٤، والبزار في المسند،٣/١٢٩، الرقم:٩١٥)

”ابن آدم (انسان) کا ہر عمل اُسی کے لیے ہے سوائے روزے کے؛ کیونکہ روزہ میرے لیے ہے اور اُس کی جزاء میں ہی دیتا ہوں۔ روزہ ڈھال ہے اور جس روز تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو نہ فحش باتیں کرے اور نہ جھگڑے۔ اگر اُسے کوئی گالی دے یا لڑے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے (ﷺ)! روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں جن سے اُسے فرحت ہوتی ہے۔ (۱) جب افطار کرے تو خوش ہوتا ہے اور (۲) جب اپنے رب سے ملے گا تو اپنے روزے کے (عظیم اجر کے) باعث خوش ہوگا“۔

تشریح:

اس حدیث پاک میں کئی اہم چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے، جن میں سے بعض کی وضاحت ہم اگلی روایتوں کے ذیل میں کریں گے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان میں سے چند کی کچھ وضاحت کر دی جائے۔

روزے کی حالت میں گناہوں سے بچیے:

(۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ روزے کی حالت میں ہر طرح کے گناہوں سے اجتناب کرنا چاہیے ،گناہوں سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے، اگر چہ گناہ کے باوجود روزہ ہو جائے گا؛ مگر وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی قبول ہوا یا نہیں؟ یہ دیکھنے کی بات ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ بِأَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ.

(صحيح البخاري:٢٢٥١/٥، رقم الحديث: ٥٧١٠، سنن أبي داوٗد: ٧٢٠/١، برقم:٢٣٦٢، سنن الترمذي:٨٧/٣، برقم:٧٠٧ واللفظ له، سنن النسائي، برقم:٣٢٤٦، سنن ابن ماجه، برقم:١٦٨٩، مسند أحمد، برقم:١٠٥٦٢)

''جس شخص نے (روزہ رکھ کر بھی) بے ہودہ کلام یا بے ہودہ کام نہ چھوڑا، اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑے''۔

سیدنا حضرت ابوہریرہؓ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ إِلَّا الْجُوْعُ وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ إِلَّا السَّهْرُ.

(أخرجه النسائي في ((السنن الكبرى)) برقم:٣٢٤٩، وابن ماجه :٥٣٩/١، برقم: ١٦٩٠ واللفظ لهما، وأحمد، برقم:٩٦٨٣ باختلاف يسير)

''بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا اور بہت سے راتوں کو جاگنے والے اور عبادت کرنے والے ایسے ہیں جنہیں جاگنے کی مشقت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا''۔

اس لیے روزہ داروں کو چاہیے کہ وہ غیبت، چغل خوری، جھوٹ، بہتان تراشی، بے ہودہ گوئی، ایذا رسانی، لڑائی جھگڑوں، مار پیٹ اور گالم گلوچ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں، اسی طرح فلمیں دیکھنا، گانے سننا، ٹی وی دیکھنا، فحش تصاویر دیکھنا یہ سب گناہ کے کام ہیں، عام دنوں میں بھی اس طرح کے کام کرنے کی ممانعت ہے چہ جائے کہ رمضان جیسے مقدس ومحترم مہینے میں اور روزہ جیسی عبادت کے دوران یہ گناہ ہمارے ہاتھ، پاؤں اور زبان وغیرہ سے سرزد ہوں، ظاہر ہے جب اللہ نے اس مہینے کی برکت سے ثواب میں اضافہ کیا ہے تو اس کی حرمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہینے میں کیے جانے والے گناہ کا عذاب بھی معمولی درجے کا نہ ہو۔

ابھی اوپر روایت میں گذرا ہے:

وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهٗ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ. (صحيح البخاري:٦٧٣/٢، الرقم:١٨٠٥)

''اور جس روز تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو نہ فحش باتیں کرے اور نہ جھگڑے (یعنی اس کو بے ہودہ گوئی اور جہالت کے کاموں سے بچنا چاہیے) پس اگر اُسے کوئی دوسرا گالی دے یا لڑے (یعنی جہالت سے

پیش آئے) تو اسے کہنا چاہیے کہ میں تو روزے سے ہوں"۔

خاص طور پر غیبت سے بہت احتیاط کی جائے، روزے کی حالت میں غیبت کس قدر بڑا گناہ ہے اس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے لگایا جاسکتا ہے جس کے راوی سیدنا حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، فرماتے ہیں:

مَا صَامَ مَنْ أَكَلَ اللُّحُومَ بِغِيبَةٍ. (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۲۷۲،رقم الحدیث:۸۸۹۰)

"اس شخص کا روزہ ہی نہیں ہوا جو تمام دن لوگوں کے گوشت کھاتا رہا"۔

غیبت کے تعلق سے حدیث کی کتابوں میں ایک بہت مشہور واقعہ مذکور ہے، جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت عبیدؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

أَنَّ امْرَأَتَيْنِ صَامَتَا وَأَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ هَاهُنَا امْرَأَتَيْنِ قَدْ صَامَتَا وَإِنَّهُمَا قَدْ كَادَتَا أَنْ تَمُوتَا مِنَ الْعَطَشِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ أَوْ سَكَتَ ثُمَّ عَادَ وَأُرَاهُ قَالَ بِالْهَاجِرَةِ قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! إِنَّهُمَا وَاللّٰهِ قَدْ مَاتَتَا أَوْ كَادَتَا أَنْ تَمُوتَا قَالَ ادْعُهُمَا قَالَ فَجَاءَتَا قَالَ فَجِيءَ بِقَدَحٍ أَوْ عُسٍّ فَقَالَ لِإِحْدَاهُمَا قِيئِي فَقَاءَتْ قَيْحًا أَوْ دَمًا وَصَدِيدًا وَلَحْمًا حَتّٰى قَاءَتْ نِصْفَ الْقَدَحِ ثُمَّ قَالَ لِلْأُخْرٰى قِيئِي فَقَاءَتْ مِنْ قَيْحٍ وَدَمٍ وَصَدِيدٍ وَلَحْمٍ عَبِيطٍ وَغَيْرِهٖ حَتّٰى مَلَأَتْ الْقَدَحَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ صَامَتَا عَمَّا أَحَلَّ اللّٰهُ وَأَفْطَرَتَا عَلٰى مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِمَا جَلَسَتْ إِحْدَاهُمَا إِلَى الْأُخْرٰى فَجَعَلَتَا يَأْكُلَانِ لُحُومَ النَّاسِ.

(مسند الامام أحمد:۵/۴۳۱، رقم الحدیث:۲۳۷۰۳)

"دورِ نبوت میں دو عورتوں نے روزہ رکھا ہوا تھا ایک آدمی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! یہاں دو عورتیں ہیں جنہوں نے روزہ رکھا ہوا ہے؛ لیکن پیاس کی وجہ سے مرنے کے قریب ہوگئی ہیں، نبی کریم ﷺ نے اس کی بات سن کر سکوت یا اعراض فرمایا وہ دوبارہ دوپہر کے وقت آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے نبی! واللہ وہ مرجائیں گی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انہیں بلا کر لاؤ، وہ دونوں آئیں، تو ایک پیالہ منگوایا گیا، نبی کریم ﷺ نے ان میں سے ایک سے فرمایا کہ اس میں قے کرو، اس نے قے کی تو اس میں سے خون، پیپ اور گوشت نکلا؛ حتی کہ آدھا پیالہ بھر گیا، پھر دوسری سے بھی یہی فرمایا اس نے بھی یہی چیزیں قے کیں؛ حتی کہ

پیالہ بھر گیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انہوں نے اللہ کی حلال چیزوں سے رک کر روزہ تو رکھ لیا؛ لیکن اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو اختیار کر کے روزہ توڑ دیا، یہ دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر لوگوں کا گوشت کھا رہی تھیں (یعنی غیبت کر رہی تھیں)"۔

بہر حال! جس طرح روزے کے ظاہری آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اسے ان چیزوں سے بچایا جائے جن سے روزہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہو یا مکروہ ہونے کا خطرہ ہو، اسی طرح روزے کے باطنی آداب کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ آدمی روزے کی حالت میں ہر بُرے کام سے اور بُری بات سے خود کو محفوظ رکھے۔

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے رمضان کا روزہ رکھا اور پھر تین چیزوں سے محفوظ رہا تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں"، حضرت ابوعبیدہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ تین چیزیں کونسی ہیں؟ فرمایا: "روزہ دار کی زبان، روزہ دار کا پیٹ، روزہ دار کی شرم گاہ"۔ (كنز العمال: ۵۸۰/۸، رقم الحديث: ۲۴۲۷۹)

(۲) دوسری بات؛ اس حدیث شریف میں جس بُو کا ذکر ہے یہ وہ بساند ہے جو معدہ خالی رہنے کی وجہ سے روزہ دار کے منہ میں سے آتی ہوئی معلوم و محسوس ہوتی ہے، یہ بساند درحقیقت منہ کی نہیں ہوتی؛ بلکہ پیٹ خالی ہونے کی وجہ سے شام کے وقت معدے کے اندر ایک قسم کی بُو پیدا ہو جاتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۵۲۲/۲)

اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بو کے مشک سے زیادہ پسندیدہ ہونے کے بہت سے مطلب بیان کیے گئے ہیں؛ لیکن سب سے صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نظر میں اس بو کا وہ مقام ہے جو انسانوں کے نزدیک دنیا کی تمام خوشبوؤں کے مقابلے میں مشک کا ہے۔

اب آپ ذرا اس پر غور کیجیے کہ یہ بلند درجہ کسی نیکی کا نہیں بتایا جا رہا؛ بلکہ صرف ایک بُو کا ہے جس کو اور ذرا صاف لفظوں میں ہم بدبو کہہ سکتے ہیں؛ لیکن چونکہ اس بدبو کو روزے کے ساتھ ذرا سا تعلق ہے کہ وہ روزے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اس لیے اس بدبو کی بھی قسمت جاگ اُٹھی۔

تو بدبو اب بھی بدبو ہی ہے؛ لیکن ہزار خوشبوئیں اس پر نثار ہو سکتی ہیں اور یہ سب کس لیے؟ روزے کی بدولت۔

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(شعر کا خلاصہ: ساتھ والے کی خوبی کا اثر ہے جو مجھ میں نظر آ رہا ہے؛ ورنہ میں تو جو پہلے تھا وہی اب بھی ہوں)

توجب روزے کی وجہ سے پیٹ کی بدبو کو یہ درجہ حاصل ہو جائے تو بھلا روزے کے اصل مقام کا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ سچ فرمایا واقعی روزے کا بدلہ تو خود خدا ہی ہے۔

ایک شبہ:

رہا یہ شبہ کہ جب یہ بدبو اللہ کو ایسی پسند ہے تو پھر تو روزے کی حالت میں شاید مسواک کرنا بھی ٹھیک نہ ہو؛ کیونکہ اس سے بدبو ختم ہو جائے گی؟ اس کا جواب اوپر کی سطروں میں آچکا ہے کہ یہ بو منہ کی نہیں ہے، جو مسواک سے ختم ہو جائے، خود رسول اللہ ﷺ نے روزے کی حالت میں خوب مسواک کی ہے۔ (مشکوۃ: ۱۷۶، عن عامر بن ربیعہؓ)

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "مسواک کرنا روزہ دار کے لیے بڑی اچھی بات ہے"۔

(رواہ ابن ماجہ والدار قطنی عن عائشہؓ دیکھیے: مرقاۃ المفاتیح: ۵۱۲/۴)

(۳) تیسری بات: اس حدیث شریف میں روزہ دار کی دو خوشیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو دنیا میں ہے، یعنی جب انسان روزہ کھولتا ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے؛ کیونکہ انسان کا مزاج ہے کہ بھوک اور پیاس میں اس کو جب کھانا پانی مل جاتا ہے تو اُسے ایک طبعی خوشی ہوتی ہے اور ہر انسان کو ہوتی ہے اور جو ذرا کھانے پینے کا شوقین بھی ہو تو اس کی تو ایک چھوٹی سی عید ہی ہو جاتی ہے اور اللہ والوں کی خوشی کا اور بھی کئی وجہیں ہیں، مثلاً یہ کہ اللہ کا شکر ہے اُس نے ہمارے روزے کو ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھا اور پورا کرادیا اور خدا کو راضی کرنے اور اس سے قریب ہونے کا ایک ذریعہ حاصل ہو گیا تو گویا دنیا میں بھی دونوں قسم کے لوگوں کے لیے دونوں طرح کی خوشیاں مل گئیں۔ اور دو خوشیوں کے بیان کے ساتھ ساتھ چپکے سے ایک عظیم الشان خوشخبری یہ بھی سنادی کہ آخرت میں روزہ داروں کو خدائے پاک سے ملاقات بھی نصیب ہوگی اور ملاقات بھی ایسی نہیں کہ ڈرتے ڈرتے اور جھجکتے جھجکتے ہو؛ بلکہ خوب خوش وخرم ہو کر ملاقاتیں ہوں گی۔

روزے میں بندہ اللہ کی ایک صفت لے کر عبادت کرتا ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ فَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَّا الصِّيَامَ هُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، إِنَّهُ يَتْرُكُ الطَّعَامَ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي وَيَتْرُكُ الشَّرَابَ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي فَهُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ.

(أخرجه الدارمي في السنن، ۲/۰، ۴، الرقم: ۱۷۷۰، وأحمد بن حنبل في المسند، ۴۴۳/۲، الرقم: ۹۷۱۲، وابن خزيمة في الصحيح، ۱۹۷/۳، الرقم: ۱۸۹۸، والمنذري في الترغيب والترهيب، ۴۷/۲، الرقم: ۱۴۴۲)

''آدمی کا ہر عمل اس کے لیے ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔ سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا عطا کرتا ہوں، یقیناً وہ (روزہ دار) کھانا اور شہوت نفسانی کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے اور اپنا پینا اور شہوت میری وجہ سے ترک کرتا ہے، پس وہ (روزہ) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا عطا کرتا ہوں''۔

تشریح:

اس حدیث پاک میں کئی چیزوں کا بیان ہے:

(۱) پیچھے (''رمضان شریف میں نیکیوں کی قیمت'' کے عنوان سے) جو بیان گزرا وہ یہ تھا کہ ایک ہی عمل مختلف حالات میں کتنے درجے تک بڑھتا ہے اور یہاں اس کا بیان ہے کہ اس عمل پر جو نیکی ملتی ہے وہ کے گنا تک بڑھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے، یہ تو خدا کے یہاں کا کم سے کم بھاؤ ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، اس حدیث میں سات سو گنا تک بتایا گیا ہے یعنی اگر کوئی شخص راہِ خدا میں مثلاً ایک روپیہ دے تو سات سو روپیوں کا ثواب ہے اور ایک آیت پڑھے تو سات سو آیتوں کا، ایک قرآن مجید پڑھے تو سات سو قرآن مجید پڑھنے کا ثواب ملتا ہے؛ لیکن قرآن وحدیث میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ حد بھی کوئی آخری حد نہیں ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ:۲۶۱)

''اور اللہ جس کے لیے چاہے اس سے بھی زیادہ بڑھادے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اس کے یہاں تنگی نہیں ہے اور خوب جاننے والا ہے''۔

اس ''وَاسِعٌ'' کے لفظ سے پتہ چلا کہ جس کے لیے چاہتے ہیں بے شمار بڑھاتے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وسعت وفراخی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔

اس پوری گفتگو سے یہ بات صاف معلوم ہوگئی کہ عام نیکیوں کا ثواب بھی اگر وہ اخلاص سے ہوں تو حدیث پاک کے بموجب اتنا بڑھتا ہے کہ ایک کھجور صدقہ کا ثواب اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں روزے کو عام نیکیوں سے الگ کر کے بیان کیا گیا ہے کہ روزہ اس عام قانون سے الگ ہے، تو آپ سوچئے کہ روزے کا انعام کیا کچھ ہوگا۔

(۲) مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنے لیے مخصوص قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کی جزا میں خود دوں گا؛ حالاں کہ تمام عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہوتی ہیں اور اللہ ہی سب کا اجر دینے والا ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ دوسری نیکیوں کا بدلہ تو فرشتوں وغیرہ کے ذریعے دلا دیا جائے گا؛ لیکن روزہ کا بدلہ اللہ رب العزت بذاتِ خود عطا کرے گا اور آپ جانتے ہیں کہ جو چیز بادشاہ کے غلاموں کے ہاتھ سے تقسیم کرائی جائے اس میں اور بادشاہ کی اپنے ہاتھ سے دی ہوئی چیز میں کتنا بڑا فرق ہونا چاہیے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بڑے اور اونچے لوگ جب کوئی چیز دینا خود اپنے ذمے لے لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ دینا چاہتے ہیں۔ (شرح المواہب للمدنیہ ۹۵۸)

تو خلاصہ یہ نکلا کہ روزے کے انعامات کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں۔

اور یہ جو فرمایا کہ "یہ میرے ہی لیے ہے"۔ اس سلسلے میں حضرات محدثین نے لکھا ہے کہ عام طور پر دوسری عبادتوں میں ریا کاری اور نمود و نمائش کا احتمال رہتا ہے، صرف روزہ ہی ایک ایسی خاموش عبادت ہے کہ جو نظر نہیں آتی، زبان سے ظاہر کیے بغیر کوئی دوسرا اس کا پتہ ہی نہیں پا سکتا، بس یا تو بندہ جانتا ہے یا جس اللہ کے لیے روزہ رکھا ہے اسے معلوم ہے۔

کسی فارسی شاعر نے کہا ہے:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست　　　　کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

کیوں کہ روزہ کھانا، پینا ترک کرنے کا نام ہے، یہ کوئی ایسی عبادت نہیں ہے جس میں کچھ وجودی اور ظاہری حرکات و سکنات ہوں، صرف وہی شخص روزہ رکھتا ہے جسے اللہ کا خوف ہو، بعض لوگ روزہ نہیں رکھتے؛ لیکن وہ سب کے سامنے کھاتے پیتے بھی نہیں، اس سے دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی روزہ سے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جو آدمی محض اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے کرتا ہے اور اس کا مقصد حصولِ اجر و ثواب کے سوا کچھ نہیں ہوتا، جب روزہ صرف اللہ کے لیے ہے تو اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ خود ہی عطا کرے گا، جو دوسری عبادتوں کے مقابلے میں ارفع و اعلیٰ ہوگا۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

لَيْسَ فِي الصَّوْمِ رِيَاءٌ. (رواہ البیہقی فی الشعب کمافی زھرالربی للسیوطی: ۳۰۹/۱)

"روزے میں دکھاوا نہیں"۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو یہ عبادت بہت پسند ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اس کا ایک بڑا اچھا مطلب بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بندے جتنے بھی اعمال کرتے ہیں اپنی اپنی عادتوں اور مزاجوں کے مطابق کرتے ہیں؛ لیکن روزے میں بندہ اللہ کی ایک صفت لے کر عبادت کرتا ہے، کھانے پینے وغیرہ سے آزاد ہونا خدا کی صفت ہے **هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ** "وہ کھلاتا ہے کھاتا نہیں"۔

تو گویا خدائے پاک یہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرے حکم سے میری ایک صفت اپنائی ہے اس لیے بس میں خود ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ (شرح المواہب اللدنیہ: ۹۴/۸)

حدیث پاک کے اسی جملے "أَجْزِيْ بِهٖ" کو بعض علماء نے "أُجْزٰى بِهٖ" بھی نقل کیا ہے۔ (اگر چہ بر بناءِ مجہول قواعد عربیہ کی رو سے بعض محققین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے) اس طرح اس کے معنی اور بھی بلند ہو جاتے ہیں۔ مطلب اس صورت میں یہ بنتا ہے کہ "روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی خود اس کا بدلہ ہوں"۔ اور جسے خدا مل گیا ساری خدائی اس کا ادنیٰ غلام ہے۔

اگر اِک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری   جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

(۳) تیسری بات اس حدیث پاک میں یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ اپنی خواہشات اور کھانا پینا میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے" حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم چھوڑتے کچھ بھی نہیں؛ بلکہ شاید رمضان کا اوسط دوسرے مہینوں سے کچھ زیادہ ہی ہو جاتا ہے۔ جو لوگ گھروں کا خرچہ چلاتے ہیں ان سے پوچھو تو معلوم ہوگا کہ رمضان کا خرچ اور مہینوں سے ڈیڑھ دوگنا ہوتا ہے۔

ناشتے کے بدلے افطاری ہے اور دوپہر کا کھانا ذرا پہلے کر کے سحری ہوگئی؛ چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے سحری کو "غَدَاء" (دوپہر کا کھانا) کہا بھی ہے۔ (مشکوٰۃ عن العرباضؓ: ۱۷۶)

اور شام کا کھانا تو جوں کا توں اپنی جگہ ہے ہی، لیکن اللہ تعالیٰ کے بے پناہ کرم کو تو دینے کا کوئی بہانہ چاہیے اس ذرا سے اُلٹ پھیر ہی کو چھوڑنا ٹھہرا کر اتنا بڑا انعام دے دیا۔

روزہ داروں کے لیے جنت کا خصوصی دروازہ:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ. يُقَالُ: اَيْنَ الصَّائِمُوْنَ؟ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ. فَإِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ، فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ. (أخرجه البخاری فی الصحيح، کتاب الصوم، باب الريان للصائمين، ٦٧١/٢، الرقم:١٧٩٧، ومسلم فی الصحيح، کتاب الصيام، باب فضل الصيام، ٨٠٨/٢، الرقم:١١٥٢)

”جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو رَیّان کہا جاتا ہے۔ قیامت کے روز اُس سے (صرف) روزہ دار داخل ہوں گے اور اُن کے سوا اُس سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ کہا جائے گا کہ روزے دار کہاں ہیں؟ (اس دروازہ میں سے داخل ہونے کے لیے) روزے دار کھڑے ہو جائیں گے۔ اس دروازہ میں سے ان کے علاوہ کوئی اور داخل نہیں ہو گا۔ پھر جب وہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا اور کوئی دوسرا اُس سے داخل نہیں ہوگا“۔

تشریح:

اگر آپ نے کبھی کسی شہر میں کوئی وزیر آتے دیکھا ہوگا تو شاید یہ بھی دیکھا ہو کہ اس کے ٹھہرنے کے مکان کا جو دروازہ ہوتا ہے اس کے علاوہ بہت دور ہی سے اس کے لیے کئی کئی دروازے خوب پھول پتیوں سے سجا کر بنائے جاتے ہیں تو کیا وہ وزیران سرسبز دروازوں کے بغیر نہیں آسکتا تھا؟ ضرور آسکتا تھا؛ لیکن یہ کئی کئی تازہ اور خوبصورت دروازے صرف اس کے اعزاز میں اور اس کی شان ظاہر کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نیک بندوں کے لیے جنت میں بہت سے (خاص طور پر آٹھ) دروازے بنا رکھے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نماز کا دروازہ الگ ہے، جہاد کا الگ ہے، زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات کا الگ ہے۔ (صحیحین عن ابی ہریرہؓ، مشکوٰۃ:۱۶۷)

اور یہ سب اپنے بندوں کو خوش کرنے اور اُن کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ہے ورنہ آنے جانے کے لیے ایک دروازہ بہت، اور یہ مناسبت بھی تو دیکھئے کہ روزے دار کے دروازے کا نام ہے ”ریان“ بمعنی سیراب و سرسبز۔

حضرت ابواُمامہ باہلی ؓ سے مروی ہے:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مُرْنِیْ بِعَمَلٍ، قَالَ: عَلَيْکَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا عِدْلَ لَهُ. قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِیْ بِعَمَلٍ. قَالَ: عَلَيْکَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا عِدْلَ لَهُ.

(أخرجه النسائی فی السنن، کتاب الصيام، باب فی فضل الصيام، ١٦٥/٤، الرقم:٢٢٢٣، وعبد الرزاق فی

المصنف، ٣٠٨/٤، الرقم:٧٨٩٩، وابن أبي شيبة في المصنف، ٢٧٣/٢، الرقم:٨٨٩٥)

''میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کسی عمل کے کرنے کا حکم فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزہ! اس کے برابر کوئی دوسرا عمل نہیں۔ میں نے دوبارہ عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کسی عمل کے کرنے کا حکم فرمائیے۔ آپ ﷺ نے (دوبارہ یہی) فرمایا: روزہ رکھو، اس کے برابر کوئی دوسرا عمل نہیں ہے''۔

رمضان کا ایک روزہ:

بعض صحت مند، تن درست لوگ بھی بغیر کسی وجہ کے روزہ چھوڑ دیتے ہیں؛ حالاں کہ یہ روزہ کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ ان لوگوں کو نہیں ہے، معمولی بھوک، بیڑی، سگریٹ، پان، تمباکو، چائے وغیرہ کی لت اور بڑی سے بڑی مصروفیت اس کے لیے چھوڑی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ اگر رمضان کا ایک روزہ چھوٹ گیا تو تمام عمر اس کی تلافی نہیں ہوسکتی، حدیث میں ہے:

مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِهِ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ.

(سنن الترمذي:١٠١/٣، رقم الحديث:٧٢٣، سنن أبي داوٗد:٧٢٩/١، رقم الحديث:٢٣٩٦، سنن ابن ماجه:٥٣٤/١، رقم الحديث:١٦٧١)

''جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بھی کسی عذر یا مرض کے بغیر چھوڑ دیا اس کی تلافی نہیں ہے، اگر چہ اس کے عوض تمام عمر روزے کیوں نہ رکھے''۔

تشریح:

خوب سمجھ لیجیے کہ انسان اپنی طبیعت کی بے اعتدالی کی وجہ سے گناہ کرتا ہے، جس سے اس کی روحانیت متاثر ہوتی ہے۔ سال بھر کی بے اعتدالی بہت بڑا بوجھ اور خدا سے دوری کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس مرض کا علاج اور گناہوں کے بوجھ سے جان چھڑانے کا بہترین ذریعہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا ہے۔ مؤمن کی زندگی میں رمضان کے مہینے کا آنا، اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑا تحفہ ہوتا ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے۔ فرض روزے کی ادائیگی ایسا مبارک عمل ہے، اگر اسے مطلوبہ شرائط کے ساتھ اختیار کیا جائے تو یہ طبیعت کی بے اعتدالی، گناہوں کے بُرے اَثرات سے نجات اور جسمانی قوت کی بحرانی حالت کو کنٹرول کرنے میں مددگار بن سکتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: ''روزہ رکھا کرو! اس کی مثل کوئی عمل نہیں''۔ (سنن النسائی)

اس ریاضت سے انسان میں نیکی کی طرف رُجحان، عبادات کا شوق اور گناہوں سے بے رغبتی اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے روزے کی فرضیت کے حکم کے ساتھ قرآن میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ کہا گیا ہے کہ اس عمل سے توقع کی جاسکتی ہے کہ تم میں تقویٰ کی خوبی پیدا ہوجائے، جس کے نتیجے میں ایک مؤمن کے لیے اللہ کی طرف بڑھنے کا راستہ آسان ہوجاتا ہے، جو اس کے لیے دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا: سابقہ تمام شریعتوں میں روزہ فرض کیا گیا تھا۔ ہماری شریعت میں رمضان کا مہینہ روزوں کی فرضیت کا ہے، اس کا پورا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس میں غفلت سے انسان بہت نقصان کر بیٹھتا ہے۔ زیرِ نظر حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص بغیر کسی شرعی عذر اور بیماری کے، ماہِ رمضان المبارک کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیتا ہے تو اس کے بعد اگر وہ زندگی بھر بھی روزے رکھے، تو اس سے اس نقصان کا ازالہ نہیں ہوسکتا، جو ایک روزہ چھوڑنے سے ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لیے بغیر کسی عذر اور نہایت مجبوری کے رمضان کے روزے نہیں چھوڑنے چاہئیں؛ بلکہ ہر ممکن حد تک اس فریضے کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

رمضان المبارک کے روزے ان احتیاطی تدابیر اور ہدایات کی روشنی میں رکھنے چاہئیں جو ہمیں رسول اللہ ﷺ سے ملی ہیں۔ اس ریاضت سے انسان کو نہ صرف پچھلے گیارہ ماہ؛ بلکہ زندگی بھر کے گناہوں کی نحوست سے اپنا دامن چھڑانے کا موقع میسر آجاتا ہے اور آئندہ کے گیارہ ماہ میں بھی نیکیاں کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

رمضان کا روزہ نہ چھوڑیے نہ توڑیے:

رَمضانُ المبارک کا روزہ ایک بڑا فرض بھی ہے، ایک اہم سعادت بھی ہے اور ایک عظیم نعمت بھی ہے، بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو رمضان کا روزہ چھوڑ دیتے ہیں یا رکھ کر توڑ دیتے ہیں، اس طرح وہ فرض ترک کرنے کے گنہگار تو ہوتے ہی ہیں، سعادت اور نعمت سے محروم رہنے کے سزاوار بھی ہوجاتے ہیں، بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ معمولی معمولی بیماریوں کی وجہ سے یا تھوڑے، بہت مشقت کے کام کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں، رمضان کے بعد کم ہی لوگوں کو یہ روزہ رکھنے کی توفیق میسر آتی ہے، اور اگر کسی نے قضا بھی کرلیا تو جو اجر و ثواب رمضان کے روزے کا تھا وہ کہاں میسر ہوگا؛ جیسا کہ اوپر روایت میں گذر چکا ہے، اگر واقعی کوئی شرعی عذر ہے تو بے شک روزہ چھوڑ سکتے ہیں، لیکن جان بوجھ کر روزہ چھوڑنا سخت گناہ ہے اور رکھ کر توڑ دینا تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ کتنے ہی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ زندگی کے دوسرے معاملات میں تو بڑے بہادر اور جفاکش نظر آتے

ہیں؛لیکن جہاں روزوں کی بات آئی کم ہمتی کا شکار ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ روزہ رکھ کر بھوک پیاس برداشت نہ کرسکیں گے اور بیمار پڑ جائیں گے، ان کا یہ خیال غلط ہوتا ہے، روزہ رکھ کر کوئی بیمار نہیں پڑتا، طب جدید تو یہ کہتی ہے کہ روزہ انسانی صحت کے لیے ضروری ہے اور چند گھنٹے خالی پیٹ رہ کر بہت سے ایسے جسمانی فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں جو قیمتی سے قیمتی دواؤں سے حاصل نہیں ہوتے، ایسے لوگوں میں قوت ارادی کی کمی ہوتی ہے اور حوصلہ نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کو بوڑھوں اور کم عمر بچوں سے سبق لینا چاہیے کہ وہ کس طرح روزہ رکھ رہے ہیں، بہت سے نوجوان تعلیم کا بہانہ بنا کر یا کھیلوں میں حصہ لینے کا عذر پیش کر کے روزہ ترک کر دیتے ہیں کہ پڑھائی سخت ہے، روزے میں نہیں ہو پائے گی، یا امتحان کی تیاری روزے میں نہیں ہو پائے گی، یہ صرف نفس کے بہانے ہیں، ان بہانوں سے روزہ معاف نہیں ہوسکتا، گرمی کے روزے تو بعض لوگوں کے لیے موت کے پیغام سے کم نہیں ہوتے، تصور ہی سے ان کی روح کانپ اُٹھتی ہے، ان کا بس نہیں چلتا کہ وہ گرمی کے روزوں سے کس طرح پیچھا چھڑائیں، ان میں سے بعض افراد اس خیال سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں کہ سردی میں رکھ لیں گے، قضا تو آپ کرلیں گے؛لیکن جان بوجھ کر روزے نہ رکھنے کا جو گناہ ہوگا اس کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے، آج کل تو بڑی سہولتیں ہیں پنکھے، کولر، اے سی سب کچھ موجود ہے، اس وقت کا تصور کیجیے جب موسم بھی سخت ہوتا تھا اور موسم کی سختی سے بچاؤ کے وسائل بھی میسر نہیں تھے، لوگ سروں پر گیلے کپڑے رکھ کر، یا تربوز کے خول رکھ کر روزہ پورا کرتے تھے، اللہ کے نیک بندے تو حالت سفر میں؛ بلکہ حالت جنگ میں بھی روزے نہیں ترک کرتے تھے، جب کہ شریعت نے سفر اور جنگ دونوں موقعوں پر روزہ نہ رکھنے کی سہولت دی ہے؛لیکن وہ لوگ رخصت پر نہیں عزیمت پر عمل کر کے زیادہ سے زیادہ ثواب کمالینا چاہتے تھے، جب کہ آج کے لوگ روزہ چھوڑنے کے بہانے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

مال دار آدمی یہ سوچتے ہیں کہ ہم روزہ نہیں رکھتے؛ بلکہ فدیہ دے دیں گے ہمیں ثواب مل جائے گا، غریبوں کا بھلا ہو جائے گا، یہ بڑی غلط فہمی ہے، ہٹے کٹے صحت مند لوگوں کے فدیہ دینے سے روزہ ادا نہیں ہوتا، یہ گنجائش تو انتہائی ضعیف لوگوں کے لیے ہے، غریبوں کے ساتھ اتنی ہی ہمدردی ہے تو انہیں فدیے کے بجائے امداد کیوں نہیں دیتے، رمضان کی مبارک ساعتوں میں یوں بھی ایک کا ستر گنا ملنے والا ہے روزہ رکھیے اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ رکھیے، احساس ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ اسے عبادت سمجھ کر انجام دیجیے، اور یہ سوچیے کہ اللہ

ہماری ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے، جس طرح ہم نماز میں خدا کے حضور حاضر ہوتے ہیں اسی طرح روزے کی حالت میں بھی ہم باری تعالیٰ کی توجہات کا مرکز بنے ہوئے ہیں، اگر یہ احساس ذمہ داری ہو تو ہمارے روزے صحیح معنی میں روزے ہوں گے، نہ ان میں گناہوں کی آمیزش ہوگی اور نہ روزوں کے درمیان ہم سے ایسی غلطیاں سرزد ہوں گی جو ہمارے روزوں کو مکروہ کردیتی ہیں، بلکہ بعض اوقات ان غلطیوں کی وجہ سے ہمارا روزہ ٹوٹ بھی جاتا ہے۔

شریعت طاقت سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں کرتی، یہ ایک ایسا اصول ہے جو ہمیں تمام عبادات میں موجود ملتا ہے ،روزہ رکھنے والوں کو بھی اگر واقعی کوئی عذر ہے تو روزہ چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، فقہاء نے شرعی مجبوریوں کی تفصیلات بیان کردی ہیں، اگر ان میں سے کوئی مجبوری پیش آ گئی ہے تو شریعت نے روزہ چھوڑنے کی اجازت دی ہے، وہ شرعی اعذار حسب ذیل ہیں:

(۱) بیماری (۲) سفر (۳) اِکراہ یعنی زبردستی (۴) حمل (۵) ارضاع یعنی دودھ پلانا (۶) ناقابل برداشت بھوک پیاس (۷) حیض ونفاس (۸) بڑھاپا۔

روزہ اسلام کا رُکنِ عظیم ہے:

روزہ اس دھیان وخیال سے بھی رکھیے کہ یہ اسلام کے ضروری ارکان میں سے ایک رکن ہے، جس کے بغیر آدمی اُدھورا مسلمان رہتا ہے۔ رمضان کا روزہ ہر مسلمان، عاقل، بالغ مرد وعورت پر فرض ہے، جو روزہ نہ رکھے وہ سخت گنہ گار ہے اور اس سے بھی زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ جوان آدمی رمضان کے دنوں میں سب کے سامنے کھاتا پیتا پھرے، وہ گویا اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ میں نہ مسلمانوں کے ساتھ ہوں اور نہ مجھے اسلام کے حکموں کی کوئی پرواہ ہے اور میں ایسا بیباک ہوں کہ کھلم کھلا خدا کے حکم کی مخالفت کرجاتا ہوں۔

درحقیقت ایسے لوگ جنہیں سارے مسلمانوں کے عمل کی مخالفت بھی آسان ہو، جنہیں اپنے پالنے والے اپنے خالق ورازق اللہ سے بغاوت کرتے ہوئے ذرا شرم وحیا نہ آتی ہو، جو دین کے اہم فریضے اس بے دردی اور بے فکری سے توڑ دیتے ہوں اُن سے کس بھلائی اور نیک چلنی کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ ایسے لوگ خدا کی نظر میں تو بدترین ہیں ہی؛ لیکن دنیا کے اندر بھی کوئی شریفانہ زندگی نہیں گزار سکتے، اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ:

”جو شخص رمضان کے مہینے میں دن کے وقت کھلم کھلا بغیر کسی عذر کے کھاتا پیتا ہو اُس کی گردن اُڑادی جائے“۔

(الدر المختار)

لیکن یہ کام اسلامی حکومت ہی میں ہو سکتا ہے، ہاں اتنی ذمہ داری تو ہر حالت میں ہے کہ اس کے بڑے یا جن کا اس پر بس چلتا ہو اُسے سزا دیں، ڈانٹ ڈپٹ کریں، اس کے تعلق والے اس سے اظہارِ نفرت کریں اور کہہ سن کر اس کو اس بدتمیزی سے روکیں۔

اور جو شخص رمضان کے روزوں کا انکار کر دے وہ تو اسلام ہی سے نکل گیا، اگر کوئی شخص اپنی کم نصیبی اور بدبختی کی وجہ سے روزے رکھنے سے محروم ہے تو کم از کم روزے کو فرض اور ضروری تو سمجھے اور اسی لائن میں ہیں وہ نادان اور بے وقوف لوگ بھی جو روزے اور روزہ داروں کا مذاق اُڑاتے ہیں، اپنے جیسے دو چار چھچھوروں کو ہنسانے کے لیے کوئی مذاق کا جملہ کہہ دیا اور خود بھی "کھی کھی" کر کے دانت نکال دیے اور یہ خبر نہیں کہ آج کا یہ جملہ خدا کے منشیوں نے لکھ لیا ہے اور اس پر ہزاروں برس خون کے آنسو رونے پڑیں گے، جو انسان انجام کو سوچے بغیر کوئی کام کر ڈالے وہ انسان نہیں جانور ہے۔

روزہ سے کوتاہیوں کا ازالہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَجَارِهِ، تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ.

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:١٨٩٥، صحیح مسلم، رقم الحدیث:١٤٤)

"آدمی کی آزمائش ہوتی ہے اس کے بال بچوں کے بارے میں، اس کے مال میں اور اس کے پڑوسی کے سلسلے میں۔ ان آزمائشوں کا کفارہ نماز، روزہ اور صدقہ ہیں"۔

تشریح:

آزمائش کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ چیزوں کے ذریعے سے انسانوں کو آزماتا اور ان کا امتحان لیتا ہے۔ اولاد کی آزمائش یہ ہے کہ انسان ان کی فرطِ محبت کی وجہ سے غلط رویہ یا بخل یا خیر سے اجتناب تو اختیار نہیں کرتا یا ان کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی تو نہیں کرتا۔ مال کی آزمائش یہ ہے کہ انسان اس کے کمانے میں ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کرتا، اسی طرح اسے خرچ کرنے میں اسراف سے یا بخل سے تو کام نہیں لیتا۔ پڑوسی کی آزمائش یہ ہے کہ انسان اس کے آرام و راحت کا خیال رکھتا ہے یا نہیں، اس کے دکھ درد میں اس کا معاون اور دست و بازو بنتا ہے یا نہیں۔ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں انسان سے ہو جاتی ہیں۔

نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات ان کا کفارہ بن جاتے ہیں اور کوتاہیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾(هود:١١/١١٤)

''نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں''۔

اس حدیث وآیت سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کو نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات اور دیگر نیکیوں کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے تاکہ یہ نیکیاں اس کی کوتاہیوں اور گناہوں کا کفارہ بنتی رہیں۔

روزہ؛ جسم کی زکوٰۃ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ، زَادَ مُحْرِزٌ فِي حَدِيثِهِ: وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَلصِّيَامُ نِصْفُ الصَّبْرِ. (أخرجه ابن ماجه في السنن، كتاب الصيام، باب في الصوم زكاة الجسد، ١/ ٥٥٥، الرقم:١٧٤٥، والطبراني في المعجم الكبير،٦/١٩٣، الرقم:٥٩٧٣، وعبد بن حميد في المسند،١/٤٢٣، الرقم:١٤٤٩، وأبو نعيم في حلية الأولياء،٧/١٣٦، والبيهقي في شعب الإيمان، ٣/٢٩٢، الرقم:٣٥٧٨)

''ہر چیز کی کوئی نہ کوئی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ محرز نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ آدھا صبر ہے''۔

تشریح:

لفظِ زکوٰۃ کے معنی: ''پاک کرنا، بڑھوتری، برکت'' کے ہیں، مذکورہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کی پاکی کے لیے کوئی نہ کوئی وسیلہ ضرور ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: زکات کا معنی ہے ہر چیز کے پاک کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی وسیلہ ہوتا ہے اور جسم کی پاکی اور اس سے گناہوں کے اثرات کی دوری روزہ رکھنے میں ہے اور مال کی پاکی شرع کی جانب سے مقرر کی گئی مخصوص مقدار کی ادائیگی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جسم کی زکات وہ روزہ کی ڈھال ہے جو اس کو آگ سے بچاتی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۴۲۹)

علامہ سندی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''انسان کو چاہیے کہ ہر چیز میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے نکالے تو وہ اس چیز کی زکات ہو جائے گی''۔

(حاشية السندی علی سنن بن ماجه: ۵۳۱/۱)

روزہ ڈھال ہے:

حضرت عثمان ابن ابی العاص ﷜ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ کَجُنَّةِ أَحَدِکُمْ مِنَ الْقِتَالِ، قَالَ: وَصِيَامٌ حَسَنٌ صِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ.

(أخرجه ابن ماجه فی السنن، کتاب الصيام، باب ما جاء فی فضل الصيام، ۵۲۵/۱، الرقم: ۱۶۳۹، والنسائی فی السنن، کتاب الصيام، باب ذکر الاختلاف علی محمد بن أبی يعقوب فی حديث أبی أمامة فی فضل الصائم، ۱۶۷/۴، الرقم: ۲۲۳۱، والطبرانی فی المعجم الکبير، ۵۱/۹، الرقم: ۸۳۶۰، وابن خزيمة فی الصحيح، ۱۹۳/۳، الرقم: ۱۸۹۱)

''جیسے تم میدانِ جنگ میں (دشمن سے بچاؤ کے لیے) ڈھال استعمال کرتے ہو ایسے ہی روزہ دوزخ سے (بچاؤ کے لیے) ڈھال ہے۔ بہتر (طریقہ) ہر ماہ تین دن روزہ رکھنا ہے''۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ فَمَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلَا يَجْهَلْ يَوْمَئِذٍ وَإِنْ امْرُؤٌ جَهِلَ عَلَيْهِ فَلَا يَشْتُمْهُ وَلَا يَسُبَّهُ وَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْکِ. (أخرجه النسائی فی السنن، کتاب الصيام، باب ذکر الاختلاف علی محمد بن أبی يعقوب فی حديث أبی أمامة فی فضل الصائم، ۱۶۷/۴، الرقم: ۲۲۳۴، وفی السنن الکبری، ۲۴۰/۲، الرقم: ۳۲۵۸، والطبرانی فی المعجم الأوسط، ۲۷۳/۴، الرقم: ۴۱۷۹)

''روزہ آگ سے بچنے کی ڈھال ہے جو شخص صبح کے وقت روزہ دار اُٹھے اور اس دن وہ بدتمیزی نہ کرے، اگر کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ بدتمیزی کرے تو وہ اسے گالی نہ دے، برا نہ کہے؛ بلکہ یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے (ﷺ)! بے شک روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ ﷜ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَحِصْنٌ حَصِينٌ مِنَ النَّارِ. (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۴۰۲/۲، الرقم: ۹۲۱۴،

والبيهقي في شعب الإيمان، ٢٨٩/٣، الرقم:٣٥٧١، والمنذري في الترغيب والترهيب، ٥٠/٢، الرقم:١٤٥١، وقال: إسناده حسن، وابن رجب في جامع العلوم والحكم، ٢٧١/١، والهيثمي في مجمع الزوائد، ١٨٠/٣، وقال: إسناده حسن)

”روزہ ڈھال ہے اور دوزخ کی آگ سے بچاؤ کے لیے محفوظ قلعہ ہے“۔

اور ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: **إِنَّمَا الصِّيَامُ جُنَّةٌ يَسْتَجِنُّ بِهَا الْعَبْدُ مِنَ النَّارِ.** (أخرجه أحمد بن حنبل في المسند، ٣٩٦/٣٣، الرقم:١٥٢٩٩، والبزار عن ابن أبي الوقاص، ٣٠٩/٦٠، الرقم:٢٣٢١، والطبراني في المعجم الكبير، ٥٨/٩، الرقم:٨٣٨٦، والبيهقي في شعب الإيمان، ٢٩٤/٣، الرقم:٣٥٨٢)

”روزہ ڈھال ہے اس کے ساتھ بندہ خود کو دوزخ کی آگ سے بچاتا ہے“۔

تشریح:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

شریعت اسلامی نے روزہ کی ہیئت اور ظاہری شکل پر اکتفا نہیں کی؛ بلکہ اس کی حقیقت اور اس کی روح کی طرف بھی پوری توجہ دی ہے، اس نے صرف کھانے پینے اور جنسی تعلقات ہی کو حرام نہیں کیا؛ بلکہ ہر اس چیز کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے، جو روزہ کے منافی اور اس کی حکمتوں اور روحانی اور اخلاقی فوائد کے لیے مضر ہے، اس نے روزہ کو ادب و تقویٰ، دل اور زبان کی عفت و طہارت کے حصار میں گھیر دیا ہے“۔

چناں چہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روزہ ڈھال ہے، جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالا جائے“۔

معلوم ہوا کہ اسلامی روزہ صرف سلبی اُمور واحکام کا نام نہیں جس میں صرف کھانے پینے، غیبت، چغل خوری، لڑائی جھگڑے اور گالی گلوج کی ممانعت ہو، وہ بہت سے ایجابی امور واحکام کا بھی مجموعہ ہے، یہ عبادت وتلاوت، ذکر وتسبیح، ہمدردی وخیر خواہی اور غرباء پروری کا زمانہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اس میں جو کسی ایک خصلت اور ایک عمل سے خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہے گا، وہ دوسرے دنوں کے ادائیگی فرض کے برابر سمجھا جائے گا، اور جو اس میں فرض ادا کرے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو غیر دنوں میں ستر فرض ادا کرے، یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے، اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

ان سب چیزوں نے رمضان کو عبادت کا جشن عام، تلاوت کا موسم، اور ابرار و متقین اور عباد و صالحین کے حق میں فصل بہار بنا دیا ہے، اس میں اس امت کا دینی جذبہ، دین کا احترام اور عبادت کا شوق پوری طرح جلوہ گر ہو کر سامنے آ جاتا ہے، اور اس کی توبہ و انابت، قلوب کی نرمی، خدا کی طرف رجوع، احساس ندامت اور کار خیر میں جذبۂ مسابقت اس نقطۂ عروج پر ہوتا ہے، جس کے عشر عشیر تک دنیا کی کوئی قوم اور انسانوں کا کوئی گروہ نہیں پہونچ سکتا ﴿ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾

لیکن اسی کے ساتھ مسلمانوں نے روزہ کے مقاصد کے ساتھ اکثر ناانصافی سے کام لیا اور مختلف عادتوں کی وجہ سے اس کے یقینی اور متوقع فوائد سے محروم ہو گئے، انھوں نے افطار اور کھانے میں اس قدر مبالغہ اور اسراف سے کام لینا شروع کر دیا کہ روزہ کا اصل فائدہ اور اس کی اصلاحی اور تربیتی قوت بڑی حد تک ختم ہو گئی یا کمزور پڑ گئی۔

امام غزالیؒ نے اس نکتہ پر بڑی بلاغت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"پانچواں ادب یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال غذا میں بھی احتیاط سے کام لے اور اتنا نہ کھاوے کہ اس کے بعد گنجائش ہی باقی نہ رہے، اس لئے کے حلق تک بھرے ہوئے پیٹ سے بڑھ کر مبغوض اللہ کے نزدیک کوئی بھری جانے والی چیز نہیں ہے، اگر روزہ دار افطار کے وقت دن بھر کی تلافی کر دے اور جو دن بھر کھانے والا تھا، وہ اس ایک وقت میں کھا لے تو دشمن خدا پر غالب آنے اور شہوت کو ختم کرنے میں روزہ سے کیا مدد مل سکتا ہے؟ یہ عادتیں مسلمانوں میں اتنی راسخ اور عام ہو چکی ہیں کہ رمضان کے لئے بہت پہلے سے سامان خوراک جمع کیا جاتا ہے، اور رمضان کے دنوں میں اتنا اچھا اور نفیس کھانا کھایا جاتا ہے جو اور دنوں میں نہیں کھایا جاتا، روزہ کا مقصود تو خالی پیٹ رہنا اور خواہشات نفس کو دبانا ہے، تاکہ تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہو سکے، اب اگر معدہ کو صبح و شام تک کھانے پینے سے محروم رکھا جائے اور شہوت اور بھوک کو خوب امتحان میں ڈالنے کے بعد انواع و اقسام کے کھانوں سے پیٹ بھر لیا جائے تو نفس کی خواہشات اور لذتیں کم نہ ہوں گی اور بڑھ جائیں گی؛ بلکہ ممکن ہے کہ بہت سی ایسی خواہشات جو ابھی تک خوابیدہ تھیں، وہ بھی بیدار ہو جائیں، رمضان کی روح اور اس کا راز ان طاقتوں کو کمزور کرنا ہے، جن کو شیاطین اپنے وسائل کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور یہ بات تقلیل غذا ہی سے حاصل ہوگی، یعنی یہ کہ شام کو اتنا ہی کھائے جتنا اور دنوں میں کھاتا تھا، اگر کوئی دن بھر کا

حساب لگا کر ایک ہی وقت میں کھالے تو اس سے روزہ کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

بلکہ یہ بھی آداب میں داخل ہے کہ دن میں زیادہ نہ سوئے؛ تاکہ بھوک پیاس کا کچھ مزہ معلوم ہو، قویٰ کے ضعف کا احساس ہو، قلب میں صفائی پیدا ہو، اسی طرح ہر شب کو اپنے معدہ کو اتنا ہلکا رکھے کہ تہجد اور اوراد میں مشغولی آسان ہو اور شیطان اس کے دل کے پاس منڈلا نہ سکے اور اس صفائی قلب کی وجہ سے عالم قدس کا دیدار اس کے لیے ممکن ہو"۔ (تعمیر حیات)

روزہ اور قرآن کی بندہ کے حق میں سفارش:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ، مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ، وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ. (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ١٧٤/٢، الرقم:٦٦٢٦، والحاكم فی المستدرك، ٧٤٠/١، الرقم:٢٠٣٦، والبيهقی فی شعب الإيمان، ٣٤٦/٢، الرقم:١٩٩٤، وابن المبارك فی المسند، ٥٩/١، الرقم:٩٦، والديلمی فی مسند الفردوس، ٤٠٨/٢، الرقم:٣٨١٥)

"روزہ اور قرآن بندے کے لیے قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے کھانے پینے اور خواہش نفس سے روکے رکھا؛ لہٰذا اس کے لیے میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے رات کے وقت نیند سے روکے رکھا (اور یہ قیام اللیل میں مجھے پڑھتا یا سنتا رہا) لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی"۔

تشریح:

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے، قیامت کے اس ہولناک وقت میں جبکہ اچھے اچھے پریشان ہوں گے روزے اور قرآن مجید جیسے مقرب اور بااثر سفارشی کا مل جانا کس قدر قیمتی نعمت ہوگا؛ جبکہ انبیاء واولیاء تک خدا کی عظمت وجلال سے سہمے ہوئے ہوں گے اور خدا کی مخلوق اپنے گناہوں کی وجہ سے سخت پسینے میں ہوگی کوئی گھٹنے تک تو کوئی گردن تک اور کوئی پورا کا پورا پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا اور یہ سورج جس کی تپش آج اتنی دور سے

پریشان کیے دیتی ہے ان دن بالکل سر پر کھڑا ہوا بھیجے کھولا رہا ہوگا، ایسے نازک ترین وقت میں خدائے پاک کا خود اپنا کلام پاک کسی کی شفاعت کرے اور وہ مبارک عمل روزہ جسے اللہ تعالیٰ اپنا کہہ چکا ہے کسی بندے کو بخشوائے تو بتایئے اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہوگی، جس کے پاس دو سرکاری سفارشی اور محافظ موجود ہوں اس کی نجات میں کیا شک ہے۔

لیکن واہ رے غافل انسان! ساری باتیں جانتا ہے اور بار بار سنتا ہے اور مرنے میں بھی کوئی شک نہیں ہے مگر پھر بھی سستی ہے، کاہلی ہے، نفس کے دھوکوں میں پھنسے رہنا ہے، دنیا کی فنا ہو جانے والی لذتوں کے پیچھے جن میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو فنا کے گھاٹ نہ اُترتی ہو، آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی لذتوں، کبھی نہ فنا ہونے والی راحتوں کو بھولا ہوا ہے۔

انسان اپنی آنکھ سے بچے بھی مرتے دیکھتا ہے، بوڑھے اور جوان بھی مرتے دیکھتا ہے، بیمار بھی مرتے ہیں اور صحت مند بھی، اپنے گھر پر بھی مرتے ہیں اور آئے دن ریلوں، جہازوں، گاڑیوں اور سڑک حادثوں میں اچانک موتیں بھی ہوتی ہیں؛ لیکن خدا جانے کیوں اپنی عمر بہت لمبی سمجھے ہوئے ہے، کیوں اپنے لیے عمل کرنے کا بہت سا موقع سمجھ رکھا ہے۔

ہر عقلمند انسان جانتا ہے کہ آئندہ آنے والی ہر ضرورت کا انتظام اس کے پیش آنے سے پہلے ہی کیا جاتا ہے۔ سردی کے گرم اور موٹے کپڑے سردی شروع ہونے سے پہلے بنتے اور تیار ہوتے ہیں، شادی کی تیاری شادی کی تاریخ سے پہلے ہی ہوتی ہے، ٹکٹ گاڑی پر چڑھنے سے پہلے ہی خریدا جاتا ہے، چھتری کا انتظام بوندیں شروع ہونے سے پہلے کیا جاتا ہے، تو کیا موت کی تیاری موت کے بعد ہوگی؟ اگر ایسا نہیں تو بتایئے کہ جس تاریخ کو آپ یہ سطر پڑھ رہے ہیں اس کے علاوہ کونسی تاریخ اور کونسا دن آپ کے پاس یقینی ہے؟

کسی کام کی تیاری نہ کرنا اور یہ کہے چلے جانا کہ "جو ہوگا دیکھا جائے گا" بالکل دیوانگی اور پاگل پن ہے، یہ جملہ کوئی عقلمند آدمی نہیں بول سکتا، جب مصیبت آجاتی ہے اس وقت اس قسم کے دیوانوں کے ہوش ٹھکانے آتے ہیں؛ لیکن اس وقت عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، پانی سر سے اُتر چکا ہوتا ہے، تیر کمان سے نکل چکا ہوتا ہے اُس وقت سوائے افسوس اور ہائے ہائے کرنے کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ زندگی کے یہ صبح و شام ہی عمل کرنے کا موقع اور وقت ہیں، ہر دن موت کو کھینچ کر ہمارے پاس لیے چلا آرہا ہے، شام کو جب سورج مغرب

میں جا کر ڈوبتا ہے تو آپ کا اور میرا ایک دن لے کر ڈوبتا ہے، پھر صبح جب مشرق سے سر اُٹھاتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ لے یہ ایک دن تجھے اور مل رہا ہے کچھ کرنا چاہے تو آ تو بھی میرے ساتھ دوڑنا شروع کر دے، بس اب ہماری کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ خود ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہے ہم جیسا چاہیں فیصلہ کریں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ کے اشعار پڑھ کر فکرِ آخرت تازہ کی جائے۔

توسنِ عمرِ رواں ہے تیز رَو — چھوڑ سب فکریں لگا مولیٰ سے لَو

گندم از گندم بروید جو ز جو — اَز مکافاتِ عمل غافل مشو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بزمِ عالم میں فنا کا دور ہے — جائے عبرت ہے مقامِ غور ہے

تو ہے غافل کیا یہ تیرا طور ہے — بس کوئی دن زندگانی اور ہے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سخت سخت امراض گو تو سہہ گیا — چارہ گر گو سخت جاں بھی کہہ گیا

کیا ہوا کچھ دن جو زندہ رہ گیا — اِک جہاں سیلِ فنا میں بہہ گیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

لاکھ ہو قبضہ میں تیرے سیم و زر — لاکھ ہوں سرہانے پہ تیرے چارہ گر

لاکھ تو قلعوں کے اندر چھپ مگر — موت سے ہرگز نہیں کوئی مفر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

زور یہ تیرا نہ بَل کام آئے گا — اور نہ یہ طولِ اَمل کام آئے گا

کچھ نہ ہنگامِ اجل کام آئے گا　　　ہاں مگر اچھا عمل کام آئے گا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سرکشی زیرِ فلک زیبا نہیں!　　　دیکھ! جانا ہے تجھے زیرِ زمیں
جب تجھے مرنا ہے اِک دن بالیقیں　　　چھوڑ فکرِ این و آں، کر فکرِ دیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بہرِ غفلت یہ تیری ہستی نہیں　　　دیکھ! جنت اِس قدر سستی نہیں
رہ گذرِ دنیا ہے یہ بستی نہیں　　　جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عیش کر غافل نہ تو آرام کر　　　مال حاصل کر نہ پیدا نام کر
یادِ حق دنیا میں صبح و شام کر　　　جس لیے آیا ہے تو وہ کام کر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو آخرت کی فکر اور اس کی تیاری کے لیے نیک اعمال میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

بہرحال! زیرِ نظر حدیث کی رُو سے قرآن حکیم کی تلاوت کرنا اور اُس سے دلی لگاؤ رکھنا اور رمضان کے مہینے میں روزے رکھنا اس قدر قیمتی اعمال اور انسان کے لیے باعثِ عزّ وشرف ہیں کہ مؤمن کے گناہوں کی معافی اور اللہ کی رضا کے حصول کا باعث بن سکتے ہیں۔ رمضان المبارک میں رکھے گئے روزے اور اس کی راتوں میں کی گئی قرآن کی تلاوت یا اس کا سننا اللہ کو بہت پسند اور نہایت مبارک عمل ہے۔ رمضان کے روزوں سے انسان کے اندر سے نفسانی خواہشات اور حیوانی تقاضوں میں کمی آتی ہے۔ روح پاکیزہ اور صاف ستھری ہو جاتی ہے،

جب کہ قرآن حکیم کی تلاوت سے انسان کا وجود آیاتِ الٰہیہ کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ اس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

یہ دونوں اعمال بندے کے حق میں اللہ کے رُو بہ رُو روزِ قیامت سفارش کریں گے۔ روزہ پروردگار کے حضور کہے گا کہ: اے اللہ! میں نے اسے کھانے پینے سے روکا اور بھوکا پیاسا رہنے پر مجبور کیا۔ اس کے اس عمل کو قبول کر کے آپ اس بندے کی لغزشوں کو معاف فرما دیں۔ قرآن پروردگار کے حضور التجا کرے گا کہ: میں نے اس کو رمضان کی راتوں میں اپنے ساتھ مشغول رکھا، اس کو تھکایا اور سونے نہ دیا۔ اے رب! اس کے اس مبارک عمل پر میری سفارش قبول کر اور اسے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لے۔ پروردگار کمال مہربانی سے بندے کے حق میں ان دونوں کی سفارش قبول کر لیں گے۔

جاننا چاہیے کہ قرآن وسنت میں اعمالِ صالحہ پر ایسے گراں قدر اجر کے وعدے اس امر کے ساتھ مشروط ہیں کہ ان اعمال کو ان کے تمام تقاضوں اور آداب کے ساتھ ادا کیا گیا ہو۔ جب بندہ کسی عبادت کو اس کی رُوح کے مطابق ادا کرنے کی بساط بھر کوشش کرتا ہے تو بشری کوتاہیوں، کمزوریوں اور صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ اپنی شانِ کریمی سے درگزر فرما کر شرفِ قبولیت سے نواز دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دونوں اعمال ہمیں یکسوئی سے ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ ہمیں اس قابل بنائے کہ رمضان اور قرآن روزِ قیامت اللہ کے رُو بہ رُو ہماری سفارش کریں۔

تنبیہ:

اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کلام اللہ کی تلاوت کا زیادہ ثواب رات کو نمازوں میں پڑھنے پر ملتا ہے؛ لیکن ضروری نہیں کہ آدمی پوری ہی رات جاگے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اور دنوں کے مقابلے میں کچھ کم سوئے؛ کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ بھی عموماً پوری رات جاگنے کی نہ تھی؛ بلکہ سوتے بھی تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔

رمضانُ المبارک میں قرآن کی تلاوت:

یوں تو قرآن کریم کی تلاوت تمام ذکر و تسبیحات سے اور وظیفوں وغیرہ سب سے افضل ہر وقت ہے؛ لیکن ایک خاص بات جو رمضان المبارک کے اندر تلاوت کرنے میں ہے وہ یہ کہ یہ مہینہ قرآن کریم کے نازل ہونے

کا مہینہ ہے، اسی مہینے میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تھا اور اس کے بعد ہر سال رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام آتے اور رسول اللہ ﷺ سے قرآن شریف کے نازل شدہ حصہ کا دَور کرتے تھے۔

(معالم التنزیل:۱/۱۷۱)

اس لحاظ سے یہ مہینہ قرآن کریم کا خصوصی زمانہ ہے، اسی وجہ سے بزرگانِ دین کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے اور آج بھی یہ عام رواج ہے کہ رمضان شریف میں تلاوت کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

ہمارے بعض بزرگ ہر رمضان میں دوسرے اوراد و وظائف کے ساتھ چالیس اور پینتالیس قرآن تک ختم کر لیتے ہیں۔ ابھی اوپر حدیث شریف گزری ہے کہ روزہ اور قرآن دونوں روزہ دار کی سفارش کریں گے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان اور قرآن کا آپس میں جوڑ ہے اس لیے رمضان کے مہینے میں قرآن کریم کی تلاوت کا خوب اہتمام کرنا چاہیے اور اس کا بہترین طریقہ تراویح ہے۔

اِس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز کے بہانے قرآن پاک بھی پورا ہو جاتا ہے، دوسرے غیر حافظ تراویح میں سن کر قرآن پورا کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ نماز کے اندر قرآن پاک کا ثواب علیحدہ پڑھنے سے، بہت زیادہ بھی ہے۔

مگر مشکل یہ ہے کہ ہم لوگ تراویح بوجھ سمجھ کر پڑھتے ہیں اور جلدی سے نمٹا کر بھاگنے کی فکر میں رہتے ہیں یہ کمال سمجھا جاتا ہے کہ فلاں حافظ صاحب نے ایک گھنٹے میں اتنے پارے پڑھ دیے؛ حالانکہ جب کلام پاک کے الفاظ بھی درست نہ ہوئے اور نہ رکوع وسجدہ اطمینان سے ہوا تو بجائے کمال کے اور اُلٹا دبال بن گیا۔ بعض لوگ تو اگر حافظ صاحب کو اطمینان سے پڑھتا دیکھیں تو جلدی کا تقاضہ کرنے لگتے ہیں۔ خدارا! غور کیجیے کہ سال بھر میں ایک مہینہ آتا ہے اور اس میں بھی چوبیس گھنٹے کا اکثر وقت ہم اپنے ہی کاموں میں لگا لیتے ہیں، تراویح میں اگر تھوڑی سی مشقت ہی برداشت کر لی تو کیا ہو گیا، جب ہم تراویح اور نماز کے لیے مسجد میں آ ہی گئے تو پانچ سات منٹ اور سہی، اتنی سی جلدی کر کے کیوں قرآن کی برکتوں سے محروم ہوں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”رمضان کی روح اور حقیقت کی حفاظت اور ایجابیت وسلبیت کا امتزاج تھا کہ عادت اور تقلید اور رسم ورواج کا عنصر اس پر رفتہ رفتہ غالب آجائے گا اور بہت سے لوگ محض اپنی سوسائٹی اور ماحول کا ساتھ دینے اور طنز وملامت سے بچنے کے لیے اور اس ڈر سے کہ ان پر انگلیاں نہ اٹھائی جائیں روزہ رکھنے پر مجبور ہوں گے، ایمان

اور نیت روزہ کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی قیمت کے یقین اور استحضار سے ان کے دل خالی ہوں گے، بہت سے لوگ مادّی اغراض ومقاصد یا طبی اور ظاہری فوائد کے حصول کے لئے روزہ رکھنے لگیں گے اور اس طرح اس کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

نبوت کی دوررس نگاہ نے اس کمزوری کا علاج اور اس فتنہ کا سد باب سب سے پہلے کیا، اور یہ شرط لگادی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ روزہ مقبول ہے جو ایمان واحتساب کے جذبہ کے ساتھ رکھا جائے، حدیث نبوی ہے: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۰۱۴، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۷۶۰)

جو شخص انسانی کمزوریوں اور خامیوں اور انسانوں کی مختلف اقسام سے واقف نہیں وہ کہہ سکتا ہے کہ اس قید اور شرط کی کیا ضرورت تھی، رمضان کے روزے صرف مسلمان ہی رکھتے ہیں، اور خدا کی خوشنودی اور اجر وثواب ہی کے لیے رکھتے ہیں، اس لیے ایمان واحتساب کی شرط لگانا ایک بالکل زائد چیز اور تحصیل حاصل ہے، لیکن جو شخص انسانی احساسات ونفسیات اور اخلاقی واجتماعی محرکات سے گہری واقفیت رکھتا ہے اور اس کا زندگی کا مطالعہ زیادہ وسیع ہے، وہ اس دوررس انتظام اور اس دقیق وعمیق علم کے سامنے سر تسلیم عجز کے ساتھ خم کردے گا جو خواہش نفس پر نہیں وحی الٰہی پر مبنی ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى﴾

ایمان واحتساب کی تشریح ایک دوسری حدیث میں یہ آئی ہے کہ: ''انسان تمام اعمال ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت وخوشنودی کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے انجام دے''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''چالیس خصلتیں ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ بکری کا عطیہ ہے، ان میں سے کسی ایک خصلت پر بھی ثواب کی امید اور اس پر جو اجر وثواب مقرر ہے اس کے یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آدمی کو جنت میں داخل کردے گا''۔

یہ تمام احادیث، جو بیان ہوئیں، روزوں کی فضیلت میں عام ہیں، یعنی ہر قسم کے روزے ان کے ضمن میں آجاتے ہیں، چاہے وہ رمضان کے فرضی روزے ہوں یا رمضان کے علاوہ دیگر نفلی روزے۔ عموماً مذکورہ فضیلتیں ہر قسم کے روزہ دار کے لیے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے صرف رمضان ہی کے فرض روزے نہیں رکھتے؛ بلکہ وہ نبیٔ اکرم ﷺ کی اقتدا میں ہر وقت کے نفلی روزوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں؛ جیسا کہ نبی ﷺ کا معمول مبارک تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ ہر سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھتے۔ ہر مہینے کے ایام بیض (۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ) کا روزہ رکھتے، ماہ شعبان کے ایام اکثر روزوں کے ساتھ گزارتے، علاوہ ازیں جب کبھی گھر میں کچھ کھانے کو نہ ہوتا تو اس دن بھی آپ روزہ رکھ لیتے، عاشورے (۱۰ر محرم) کے دن روزہ رکھتے؛ بلکہ زندگی کے آخری سال آپ نے فرمایا کہ میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ بھی رکھوں گا؛ تاکہ محض دسویں محرم کا روزہ رکھنے میں یہودیوں سے مشابہت نہ ہو۔ ذوالحجہ کے ابتدائی ۹ر دنوں کے روزے رکھتے، شعبان کے مہینے میں اتنی کثرت سے روزے رکھتے کہ تقریباً سارا شعبان ہی روزوں کے ساتھ گزرتا۔ اس طرح نبیٔ اکرم ﷺ رمضان کے علاوہ وقتاً فوقتاً نفلی روزوں کا اہتمام فرماتے رہتے تھے؛ حتیٰ کہ بعض دفعہ صوم وصال بھی رکھ لیتے، یعنی بغیر کچھ کھائے پیئے مسلسل روزے رکھتے۔ جس سے آپ نے اپنی اُمت کو منع فرمایا۔

رمضان اور رسول اللہ ﷺ کی عبادت وریاضت کا حال:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ ﷺ ـ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهُ ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهُ حَتّٰى يَنْسَلِخَ.

(أخرجه ابن خزيمة في الصحيح، ۳/۳۴۲، الرقم:۲۲۱۶، وأحمد بن حنبل في المسند، ۶/۶۶، الرقم:۲۴۴۲۲، والبيهقي في شعب الإيمان، ۳/۳۱۰، الرقم:۳۶۲۴، والسيوطي في الجامع الصغير، ۱/۱۴۳، الرقم:۲۱۱)

”جب ماہِ رمضان شروع ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ اپنی کمر ہمت کس لیتے، پھر آپ اپنے بستر پر تشریف نہیں لاتے تھے، یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ ﷺ ـ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَكَثُرَتْ صَلَاتُهُ وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ وَأَشْفَقَ مِنْهُ. (أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، ۳/۳۱۰، الرقم:۳۶۲۵، وفي فضائل الأوقات، ۱/۱۹۱، الرقم:۶۷، والسيوطي في الجامع الصغير، ۱/۱۴۳، الرقم:۲۱۲)

”جب ماہِ رمضان شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک متغیر ہو جاتا اور آپ نمازوں کی

(مزید) کثرت کر دیتے اور اللہ تعالیٰ سے عاجزی و گڑگڑا کر دعا کرتے اور اس ماہ میں نہایت محتاط رہتے"۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت نبی اکرم ﷺ سے روایت بیان کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ فِیْ رَمَضَانَ یُنَادِیْ مُنَادٍ بَعْدَ ثُلُثِ اللَّیْلِ الْاَوَّلِ اَوْ ثُلُثِ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ اَلَا سَائِلٌ یَسْاَلُ فَیُعْطٰی، اَلَا مُسْتَغْفِرٌ یَسْتَغْفِرُ فَیُغْفَرُ لَهٗ، اَلَا تَائِبٌ یَتُوْبُ فَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِ.

(أخرجه البیهقی فی شعب الإیمان، ۳/۳۱۱، الرقم:۳۶۲۸)

"بیشک رمضان المبارک میں رات کے پہلے تیسرے پہر کے بعد یا آخری تیسرے پہر کے بعد ایک ندا کرنے والا ندا کرتا ہے: ہے کوئی سوال کرنے والا کہ وہ سوال کرے تو اسے عطا کیا جائے؟ کیا ہے کوئی مغفرت کا طلبگار کہ وہ مغفرت طلب کرے تو اسے بخش دیا جائے؟ کیا ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے؟"۔

صیام و قیام پر اسلاف کے بعض آثار و اقوال:

حضرت عبد اللہ بن ابی قیس رحمہ اللہ کا بیان ہے:

قَالَتْ عَائِشَةُ۔رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا۔ لَا تَدَعْ قِیَامَ اللَّیْلِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ﷺ۔ کَانَ لَا یَدَعُهٗ وَکَانَ اِذَا مَرِضَ اَوْ کَسِلَ صَلّٰی قَاعِدًا. (أخرجه أبو داؤد فی السنن، کتاب الصلاة، باب قیام اللیل، ۲/۳۲، الرقم:۱۳۰۷، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۶/۲۴۹، الرقم:۲۶۱۵۷، والحاکم فی المستدرک، ۱/۴۵۲، الرقم:۱۱۵۸، والبیهقی فی السنن الکبری، ۳/۱۴، الرقم:۴۴۹۸)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے نصیحت کی کہ قیام اللیل نہ چھوڑنا؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسے نہیں چھوڑا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ بیمار ہو جاتے یا کمزور ہو جاتے تو (نماز) بیٹھ کر پڑھ لیتے"۔

حضرت ابو بکر بن حفص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

ذُکِرَ لِیْ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ کَانَ یَصُوْمُ الصَّیْفَ وَیُفْطِرُ الشِّتَاءَ. (أخرجه أحمد بن حنبل فی الزهد ۶/۱۶۷)

"مجھے بتایا گیا کہ حضرت ابو بکر گرمیوں میں روزے سے ہوتے اور سردیوں میں افطار کرتے"۔

حضرت ربیع بن خراش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلْجُوْعُ یُصَفِّی الْفُؤَادَ وَیُمِیْتُ الْهَوٰی وَیُوْرِثُ الْعِلْمَ. (أخرجه الشعرانی فی الطبقات الکبری:۶۷)

''بھوک دل کو صاف کرتی ہے، خواہش نفس کو تباہ کرتی ہے اور علم کا وارث بناتی ہے''۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خدام سے فرماتے:

مَا دَامَتِ النَّفْسُ تَطْلُبُ مِنْكُمُ الْمَعْصِيَةَ فَأَدِّبُوْهَا بِالْجُوْعِ وَالْعَطَشِ، فَإِذَا لَمْ تُرِدْ مِنْكُمُ الْمَعْصِيَةَ فَأَطْعِمُوْهَا مَا شَاءَتْ، وَاتْرُكُوْهَا تَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ مَا أَحَبَّتْ. (أخرجه الشعراني في الطبقات الكبرى: ١١٩)

''جب تک تمہارا نفس گناہ طلب کرتا ہے اسے بھوک اور پیاس کے ذریعے ادب سکھاؤ (یعنی بھوک اور پیاس کے ساتھ اس کی تہذیب و اصلاح کرو)۔ پھر جب تم سے گناہ کی طلب نہ کرے تو جو چاہے اسے کھلاؤ اور اسے رات کو جب تک چاہے سویا رہنے دو''۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْبِطْنَةَ فَإِنَّهَا تُقَسِّي الْقَلْبَ، وَاكْظِمُوا الْعِلْمَ، وَلَا تُكْثِرُوا الضَّحِكَ فَتَمُجَّهُ الْقُلُوْبُ.

(أخرجه ابن المبارك في الزهد: ١١٤، وأبو نعيم في حلية الأولياء، ٣٦/٧)

''کثرتِ طعام سے بچو کہ یہ دل میں سختی پیدا کرتا ہے اور علم سے اپنے آپ کو سیراب کرو، اور کثرت سے نہ ہنسو کہ دلوں کو ناگزیر لگنے لگے''۔

روزہ کی اقسام؛ طبقات انسانی کے حوالے سے:

بعض محققین نے بڑی اہم اور عمدہ بات تحریر کی ہے کہ معاشی حیثیت اور سماجی مقام کے اعتبار سے معاشرے میں انسان چار طبقوں میں منقسم ہیں، جن کی ترتیب درج ذیل ہے:

پہلا طبقہ: عام انسانوں کا ہے جسے عرفِ عام میں عوام الناس کہا جاتا ہے۔

دوسرا طبقہ: عام لوگوں میں ان کا ہے جو خاص مرتبہ اور حیثیت کے مالک ہیں انہیں خواص العام کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

تیسرا طبقہ: ان لوگوں کا ہے جو خاص لوگوں میں امتیازی اور منفرد حیثیت رکھتے ہیں انہیں خواص الخواص سے موسوم کیا جاتا ہے۔

چوتھا طبقہ: یہ طبقہ ان اشخاص پر مشتمل ہے جو خواص میں بھی منتخب اور برگزیدہ ہوتے ہیں انہیں اخص الخواص کا نام دیا جاتا ہے۔

جس طرح معاشرتی سطح پر عام انسانی زندگی میں متذکرہ بالا چار گروہ اور طبقات پائے جاتے ہیں اسی طرح دینی اور روحانی مدارج اور مقامات کے لحاظ سے روزہ بھی اپنی نوعیت میں چار قسموں پر مشتمل ہے، ان کا ذکر فرداً فرداً ذیل میں آرہا ہے۔

(۱) عوام کا روزہ:

وہ لوگ جو محض رسماً روزہ رکھتے ہیں اور ان کا روزہ سحری و افطاری تک محدود ہوتا ہے، جبکہ روزے کے آداب و شرائط کا مطلقاً لحاظ نہیں رکھتے؛ چنانچہ اکثر و بیشتر حسب ارشاد حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوائے بھوکے پیاسے رہنے کے ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ وہ لوگ جو روزہ رکھ کر احکام خداوندی کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہیں۔ جھوٹ، غیبت، دھوکہ، فریب دہی اور دیگر افعال قبیحہ کے ارتکاب کو اپنا معمول بنائے رکھتے ہیں، وہ روزے کے فیوض و برکات سے محروم رہتے ہیں اور نتیجہ خیزی کے اعتبار سے ان کا عمل صلوٰۃ و صیام بے روح ہوتا ہے۔ ایسا روزہ افرادِ ملت پر مثبت اور نفع بخش اثرات مرتب نہیں کرسکتا۔

(۲) خواص العام کا روزہ:

یہ ان لوگوں کا روزہ ہے، جو احکام خداوندی کی پاسداری کرتے ہیں اور حتی الوسع کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں؛ چنانچہ روزے سے ان کی سیرت و کردار میں تقویٰ کا جوہر پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی زندگیاں ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ کے فرمانِ ایزدی کی عملی تفسیر بن جاتی ہیں۔ تقویٰ کی بدولت ان کے شب و روز انقلاب آشنا ہو جاتے ہیں اور وہ ہر معاملے میں حرام و حلال کی تمیز کو اپنا شعار بنالیتے ہیں۔ ایسا روزہ سرکارِ دو جہاں جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کے اور عذابِ دوزخ کے درمیان ڈھال بن جاتا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو بد بخت قرار دیا، جس نے ماہ صیام کو پایا؛ لیکن اپنے لیے عذاب دوزخ سے رہائی کا سامان نہ کیا۔ یوں تو پورے کا پورا رَمضانُ المبارک فضائل و برکات اور انعامات و نوازشات کا مہینہ ہے؛ لیکن بالتخصیص اس کے پہلے عشرے کو عشرۂ رحمت، دوسرے عشرے کو عشرۂ مغفرت اور تیسرے عشرے کو نارِ دوزخ سے رہائی کا عشرہ قرار دیا گیا ہے۔

اس ماہِ مبارک میں رحمتِ خداوندی اپنے بندوں کو بار بار پکارتی ہے، اور جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اس جانب متوجہ کرتی ہے کہ وہ اپنے گناہوں، سیاہ کاریوں اور فسق و فجور سے توبہ کر کے اس کی بارگاہِ بے کس پناہ میں

جھک جائیں۔ اس کی شانِ کریمی اپنے گناہ گار بندوں کو اپنے دامنِ عفو ورحمت میں ڈھانپنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔

رمضان المبارک کی یہ ساعتیں اپنے دامن میں برکتوں اور سعادتوں کا اتنا بڑا خزانہ لیے ہوئے ہیں کہ وہ شخص جو ان سے بہرہ یاب نہیں ہوتا، اسے سوائے بدبخت اور حرمانِ نصیب کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

(۳) خواص الخاص کا روزہ:

خواص الخاص کا شماران لوگوں میں ہے، جن کی زندگیاں نہ صرف تقویٰ کے رنگ میں یکسر رنگی ہوتی ہیں؛ بلکہ وہ اس پر مستزاد نفس کی ساری خواہشوں کو پامال کر دیتے ہیں۔ یہ عرفائے کاملین اور اولیائے عظام کا روزہ ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ سے کسی نے ان کے روزے کے مقام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''روزہ مجاہدہ ہے''۔ پوچھا گیا کہ مجاہدہ کیا ہے؟ تو فرمانے لگے:

''مجاہدہ ایں است کہ ہر چہ نفس آرزو کند تا بیست سال آں آرزو بدو نرساند''۔

(تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا: ۳۷، ۳۸)

''مجاہدہ یہ ہے کہ نفس جس چیز کی خواہش کرے اسے بیس سال تک پورا نہ کیا جائے''۔

پھر اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جس مجاہدے کا میں نے ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک سوائے ابتدائی مرحلے کے اور کچھ اہمیت نہیں رکھتا؛ ورنہ مردانِ خدا تو ستر سال تک نفس کو خواب اور آب وطعام کے نزدیک نہیں پھٹکنے دیتے۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کے اس مقام کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے: ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ۝﴾ (النازعات: ۷۹/۴۰، ۴۱)

''اور (جس نے) اپنے نفس کو (ہر بری) خواہش سے روکا ہوگا، تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا''۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے کے ایک صالح نوجوان کا واقعہ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں نقل فرمایا ہے:

كان شاب على عهد عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - يلازم المسجد والعبادة،

معشقته جارية، فاتته في خلوة، فكلمته، فحدث نفسه بذلك فشهق فغشي عليه، فجاء عم له، فحمله الى بيته، فلما أفاق قال: يا عم انطلق إلى عمر فاقرئه مني السلام، و قل له ما جزاء من خاف مقام ربه؟ فانطلق عمه فاخبر عمر، وقد شهق الفتى شهقة أخرى، فمات منها فوقف عليه عمر فقال: لك جنتان، لك جنتان. (شعب الایمان:۱/۶۸۱۴، رقم الحدیث:۷۳۶)

”سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک نیک صالح نوجوان تھا جو ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ اسے ایک لڑکی سے عشق ہو گیا۔ وہ تنہائی میں اسے ملا اور اس سے گفتگو کی، پس اس کے جسم پر اچانک خوفِ خدا کی وجہ سے کپکپی طاری ہو گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کا چچا اسے اٹھا کر گھر لے گیا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا تقاضا کیا اور کہا کہ انہیں میرا اسلام کہیں اور ان سے پوچھیں کہ جو آدمی رب سے ڈر جاتا ہے اس کی کیا جزا ہے۔ اس کا چچا اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا اور انہیں ساری بات بتائی۔ نوجوان کو دوبارہ کپکپی طاری ہوئی اور اس نے چیخ ماری اور وہ فوت ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور دو مرتبہ یہ کہا کہ: تیرے لیے دو جنتیں ہیں“۔

(۴) اَخص الخواص کا روزہ:

یہ روزے کی آخری منزل ہے، جو ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جنہیں مقامِ مشاہدہ پر متمکن کیا گیا ہے۔ مقامِ مشاہدہ پر اللہ کا خاص بندہ سوائے ذاتِ خداوندی کے ہر شے کو بھول جاتا ہے اور اس کی طلب و آرزو کا محور اللہ کی رضا کے حصول کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتا۔

شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں منقول ہے کہ وہ حرمِ کعبہ کے اندر ایک دفعہ حالتِ مراقبہ میں تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام انہیں ملنے تشریف لائے؛ لیکن شیخ پر اس قدر یک گونہ استغراق کا غلبہ تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف ذرا توجہ نہ کی اور بدستور مشاہدۂ حق میں محو رہے؛ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد چلے گئے۔ حضرت کے بھتیجے نے جو خود بھی عارف باللہ تھے، شیخ سے مراقبہ کے بعد عرض کیا: چچا جان! خواجہ خضر علیہ السلام کافی دیر تک آپ کے لیے کھڑے رہے؛ لیکن آپ نے نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور وہ واپس چلے گئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

”بداں کہ اگر خضر باز رفت باز خواہد آمد، اما آں وقت کہ با حق مشغول بودم اگر فوت شدے از کجا یافتم و

ندامت آں تا قیامت بماندے"۔ (تذکرۂ حضرت بہاؤالدین زکریا:۳۷،۳۸)

"بیٹا! جان لے کہ اگر خواجہ خضر علیہ السلام واپس چلے گئے تو وہ دوبارہ آجائیں گے، لیکن وقت کا وہ لمحہ جس میں، میں مشاہدۂ حق میں مشغول تھا، اگر فوت ہو جاتا تو میں وہ کہاں پاتا اور اس کی ندامت قیامت تک مجھے رہتی"۔

حضرت شیخ جنید بغدادی قدس سرہ سے منقول ہے:

"چہل سال است کہ بہشت باں آراستگی وے برمن عرضہ می کنند و من بچشم رغبت بوے نگاہ نمی کنم وسی سال است کہ دل خود را گم کردہ ام و نخواستہ ام کہ بمن باز دہند"۔ (تذکرۂ حضرت بہاؤالدین زکریا:۳۷،۳۸)

"چالیس سال سے بہشت کو میرے سامنے پوری آرائش کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے؛ لیکن میں رغبت سے ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالتا اور تیس سال سے میں اپنا دل کھو چکا ہوں اور نہیں چاہتا کہ دوبارہ مجھے واپس مل جائے"۔

یہ مقامات ان لوگوں کے نفوس کے ہیں، جنہیں مجاہدے کی بناء پر مشاہدۂ ذاتِ حق اور دیدارِ مصطفوی ﷺ کی نعمتوں سے بہرہ ور کیا گیا اور ان کے حصول میں روزے کا کافی عمل دخل ہے۔

روزہ اور صحت:

اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے ماہِ رمضان المبارک اُخروی فوائد کے ساتھ ساتھ دُنیوی اعتبار سے بھی ہمارے لیے نہایت فائدہ مند ہے۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھنے سے نہ صرف ثواب حاصل ہوتا ہے؛ بلکہ بے شمار جسمانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

صُوْمُوْا تَصِحُّوْا. (المعجم الأوسط:١٤٦/٦، رقم الحديث:٨٣١٢)

"روزہ رکھو، تن درست رہو گے"۔

ہم سب جانتے ہیں کہ روزہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے، یہ ضبطِ نفس کی بے مثال تربیت دیتا ہے، روزہ؛ تزکیۂ نفوس اور تطہیر قلوب میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اس سے یقین و ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، وہ یقین جو اعلیٰ کردار کا جوہر اور بہترین اعمال کا ضامن ہے اور وہ پختہ ایمان جو روحانی بلندی، اخلاقی اصلاح، ذہنی صحت اور جسمانی تندرستی کا ذریعہ ہے۔ یہ یقین اور ایمان ہی ہے جو انسان کو ذہنی بیماریوں، نفسیاتی اُلجھنوں اور دیگر تمام پریشانیوں سے نجات دلاتا ہے۔

روزے سے روحانی قوتیں اور ذہنی صلاحیتیں بڑی خوبی اور تیزی کے ساتھ نشو ونما پاتی ہیں۔اس طرح روزہ انسان کی قوت برداشت،قوت ارادی اور قوت مدافعت کو ترقی دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔یہ وہ قوتیں اور صلاحیتیں ہیں جو انسان کی مجموعی شخصیت، ذہنی اور جسمانی صحت کو بحال رکھتی ہیں۔سماجی طور پر بھی روزہ دار بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے۔وہ پہلے کے مقابلے میں دوسروں سے خود کو زیادہ قریب محسوس کرتا ہے۔اس طرح تمام روزے داروں میں جذباتی موانست اور محبت کی فضاء پیدا ہو جاتی ہے۔ایک صحت مند انسان پر روزے کا کوئی نقصان دہ اثر نہیں ہوتا۔اور نہ ہی جسمانی نظام میں کوئی خرابی یا کمزوری پیدا ہوتی ہے۔روزہ رکھنے سے اگرچہ دو کھانوں کے درمیان وقفہ معمول سے کچھ زیادہ بڑھ جاتا ہے۔لیکن ۲۴ گھنٹوں کے دوران مجموعی طور پر جسم کو اتنے ہی حرارے یا کیلوریز حاصل ہوتے ہیں اور اتنی ہی مقدار میں پانی اور دیگر سیال اجزاء پہنچ جاتے ہیں۔ جتنے عام دنوں میں پہنچتے ہیں۔کم کھانے سے دماغ اور اعصاب کے افعال اصلاح پذیر ہو جاتے ہیں۔

روزہ فاقہ نہیں؛لیکن کھانے پینے میں ایک وقفہ ضرور ہے۔فاقہ انسان کی ایک طبعی اور جبلی ضرورت ہے۔اکثر اوقات انسانوں کے علاوہ حیوانوں کو بھی بعض امراض میں غذا کی طرف رغبت نہیں رہتی اور بعض امراض میں تو غذا کا تصور بھی انسان کو ناگوار ہوتا ہے۔روزے میں کھانے پینے کا وقفہ جسم کو فاسد مادّوں سے پاک اور خون کو صاف کرتا ہے۔جس سے زہریلے مادّے بننے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

روزہ؛ روزہ دار میں حرص اور مرض دونوں سے مقابلے کی قوت پیدا کرتا ہے اور جسمانی نظام اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے بیماری کے مقابلے پر آمادہ ہو جاتا ہے، مسلمان ہر سال پورا ایک ماہ تزکیۂ نفس اور جسم کی تربیت حاصل کرتے ہیں اور ان میں ضبطِ نفس، صبر و نظم اور تحمل و برداشت کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ماہ صیام میں پابندئ اوقات کی بے مثال تربیت پیدا ہوتی ہے۔اطباء اور سائنس دانوں کا اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ مقررہ اوقات پر کھانا صحت کی ضمانت ہے،اس سے جسمانی نظام جو تغذیہ حاصل کرتا ہے وہ بے وقت کھانے سے ممکن نہیں۔روزہ کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کے دکھ درد اور تکلیف کا احساس کرنا سیکھے اور اس میں بھی انسانوں کا ہی فائدہ ہے۔روحانیت کے لیے بھی پیٹ کا خالی ہونا ضروری ہوتا ہے روزے کی اصل روح کے مطابق روزہ رکھا جائے تو انسان کی روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے

احادیث میں ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ صرف کھجور کھا کر اور پانی پی کر روزہ رکھ لیتے تھے اور کھجور کھا کر افطار فرماتے تھے۔

روزے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جو بھوکے اور پیاسے ہیں ان کے کرب اور تکلیف کو سمجھو اور جب تم ان کا احساس کرو گے تو ان کی مدد بھی کرو گے۔ نبی اکرم ﷺ کئی کئی دن کے فاقے سے ہوتے تھے کبھی کھانا کھانے بیٹھتے اور کوئی سائل آ جاتا تو خود بھوکے رہ کر اپنا کھانا سائل کو دے دیتے تھے۔

ہمارا یہ حال ہے کہ ہم روزہ رکھ کر ثواب کا حساب لگاتے ہیں؛ لیکن ہمارے اردگرد لوگ بھوکے ہوتے ہیں اور ہم سحری اور افطار میں مرغن کھانے کھاتے ہیں ایسے روزے رکھ کر آخر ہم کس کو دھوکا دے رہے ہیں، ہم کس منہ سے خود کو رسول اللہ ﷺ کا پیروکار کہتے ہیں؛ جبکہ ہم ان کی تعلیمات کی اصل روح کے مطابق ان کی کسی ایک بات پر بھی عمل نہیں کرتے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس وقت خوش ہوں گے جب ہم ان کے درس اور تعلیمات پر عمل کر کے دوسروں کے دکھ درد کا احساس کریں، کسی بھوکے کو کھانا کھلائیں، اپنے اردوگرد دیکھیں کہ کتنے سفید پوش ایسے ہیں جو اپنی سفید پوشی کی وجہ سے اپنے منہ سے کسی سے کچھ نہیں کہتے اپنی بساط کے مطابق خاموشی سے ان کی مدد کریں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوش ہوں گے۔ ماہ رمضان المبارک میں نیکی، ہمدردی، تعاون اور بھائی چارے کا ماحول، انسان کو احساس تحفظ عطا کرتا ہے۔ انسانی صحت کی بقاء میں دیگر عوامل کے ساتھ حفظان صحت اور خوشگوار ماحول کو بھی بڑا دخل حاصل ہے۔ روزے سے حاصل ہونے والی روحانی مسرت اور روحانی فرحت اس فضاء کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتی ہے جو صحت مند معاشرے کے لیے ضروری ہے اور جس میں انسان، روحانی، اخلاقی، ذہنی اور جسمانی اعتبار سے صحت کے اعلیٰ معیار تک پہنچ سکتا ہے۔

☆......☆......☆

روزہ؛ احکام ومسائل

روزہ کے بہت سے احکام ومسائل بندہ نے اپنی کتاب ”انواراتِ رمضان المبارک“ میں بالتفصیل بیان کیے ہیں، جس کا دل چاہے وہاں دیکھ لے، ان میں سے چند اہم اور ضروری احکام ومسائل ذیل میں بھی تحریر کیے جاتے ہیں۔

چند اہم اور ضروری مسائل:

(۱) ہر مسلمان مرد وعورت، عاقل، بالغ پر رمضان المبارک کے روزے رکھنا فرض ہے۔

(۲) شریعت میں روزے کا مطلب ہے کہ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک روزے کی نیت سے کھانا، پینا اور جماع کرنا چھوڑ دیا جائے۔

(۳) رمضان المبارک میں کسی مجبوری کی وجہ سے روزہ چھوٹ جائے تو رمضان کے بعد اس کی قضا کرنا ضروری ہے۔

(۴) حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے؛ لیکن اس کی قضا ضروری ہے۔

(۵) حالتِ سفر میں اگر روزہ سے کوئی تکلیف نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے۔ اگر روزہ نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں؛ البتہ رمضان شریف کی فضیلت سے محرومی ہے۔

(۶) بغیر کسی وجہ کے روزہ چھوڑ دینا درست نہیں اور بڑا گناہ ہے۔

(۷) اگر روزہ دار کو بھول کر کھاتے پیتے دیکھا اور روزہ دار کو روزہ کی وجہ سے تکلیف نہیں ہے، تو اس کو یاد دلانا واجب ہے۔

(۸) اگر کسی نے کسی وجہ سے روزہ نہ رکھا تو احترامِ رمضان کا تقاضا ہے کہ لوگوں کے سامنے کچھ کھائے پیے نہیں۔

(۹) روزے کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نیت کی جائے اور رمضان المبارک کے روزہ میں بس اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ آج میرا روزہ ہے اور سحری کے وقت ”وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ“ پڑھنا مستحب ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۹۴)

(۱۰) اگر رات سے رمضان المبارک کے روزے کی نیت کرلے تو بھی فرض ادا ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۴۴۴/۶)

(۱۱) رمضان میں ہر روزہ کی نیت کرنا ضروری ہے، تمام روزوں کے لیے ایک مرتبہ کی نیت کافی نہیں ہوگی۔ (علم الفقہ: ۴۲۱)

(۱۲) اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو ۱۰، ۱۱ ربجے تک نیت کرلینا درست ہے۔

(۱۳) اگر کسی نے زوال سے پہلے تک نیت نہیں کی تو اس کا روزہ صحیح نہیں ہوا؛ لیکن رمضان کے احترام کی وجہ سے کھانا پینا جائز نہیں ہے، تاہم اس روزے کی صرف قضاء لازم آئے گی۔

(امداد الفتاویٰ: ۱۷۴/۱)

(۱۴) اگر رمضان المبارک کے مہینے میں نفل، قضا یا نذر کے روزے کی نیت کی، تب بھی رمضان کا روزہ ادا ہوگا۔

(۱۵) روزے کے لیے سحری کھانا بھی نیت کے قائم مقام ہے؛ البتہ اگر کسی نے سحری کھائی اور دل میں روزہ نہ رکھنے کا خیال رہا تب یہ سحری نیت کے قائم مقام نہ ہوگی۔ (علم الفقہ: ۴۲۲)

(۱۶) سحری کھانا سنت ہے۔ اگر بھوک نہ ہو اور کھانا نہ کھائے تو کم از کم دو تین کھجوریں ہی کھالے۔ یا کوئی اور چیز تھوڑی بہت کھالے۔ کچھ نہ سہی تو پانی ہی پی لے۔

(۱۷) سحری میں جہاں تک ہو سکے، دیر کر کے کھانا بہتر ہے؛ لیکن اتنی دیر نہ کرے کہ صبح صادق ہونے لگے اور روزے میں شبہ پیدا ہو جائے۔

(۱۸) جب سورج ٹھیک غروب ہو جائے تو فوراً روزہ کھولنا مسنون ہے، دیر کر کے کھولنا مکروہ ہے۔

(۱۹) جب تک سورج کے غروب ہونے میں شبہ رہے، تب تک افطار کرنا جائز نہیں۔ سورج غروب ہونے کا تعلق مشاہدے سے ہوتا ہے، جب کہ آج کل عام طور پر ایسا نہیں کیا جاتا۔ خاص طور پر بڑے شہروں میں کہ آسمان صاف نہیں ہوتا؛ بلکہ دائمی جنتریوں کو سامنے رکھتے ہوئے گھڑیوں سے اوقات دیکھ کر روزہ افطار کیا جاتا ہے۔ اس لیے فلکیاتی حساب سے دائمی جنتریوں میں مطبوعہ اوقات میں دو سے پانچ منٹ کی احتیاط کر کے روزہ افطار کرنا چاہیے۔

بہتر ہوگا کہ صبح صادق اور غروب آفتاب کا وقت معلوم کرنے کے لیے معتبر، مستند اور قابل اعتماد اداروں سے شائع شدہ نقشہ سحر وافطار (ٹائم ٹیبل) حاصل کیے جائیں اور اپنی گھڑیوں میں صحیح وقت کرلیا جائے، بے احتیاطی سے روزے خراب ہوسکتے ہیں۔

(۲۰) کھجور یا چھوہارے سے افطار کرنا مستحب ہے؛ لیکن اگر کسی دوسری چیز سے افطار کیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(۲۱) افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: **اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ.**

(سنن أبي داوٗد: ۳۲۲/۱، الدعاء المسنون: ۷۶)

"اے اللہ! میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور (اب) تیرے ہی دیے ہوئے رزق پر افطار کرتا ہوں"۔ اگر کسی کو یہ دعا یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں روزہ افطار کرنے پر خدا کا شکر بجالائے۔

(۲۲) درج ذیل تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ مکروہ ہوتا ہے:

☆ اگر بھول کر کھالے یا پی لے یا جماع کرلے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

☆ اپنے آپ قے ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے قے تھوڑی ہو یا زیادہ۔

☆ سرمہ لگانا، تیل لگانا، خوشبو سونگھنا، یا حلق میں از خود دھواں یا گرد وغبار وغیرہ کا چلا جانا۔

☆ دانتوں میں گوشت وغیرہ کا ریشہ، جو چنے سے کم ہے، اس کو باہر نکالے بغیر نگلنا۔

☆ لعاب نگلنا، زبان سے کوئی چیز چکھ کر تھوک دینا۔

☆ روزے میں تازہ یا خشک مسواک کرنا، اگرچہ نیم کے درخت کی ہو۔

☆ گرمی یا پیاس کی وجہ سے غسل کرنا، خواہ کئی بار ہی کیوں نہ ہو۔

(۲۳) درج ذیل صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوجاتی ہے:

O کلی کرتے وقت بلا ارادہ حلق میں پانی اُتر جانا۔

O خود بہ خود قے آئی اور جان بوجھ کر حلق میں لوٹالی۔

O اپنے اختیار سے منہ بھر کر قے کرڈالی۔

O کان میں تیل ڈال لینا، ناک میں ناس لینا، سگریٹ یا حقہ پینا۔

○ دانتوں سے نکلے ہوئے خون کو نگل لینا جب کہ خون تھوک پر غالب ہو۔

○ بھولے سے کچھ کھا پی لیا اور یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا، پھر جان بوجھ کر کھایا پی لینا۔

○ یہ سمجھ کر کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی، سحری کھالی، پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی۔

○ بادل یا آسمان پر غبار کی وجہ سے یہ سمجھا کہ آفتاب غروب ہو گیا، روزہ افطار کر لیا؛ حالانکہ ابھی دن باقی تھا۔

(۲۴) درجِ ذیل وہ صورتیں، جن میں کفارہ بھی واجب ہوتا ہے:

رمضان المبارک کا روزہ جان بوجھ کر توڑنے سے کفارہ لازم آجاتا ہے، جو دو مہینے لگاتار روزے رکھنا ہے۔ اگر یہ طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلائے یا ایک روزے کے بدلے صدقۂ فطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت انھیں ادا کرے۔ اگر ایک ہی رمضان کے دو تین روزے توڑ ڈالے تو بھی ایک ہی کفارہ کافی ہو جائے گا۔

(۲۵) جس کو اتنا بڑھاپا ہو گیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی، یا اتنا بیمار ہے کہ اب اچھا ہونے کی اُمید نہیں رہی اور روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے تو وہ روزہ نہ رکھے۔ اور ہر ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو صبح و شام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا (1,700 گرام) غلہ یا اس کی قیمت بہ طورِ فدیہ ادا کرے۔

(تفصیلات کے لیے دیکھیے: انوارات رمضان المبارک: ۳۶ تا ۶۴)

سحری:

لغت میں سحری اس کھانے کو کہتے ہیں جو صبح صادق سے پہلے کھایا جاتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے روزہ داروں کے لیے سحری کھانے میں بھی بڑی فضیلت رکھ دی ہے ، اگر یہ فضیلت نہ ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ اللہ کے بہت سے بندے بغیر سحری کا روزہ رکھ کر مشقت اُٹھاتے۔

یاد رکھیے! رمضانُ المبارک میں پابندی کے ساتھ سحری و افطاری بے شمار فوائد اور فیوض و برکات کی حامل ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ بالالتزام روزے کا آغاز سحری کے کھانے سے فرمایا کرتے تھے، اسی لیے حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ سحری کھانا سنت ہے۔ بہت سی روایات میں سحری کی فضیلت وارد ہے، شارحِ بخاری علامہ عینیؒ نے اپنی کتاب "عمدۃ القاری" میں لکھا ہے کہ سترہ (۱۷) صحابہ کرامؓ سے سحری کی فضیلت میں احادیث مروی ہیں اور اس کے مستحب و مسنون ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔ شارحِ صحیح مسلم علامہ نوویؒ نے بھی سحری کی فضیلت اور استحباب

پر فقہاءِ امت کا اجماع نقل کیا ہے۔(المجموع شرح المهذب:٦/٢٥٣، باب السحور في الصوم)

اس سلسلے کی چند احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً.

(صحیح البخاری:١/٢٥٧، کتاب الصوم، باب برکۃ السحور من غیر ایجاب، رقم الحدیث:١٨٢٣)

”سحری کھایا کرو؛ اس لیے کہ سحری کے کھانے میں برکت ہے“۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلسَّحُوْرُ أُكْلُهُ بَرَكَةٌ فَلَا تَدَعُوْهُ. (مسند احمد بن حنبل:٣/١٢، رقم الحدیث:١١١٠٢)

”سحری سراپا برکت ہے، اسے ترک نہ کیا کرو“۔

موصوفؓ ہی سے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

فَإِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ. (مسند احمد بن حنبل:٣/١٢، رقم الحدیث:١١١٠٣)

”اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کرنے والوں پر رحمتیں نازل کرتے ہیں“۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ، أُكْلَةُ السَّحَرِ.

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور وتاکید استحبابہ:٢/١٧٧، رقم الحدیث:١٠٩٦)

”ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے“۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

وَهُوَ يَدْعُوْا إِلَى السَّحُوْرِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، فَقَالَ: هَلُمُّوْا إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ.

(صحیح ابن حبان:٨/٢٤٤، رقم الحدیث:٣٤٦٥، سنن بیہقی:٦/٢٣، رقم الحدیث:٧٩٠٥)

”رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں سحری کے لیے بلاتے اور ارشاد فرماتے: صبح کے مبارک کھانے کے لئے آؤ“۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَعِيْنُوا بِطَعَامِ السَّحَرِ عَلٰى صِيَامِ النَّهَارِ وَبِقَيْلُوْلَةِ النَّهَارِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ.

(سنن ابن ماجہ: ۱/۵۴۰، کتاب الصیام، رقم الحدیث: ۱۶۹۳)

''سحری کے کھانے سے دن کے روزے پر قوت حاصل کرو اور دن کو قیلولہ (دوپہر کا آرام) کر کے رات کے قیام (یعنی نمازِ تہجد) کے لیے مدد حاصل کرو''۔

روزے میں سحری کو بلاشبہ اہم مقام حاصل ہے، روحانی فیوض و برکات سے قطع نظر سحری دن میں روزے کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ اس کی وجہ سے روزے میں کام کی زیادہ رغبت پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں سحری کا تعلق رات کو جاگنے کے ساتھ بھی ہے؛ کیونکہ یہ وقت ذکر اور دُعا کا ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور دعا اور استغفار کی قبولیت کا باعث بنتا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سحری کھانا باعث اجر و ثواب بھی ہے اور اس سے روزے پر قوت بھی حاصل ہوتی ہے، بعض لوگ تراویح کے بعد سو جاتے ہیں اور سستی کی وجہ سے سحری کے لیے نہیں اُٹھتے، ان کا روزہ تو ہو جاتا ہے، مگر وہ سحری کے ثواب اور اس کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں۔

سحری میں تاخیر کرنی چاہیے:

سحری کچھ تاخیر سے کھانی چاہیے؛ لیکن اتنی تاخیر بھی نہ کرنی چاہیے کہ صبح صادق طلوع ہو جائے۔

سحری کرنے میں تاخیر اور افطار کرنے میں تعجیل رسول اللہ ﷺ کا زندگی بھر معمول رہا ہے؛ بلکہ حضرت نبی اکرم ﷺ طلوعِ فجر کے قریب سحری کرتے تھے۔ سحری میں تاخیر سے متعلق حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّا ـ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ ـ أُمِرْنَا أَنْ نُعَجِّلَ الْإِفْطَارَ وَأَنْ نُؤَخِّرَ السُّحُوْرَ وَأَنْ نَضْرِبَ بِأَيْمَانِنَا عَلٰى شَمَائِلِنَا. (مسند أبي داؤد الطیالسی، رقم الحدیث: ۲۷۷۶، صحیح ابن حبان، رقم: ۱۷۷۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱/۷، رقم: ۱۰۸۵۱، السنن الکبری: ۴/۲۳۸، سنن الدار قطنی: ۱/۲۸۴)

''ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم افطار میں عجلت، سحری میں تاخیر اور نماز میں دائیں ہاتھوں کو بائیں ہاتھوں پر رکھیں''۔

سحری میں کتنی تاخیر ہونی چاہیے؟ اس کا ذکر بھی حدیث میں موجود ہے؛ چناں چہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر ہم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ان سے پوچھا گیا:ان دونوں (یعنی سحری کھانے کے خاتمے اور نماز) کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ تو انھوں نے فرمایا: پچاس آیات (کی تلاوت) کے برابر۔ (صحیح البخاری:۶۷۸/۲،رقم الحدیث:۱۸۲۱،صحیح مسلم،رقم الحدیث:۱۰۹۷)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق سے اتنی دیر پہلے سحری ختم کر دینی چاہیے کہ اتنی مدت میں قرآن کریم کی کم از کم پچاس آیات تلاوت کی جاسکیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

آج کے دور میں بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر اذانِ فجر شروع ہوجائے اور وہ کھا رہا ہو، پی رہا ہو، تو کھانے پینے کو جاری رکھنا چاہیے اس لیے کہ سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا سَمِعَ اَحَدُکُمُ النِّدَاءَ وَالْاِنَاءُ عَلٰی یَدِہٖ فَلَا یَضَعْهُ حَتّٰی یَقْضِیَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ.

(سنن ابی داؤد:۳۲۸/۱،کتاب الصوم،رقم الحدیث:۲۳۵۰)

’’جب تم میں سے کوئی شخص اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو(یعنی کھا پی رہا ہو) تو (اذان سننے کی وجہ سے) اپنی ضرورت پوری کیے بغیر اسے نہ رکھے(یعنی کھانا پینا نہ چھوڑے)‘‘۔

توجب حدیث پاک میں آگیا اللہ کے نبی ﷺ فرمارہے ہیں کہ اذان شروع ہونے کے بعد بھی کھانا پینا جائز ہے،تو پھر علماء وفقہاء کون ہوتے ہیں کہ منع کریں! ہم نبی کی بات مانیں یا علماء وفقہاء کی بات مانیں گے؟

تو اچھی طرح اس کا جواب سمجھ لیں کہ اصل بات یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور میں نمازِ فجر سے قبل دو اذانیں ہوتی تھیں،اور یہ صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے:

کَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ۔ﷺ۔ مُؤَذِّنَانِ: بِلَالٌ وَابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ الْاَعْمٰی، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ بِلَالًا یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ، فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یُؤَذِّنَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ. (صحیح مسلم:۳۴۹/۱، کتاب الصیام، رقم الحدیث:۱۰۹۲)

''رسول اللہ ﷺ کے دو مؤذن تھے، ایک حضرت بلال اور دوسرے حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ جو کہ نابینا تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلال (رضی اللہ عنہ) پہلی اذان دیتا ہے جو کہ رات میں ہے، تہجد کے لیے ہے؛ لہٰذا بلال (رضی اللہ عنہ) کی اذان ہو تو کھاتے پیتے رہا کرو، ہاں! عبداللہ ابن اُم مکتوم (رضی اللہ عنہ) جو اذان دیتے ہیں وہ نمازِ فجر کے لیے ہے، جب وہ اذان دے تو پھر کھانا بھی نہیں اور پینا بھی نہیں''۔

اب دیکھیے! آدھا مسئلہ بیان کیا گیا، آدھی حدیث بیان کی گئی، جس سے مشکل پیدا ہوگئی۔ صحیح بات اب نکھر کر سامنے آئی کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے اذان دیتے تھے تہجد کے لیے اور ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے بعد میں نمازِ فجر کے لیے۔

اور یہ جو اذان کے دوران کھانے پینے کی بات ہے یہ وہ پہلی اذان ہے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ہے جو تہجد کے وقت میں ہے اور یہ جو کھانے پینے کی ممانعت ہے وہ دوسری اذان پر ہے، جو عبداللہ ابن امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کی ہے نمازِ فجر کے لیے دی جانے والی۔

اور ہم یہی مسئلہ سمجھا رہے ہیں کہ جو نمازِ فجر کے لیے اذان ہوتی ہے اس وقت تک کھانا اور پینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ صبح صادق تک کھانا پینا جائز ہے، اس کے بعد نہیں۔

اللہ کا بڑا شکر ہے کہ احناف، اہل سنت والجماعت کے سامنے ایک حدیث نہیں ساری حدیثیں ہوتی ہیں؛ اس لیے مسئلہ غلط نہیں بتاتے اور بعض لوگوں کے سامنے ایک حدیث ہوتی ہے تو وہ مسئلہ کچھ اور بتا دیتے ہیں؛ اس لیے میں گزارش کروں گا تمام ہی قارئین کرام سے کہ احناف کی طرف سے جو مسائل بیان کیے جاتے ہیں وہ تمام دلائل کے ساتھ ہوتے ہیں، بغیر دلائل کے نہیں ہوتے؛ اس لیے آپ اطمینان رکھا کریں اور کسی کے کچھ کہنے سے متاثر نہ ہوا کریں۔ (اِفاداتِ رمضان: ۵۰، ۵۱)

سحری کے چند اور مسائل:

☆......سحری کھانا مستحب ہے، اگر کسی نے بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا تو روزہ ہو جاتا ہے، اگر رات کو آنکھ نہ کھلی اور سحری رہ گئی تو روزہ رکھنا چاہیے، سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم: ۶/۱۵۶)

☆......صبح صادق کے بعد کھانا پینا درست نہیں ہے، بعض لوگ اذان کا انتظار کرتے رہتے ہیں، اذان کا

انتظار کرنا غلط ہے، ہوسکتا ہے اذان صبح صادق کے بعد تاخیر سے دی جارہی ہو۔ (فتاوی دار العلوم: ۶/۴۲۵)

چنانچہ اگر اذان شروع ہوتے ہی سحری چھوڑ دی تو اگر یہ یقین ہو کہ صبح صادق کے بعد اذان ہوتی ہے تب تو روزہ صحیح نہیں ہوگا اور اگر محض شبہ ہو یقین نہ ہو تو اگرچہ ایسے تنگ وقت میں کھانا مکروہ ہے؛ مگر روزہ ہوجائے گا۔ (احسن الفتاوی: ۴/۴۳۲)

☆..... سحری کھانے کے بعد کلی کر لینی چاہیے؛ بلکہ مسواک وغیرہ کر لینی چاہیے اور دانت منہ اچھی طرح صاف کر لینے چاہئیں؛ تاکہ کھانے کے ریزے وغیرہ دانتوں میں اٹکے نہ رہیں، اگر کسی نے سحری کھا کر کلی نہ کی اور اسی طرح سو گیا، اگر دانتوں میں اٹکا ہوا کھانا چنے کی مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ حلق میں اتر گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس صورت میں قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں ہوگا اور اگر چنے کی مقدار سے کم ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (احسن الفتاوی: ۴/۴۳۳)

سحری کے متعلق کچھ اہم گزارشات:

سحری کا ایک مستحب وقت ہے، بہتر یہ ہوگا کہ اس کا لحاظ کیا جائے، بعض لوگ بہت تاخیر سے کھاتے ہیں بسا اوقات سحری کا وقت ختم ہوجانے کی وجہ سے بھوکے رہ جاتے ہیں اور کبھی وقت نکل جانے کا خیال نہیں رہتا اور کھاتے چلے جاتے ہیں جس سے روزہ ختم ہوجاتا ہے، بعض لوگ آدھی رات سے ہی سحری کھانا شروع کر دیتے ہیں، اتنی جلدی سحری کھانا شریعت کے منشا اور سحری کے مقصد کے خلاف ہے، ہاں اگر کوئی عذر ہے مثلاً سفر در پیش ہے تو جلدی کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، بعض لوگ سحری تو مناسب وقت میں کھاتے ہیں؛ لیکن چائے، پان، بیڑی، سگریٹ وغیرہ کا استعمال بالکل آخری وقت میں کرتے ہیں، اس سے اکثر روزہ خطرے میں پڑ جاتا ہے، بعض لوگ سحری جلدی کھا کر سو جاتے ہیں اور فجر قضا کر دیتے ہیں، یہ بہت بڑا گناہ ہے، اسی طرح یہ بھی مناسب نہیں کہ جلدی سونے کی وجہ سے نماز گھر پر پڑھ لی جائے اور نماز باجماعت کا اہتمام نہ کیا جائے، رمضان میں سحر و افطار کے جو نقشے چھپے چھپائے تقسیم ہوتے ہیں ان کو دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کسی قابل اعتماد ادارے نے شائع کیے ہیں یا نہیں، پھر ان اوقات میں ایک آدھ منٹ کی احتیاط کر لینی چاہیے۔

سحری کے لیے جگانے کا مسئلہ:

سحری کے اختتام کی اطلاع دینے کے لیے گھنٹہ پیٹا جاسکتا ہے، یا دف بجایا جاسکتا ہے، بہ شرط یہ کہ باجے

کے طرز پر نہ ہو، گولے بھی چھوڑے جاسکتے ہیں، سائرن بھی بجانے کی اجازت ہے، نکاح اور اعلانِ جنگ کے لیے دف بجانا احادیث سے ثابت ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے سحر وافطار کے وقت بھی ان چیزوں کی اجازت دی گئی ہے؛ کیوں کہ مقصود اطلاع ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴۰/۲، امداد الفتاویٰ: ۱۰۱/۲، کفایۃ المفتی: ۲۲/۴)

انتہائی اہم اور قابل توجہ بات:

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ آج کل ہمارے شہروں اور قصبوں؛ بلکہ اب تو دیہاتوں میں بھی لاؤڈ اسپیکر وغیرہ کے ذریعے تمام شہر اور قصبے میں گھوم گھوم کر سحری کا اعلان کیا جاتا ہے، نعتوں اور قوالیوں کی کیسٹیں بجائی جاتی ہیں، ہمارے ملک میں ملی جلی آبادیاں ہیں غیر مسلم بڑی تعداد میں رہتے ہیں، ان حالات میں اس طرح کی ہنگامہ آرائی برادرانِ وطن کے لیے تکلیف دہ ہے؛ کیوں کہ اس سے ان کی نیند میں خلل واقع ہوتا ہے، بعض مسجدوں کے میناروں پر ہارن لگادیے جاتے ہیں، تلاوت کلام پاک کے لیے مائک پر بچوں کو بٹھادیا جاتا ہے، جو سحری کے وقت تک پڑھتے رہتے ہیں، ایک تو یہ عمل قرآن کریم کے ساتھ بے ادبی ہے؛ کیوں کہ قرآن کریم کا ادب یہ ہے کہ اسے غور کے ساتھ سنا جائے، ایسے وقت میں جب کہ عورتیں کھانے پکانے میں مصروف ہوں اور مرد آرام کر رہے ہوں یا وضو نماز کر رہے ہوں، تلاوت کا مقصد فوت ہوجاتا ہے، پھر غیر مسلم بھائیوں کو ہماری تلاوت سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے، انہیں کیوں پریشان کیا جائے، اگر خالص مسلم آبادیاں ہوں تب بھی اس طرح کے اعلانات نہ ہونے چاہئیں؛ کیوں کہ گھروں میں بچے اور بیمار وضعیف لوگ بھی رہتے ہیں، ذرا سے شور سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہے، خاص طور پر دل کے مریض تو معمولی شور بھی برداشت نہیں کرپاتے، بہتر ہوگا کہ جگانے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو کسی کے لیے اذیت کا باعث نہ بنے، مثلاً نوجوان اپنے اپنے علاقوں میں گھر گھر جاکر کنڈی بجادیا کریں، اس سے مقصد بھی حاصل ہوجائے گا اور کسی کو تکلیف بھی نہیں ہوگی؛ البتہ سحری کے اختتام کے اعلان کے لیے ایک آدھ بار مائک کا استعمال یا گھنٹے وغیرہ کا نظام بنالینا چاہیے اور اسے مختصر وقفے تک محدود رکھنا چاہیے۔

رمضان میں تہجد:

اللہ جسے توفیق دے اسے تہجد کی نماز کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے، نمازِ تہجد یہ ہے کہ عشاء کے بعد رات کو سوکر اٹھیں اور کچھ نوافل پڑھیں، سونے سے قبل جو کچھ نوافل پڑھیں گے وہ تہجد میں شمار نہیں ہوں گے حدیث کی کتابوں میں نمازِ تہجد کے بے شمار فضائل آئے ہیں، جن میں سے چند ہم نے آئندہ اوراق میں مستقل

عنوان کے تحت ذکر کیے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلٰوةُ اللَّيْلِ. (صحیح مسلم:۲/۸۲۱، رقم الحدیث:۱۱۶۳)

"فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل تہجد کی نماز ہے"۔

دورِ صحابہ سے لے کر آج تک تمام علماءِ اُمت کا معمول تہجد کی نماز پڑھنے کا رہا ہے، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کوئی شخص تہجد کی نماز پڑھے بغیر درجۂ ولایت تک نہیں پہنچ سکتا، نمازِ تہجد سنت ہے اور رات کا آخری حصہ اس کا بہترین وقت ہے، اس نماز کی کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں، حضرت نبی اکرم ﷺ اکثر اوقات آٹھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (عمدۃ الفقہ:۲/۱۶۳)

رمضان المبارک میں تہجد کی نماز بہ سہولت پڑھی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ تہجد اور سحری کا وقت تقریباً ایک ہی ہوتا ہے اگر سحری کے لیے کچھ دیر پہلے اُٹھ جائیں تو بہ آسانی نوافل ادا کیے جاسکتے ہیں اور اگر سحری سے کچھ جلدی فراغت ہوجائے تو صبح صادق سے پہلے بھی تہجد ادا کرنے کی گنجائش ہے، اگر تھوڑی سی ہمت کرلی جائے، تو رمضان کے پورے مہینے بہ سہولت تہجد کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، یاد رہے کہ تہجد کا وقت صبح صادق سے پہلے ہے، بعض لوگ اذان تک بھی تہجد کے نوافل پڑھتے رہتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ اذان صبح صادق کے بعد ہوتی ہے اور بعض جگہوں پر تو بہت بعد میں ہوتی ہے، نمازِ تہجد کے مزید فضائل وفوائد آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

رمضان میں فجر کی نماز:

فقہ حنفی کے مطابق اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنے کے بہ جائے تاخیر کرکے پڑھی جائے؛ تاکہ کچھ روشنی سی پھیل جائے، لیکن رمضان المبارک میں فجر کی نماز میں جلدی کی جاسکتی ہے؛ بلکہ یہ بہتر بھی ہے، کیوں کہ اس سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہوسکتے ہیں، سحری کے بعد بہت دیر تک انتظار کرنا لوگوں کے لیے مشکل ہوجاتا ہے، فجر کی نماز میں تاخیر کی مصلحت یہی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مسجد میں پہنچ جائیں، رمضان میں یہ مقصد جلدی حاصل ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ سب ہی لوگ اس وقت بیدار ہوتے ہیں، اس لیے صبح صادق کے بعد لوگوں کا لحاظ کرتے ہوئے فجر کی نماز جلدی پڑھ لینی چاہیے، اس سے زیادہ لوگوں کو نماز باجماعت کی توفیق ہوجاتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۳۲۸، کفایۃ المفتی:۳/۶۹)

بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، حضرت انس بن مالک نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر فجر کی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے (حضرت انس کہتے ہیں) میں نے ان سے پوچھا کہ سحری کھانے کے خاتمے اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو انھوں نے کہا: پچاس آیات (کی تلاوت) کے بہ قدر۔ (صحیح البخاری: ۲/۶۷۸، رقم الحدیث: ۱۸۲۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سحری اور نماز فجر کے درمیان زیادہ وقفہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

افطار:

افطار کے فضائل اور مسائل پر کچھ لکھنے سے پہلے ہم افطار میں رزقِ حلال کی ضرورت اور کم کھانے کی اہمیت پر مشہور عالم اور بزرگ حجۃ الاسلام حضرت امام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ کی کتاب "احیاء العلوم" سے ایک اقتباس پیش کریں گے، امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"افطار کے وقت اکل حلال کی پابندی کی جائے، حرام کے شبہے سے بھی گریز کیا جائے، اس صورت میں روزے کے کوئی معنی نہیں کہ دن میں حلال کھانے سے رُکا رہے اور جب افطار کرنے بیٹھے تو حرام رزق سے روزہ افطار کرے، یہ روزہ دار اس شخص کی طرح ہے جو ایک محل تعمیر کرائے اور ایک شہر منہدم کر دے، جس طرح زہر جسم کے لیے مہلک ہے اسی طرح حرام رزق بھی دین کے لیے مہلک ہے، حلال کھانے بھی کم کھانا چاہیے، اس کی مثال ایک دوا کی سی ہے جس کی کم مقدار مفید ہے اور زیادہ مضر ہے، روزے کا مقصد یہ ہے کہ حلال کھانا بھی کم کھایا جائے؛ تاکہ مفید ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی ظرف اتنا بُرا نہیں جتنا بُرا وہ پیٹ ہے جو حلال رزق سے بھر دیا گیا ہو، عادتاً لوگ افطار و سحر میں اتنا کھا جاتے ہیں کہ رمضان کے علاوہ دنوں میں کئی مہینے اتنا نہیں کھاتے، روزے کا اصل مفہوم یہ ہے کہ پیٹ خالی رہے اور نفس کی خواہشات ختم ہو جائیں، اس صورت میں روزہ کا یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا کہ دن بھر معدے کو بہلایا جائے اور جب شام کے وقت خواہش بڑھ جائے اور رغبت حاصل ہو جائے تو لذیذ کھانے کھائے جائیں اور خوب شکم سیری حاصل کی جائے، یقیناً اس صورت میں تقویٰ پیدا نہیں ہوتا؛ بلکہ کھانے کی رغبت اور بڑھتی ہے اور خواہشوں کو مزید تحریک ملتی ہے"۔ (احیاء العلوم: ۱/۴۰۹)

افطار کی فضیلت:

تمام دن کی بھوک پیاس کے بعد سورج غروب ہونے پر روزہ دار کو روزہ افطار کرنا ہے، یقیناً یہ لمحہ خوشی کا ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے وہ پابندی ہٹادی ہے اور اب اس کا روزہ دار بندہ صبح صادق تک کھانے پینے کے لیے آزاد ہے کیوں کہ روزہ دار نہ اپنی مرضی سے کھانا پینا چھوڑ رہا ہے اور نہ اپنی مرضی سے افطار کر رہا ہے؛ بلکہ جو کچھ کر رہا ہے اللہ کے حکم سے کر رہا ہے، اس لیے جس طرح اس نے سحری کے کھانے میں فضیلت و برکت رکھی ہے اسی طرح افطار میں بھی برکت اور فضیلت رکھ دی ہے، جو کھانا افطار کے وقت کھایا جاتا ہے وہ اتنا مبارک ہے کہ اُمید ہے اس میں حدیث شریف کے بہ موجب حساب کتاب نہیں ہوگا۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین لوگوں سے ان کے کھانے کے معاملے میں ان شاء اللہ حساب نہیں ہوگا۔ ایک؛ روزہ افطار کرنے والا، دوسرا؛ سحری کھانے والا، تیسرا؛ اللہ کے راستے میں پہرا دینے والا۔

(المعجم الکبیر:۳۵۹/۱۱، رقم الحدیث:۱۲۰۱۲)

افطار کے وقت روزہ دار کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے حدیث شریف میں اسے اس خوشی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جو مؤمن کو قیامت کے روز اپنے رب سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم، ٦٧٣/٢، الرقم:١٨٠٥)

”روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک افطار کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملاقات کے وقت“۔

شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روزہ دار کو افطار کے وقت یہ خوشی اس لیے نہیں ہوتی کہ وہ اب کھانے پینے کے لیے آزاد ہوگیا؛ بلکہ اس لیے ہوتی ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے ایک روزہ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور اسی کے ساتھ اللہ کی نعمتیں جو دن بھر کے لیے حرام کردی گئی تھیں حلال ہوگئیں۔

افطار کے وقت دعاؤں کا اہتمام:

عام طور پر لوگ افطار کے وقت اِدھر اُدھر کے کاموں میں مشغول ہوجاتے ہیں، عورتیں افطار کا سامان تیار کرنے اور اس کو قرینے سے لگانے سجانے میں منہمک نظر آتی ہیں، مرد بازاروں کی چہل پہل میں اضافہ کرنے کے لیے نکل پڑتے ہیں اور بچے کھیل کود میں مصروف ہوجاتے ہیں؛ لیکن یہ وقت بہت اہم ہے اور دعاؤں کی قبولیت کا ہے، یوں تو رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہی قبولیت دعا کا ہے؛ لیکن اس ماہ کے کچھ مخصوص اوقات ایسے

ہیں جن میں رحمت حق اور زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور حق تعالیٰ ان خاص اوقات میں مانگی گئی دعائیں اپنے فضل وکرم سے قبول فرما لیتے ہیں، افطار کا وقت بھی کچھ ایسا ہی خاص ہے، متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ افطار کے وقت مانگی جانے والی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۲۷۲، رقم الحدیث: ۸۹۰۲)

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ کی روایت میں ہے:

''بلاشبہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی''۔ (سنن بیہقی: ۳/۳۴۵)

اسی بات کو ان لفظوں میں بھی بیان کیا گیا ہے:

''افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول کی جاتی ہے''۔ (کنز العمال: ۸/۴۴۸)

جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ افطار کے وقت اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ بارگاہِ حق میں قبولیت سے سرفراز کی جاتی ہیں تو روزہ داروں کو چاہیے کہ وہ لایعنی کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے دعاؤں میں مشغول ہوں، ضروری کام پہلے انجام دے لیے جائیں، خواتین بھی کھانے پکانے سے فارغ ہو جائیں اور بچوں کو بھی ہدایت کریں کہ وہ کچھ وقت کے لیے یکسو ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور دعا کریں، یہ موقع سال بھر میں صرف تیس دنوں کے لیے ملتا ہے، آپ اس وقت ہر طرح کی دعائیں مانگ سکتے ہیں، یہ قبولیت کی گھڑی ہے جو بھی دعا مانگیں اس یقین کے ساتھ مانگیں کہ آپ کی دعا قبول ضرور ہوگی، مغفرت کی، خیر وبرکت کی، صحت وتن درستی کی، قرض سے سبک دوشی کی، دین ودنیا کی فلاح کی، ملک میں اور دنیا میں امن وامان کی، اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے، اپنے بچوں کے لیے، رشتہ داروں کے لیے، سب کے لیے دعائیں مانگیں۔

احادیث کی کتابوں میں اس موقع پر مانگی جانے والی دعائیں بھی منقول ہیں، دعاؤں کی کوئی کتاب پاس ہو تو اور بہتر ہے، اس طرح کی دعاؤں میں زیادہ خیر وبرکت اور تاثیر ہوتی ہے، مگر اجتماعی دعا نہ کریں؛ کیوں کہ اس موقع پر اجتماعی دعا منقول نہیں ہیں، بعض جگہوں پر لوگ افطار کے وقت ایک جگہ سمٹ آتے ہیں اور کوئی صاحب بہ آواز بلند دعا شروع کرا دیتے ہیں اور یہ سلسلہ افطار کے وقت تک جاری رہتا ہے، یہ غلط ہے۔ روایات سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر دعا مانگنے میں مشغول رہے۔

افطار کی دعا:

جب افطار کا وقت آ جائے تب بھی دل اور زبان یادِ خدا سے غافل نہ ہوں اس موقع پر رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا منقول ہے: **اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ**. (سنن أبي داوٗد: ۳۲۲/۱)

"اے اللہ! میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیے ہوئے رزق سے افطار کر رہا ہوں"۔

فائدہ: معلوم ہونا چاہیے کہ اس دعا میں **وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ** کا اضافہ حدیث سے ثابت نہیں، اگرچہ ان کا مفہوم صحیح ہے، ہاں! کتبِ فقہ میں سے "**جامعُ الرُّموز**" میں علامہ قہستانی رحمہ اللہ نے اس اضافہ کا ذکر کیا ہے۔ (کتابُ الصوم، قبل فصل الاعتکاف: ۱٦٤)

لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "**مرقاۃُ المفاتیح**" (۲۲۶:۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت) میں اور حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ نے "حصن حصین مترجم" (صفحہ: ۲۱۶) کے حاشیہ میں اس اضافہ کو بے اصل قرار دیا ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی نور اللہ مرقدہٗ نے "جواہر الفقہ" (۴:۳۲۵، مطبوعہ مکتبہ زکریا، دیوبند) میں صرف مسنون الفاظ ذکر فرمائے ہیں؛ لہٰذا صرف مسنون الفاظ پر اکتفا ہی بہتر ہے۔

افطار سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھ لینی چاہیے:

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ.

(سننُ أبي داوٗد: ۳۰۹/۱، رقم الحدیث: ۲۳۵۷، سنن الدارقطني: ۱۹۷/۱، رقم: ۲۵)

"پیاس چلی گئی، رگیں تر ہو گئیں اور ان شاء اللہ اجر و ثواب ثابت و یقینی ہو گیا"۔

اگر عربی زبان کے الفاظ کی ادائیگی میں دشواری ہو تو اردو ترجمہ زبان سے ادا کر لینا چاہیے۔

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیے:

ویسے تو آپ کسی بھی چیز سے روزہ افطار کر سکتے ہیں، جو بھی اللہ تعالیٰ توفیق دے کھائیں، بس اس کا خیال رہے کہ جو کچھ کھائیں وہ جائز اور حلال ہو، مگر کیوں کہ یہ عبادت کا موسم ہے، اس موسم میں ہمیں کوشش یہی کرنی چاہیے کہ ہمارا ہر ہر عمل سنت کے مطابق ہو، یہاں تک کہ ہم کھانے پینے میں بھی وہی طریقہ اپنائیں جو ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے بتلا دیا ہے، روایات میں ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نماز پڑھنے سے قبل چند کھجوروں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے، اگر کھجوریں نہ ہوتیں تو چھوارے تناول فرماتے، چھوارے بھی نہ ہوتے تو پانی سے روزہ

افطار فرمالیتے۔(سنن الترمذی:۳/۷۹،رقم الحدیث:۶۹۶)

اس سلسلے میں متعدد روایات بھی موجود ہیں،ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی افطار کرے تو اسے کھجور سے روزہ افطار کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں برکت ہے ،اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے افطار کرے؛ کیوں کہ پانی پاکیزہ ہوتا ہے"۔(سنن الترمذی:۳/۴۶،رقم الحدیث:۶۵۸)

کھجور کی اہمیت:

کھجور ایک ایسا پھل ہے،جس ذکر قرآن کریم میں بھی ہے،حدیث کی کتابوں میں بھی ہے اور موجودہ دور کے میڈیکل سائنس داں بھی اس کی اہمیت اور افادیت کے قائل ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بے شمار احسانات اور انعامات کے ضمن میں بہت سے پھلوں کا ذکر کیا ہے جو انسان کو عطا کیے گئے ہیں ،مثلاً انگور،انجیر،انار اور زیتون کا ذکر متعدد مرتبہ آیا ہے،مگر کھجور اور اس کے درخت کا تذکرہ قرآن کریم میں بیس مقامات پر کیا گیا ہے،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن نے اس پھل کو بنی نوع انسان کے لیے نہایت اہمیت کا حامل قرار دیا ہے احادیث میں تو کھجور کا ذکر بار بار آیا ہے اور مختلف عنوانات کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"جس گھر میں کھجور ہو اس گھر کے لوگ بھوکے نہ رہیں گے"۔(صحیح مسلم:۳/۱۶۱۸،رقم الحدیث:۲۰۴۶)

نبی اکرم ﷺ نے یہ بات اس طرح بھی ارشاد فرمائی ہے:"اے عائشہ!جس گھر میں کھجور نہ ہو،اس گھر کے لوگ بھوکے ہیں"،آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔(صحیح مسلم:۳/۱۶۱۸،رقم الحدیث:۲۰۴۷)

اسی طرح ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"جس گھر میں کھجور نہ ہو وہ گھر ایسا ہے،جس میں کھانا نہ ہو"۔(المعجم الكبير:٢٤/٢٩٨، رقم الحديث:٧٥٧)

صحیح البخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کہ ہم کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ کھجور کا ایک گابھا آیا،رسول اللہ ﷺ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت دی ہے جیسے وہ مسلمان ہو،اس پر میں نے یہ خیال کیا کہ شاید آپ ﷺ کی مراد کھجور کا درخت ہے،میرا ارادہ بھی ہوا کہ عرض کروں یارسول اللہ!یہ کھجور کا درخت ہے ؛مگر میں کل دس سال کا تھا(چھوٹا تھا)اور مجھ سے بڑے اور بہت بڑے بڑے حضرات بھی وہاں موجود تھے؛حتیٰ کہ میرے والد حضرت

عمر ﷺ بھی؛ لہٰذا مجھے اچھا نہ لگا کہ بڑوں کی موجودگی میں، میں بولوں، اس لیے چپ رہا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کھجور کا درخت ہے۔ (صحیح البخاری: ۱/۳۹، رقم الحدیث: ۷۲)

عجوہ کھجور کے متعلق تو حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عجوہ کھجور اور بیت المقدس کا پتھر (جس پر براق باندھا گیا تھا) دونوں جنت سے آئے ہیں''۔ (سنن ابن ماجہ: ۲/۱۱۴۳، رقم الحدیث: ۳۴۵۶)

طب نبوی میں کھجور:

عجوہ کھجور کی احادیث پر مشتمل بہت سی روایات ہیں، خاص طور پر اس کا استعمال زہر اور سحر کے لیے بے حد مفید ہے، حضرت عامرؓ کے والد ابو وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے سعد سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: ''جس شخص نے صبح اٹھتے ہی عجوہ کھجور کے سات دانے کھالیے اس دن اسے جادو اور زہر نقصان نہ دیں گے''۔ (صحیح البخاری: ۵/۲۱۷۷، رقم الحدیث: ۵۴۳۶)

روایات میں کھجور کو متعدد دوسرے امراض میں بھی مفید بتلایا گیا ہے، مثال کے طور پر دبلا پتلا انسان اگر موٹا ہونا چاہے تو اسے کھجور اور کھیرا کھانا چاہیے؛ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی تجربہ ہے کہ انہوں نے رخصتی سے پہلے یہ دونوں چیزیں استعمال کیں اور فربہ ہوگئیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۲/۱۱۰۴، رقم الحدیث: ۳۳۲۴)

قولنج (درد کے ساتھ پٹھوں میں سکڑن) کے لیے بھی کھجور کا استعمال مفید ہے، پیٹ کے کیڑے بھی اس کے استعمال سے مرجاتے ہیں، عجوہ کھجور کے سات دانے روزانہ کھانے سے کوڑھ کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے لیے۔جنہیں دل کا دورہ پڑا تھا۔مدینہ کی سات عجوہ کھجور گٹھلیوں سمیت کوٹ کر کھانے کا مشورہ دیا، ایک روایت میں ہے کہ عورتوں کے مخصوص ایام میں زیادتی ہو تو انہیں کھجور دینی چاہیے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر تمام روایات مشہور محدث ابو نعیمؒ نے اپنی کتاب الطب میں بیان کی ہیں۔

سائنس کیا کہتی ہے؟

اطباء نے دوسرے امراض میں بھی کھجور کے تجربے کیے ہیں اور فوائد حاصل کیے ہیں، اس کے استعمال سے انسان بلغم اور سردی کے مضر اثرات سے محفوظ رہتا ہے، اس سے دماغ کی کمزوری ختم ہوتی ہے، کھجور بدن میں خون کی کمی دور کرتی ہے اور دل کو قوت بخشتی ہے، گردوں کے امراض کے لیے بھی مفید ہے، سانس کی تکلیف بالعموم اور دمہ کے مرض میں خاص طور پر فائدہ پہنچانے والی ہے۔ کھانسی، بخار، پیچش اور قبض کے امراض میں اطباء اس کے ذریعے علاج تجویز کرتے

ہیں، قوت باہ کو بڑھاتی ہے، کھجور زخموں کو مندمل کرتی ہے نفث الدم میں بھی کارگر ہے، یرقان کے لیے بھی مفید ہے، اس کے استعمال سے جگر کا فعل درست رہتا ہے، پیشاب آور بھی ہے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کھجور غذا کی غذا ہے اور دوا کی دوا، پہلے اس کی پیداوار جزیرہ نمائے عرب تک محدود تھی، بعد میں دوسرے ممالک میں بھی اس کے باغ لگائے جانے لگے، اب تو امریکہ اور یورپ میں بھی اس پھل کی مختلف اقسام کی پیداوار پر بھرپور توجہ دی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹے سے پھل میں کتنے فوائد رکھ دیے ہیں اس کی تحقیقات کے لیے بڑے بڑے ادارے کام کر رہے ہیں، اس کی غذائیت کا اندازہ اس کے مختلف کیمائی اجزاء سے لگایا جاسکتا ہے، اس میں تقریباً ساٹھ فی صد شکر کے علاوہ اسٹارچ پروٹین اور چربی مختلف مقدار میں موجود ہے، وٹامن اے، وٹامن بی، وٹامن بی ٹو، وٹامن سی بھی پائے جاتے ہیں، اور سوڈیم کیلشیم سلفر، کلورین، فاسفورس اور آئرن جیسے معدنیاتی اجزاء بھی اس پھل کے اندر موجود ہیں، حدیث شریف میں اس پھل کو مسلمان سے اسی لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ دونوں ہی انسانوں کی بھلائی کا ذریعہ ہیں، حدیث شریف میں روزہ افطار کرنے کے لیے کھجور کے استعمال کی ترغیب بلاوجہ نہیں دی گئی ہے؛ کیوں کہ روزے کے دوران مسلسل بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے بدن میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے، افطار کے وقت ایک ایسی غذا کی ضرورت ہے، جو توانائی سے بھرپور بھی ہو، سریع الہضم بھی ہو اور جسم میں جاتے ہی اس کے اثرات بھی شروع ہو جائیں۔

روزہ جلدی افطار کریں:

وقت ہونے کے بعد بلا تاخیر روزہ افطار کر لینا چاہیے، بہتر یہی ہے کہ روزہ افطار کرنے سے کچھ دیر پہلے دسترخوان پر بیٹھ جائیں اور جیسے ہی روزے کا وقت ختم ہونے کا اعلان ہو افطار شروع کر دیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ.**

(صحیح مسلم: ۱/۳۵۰، کتاب الصیام، باب فضل السحور، رقم الحدیث: ۱۰۹۸)

”لوگ اس وقت تک خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے“۔

حدیث قدسی ہے: **قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَحَبُّ عِبَادِيْ إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا.**

(جامع الترمذی: ۱/۸۸، کتاب الصوم، باب ماجاء فی تعجیل الافطار، رقم الحدیث: ۷۰۰)

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندوں میں مجھے پیارے وہ ہیں جو افطار میں جلدی کریں“۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس اُمت کے لوگوں میں یہ دونوں باتیں (یعنی افطار میں

جلدی اور سحری میں تاخیر کرنا) رہیں گی تو اس وقت تک سنت کی پابندی کے باعث اور حدودِ شرع کی نگرانی کی وجہ سے خیریت اور بھلائی پر قائم رہیں گے۔

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَزَالُ أُمَّتِيْ عَلٰى سُنَّتِيْ مَا لَمْ تَنْتَظِرْ بِفِطْرِهَا النُّجُوْمَ.

(صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۵۱۰، صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۲۰۶۱، موارد الظمآن: ۸۹۱)

''میری اُمت میری سنت پر اس وقت تک برابر قائم رہے گی، جب تک کہ وہ روزہ افطار کرنے کے لیے ستاروں کا انتظار نہ کرنے لگے گی''۔

آپ ﷺ کا یہ عمل یہودیوں کے برعکس تھا، جن کے ہاں سحری کرنے کا کوئی تصور نہیں تھا اور وہ افطاری کرنے کے معاملے میں آسمان پر ستاروں کے طلوع ہونے کا انتظار کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ آفتاب غروب ہوتے ہی افطار کرلیا کرتے تھے۔

افطار میں عجلت کے سلسلے میں اور بھی متعدد روایات موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ افطار کرنے میں تاخیر کو برا سمجھا گیا ہے، مگر اس عجلت کا مفہوم یہ ہے کہ جب وقت کا یقین ہو جائے تب افطار کیا جائے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ جیسے ہی کچھ تاریکی محسوس ہو، فوراً افطار شروع کر دے، اس سلسلے میں احتیاط بے حد ضروری ہے، اسی احتیاط کے پیشِ نظر افطار و سحر کے نقشۂ نظام الاوقات میں یہ ہدایت درج ہوتی ہے کہ سحری وقت سے پانچ منٹ پہلے چھوڑ دی جائے اور افطار وقت معین سے دو تین منٹ تاخیر سے شروع کیا جائے۔

مسجد میں افطار:

حرمین شریفین میں اجتماعی طور پر روزہ افطار کرنے کا معمول ہے، ہمارے شہروں اور قصبوں کی مساجد میں بھی لوگ گھروں سے افطار کا سامان لا کر ایک ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور روزہ افطار کرتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ اگر یہ کام اس جذبے سے ہو کہ مسافر یا محلے کے غریب لوگ بھی افطار میں شریک ہو جائیں گے تو باعث اجر و ثواب بھی ہے ان شاء اللہ، مگر اس عمل سے مساجد کا ادب و احترام اور اس کی نظافت متاثر نہ ہونی چاہیے عموماً لوگ افطار کر کے گٹھلیاں اور پھلوں کے چھلکے وغیرہ میں مسجد میں ڈال دیتے ہیں، چاول کے دانے یا روٹی کے ریزے بھی صفوں پر پڑے رہتے ہیں، یہ طریقہ مناسب نہیں ہے، افطار سے فارغ ہونے کے بعد دسترخوان اور

برتن وغیرہ سلیقے سے سمیٹ دینے چاہئیں، مسجد کا ادب یہ ہے کہ افطار کے وقت شور شرابہ اور دھینگا مشتی نہ ہو، بلکہ خاموشی کے ساتھ کھایا جائے، اور جماعت کھڑی ہونے سے پہلے پہلے فراغت حاصل کر لی جائے بعض اوقات نماز شروع ہو جاتی ہے اور لوگ کھانے پینے میں مشغول رہتے ہیں، جب امام رکوع میں چلا جاتا ہے تو اسے دوڑ بھاگ کر پکڑتے ہیں، بہتر یہ ہوگا کہ بیرونِ مسجد کوئی الگ جگہ کمرہ یا برآمدہ وغیرہ اس کام کے لیے خاص کر لیا جائے۔

مغرب کی نماز میں تاخیر:

مغرب کا وقت بہت مختصر ہوتا ہے، اسی لیے اذان ہوتے ہی نماز شروع کردی جاتی ہے؛ لیکن رمضان میں کھانے پینے کے معمولات تبدیل ہو جاتے ہیں، اگر اذان اور نماز میں تھوڑا بہت فصل نہ ہو تو افطار کرنے کے بعد گھر سے چل کر مسجد تک بروقت پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اذان کے بعد کچھ انتظار کر لیا جائے ؛لیکن یہ وقفہ مختصر ہونا چاہیے، اگر زیادہ دیر لگائی گئی تو مکروہ وقت ہو جانے کا اندیشہ ہے، نیز اس سے ان نمازیوں کو بھی تکلیف ہوگی جو مختصر افطار کر کے مسجد میں آجاتے ہیں اور نماز سے فراغت کے بعد اطمینان سے کھانے کے عادی ہیں، حضرات مفتیان کرام نے لکھا ہے کہ اذان و جماعت میں اتنا فصل کیا جائے کہ پابند جماعت افطار سے فارغ ہو کر کلی وغیرہ کر لیں اور شروع جماعت سے شریک ہو سکیں، آپس کی مشاورت سے پانچ دس منٹ جیسا مناسب ہو تجویز کر لیں۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید: ۱۰/۲۱۲)

بہر حال افطار کی وجہ سے نماز میں حسب ضرورت تاخیر بلا کراہت جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۶/۴۵)

بچوں کا روزہ:

بچوں پر اگرچہ نماز، روزہ فرض نہیں؛ لیکن عادت ڈلوانے کے لیے بچوں سے بھی نماز پڑھوائی جائے اور روزے رکھوائے جائیں، سارے نہ ہو سکیں تو تھوڑے ہی سہی، اس لیے کہ جو بچہ اب کے رمضان میں تین روزے رکھ سکتا ہے، اگلے رمضان میں ضرور آٹھ دس رکھ سکتا ہے، اسی طرح عادت پڑ جائے گی اور بڑے ہو کر روزے رکھنا آسان ہوگا۔

بعض مائیں یہ خیال کرتی ہیں کہ بچہ کمزور ہو جائے گا، صحت برباد ہو جائے گی وغیرہ؛ لیکن میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر ابھی سے اس کو روزے نہ رکھوائے گئے تو بڑا ہو کر کیسے رکھ سکتا ہے اور جب خدائے پاک کے

ہاں روزہ نہ رکھنے پر سخت سے سخت سزائیں اور پٹائیاں ہوں گی تو بتاؤ وہ تکلیف زیادہ ہوگی یا یہ دنیا کی ذرا سی مشقت؟ جب تم سے اپنے لاڈلے کا پھول سا چہرہ مرجھایا ہوا نہیں دیکھا جاتا تو جب قیامت میں اس کو ہولناک عذاب ہوگا وہ کیسے برداشت کروگی؟ حضرات صحابۂ کرامؓ کے بھی بچے تھے اور وہ بھی اپنے ماں باپ کے چہیتے تھے؛ لیکن ان حضرات کی محبت عقلمندی کے ساتھ تھی، وہ بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے دنیا کی ذرا سی تکلیف برداشت کر لیتے تھے، ان کے بچے جب بھی روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ضرور روزہ رکھواتے تھے، جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ عاشوراء کے دن صبح کے وقت اعلان کرا دیتے تھے کہ جس نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ رکھ لے، صحابۂ کرام فرماتے ہیں:

كُنَّا بَعْدَ ذٰلِكَ نَصُوْمُهٗ وَنُصَوِّمُهٗ صِبْيَانَنَا الصِّغَارَ مِنْهُمْ وَنَذْهَبُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ فَإِذَا بَكٰى أَحَدُهُمْ مِنَ الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهَا إِيَّاهُ حَتّٰى يَكُوْنَ عِنْدَ الْإِفْطَارِ.

(رواه البخاري ومسلم، أنظر: نيل الأوطار: ٢٠٩/٤، ط: مصطفى البابي، مصر)

”یہ اعلان سن کر ہم خود بھی روزہ رکھتے تھے اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی رکھواتے تھے اور (انہیں لے کر) مسجد کی طرف نکل جاتے اور ان کے لیے رنگین اُون وغیرہ کے کھلونے بنا دیتے تھے، جب کوئی بچہ کھانے کے لیے روتا تو ہم اُسے کھلونا دے کر بہلا دیتے تھے اور اسی طرح افطار کا وقت ہو جاتا تھا“۔

ذرا غور تو کریں کہ وہ بچے کتنے چھوٹے چھوٹے ہوں گے جو کھیل کھلونوں سے بہل جاتے تھے آج کی مائیں ذرا کلیجے پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ جب ان بچوں کی مائیں انہیں بھوک و پیاس سے بلکتا ہوا دیکھتی ہوں گی تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی؛ لیکن یہ سب کچھ اس لیے برداشت تھا کہ ان کے نزدیک بچہ کے دیندار ہونے کی اہمیت آج کل کے احمقانہ لاڈ و پیار سے زیادہ تھی اور سچا پکا مسلمان ہونا ان کے نزدیک ہٹا کٹا جوان ہونے سے زیادہ بہتر تھا۔

ایک مصیبت:

آج کل ہم لوگوں نے بیاہ، شادی، ولیمہ، ختنہ اور عقیقہ اور ان جیسے اور بہت سے ان کاموں کو جو کہ خالص دین ہیں اپنی بے وقوفی سے انہیں رسم و رواج کے شکنجوں میں کس کر اپنے اوپر مصیبت بنا لیا ہے اور آسان سے آسان چیز کو سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل کر لیا ہے، یہی حال بہت سی جگہوں پر بچے کے پہلے روزے کا بھی ہے کہ جب بچہ پہلے پہل روزہ رکھتا ہے تو چاہے کوئی کتنا ہی غریب اور تنگدست ہو؛ لیکن قرض لے کر، بھیک مانگ کر، کسی نہ کسی طرح بچے

کے لیے نئے کپڑے بنائے گا، رشتہ داروں، محلّہ والوں اور کنبہ والوں کو دعوت دے گا اور بہتر سے بہتر کھانے پینے کا انتظام کرے گا اور قسم قسم کے پھل، میوے، مٹھائیاں بچے کے افطار کے لیے لائے گا اور ان تمام بکھیڑوں کے ساتھ بچے کا پہلا روزہ پورا ہوگا اور جب تک اتنی ہمت نہ ہو بچہ کا روزہ نہیں رکھا جا سکتا چاہے وہ جوان ہو جائے، میں نے اپنی آنکھ سے ایسے بچے دیکھے ہیں جو جوان ہو گئے؛ لیکن صرف اس وجہ سے ابھی روزے شروع نہیں کیے کہ والدین کے پاس ابھی اتنی گنجائش نہیں ہے کہ دھوم دھام سے بچے کا پہلا روزہ رکھوا سکیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی   یہ اُمت روایات میں کھو گئی

(رمضان کیا ہے؟:۱۱۶تا۱۱۹)

روزہ کشائی کی تقریبات:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلم معاشرے میں روزہ کشائی کی تقریبات کا چلن دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے ،لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو روزہ رکھوا دیتے ہیں اور اس موقع پر بڑی بڑی دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں، ابھی عرض کیا گیا کہ یہ محض ایک رسم ہے اور اس کے پیچھے نام ونمود کا جذبہ زیادہ کار فرما ہوتا ہے، روزہ عبادت ہے، ابھی بچے اس عبادت کے مکلف نہیں ہیں، پانچ پانچ چھ چھ سال کے بچوں کو بھوکا پیاسا رکھنا کون سی دانش مندی ہے، پھر اگر یہ کام عبادت سمجھ کر کیا جاتا ہے تو اس میں ڈھنڈورہ پیٹنے کی ضرورت کیا ہے، اس طرح تو پہلی مرتبہ نماز پڑھنے کے موقع پر بھی تقریب نماز ادائی کا اہتمام کرنا چاہیے، پھر ان تقریبات میں لغویات زیادہ ہوتی ہیں، فوٹو گرافی اور بے پردگی تو عام بات ہے، نماز با جماعت تو چھوڑیے نماز تک کا خیال نہیں آتا، فضول خرچی الگ ہے، اگر یہ رقم غریبوں کو دے دی جائے تو ان کے کام آ جائے، ثواب بھی ہوگا اور غریبوں کا رمضان بھی اچھا گزرے گا، یوں بھی رمضان کے لیل ونہار عبادت کے لیے ہیں نہ کہ دعوتیں اُڑانے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو عقل سلیم نصیب فرمائے اور ہماری عبادتوں کو رسم ورواج کے شکنجوں سے آزاد کر دے۔ آمین

روزہ افطار کرانا:

البتہ بہ نیت ثواب کچھ روزہ داروں کو افطار پر مدعو کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ یہ عین ثواب ہے، اس میں امیر غریب کی بھی کوئی تخصیص نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ روزہ افطار کرانے پر اللہ تعالیٰ تین

انعام عطا فرماتے ہیں: (۱) گناہوں کی مغفرت (۲) جہنم کی آگ سے نجات (۳) روزہ دار کے برابر ثواب۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ افطار میں پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے؛ بلکہ ایک چھوارے، کھجور یا دودھ کی کچھ لسی یا پانی کے ایک گھونٹ کا بھی اتنا ہی اجر ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ بحوالہ الترغیب والترہیب: ۹۲/۲)

بعض لوگ کسی کے یہاں اس لیے افطار نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا اجر وثواب کم ہو جائے گا، یہ ان کی بڑی غلط فہمی ہے، روزہ دار کا ثواب اپنی جگہ ہے؛ البتہ روزہ افطار کرانے والے کو روزہ دار کا ثواب کم کیے بغیر اس کے روزے کا اجر عطا کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت زید بن خالد جہنیؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہے؛ لیکن روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی''۔

(سنن الترمذی: ۱۷۱/۳، رقم الحدیث: ۸۰۷، سنن ابن ماجہ: ۵۵۵/۱، رقم الحدیث: ۱۷۴۶)

لیکن شرط یہ ہے کہ حلال کھانے سے افطار کرایا جائے، کسی کو حرام کھلانا بڑے گناہ کی بات ہے، خاص طور پر روزہ دار کو حرام کھانا کھلانا تو بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ حضرت سلمان الفارسیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی روزہ دار کو حلال کھانے سے افطار کرائے تو رمضان کی ساعتوں میں فرشتے اس شخص پر رحمت بھیجتے ہیں اور شب قدر میں خود حضرت جبریل علیہ السلام اس پر رحمت بھیجتے ہیں''۔

(کنز العمال: ۴۹۸/۸، رقم الحدیث: ۲۳۶۵۸)

افطار پارٹیاں:

اب افطار پارٹیاں بھی دی جانے لگی ہیں، خاص طور پر سیاست اور حکومت کے شعبے سے وابستہ لوگوں میں ان پارٹیوں کا بڑا چلن ہے، ایسی پارٹیوں میں بڑی گہما گہمی رہتی ہے، شریک ہونے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے، جنہیں روزہ نماز سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، یہ پارٹیاں روزے کی روح کے خلاف ہیں، روزہ ایک عبادت ہے کوئی نمائشی چیز نہیں ہے کہ اس کے نام پر سیاسی روٹیاں سینکی جائیں، جو لوگ اس طرح کی تقریبات کو باہمی اتحاد اور یگانگت کا حصہ سمجھتے ہیں وہ بتلائیں کہ گذشتہ ستر سالوں سے یہ پارٹیاں دی جارہی ہیں کیا ملک میں اتحاد کی فضا بنی؟ مسلمان جذباتی قوم ہیں، اس طرح کی تقریبات سے بہل جاتے ہیں، ہماری رائے یہ ہے کہ ان افطار پارٹیوں میں جا کر اپنے روزے کی روحانی کیفیت کو قربان نہ کیا جائے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں ہوٹل کھولنا:

واضح رہے کہ روزہ شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم واحترام تمام مسلمانوں پر واجب ہے، لہٰذا رمضان المبارک کے احترام کی خاطر دن کے وقت ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے، تاکہ اس مبارک ماہ کی عظمت باقی رہے؛ البتہ اگر ہوٹل مسافروں کی آمد ورفت کے راستہ پر ہو، یا ہاسپٹل میں زیرِ علاج بیماروں اور ان کے تیمارداروں وشرعی معذورین کے لیے ہو، لیکن شہر (یعنی عام آبادی) اور شہر کی حدود میں نہ ہو تو مسافروں وہاسپٹلوں کے راستوں میں صرف مسافروں اور بیماروں وتیمارداروں کی غرض سے ہوٹل کھولا جائے اور کھانا بھی صرف مسافروں وشرعی معذورین کو فراہم کیا جائے اور اس مسافروں وبیماروں کے نام سے عام لوگوں کو کھانا کھلا کر آمدنی مقصد نہ ہو، نیز کھلے عام لنگر نہ چلے؛ بلکہ پردہ کا بھی اہتمام وانتظام ہو، تو پھر ان شرائط کے ساتھ اجازت ہوگی۔

قرآن مجید اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے:

﴿ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج:۳۲)

فتاویٰ شامی میں ہے:

ولو أكل عمدا شهرة بلا عذر يقتل، وتمامه في شرح الوهبانية. قال ابن عابدين: قال الشرنبلالي صورتها: تعمد من لا عذر له الأكل جهارا يقتل؛ لأنه مستهزء بالدين او منكر لما ثبت منه بالضرورة ولا خلاف في حل قتله والأمر به.

(کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ: ۲/۴۱۳، ۴۱۴، ط: سعید)

افطار سے متعلق کچھ اور باتیں:

افطار کا وقت بڑے صبر وتحمل کے مظاہرے کا وقت ہے، یہ صحیح ہے کہ ہر شخص اس وقت گھر پہنچ کر افطار کرنے کی خواہش رکھتا ہے اسی لیے بازاروں اور سڑکوں پر بھیڑ بڑھ جاتی ہے، نتیجتاً حادثات بھی پیش آتے ہیں، بسا اوقات آگے نکلنے کی خواہش میں گالم گلوچ اور لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے، افطار کا ثواب اپنی جگہ یہ ثواب تو سڑک پر بھی حاصل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن گھر پہنچنے کی جلدی میں جھگڑا فساد کرنا تو بڑا گناہ ہے، سارے دن روزہ رکھ کر آخری وقت میں اس کا ثواب ضائع کردینا کہاں کی دانائی ہے، کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اتنے پہلے افطار کے لیے نکلا جائے کہ وقت سے پہلے پہلے پہنچنا ہوجائے اور اگر کسی وجہ سے بھیڑ میں پھنس جائے تو مشتعل نہ ہو؛ بلکہ صبر کرے، اس

کا اجر الگ ہوگا ان شاء اللہ، افطار میں بھی وقار وسکون کے ساتھ مشغول ہونا چاہیے، بھوکوں اور ندیدوں کی طرح کھانے پر نہ گرنا چاہیے اور نہ اتنا ٹھونس ٹھونس کر کھانا چاہیے کہ مغرب کی نماز کے لیے بھی نہ اُٹھ سکے اور تراویح بھی گول ہوجائے، یا اگر نماز میں بہ مشکل تمام کھڑا بھی ہوجائے تو ڈکاریں لے لے کر نمازیوں کا ناک میں دم کردے۔

روزہ سے متعلق چند مزید ضروری مسائل:

روزے کے فدیہ کی مقدار:

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہے لیکن وہ آئندہ روزے رکھنے پر قدرت رکھتا ہے، اگر چہ وقفہ وقفہ سے کیوں نہ ہو، تو اس کے ذمہ قضاء روزے رکھنا ہی ضروری ہے، فدیہ ادا کرنے سے ذمہ ختم نہیں ہوگا، لیکن اگر اس کے ذمہ قضا روزے باقی ہوں اور اس کا انتقال ہوجائے، یا وہ اس قدر بیمار ہوجائے کہ اس کے صحت یاب ہونے کی امید نہ رہے یا شدید بڑھاپا آجائے، تو ایسے حددرجہ عمر رسیدہ شخص کی طرف سے اس کے قضاء روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا، جس کی مقدار ہر روزے کے بدلے پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

(قوله: والشيخ الفاني الذي لا يقدر على الصوم يفطر ويطعم لكل يوم مسكينا نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو صاعا من شعير كما يطعم في الكفارات) الفاني الذي قرب إلى الفناء أو فنيت قوته وكذا العجوز مثله فإن قلت ما الحاجة إلى قوله كما يطعم في الكفارات وقد ذكر قدر الإطعام قلت يفيدان الإباحة بالتغدية والتعشية والقيمة في ذلك جائز. (كتاب الصوم: ١٤٣/١، ط: المطبعة الخيرية)

روزہ میں انجکشن یا ڈرپ لگانے کا حکم:

واضح رہے کہ روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے چاہے گوشت میں لگوایا جائے یا رگ میں، اسی طرح ڈرپ لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، لہذا روزہ کی حالت میں بیماری کی وجہ سے انجکشن یا ڈرپ لگا سکتے ہیں، بلا ضرورت طاقت کے انجکشن اور ڈرپ لگانا مکروہ ہے۔ فتاوی شامی میں ہے:

(قوله وإن وجد طعمه في حلقه) أي طعم الكحل أو الدهن كما في السراج، وكذا لو بزق فوجد لونه في الأصح بحر، قال في النهر لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ. (کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ: ۳۹۵/۲، ط: سعید)

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشايخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ لا لكونه رطبا أو يابسا حتى إذا علم أن اليابس وصل يفسد صومه، ولو علم أن الرطب لم يصل لم يفسد هكذا في العناية، وإذا لم يعلم أحدهما، وكان الدواء رطبا فعند أبي حنيفة – رحمه الله تعالى – يفطر للوصول عادة وقالا لا لعدم العلم به فلا يفطر بالشك، وإن كان يابسا فلا فطر اتفاقا هكذا في فتح القدير. (کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد: ۱/۲۰۱، ط: رشیدیہ)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه، أما إذا وصل إلى الجوف فلاشكّ فيه لوجود الأكل من حيث الصورة، وكذا إذا وصل إلى الدماغ لأن له منفذا إلى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف. (کتاب الصوم، فصل فی فساد الصوم: ۲/۲۴۳، ط: رشیدیہ)

روزہ کی حالت میں اِنہیلر وغیرہ کا استعمال:

جاننا چاہیے کہ پمپ (اِنہیلر وغیرہ) کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے روزہ کی حالت میں پمپ کا استعمال نہیں کرسکتے۔ تاہم مریض کو شدید تکلیف ہو تو وہ اِنہیلر استعمال کرلے، اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، بعد میں اس روزے کی قضا کرنی ہوگی۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله: لو أدخل حلقه الدخان) أي بأي صورة كان الإدخال (أفطر أي دخان كان).

(باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد: ۲/۳۹۵، ط: ایچ ایم سعید)

روزے کی حالت میں ڈائیلیسز کروانے کا حکم:

ڈائیلیسز (خون کی صفائی) کروانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیوں کہ گردے کی کمزوری وغیرہ اعذار کی بنا پر مشین کے ذریعہ خون کی صفائی کروانے سے کوئی چیز معتاد راستے سے جوف معدہ یا دماغ میں داخل نہیں ہوتی، اس لیے روزہ کی حالت میں ڈائیلیسز کروانا جائز ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: لأنه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن، و المفطر إنما هو الداخل من المنافذ للإتفاق علی أن من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه أنه لا یفطر، و إنما کره الإمام.(۲/ ۳۹۵)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

و ما یدخل من مسام البدن من الدهن لا یفطر.(۱/ ۲۰۳)

روزہ کی حالت میں بھاپ لینے کا حکم:

بھاپ لینے کی وجہ سے پانی بخارات میں تبدیل ہو کر ناک کے راستے سے چوں کہ پیٹ کے اندر چلا جاتا ہے اس وجہ سے روزہ کی حالت میں بھاپ لینے کی اجازت نہیں ہے، اور اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أی دخان کان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاکرًا؛ لإمکان التحرز عنه، فلیتنبه له کما بسطه الشرنبلالی.(الدر:۲/۳۹۵، ط: سعید)

شوگر کے مریض کا روزے میں انسولین لگانا:

انسولین چوں کہ کھال میں لگانے کا انجکشن ہے اور روزہ کی حالت میں کھال یا گوشت وغیرہ میں انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لیے روزہ کی حالت میں انسولین لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس لیے شوگر کے مریض روزے کی حالت میں انسولین لگا سکتے ہیں۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال فی النهر؛ لأن الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی أن من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه أنه لا یفطر.(الفتاوی الشامیة:۲/۳۹۵، ط:سعید)

روزہ کی حالت میں برش کرنے کا حکم:

روزے کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ (Tooth paste) یا منجن وغیرہ لگا کر برش کرنا مکروہ ہے، البتہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ لیکن اگر منجن / (Tooth paste) وغیرہ کے ذرات حلق سے نیچے چلے گئے تو

پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔

الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار): ۴۱۶/۲):

(و) كره (مضغ علك) أبيض ممضوغ ملتئم، وإلا فيفطر، وكره للمفطرين إلا في الخلوة بعذر وقيل يباح ويستحب للنساء لأنه سواكهن فتح.

(قوله: وكره مضغ علك) نص عليه مع دخوله في قوله وكره ذوق شيء ومضغه بلا عذر؛ لأن العذر فيه لا يتضح، فذكر مطلقا بلا عذر اهتماما رملي.قلت: ولأن العادة مضغه خصوصا للنساء؛ لأنه سواكهن كما يأتي فكان مظنة عدم الكراهة في الصيام لتوهم أن ذلك عذر (قوله أبيض إلخ) قيد بذلك؛ لأن الأسود وغير الممضوغ وغير الملتئم، يصل منه شيء إلى الجوف، وأطلق محمد المسألة وحملها الكمال تبعا للمتأخرين على ذلك قال للقطع بأنه معلل بعدم الوصول، فإن كان مما يصل عادة حكم بالفساد؛ لأنه كالمتيقن (قوله: وكره للمفطرين)؛ لأن الدليل أعني التشبه بالنساء، يقتضي الكراهة في حقهم خاليا عن المعارض فتح وظاهره أنها تحريمية ط (قوله: إلا في الخلوة بعذر) كذا في المعراج عن البزدوي والمحبوبي (قوله: وقيل يباح) هو قول فخر الإسلام حيث قال وفي كلام محمد إشارة إلى أنه لا يكره لغير الصائم، ولكن يستحب للرجال تركه إلا لعذر مثل أن يكون في فمه بخر إلخ (قوله لأنه سواكهن)؛ لأن بنيتهن ضعيفة قد لا تحتمل السواك فيخشى على اللثة والسن منه فتح.

روزہ کی حالت میں احتلام ہوجانا:

روزہ دار کو سونے کی حالت میں احتلام ہوجائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ بلکہ روزہ صحیح ہے، البتہ جتنا جلد ممکن ہو غسل کرلے، بلاوجہ غسل میں تاخیر نہ کرے، تاکہ روزے کا زیادہ سے زیادہ وقت پاکی میں گزرے۔ فتاوی شامی میں ہے: (أو احتلم أو أنزل بنظر)...... (لم يفطر)، جواب الشرط.

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم: ۳۹۶/۲، ط: سعید)

روزہ اور اس کے متعلقات کے سلسلے میں مزید احکام ومسائل کے لیے بندہ کی کتاب "انوارات رمضان المبارک" سے "تحفۂ روزہ" (۴۵ تا ۶۴) کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

☆......☆......☆



تراویح



تراویح: رمضان المبارک کی اہم ترین عبادت

روزے کے بعد اس مہینے کی اہم ترین عبادت "نمازِ تراویح" ہے، اس نماز کی بھی بڑی فضیلت ہے، بے شمار روایات میں روزے اور نمازِ تراویح کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

تراویح:

رمضان کے مہینہ میں عشاء کے فرضوں سے فارغ ہو کر جو ساری دنیا کے مسلمان مسجدوں میں جمع ہو کر بیس رکعات نماز پڑھتے ہیں اس کو "تراویح" کہتے ہیں، رمضان المبارک تو ہے ہی روزے، نماز اور نیک کاموں کے لیے ،اس لیے ظاہر ہے کہ جتنی نمازیں ہم دوسرے مہینوں میں پڑھتے ہیں اگر اتنی ہی رمضان میں بھی پڑھتے رہے تو ہم نے رمضان کی کیا قدر کی، خدا سے ہماری وفاداری اور بندگی کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب اُس نے اعلان کیا کہ "نیکیاں کرنے والے آگے بڑھیں" تو ہم فوراً آگے بڑھیں اور اپنے تمام نیک کاموں کو بہت زیادہ کر دیں۔

نمازِ تراویح کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الإيمان، باب تطوع قيام رمضان من الإيمان، ۲۲/۱، الرقم: ۳۷، ومسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان، ۵۲۳/۱، الرقم: ۷۵۹)

"جس نے رمضان میں بحالتِ ایمان ثواب کی نیت سے قیام کیا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے گئے"۔

تشریح:

حضرات علماء نے لکھا ہے کہ اس سے تراویح کی نماز مراد ہے، جو لوگ تراویح کی پابندی کرتے ہیں اور اس ثواب میں شامل ہیں، تراویح کی نمازیوں تو اگر کوئی اپنے گھر پر ہی پڑھ لے تب بھی ہو جائے گی؛ مگر ثواب میں بہت کمی ہوگی اور تجربہ یہ ہے کہ اگر جماعت کی پابندی نہ کی جائے تو اکثر اوقات نماز ہی کی

پابندی مشکل ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم ﷺ کے زمانے میں بہت سارے صحابۂ کرامؓ کی موجودگی میں جماعت ہی سے تراویح پڑھنے کا فیصلہ ہو گیا تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے کی اسلامی حکومت کے تمام شہروں اور قصبات میں اعلان کرادیا تھا کہ سب لوگ پابندی سے تراویح پڑھا کریں۔ (العرف الشذی: ۴۴۷، بحوالہ طبقات ابن سعد)

تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ رمضان کے مبارک مہینے میں سستی اور کاہلی پاس نہ آنے دیں اور ہمت کر کے پابندی سے جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کریں، سال بھر تو عشاء پڑھ کر آرام سے سوتے ہی ہیں، اگر ایک مہینے جاگ ہی لیے تو کونسا مشکل کام ہے اور پھر وہ بھی تمام رات جاگنا نہیں؛ بلکہ رات کا شاید چھٹا یا ساتواں حصہ بھی مشکل سے بیٹھتا ہے۔

تراویح کے معنی:

بہر حال! جاننا چاہیے کہ صحیح البخاری کی مشہور و معروف شرح لکھنے والے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ تراویح، ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی: ایک دفعہ آرام کرنا ہے، جیسے تسلیمہ کے معنی ایک دفعہ سلام پھیرنا۔ رمضان المبارک کی راتوں میں نمازِ عشاء کے بعد باجماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے؛ کیونکہ صحابۂ کرام کا اتفاق اس امر پر ہو گیا کہ ہر دو سلاموں (یعنی چار رکعت) کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔
(فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح)

مذکورہ حدیث پاک میں ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شہرت اور دکھاوے کے لیے نہیں؛ بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے عبادت کی جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی دوسرے مہینوں پر فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.**

(أخرجه النسائي في السنن، كتاب الصيام، باب ذكر اختلاف يحيى بن أبي كثير والنضر بن شيبان، ١٥٨/٤، الرقم: ٢٢٠٨، وابن ماجه في السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في قيام شهر رمضان، ٤٢١/١، الرقم: ١٣٢٨، والبيهقي في شعب الإيمان، ٣١٤/٣، الرقم: ٣٦٣٥، وابن خزيمة في الصحيح، ٣٣٥/٣، الرقم: ٢٢٠١)

”جو شخص رمضان المبارک میں ایمان و اخلاص کے ساتھ قیام کرتا ہے (یعنی تراویح یا تہجد پڑھتا ہے) وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہو“۔

تراویح؛ سنتِ مؤکدہ ہے:

حضرت نضر بن شیبان رحمہ اللہ سے مروی ہے:

لَقِيتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ: حَدِّثْنِي بِحَدِيثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ أَبِيكَ يَذْكُرُهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، قَالَ: نَعَمْ، حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذَكَرَ شَهْرَ رَمَضَانَ فَقَالَ: شَهْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ، فَمَنْ صَامَهُ وَقَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.

(أخرجه ابن ماجه في السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في قيام شهر رمضان، ۱/۴۲۱، الرقم:۱۳۲۸، وابن أبي شيبة في المصنف، ۲/۱۶۵، الرقم:۷۷۰۵، وأبو يعلى في المسند، ۲/۱۷۰، الرقم:۸۶۵، وأبوداوٗد الطيالسي في المسند:۳۰، الرقم:۲۲۴، والشاشي في المسند، ۱/۲۷۳، الرقم:۲۴۱)

”میں نے ابو سلمہ ابن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ سے ملاقات کی تو ان سے کہا: آپ مجھے کوئی ایسی حدیث بیان فرمائیے جو آپ نے اپنے والد ماجد (حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ) سے رمضان کے متعلق سنی ہو، آپ نے فرمایا: اچھا! مجھے میرے والدِ گرامی نے حدیث بیان کی، نبی اکرم ﷺ نے ماہِ رمضان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ ایسا مہینہ ہے جس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیے ہیں اور میں نے تمہارے لیے اس کے قیام (نمازِ تراویح) کو سنت قرار دیا ہے، پس جو شخص ایمان اور حصولِ ثواب کی نیت کے ساتھ ماہِ رمضان کے روزے رکھتا ہے اور اس کی راتوں میں قیام کرتا ہے وہ گناہوں سے یوں پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ اس دن تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا“۔

تشریح:

اس حدیث میں تراویح کے لیے سنت کا لفظ آیا ہے، اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ تراویح صرف مسنون عمل ہے، کوئی شخص پڑھے یا نہ پڑھے، فقہائے کرامؒ نے اس کی تصریح فرمادی ہے کہ سنت سے یہاں مراد ”سنتِ مؤکدہ“ ہے۔

اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور یہ بیس رکعات حضرت نبی اکرم ﷺ سے ثابت

ہے؛ چنانچہ صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ایک قول کے مطابق امام مالکؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ تراویح کی بیس رکعات ہیں، چودہ سو سال سے آج تک اسی پر عمل ہوتا رہا ہے، کرونا وائرس سے پہلے تک حرمین شریفین میں بھی بیس رکعات تراویح پڑھنے کا معمول رہا ہے ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔(مصنف ابن أبی شیبة:۱۶۳/۲، رقم الحدیث:۷۶۸۰،سنن البیهقی :۴۹۶/۲، رقم الحدیث:۴۳۹۱، المعجم الکبیر:۳۹۳/۱۱، رقم الحدیث:۱۲۱۰۲)

خلفائے راشدین کے عہدِ میمون میں بھی بیس رکعات کا ہی معمول رہا؛ جیسا کہ حضرت یزید بن رومانؒ کی روایت میں ہے کہ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان میں بیس رکعات (تراویح) اور تین (رکعت) وتر پڑھا کرتے تھے۔(مؤطا امام مالک:۴۰)

ان شاءاللہ اس پر تفصیلی بحث آئندہ اوراق میں مستقل عنوان کے تحت آرہی ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بہر حال !رمضان المبارک کے پورے مہینے میں روزآنہ بیس رکعت تراویح مرد وعورت دونوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے، بلا عذر تراویح چھوڑنے والا یا بیس رکعات سے کم پڑھنے والا گنہ گار ہوگا، تراویح کی دو رکعتیں ایک سلام سے ادا کی جائیں، اگر چہ چار رکعتیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں، تراویح میں ایک مرتبہ مکمل قرآن کریم پڑھنا یا سننا بھی سنت ہے، مردوں کے لیے تراویح باجماعت مسنون ہے، خواتین بلا جماعت گھر کے اندر تراویح کی نماز ادا کریں۔

قیام اللیل کی اہمیت:

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ، فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ، وَهُوَ قُرْبَةٌ إِلٰى رَبِّكُمْ، وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَمَنْهَاةٌ لِلْإِثْمِ. (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب الدعوات، باب فی دعاء النبی ﷺ، ۵۵۲/۵، الرقم:۳۵۴۹، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۹۲/۸، الرقم:۷۷۶۶، والحاکم فی المستدرک، ۴۵۱/۱، الرقم:۱۱۵۶، والبیهقی فی السنن الکبری، ۵۰۲/۲، الرقم:۴۴۲۳)

”رات کا قیام اپنے اوپر لازم کرلو کہ وہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور تمہارے لیے

قربِ خداوندی کا باعث ہے، برائیوں کو مٹانے والا اور گناہوں سے روکنے والا ہے"۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَإِذَا أُنَاسٌ فِيْ رَمَضَانَ يُصَلُّوْنَ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ: مَا هٰؤُلَاءِ؟ فَقِيْلَ: هٰؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمْ قُرْآنٌ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَصَابُوْا وَنِعْمَ مَا صَنَعُوْا.

وفي رواية للبيهقي: قَالَ: قَدْ أَحْسَنُوْا أَوْ قَدْ أَصَابُوْا وَلَمْ يَكْرَهْ ذٰلِكَ لَهُمْ.

(أخرجه أبو داود في السنن، كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان، ٢/٠٥، الرقم: ١٣٧٧، وابن خزيمة في الصحيح، ٣/٣٣٩، الرقم: ٢٢٠٨، وابن حبان في الصحيح، ٦/٢٨٢، الرقم: ٢٥٤١، والبيهقي في السنن الكبرى، ٢/٤٩٥، الرقم: ٤٣٨٦، وابن عبد البر في التمهيد، ٨/١١١، وابن قدامة في المغني، ١/٤٥٥)

"حضرت نبی اکرم ﷺ (حجرۂ مبارک سے) باہر تشریف لائے تو (آپ ﷺ نے دیکھا کہ) رمضان المبارک میں لوگ مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے دریافت فرمایا: یہ کون ہیں؟ عرض کیا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن پاک یاد نہیں۔ حضرت اُبی بن کعب نماز پڑھتے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انہوں نے درست کیا اور کتنا ہی اچھا عمل ہے جو انہوں نے کیا۔

اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے، فرمایا: "انہوں نے کتنا احسن اقدام یا کتنا اچھا عمل کیا اور ان کے اس عمل کو نبی اکرم ﷺ نے ناپسند نہیں فرمایا"۔

نمازِ تراویح اور اس کی تعدادِ رکعات:

حضرت نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں اُمت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ نمازِ تراویح فرض نہیں؛ بلکہ سنت مؤکدہ ہے۔ البتہ چودہ سو (۱۴۰۰) سال سے جاری عمل کے خلاف بعض حضرات ۲۰/رکعت نمازِ تراویح کو بدعت یا خلافِ سنت قرار دینے میں ہر سال رمضان اور رمضان سے قبل اپنی صلاحیتوں کا بیشتر حصہ صرف کرتے ہیں، جس سے اُمتِ مسلمہ کے عام طبقہ میں انتشار پیدا ہوتا ہے؛ حالانکہ اگر کوئی شخص ۸/ کی جگہ ۲۰/ رکعت پڑھ رہا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہی تو ہے؛ کیونکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ساری اُمتِ مسلمہ متفق ہے کہ رمضان کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے، نیز امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کے عہدِ خلافت سے اُمتِ مسلمہ جماعت کے ساتھ ۲۰رہی رکعت تراویح پڑھتی آئی ہے، حرمین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں آج تک کبھی بھی ۸ر رکعت تراویح نہیں پڑھی گئیں۔

اس موضوع سے متعلق احادیث کا جتنا بھی ذخیرہ موجود ہے، کسی بھی ایک صحیح، معتبر، اور غیر قابل نقد و جرح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے تراویح کی تعداد رکعت کا واضح ثبوت نہیں ملتا ہے، اگرچہ بعض احادیث میں، جن کی سند میں یقیناً کچھ ضعف موجود ہے ۲۰ر رکعت کا ذکر ملتا ہے۔

خلیفۂ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق ﷜ کے دور حکومت میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام ہوا، جیسا کہ محدثین، فقہاء، مورخین اور علماء کرام نے تسلیم کیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ﷜ نے سب صحابہ کو حضرت ابی بن کعب ﷜ کی امامت میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ﷜ ان خلفاء راشدین میں سے ہیں، جن کی بابت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسی کو ڈاڑھوں سے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ڈاڑھوں کا ذکر اس لیے کیا کہ ڈاڑھوں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے؛ لہٰذا حضرت عمر فاروق ﷜ کا یہ اقدام عینِ سنت ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲/۴۰۱، ۲۲/۲۲۴)

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی (قیام اللیل کے سلسلے میں) آٹھ رکعت والی روایت، تو یاد رہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۷ یا ۵۸ ہجری میں ہوئی اور حضرت عمر فاروق ﷜ نے ۱۵ ہجری میں تراویح کی جماعت حضرت ابی ابن کعب ﷜ کی امامت میں باقاعدہ شروع فرمائی، اگر بیس رکعت تراویح کا عمل بدعت ہوتا تو ۴۲ر سال کے طویل عرصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آٹھ رکعت والی حدیث کو بیس رکعت پڑھنے والوں کے خلاف پیش کرنا ثابت ہوتا؛ حالانکہ ایسا نہیں ہوا؛ بلکہ سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد نبوی کے مشہور مدرّس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی الشیخ عطیہ محمد سالمؒ نے نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷜ کے عہد خلافت سے آج تک حرمین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں کبھی بھی ۲۰ر سے کم تراویح نہیں پڑھی گئیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

یہاں پہلے ہی ایک بات ذرا وضاحت سے جانتے چلیے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ۲۰ر رکعات

تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، یہ حضرت عمرؓ نے شروع کرائی ہے، یہ بات غلط ہے۔

ایک ہے ۲۰؍رکعت تراویح اور ایک ہے ۲۰؍رکعت تراویح کی جماعت اور ایک ہے ۲۰؍رکعت تراویح پورا مہینہ باجماعت۔ نبی اکرم ﷺ سے ۲۰؍رکعت بھی ثابت ہے، ۲۰؍رکعت کی جماعت بھی ثابت ہے، ہاں! ۲۰؍رکعت پورا مہینہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ہے۔

پورے مہینہ سے مراد کہ سارے لوگ ایک امام کے پیچھے کھڑے ہو کر تراویح پورے مہینہ پڑھیں؛ ورنہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں تراویح ہو رہی تھی، باجماعت ہو رہی تھی؛ لیکن یوں نہیں کہ سب ایک امام کے پیچھے پڑھ رہے ہوں؛ بلکہ چھ (۶) کہیں، دس (۱۰) کہیں وغیرہ اور یہ صحیح البخاری میں ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب صلوٰۃ التراویح: ۲۶۹/۱، رقم الحدیث: ۱۹۶۵، مع الحاشیہ)

آگے تفصیل سے آرہا ہے کہ حضرت عمرؓ جب رات کو نکلے ہیں تو آپ نے دیکھا کہ لوگ تراویح پڑھ رہے ہیں تین (۳) کہیں، کچھ کہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان سب کو ایک امام کے پیچھے جمع کردوں، یہ لوگ الگ الگ جماعت نہ کرائیں؛ بلکہ ایک ہی جماعت بڑی ہو، تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ہے۔

اور یہ بات ذہن میں رکھنا کہ ہم پھر بھی ۲۰؍رکعت تراویح کو باجماعت سنت کہتے ہیں، تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ سنت تو وہ ہے: مَا وَاظَبَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ. "جس پر نبی ﷺ کا دوام ہو"، تو نبی اکرم ﷺ کا دوام تو نہیں ہے، پھر آپ نے اس کو سنت کیسے کہہ دیا؟

تو یہ ذہن میں رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں ۲۳، ۲۵، ۲۷ کی رات کو جماعت کرائی اور ۲۸؍کی رات کو جماعت نہیں کرائی؛ بلکہ عشاء پڑھا کر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے، جس میں آپ ﷺ اعتکاف فرما رہے تھے، صحابۂ کرامؓ خیمہ کے باہر کھڑے رہے، مگر آپ ﷺ باہر تشریف نہ لائے، صبح فجر کی نماز میں بہت مختصر سا خطبہ دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے علم میں ہے کہ تم رات میرے خیمہ کے باہر کھڑے تھے، میں باہر کیوں نہیں آیا؟ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ. (صحیح البخاری، کتاب التہجد: ۱۵۲/۱، رقم: ۱۱۱۷)

"اگر میں تراویح پورا مہینہ جماعت کے ساتھ کرادیتا تو مجھے خدشہ تھا کہ تراویح تمہارے اوپر فرض ہوجاتی"۔

تو رسول اللہ ﷺ پورے مہینہ جماعت کے ساتھ تراویح کراتے تو فرض ہوتی، حضرت عمرؓ نے پورا مہینہ جماعت کروائی، حکم دیا، اہتمام کروایا، تو اس سے فرض نہیں ہوئی؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کی جو خواہش ہے پورے مہینہ تراویح باجماعت کی وہ حضرت عمرؓ نے پوری فرمادی ہے۔

تو یہ نبیٔ اکرم ﷺ کی خواہش ہے؛ لہٰذا اس کو سنت ہی کہا جائے گا کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا؛ لہٰذا تراویح ۲۰؍رکعت ہے، باجماعت ہے اور پورا مہینہ ہے۔

نمازِ تراویح کی تعدادِ رکعت اور اختلافِ اُمت:

تراویح کی تعدادِ رکعت کے سلسلہ میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ تراویح پڑھنے کی اگرچہ بہت فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے؛ لیکن فرض نہ ہونے کی وجہ سے تراویح کی تعدادِ رکعت میں یقیناً گنجائش ہے۔ جمہور محدثین اور فقہاء کی رائے ہے کہ تراویح ۲۰؍رکعت پڑھنی چاہئیں۔ تراویح کی تعدادِ رکعت میں علماء کرام کے درمیان اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا دو الگ الگ نمازیں۔ جمہور محدثین، فقہائے کرام نے اِن دونوں نمازوں کو الگ الگ نماز قرار دیا ہے، اُن کے نقطۂ نظر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جس کے انہوں نے مختلف دلائل دیے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) امام بخاریؒ نے اپنی مشہور کتاب (صحیح البخاری) میں نمازِ تہجد کا ذکر (کتاب التہجد) میں؛ جبکہ نمازِ تراویح کو (کتاب صلاۃ التراویح) میں ذکر کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں، جیسا کہ جمہور علماء اور ائمۂ اربعہ نے فرمایا ہے، اگر دونوں ایک ہی نماز ہوتی تو امام بخاریؒ کو دو الگ الگ باب باندھنے کی کیوں ضرورت محسوس ہوتی۔ حضرت عائشہؓ والی حدیث کتاب التہجد میں ذکر فرما کر امام بخاریؒ نے ثابت کردیا کہ اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے۔

(۲) تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، اور اِس حدیث میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے۔

(۳) اگر حضرت عائشہؓ کے فرمان کا تعلق تراویح کی نماز سے ہے تو حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں جب باضابطہ جماعت کے ساتھ ۲۰؍رکعت تراویح کا اہتمام ہوا تو کسی بھی صحابی نے اِس پر کوئی تنقید

کیوں نہیں کی؟ (دنیا کی کسی کتاب میں، کسی زبان میں بھی، کسی ایک صحابی کا حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں ۲۰/رکعت تراویح کے شروع ہونے پر کوئی اعتراض مذکور نہیں ہے) اگر ایسی واضح حدیث تراویح کی تعداد کے متعلق ہوتی تو حضرت عمر فاروق ؓ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کیسے ہمت ہوتی کہ ۸/ رکعت تراویح کی جگہ ۲۰/رکعت تراویح شروع کردیتے۔ صحابۂ کرام تو ایک ذرا سی چیز میں بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ یقیناً صحابۂ کرامؓ میں ہم سے بہت زیادہ تھا؛ بلکہ ہم (یعنی آج کے مسلمان) صحابہ کی سنتوں پر عمل کرنے کے جذبے اپنا کوئی مقارنہ بھی نہیں کرسکتے۔ نیز نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: تم خلفائے راشدین کی سنتوں کو بھی مضبوطی سے پکڑلو۔ (سنن ابن ماجہ)

(۴) اگر اس حدیث کا تعلق واقعی تراویح کی نماز سے ہے (اور تہجد و تراویح ایک نماز ہے) تو رمضان کے آخری عشرہ میں نمازِ تراویح پڑھنے کے بعد تہجد کی نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت (جس میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے) میں لفظِ تراویح کا ذکر نہیں ہے؛ لہٰذا اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے؛ کیونکہ محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے، نہ کہ تراویح کے باب میں۔

(ملاحظہ ہو: صحیح مسلم: ۱/۱۵۴، سنن ابو داؤد: ۱/۱۹۶، جامع الترمذی: ۱/۵۸، سنن النسائی: ۱/۱۵۴، موطا امام مالک: ۴۲)

علامہ شمس الدین کرمانی رحمہ اللہ (شارحِ بخاری) تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کے بارے میں ہے اور حضرت ابو سلمہؓ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہؓ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔

(الکوکب الدراری شرح صحیح البخاری: ۱/۱۵۵، ۱۵۶)

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کی نماز پر محمول ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی: ۱۲۵)

نمازِ تراویح حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں:

حضرت عروہ بن زُبیر رحمہ اللہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَصَلّٰى بِصَلَاتِهٖ نَاسٌ، ثُمَّ صَلّٰى مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ اَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ اِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ: قَدْ رَاَيْتُ الَّذِيْ صَنَعْتُمْ وَلَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَيْكُمْ اِلَّا اَنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ، وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَاَخْرَجَ الْعَسْقَلَانِيُّ فِي "التَّلْخِيْصِ": اَنَّهٗ ﷺ صَلّٰى بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً لَيْلَتَيْنِ فَلَمَّا كَانَ فِي اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ اجْتَمَعَ النَّاسُ فَلَمْ يَخْرُجْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ مِنَ الْغَدِ: خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَلَا تُطِيْقُوْهَا.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ١/ ٣٨٠، الرقم: ١٠٧٧، ومسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، ١/ ٥٢٤، الرقم: ٧٦١، وأبو داود في السنن، كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان، ٢/ ٤٩، الرقم: ١٣٧٣، والنسائي في السنن، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب قيام شهر رمضان، ٣/ ٢٠٢، الرقم: ١٦٠٤، وأحمد بن حنبل في المسند، ٦/ ١٧٧، الرقم: ٢٥٤٨٥، وابن حبان في الصحيح، ٦/ ٢٨٣، الرقم: ٢٥٤٢، والبيهقي في السنن الكبرى، ٢/ ٤٩٢، الرقم: ٤٣٧٧، والعسقلاني في تلخيص الحبير، ٢/ ٢١، الرقم: ٥٤٠)

''ایک رات رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی تو لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر آپ نے اگلی رات نماز پڑھی تو لوگ اور زیادہ ہو گئے۔ پھر تیسری یا چوتھی رات بھی لوگ اکٹھے ہوئے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ ان کی طرف تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: جو تم نے کیا میں نے دیکھا؛ لیکن مجھے تمہارے پاس آنے سے صرف یہ خوف مانع تھا کہ کہیں تم پر یہ نمازِ تراویح فرض نہ ہو جائے۔ یہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''تلخیص'' میں بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو دو راتیں ۲۰ رکعت نمازِ تراویح پڑھائی جب تیسری رات لوگ پھر جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ ان کی طرف (حجرۂ مبارک سے باہر) تشریف نہیں لائے۔ پھر صبح آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں (نمازِ تراویح) تم پر فرض کر دی جائے؛ لیکن تم اس کی طاقت نہ رکھو''۔

حضرت عروہؒ سے روایت ہے کہ اُنہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ـ صلى الله عليه وآله وسلم ـ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ، وَصَلّٰى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا، فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ، فَصَلّٰى فَصَلَّوْا مَعَهُ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا، فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ صلى الله عليه وآله وسلم ـ فَصَلّٰى فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتّٰى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ، فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّي خَشِيْتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ صلى الله عليه وآله وسلم ـ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ. (أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۷۰۸/۲، الرقم: ۱۹۰۸، وأيضاً في كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء أما بعد، ۳۱۳/۱، الرقم: ۸۸۲، وابن خزيمة في الصحيح، ۱۷۲/۲، الرقم: ۱۱۲۸، وابن حبان في الصحيح، ۳۵۳/۱، الرقم: ۱۴۱)

”ایک رات رسول اللہ ﷺ آدھی رات کے وقت باہر تشریف لے گئے اور مسجد میں نماز پڑھنے لگے اور کتنے ہی لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ صبح کے وقت لوگوں نے اس کا چرچا کیا تو دوسرے روز اور زیادہ لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے چرچا کیا۔ پس مسجد میں حاضرین کی تعداد تیسری رات میں اور بڑھ گئی۔ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ نے نماز پڑھی تو لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب چوتھی رات آئی تو نمازی مسجد میں سما نہیں رہے تھے؛ یہاں تک کہ آپ ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ جب نمازِ فجر پڑھ چکے تو لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر شہادتِ توحید و رسالت کے بعد فرمایا: اما بعد! تمہاری موجودگی مجھ سے پوشیدہ نہیں تھی؛ لیکن میں تم پر نمازِ تراویح فرض ہو جانے اور تمہارے اس سے عاجز آ جانے سے ڈرا۔ پس نبی اکرم ﷺ کے وصال تک معاملہ اسی طرح رہا“۔

اور صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت عروہؒ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ـ صلى الله عليه وآله وسلم ـ خَرَجَ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ يَتَحَدَّثُوْنَ بِذٰلِكَ فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ صلى الله عليه وآله وسلم ـ فِي اللَّيْلَةِ الثَّانِيَةِ فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ يَذْكُرُوْنَ ذٰلِكَ فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ

ﷺ فَطَفِقَ رِجَالٌ مِنْهُمْ يَقُوْلُوْنَ: اَلصَّلَاةَ، فَلَمْ يَخْرُجْ اِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَتّٰى خَرَجَ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ، فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ تَشَهَّدَ فَقَالَ: اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ شَاْنُكُمُ اللَّيْلَةَ وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا. (أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، ١/٥٢٤، الرقم:٧٦١، وأحمد بن حنبل في المسند، ٦/١٦٩، الرقم:٢٥٤٠١، وابن راهويه في المسند، ٢/٣٠٤، الرقم:٨٢٧، وابن حبان في الصحيح، ٦/٢٨٤، الرقم:٢٥٤٣، والبيهقي في السنن الكبرى، ٢/٤٩٣، الرقم:٤٣٧٨)

’’نبی اکرم ﷺ آدھی رات کو تشریف لے گئے اور مسجد میں نماز پڑھی، لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنی شروع کردی۔ صبح لوگوں نے آپس میں اس واقعہ کا ذکر کیا تو پہلی بار سے زیادہ لوگ جمع ہوگئے، نبی اکرم ﷺ دوسری رات تشریف لے گئے تو لوگوں نے پھر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی، صبح لوگوں نے پھر اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو تیسری رات مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہوگئے، نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی، چوتھی رات اس کثرت سے صحابہ جمع ہوگئے کہ مسجد تنگ پڑگئی؛ لیکن نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف نہ لائے، لوگوں نے ’’نماز! نماز‘‘ پکارنا شروع کردیا۔ نبی اکرم ﷺ نہیں آئے؛ حتیٰ کہ نمازِ فجر کے وقت تشریف لائے، جب نماز ہوگئی، تو آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد فرمایا: گزشتہ رات تمہارا حال مجھ سے مخفی نہ تھا؛ لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ تم پر رات کی نماز (تراویح) فرض کردی جائے گی اور تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہوجاؤ گے‘‘۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ، مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَ بِعَزِيْمَةٍ، فَيَقُوْلُ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ، ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰى ذٰلِكَ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ٢/٧٠٧، الرقم:١٩٠٥، ومسلم في الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، ١/٥٢٣، الرقم:٧٥٩، والترمذي في السنن، كتاب الصوم، باب الترغيب في قيام رمضان وما جاء فيه من الفضل، ٣/١٧١، الرقم: ٨٠٨، وقال: هذا حديث حسن صحيح، وأبوداود في السنن، كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان، ٢/٤٩، الرقم:١٣٧١،

والنسائی فی السنن، کتاب الصیام، باب ثواب من قام رمضان وصامه إیمانا واحتسابا، ۱۵۴/۴، الرقم:۲۱۹۲، ومالک
فی المؤطا، کتاب الصلاة فی رمضان، باب الترغیب فی الصلاة فی رمضان، ۱۱۳/۱، الرقم:۲۴۹، واحمد بن حنبل
فی المسند، ۲۸۱/۲، الرقم:۷۷۷٤)

''رسول اللہ ﷺ نمازِ تراویح پڑھنے کی رغبت دلایا کرتے تھے؛ لیکن حکماً نہیں فرماتے تھے؛ چنانچہ فرماتے کہ جس نے رمضان المبارک میں حصولِ ثواب کی نیت سے اور حالتِ ایمان کے ساتھ قیام کیا تو اس کے سابقہ (تمام) گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے وصالِ مبارک تک نمازِ تراویح کی یہی صورت برقرار رہی اور خلافتِ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں اور پھر خلافتِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شروع تک یہی صورت برقرار رہی''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں نمازِ تراویح جماعت سے پڑھنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، صرف ترغیب دی جاتی تھی؛ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یقیناً تبدیلی ہوئی ہے، اس تبدیلی کی وضاحت آگے محدثین اور فقہائے کرام کی تحریروں کی روشنی میں آ رہی ہے۔

امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنے مشہور کتاب (قیام اللیل:۹۱اور۹۲) میں قیامِ رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں؛ مگر مذکورہ بالا حدیثِ عائشہؓ نقل نہیں فرمائی؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی مشہور ومعروف کتاب (زاد المعاد:۸۶) میں یہ حدیث قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں نقل فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبیؒ کا یہ قول بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے کہ بہت سے اہلِ علم حضرات اس روایت کو مضطرب مانتے ہیں۔

(دیکھیے: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ۱۸۷/۷)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يُصَلِّ بِنَا، حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ مِنَ الشَّهْرِ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا فِي السَّادِسَةِ، وَقَامَ بِنَا فِي الْخَامِسَةِ حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ، فَقُلْنَا لَهٗ:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، لَوْ نَفَّلْتَنَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِنَا هٰذِهٖ؟ فَقَالَ: إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ، ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثَلَاثٌ مِنَ الشَّهْرِ وَصَلّٰى بِنَا فِي الثَّالِثَةِ وَدَعَا أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ، فَقَامَ بِنَا حَتّٰى تَخَوَّفْنَا الْفَلَاحَ، قُلْتُ لَهُ: وَمَا الْفَلَاحُ؟ قَالَ: اَلسُّحُوْرُ. (أخرجه الترمذي في السنن، كتاب الصوم، باب ما جاء في قيام شهر رمضان، ۱۶۹/۳-۱۷۰، الرقم:۸۰۶، وأبو داود في السنن، كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان، ۵۰/۲، الرقم:۱۳۷۵، والنسائي في السنن، كتاب السهو، باب ثواب من صلى مع الإمام حتى ينصرف، ۸۳/۳، الرقم:۱۳۶۴، وأيضاً في كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب قيام شهر رمضان، ۲۰۲/۳، الرقم:۱۶۰۵، وابن ماجه في السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في قيام شهر رمضان، ۴۲۰/۱، الرقم:۱۳۲۷، وابن أبي شيبة في المصنف، ۱۶۴/۲، الرقم:۷۶۹۵، وابن خزيمة في الصحيح، ۳۳۷/۳، الرقم:۲۲۰۶، وجعفر بن محمد الفريابي في كتاب الصيام:۱۱۷، الرقم:۱۵۳)

’’ہم نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ روزے رکھے، لیکن آپ نے ہمیں نماز (تراویح) نہ پڑھائی، جب رمضان کے سات دن باقی رہ گئے (یعنی ۲۳ ویں رات آئی) تو آپ ﷺ ہمارے ساتھ (نماز پڑھانے کے لیے) کھڑے ہوئے یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی، پھر چوبیسویں رات قیام نہ فرمایا اور پچیسویں رات کو نماز پڑھائی یہاں تک کہ نصف رات گزر گئی۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش آپ باقی راتیں بھی ہمیں نماز پڑھاتے (ہمارے لیے باعثِ سعادت ہوتا)، آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص امام کے ہمراہ (نماز کے لیے) سلام پھیرنے تک کھڑا ہو اس کے لیے پوری رات قیام (کا ثواب) لکھا جاتا ہے، پھر آپ ﷺ نے نماز تراویح نہ پڑھائی یہاں تک کہ تین دن باقی رہ گئے تو آپ نے ستائیسویں شب کو نماز پڑھائی، آپ ﷺ نے اپنے اہلِ بیت و اَزواجِ مطہرات کو بھی بلایا، آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ ہمیں فلاح (کے چھوٹ جانے) کا خوف ہوا۔ (جبیر بن نفیر کہتے ہیں) میں نے حضرت ابوذر ﷛ سے پوچھا: فلاح کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: سحری‘‘۔

حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِي الْمَسْجِدِ فِيْ رَمَضَانَ أَوْزَاعًا، فَأَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَضَرَبْتُ لَهُ حَصِيْرًا، فَصَلّٰى عَلَيْهِ.

(أخرجه أبو داود في السنن، كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان:۲/۵۰، الرقم:۱۳۷۴)

''رمضان المبارک کے مہینے میں لوگ مسجد کے اندر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس نبی اکرم ﷺ نے مجھے حکم فرمایا تو میں نے آپ کے لیے ایک چٹائی بچھادی، سو آپ نے اس پر نماز ادا فرمائی''۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ ﷺ فَإِذَا أُنَاسٌ فِيْ رَمَضَانَ يُصَلُّوْنَ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ: مَا هٰؤُلَاءِ؟ فَقِيْلَ: هٰؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمْ قُرْاٰنٌ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ـ ﷺ: أَصَابُوْا وَنِعْمَ مَا صَنَعُوْا.

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ قَالَ: قَدْ أَحْسَنُوْا أَوْ قَدْ أَصَابُوْا وَلَمْ يَكْرَهْ ذٰلِكَ لَهُمْ.

(أخرجه أبو داؤد في السنن، كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان، ٢/ ٥٠، الرقم:١٣٧٧، وابن خزيمة في الصحيح، ٣/ ٣٣٩، الرقم:٢٢٠٨، وابن حبان في الصحيح، ٦/ ٢٨٢، الرقم:٢٥٤١، والبيهقي في السنن الكبرى، ٢/ ٤٩٥، الرقم:٤٣٨٦، ٤٣٨٨، وابن عبد البر في التمهيد، ٨/ ١١١، وابن قدامة في المغني، ١/ ٤٥٥)

''نبی اکرم ﷺ (حجرۂ مبارک سے) باہر تشریف لائے تو (آپ نے دیکھا کہ) رمضان المبارک میں لوگ مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کون ہیں؟ عرض کیا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن پاک یاد نہیں اور حضرت اُبی بن کعب نماز پڑھتے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انہوں نے درست کیا اور کتنا ہی اچھا عمل ہے جو انہوں نے کیا۔

اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے کتنا اَحسن اقدام یا کتنا اچھا عمل کیا اور ان کے اس عمل کو آپ نے ناپسند نہیں جانا''۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا بیان و مشاہدہ ہے:

خَرَجَ النَّبِيُّ ـ ﷺ ـ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسَ أَرْبَعَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَأَوْتَرَ بِثَلَاثَةٍ.

(تاريخ جرجان، رقم الحديث:٥٥٦)

''نبی اکرم ﷺ رمضان کی ایک رات باہر تشریف لائے اور لوگوں کو چوبیس رکعت (یعنی ۴ رکعت فرض اور ۲۰ رکعات تراویح) اور تین وتر پڑھائے''۔

نمازِ تراویح خلفائے راشدین کے زمانے میں:

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کے عہد میں کتنی تراویح پڑھی جاتی تھیں، احادیثِ صحیحہ میں صحابۂ کرام ؓ کا کوئی واضح عمل مذکور نہیں ہے۔ گویا اس دور کا معمول حسب سابق رہا اور لوگ اپنے طور پر نماز تراویح پڑھتے رہے، غرضیکہ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کے عہدِ خلافت (یعنی دو رمضان) میں نماز تراویح باقاعدہ جماعت کے ساتھ ایک مرتبہ بھی ادا نہیں ہوئی۔

حضرت عمر فاروق ﷛ نے جب اپنے عہدِ خلافت میں لوگوں کو دیکھا کہ تنہا تنہا تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں، تو آپ ﷛ نے سب صحابہ کو حضرت ابی بن کعب ؓ کی امامت میں جمع کیا، اور عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے باجماعت ۲۰ رکعت نماز تراویح میں قرآن کریم مکمل کرنے کا باضابطہ سلسلہ شروع کیا، جیسا کہ آگے تفصیل سے آتا ہے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷛ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَ يُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّيْ أَرٰى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ ﷛: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ، وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ، يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَهٗ.

(أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۷۰۷/۲، الرقم: ۱۹۰۶، ومالك فی الموطأ، کتاب الصلاة فی رمضان، باب الترغیب فی الصلاة فی رمضان، ۱۱۴/۱، الرقم: ۲۵۰، وابن خزیمة فی الصحیح، ۱۵۵/۲، الرقم: ۱۵۵، وعبد الرزاق فی المصنف، ۲۵۸/۴، الرقم: ۷۷۲۳، والبیهقی فی السنن الکبری، ۴۹۳/۱۲، الرقم: ۴۳۷۸، وفی شعب الإیمان، ۱۷۷/۳، الرقم: ۳۲۶۹)

”میں حضرت عمر ﷛ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا، تو لوگ متفرق تھے، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کسی کی اقتداء میں ایک گروہ نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر ﷛ نے فرمایا: میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو اچھا ہوگا، انہوں نے حضرت ابی بن کعب ﷛ کے پیچھے سب کو جمع کر

دیا، پھر میں ایک اور رات ان کے ساتھ نکلا اور لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے (انہیں دیکھ کر) فرمایا: یہ کتنا اچھا طریقہ ہے، اور وہ نماز جس سے لوگ سوئے رہتے ہیں وہ اس سے بہتر ہے جسے لوگ ادا کر رہے ہیں۔ اس بہتر نماز سے آپ کی مراد رات کے آخری پہر کی نماز یعنی نماز تہجد تھی: کیونکہ لوگ اول شب میں قیام (یعنی نمازِ تراویح ادا) کرتے تھے''۔

تشریح:

مناسب معلوم ہوتا کہ اس حدیث پاک کی مختصر تشریح یہاں کر دی جائے۔

(۱) امام بخاریؒ نے اس حدیث کو نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کی مشروعیت ثابت کرنے کے لیے بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اس کی جماعت کا باقاعدہ اہتمام نہیں تھا، وہ اس اندیشے کے پیش نظر کہ مبادا فرض ہو جائے اور لوگ اس سے عاجز آ جائیں، بعد ازاں جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وجوب کا اندیشہ نہ رہا تو باجماعت تراویح کا اہتمام کر دیا گیا، حضرت عمرؓ نے اس سنت کو زندہ کرتے ہوئے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنایا تھا، اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دے دیا۔

(۲) یاد رہے کہ حضرت عمرؓ نے اس فعل کو شاندار بدعت سے اس لیے موسوم کیا کہ ان کے زمانے میں نماز تراویح اس طرح نہیں پڑھی جاتی تھی، اس اعتبار سے ان کے عہد خلافت میں یقیناً یہ نیا کام تھا، لیکن فی الحقیقت یہ کام رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کیا جا چکا تھا۔

اسے بدعت کہنے کی یہ ہرگز وجہ نہ تھی کہ حضرت عمرؓ بدعت کی تقسیم سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتے تھے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک بدعت حسنہ، ایک بدعت سیئہ، جیسا کہ آج کل بعض حضرات کا موقف ہے۔ شریعت کی نظر میں ہر بدعت ہی گمراہی ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد بدعت لغوی ہے شرعی نہیں؛ کیونکہ لغت میں بدعت ہر اس کام کو کہا جاتا ہے جس کی ابتدا پہلی مرتبہ کی گئی ہو، اور شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں: ''دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا، جس کی اصل کتاب وسنت سے نہ ہو، اور جو صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور کے بعد ہوا ہو، اور نبی کریم ﷺ سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو، نہ قولاً، نہ فعلاً، نہ صراحتاً، نہ اشارۃً، اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے''، اس اصطلاحی معنی میں جو بدعت ہو، وہ ہمیشہ سیئہ ہی

ہوتی ہے، حسنہ نہیں ہوتی۔

(۳) یہ بھی یادر ہے کہ امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے فرض نمازوں کی جماعت تو حضرت عمرؓ ہی فرماتے تھے، اور یقیناً رمضان المبارک میں بھی فرائض کی جماعت آپ ہی کرتے ہوں گے، اور درج بالا روایت سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ صحابۂ کرام کا یہ اجتماع رات کے ابتدائی حصے میں یعنی عشاء کے بعد ہوتا تھا، یہ بات حضرت عمرؓ سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھا کر بغیر وجہ کے سب لوگوں کو جماعت سے تراویح ادا کرتا ہوا چھوڑ کر خود تشریف لے جایا کرتے ہوں! اور اگر وہ ایسا کرتے تو روایت میں یہ صراحت ضرور ہوتی کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو تو جمع کیا؛ لیکن خود تراویح کی نماز ادا نہیں کیا کرتے تھے، اس ساری تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مذکورہ روایت کے عمومی الفاظ سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت عمرؓ خود تراویح میں شرکت نہیں فرماتے تھے۔

عمدۃ القاری میں ہے:

(ثم خرجت معه) أي: مع عمر ليلة أخرى، وفيه إشعار بأن عمر۔ رضي الله تعالى عنه۔ كان لا يواظب الصلاة معهم، وكأنه يرى أن الصلاة في بيته أفضل، ولا سيما في آخر الليل، وعن هذا قال الطحاوي: التراويح في البيت أفضل. قوله: (نعم البدعة)، ويروى: (نعمت البدعة)، بزيادة التاء، ويقال: نعم، كلمة تجمع المحاسن كلها، وبئس، كلمة تجمع المساوئ كلها، وإنما دعاها بدعة لأن رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ لم يسنها لهم، ولا كانت في زمن أبي بكر۔ رضي الله تعالى عنه، ورغب رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ فيها بقوله: نعم، ليدل على فضلها، ولئلا يمنع هذا اللقب من فعلها، والبدعة في الأصل أحداث أمر لم يكن في زمن رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ ثم البدعة على نوعين: إن كانت مما يندرج تحت مستحسن في الشرع فهي بدعة حسنة، وإن كانت مما يندرج تحت مستقبح في الشرع فهي بدعة مستقبحة.

(کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۱۱/۱۲۶، ط، دار الفکر)

فیض الباری میں ہے:

واعلم أنه ذهب جماعة من الحنفية إلى أن التراويح في البيت أفضل لمن كان حافظ

القرآن، ومن لا يكون كذلك، فالأفضل له أن يحضر الجماعة يستمع الذكر، وذهب جماعة إلى أن الفضل في حضور الجماعة مطلقا، وجنح الطحاوي إلى الأول، وهو الأرجح، فإنه ثبت عن كبار الصحابة أنهم كانوا يصلونها في البيت، وهذا عمر لم يكن يصليها بالجماعة، مع كونه أميرا، فكان ينبغي له أن يخرج إليهم، فإن الإمامة إذ ذاك كانت مختصة بالأمير، نعم ينبغي للعلماء أن لا يفتوا به، فإن من لا يأتي الجماعة يوشك أن لا يصليها رأسا، وهذا هو الحال في السنن، فإن الأفضل فيها أن تصلي في البيوت، إلا أنه ينبغي الفتوى بأدائها في المسجد، لئلا يحتال المتكاسلون في تركها، وثبت عن علي أنه أم بالكوفة في التراويح.

وأما عدد ركعات التراويح، فقد جاء عن عمر على أنحاء، واستقر الأمر على العشرين مع ثلاث الوتر، ويعلم من "موطأ مالک": أنه خفف في القراءة، وزاد في الركعات بتنصيف القراءة، وتضعيف الركعات، وبعد ما تلقته الأمة بالقبول، لا بحث لنا أنه كان ذلک اجتهادا منه، أو ماذا؟ ومن ادعى العمل بالحديث، فأولى له أن يصليها حتى يخشى فوت الفلاح، فإن هذه صلاة النبي ﷺ في اليوم الآخر، وأما من اكتفى بالركعات الثمانية، وشذ عن السواد الأعظم، وجعل يرميهم بالبدعة، فلير عاقبته، والله تعالى أعلم.

(کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۳/۳۷۵، رقم ۲۰۱۳، ط، دار الکتب العلمیہ)

حضرت یزید بن رومان رحمہ اللہ نے بیان کیا:

كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ، بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً. رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْفِرْيَابِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ. وَقَالَ الْفِرْيَابِيُّ: رِجَالُهُ مُوَثَّقُوْنَ، وَقَالَ ابْنُ قُدَامَةَ فِي الْمُغْنِيْ: وَهٰذَا كَالْإِجْمَاعِ. (أخرجه مالك في الموطأ، كتاب الصلاة في رمضان، باب الترغيب في الصلاة في رمضان، ١/١١٥، الرقم: ٢٥٢، والبيهقي في السنن الكبرى، ٢/٤٩٦، الرقم: ٤٣٩٤، وفي شعب الإيمان، ٣/١٧٧، الرقم: ٣٢٧٠، والفريابي في كتاب الصيام، ١/١٣٢، الرقم: ١٧٩، وابن عبد البر في التمهيد، ٨/١١٥، وابن قدامة في المغني، ١/٤٥٦، والشوكاني في نيل الأوطار، ٣/٦٣)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ (بشمول وتر) ۲۳/ رکعت پڑھتے تھے''۔

اس حدیث کو امام مالک، فریابی اور بیہقی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ امام فریابی نے کہا کہ اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں اور ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں کہا کہ یہ عمل بصورت اجماع ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے داؤد بن حصینؒ سے روایت کیا، انہوں نے حضرت اعرج رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا:

مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ إِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ، قَالَ: وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ، فَإِذَا قَامَ بِهَا فِي اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً، رَأَى النَّاسُ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ.

وَقَالَ الإِمَامُ وَلِيُّ اللهِ الدِّهْلَوِيُّ: هُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَفِيَّةِ، وَعِشْرُوْنَ رَكْعَةً تَرَاوِيْحُ وَثَلَاثٌ وِتْرٌ عِنْدَ الْفَرِيْقَيْنِ هٰكَذَا قَالَ الْمَحَلِّيُّ عَنِ الْبَيْهَقِيِّ.

(أخرجه مالك في الموطأ، كتاب الصلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان، ١/١١٥، الرقم:٢٥٣، والبيهقي في السنن الكبرى، ٢/٤٩٧، الرقم:٤٤٠١، وفي شعب الإيمان، ٣/١٧٧، الرقم:٣٢٧١، والفريابي في كتاب الصيام، ١/١٣٣، الرقم: ١٨١، وابن عبد البر في التمهيد، ١٧/٤٠٥، والسيوطي في تنوير الحوالك شرح موطأ مالك، ١/١٠٥، والزرقاني في شرحه على الموطأ، ١/٣٤٢، وولي الله الدهلوي في المسوى من أحاديث الموطأ، ١/١٧٥)

''میں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ رمضان میں کافروں پر لعنت کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا (نمازِ تراویح میں) قاری سورۂ بقرہ کو آٹھ رکعتوں میں پڑھتا اور جب باقی بارہ رکعتیں پڑھی جاتیں، تو لوگ دیکھتے (یعنی چاہتے) کہ امام انہیں ہلکی (مختصر) کر دیتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے (اس حدیث کی شرح میں) بیان کیا کہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر شوافع اور احناف کا مذہب ہے۔ اسی طرح محلّی نے امام بیہقی سے نقل کیا''۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ.

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف، ٢/١٦٤، الرقم:٧٦٩٢، والطبراني في المعجم الأوسط، ١/٢٤٣، الرقم:٧٩٨، ٥/٣٢٤، الرقم: ٥٤٤٠، وفي المعجم الكبير، ١١/٣٩٣، الرقم:١٢١٠٢، والبيهقي في السنن الكبرى، ٢/٤٩٦، الرقم:٤٣٩١، وعبد بن حميد في المسند، ١/٢١٨، الرقم:٦٥٣، والخطيب البغدادي في تاريخ بغداد، ٦/١١٣، والهيثمي في مجمع الزوائد، ٣/١٧٢، وابن عبد البر في التمهيد، ٨/١١٥، والعسقلاني في فتح الباري، ٤/٢٥٤، الرقم:١٩٠٨، وفي

المدراية، ٢٠٣/١، الرقم:٢٥٧، والسيوطي في تنوير الحوالك، ١٠٨/١، الرقم:٢٦٣، والذهبي في ميزان الاعتدال، ١٧٠/١، والصنعاني في سبل السلام، ١٠/٢، والمزي في تهذيب الكمال، ١٤٩/٢، والخطيب البغدادي في موضع أوهام الجمع والتفريق، ٣٨٧/١، والزيلعي في نصب الراية، ١٥٣/٢، والزرقاني في شرحه على الموطأ، ٣٤٢/١، ٣٥١، والعظيم آبادي في عون المعبود، ١٥٣/٤، والمباركفوري في تحفة الأحوذي، ٤٤٥/٣)

"نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے"۔

حضرت یحیٰی بن سعید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ﷺ اَمَرَ رَجُلاً يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(رَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، اِسْنَادُهُ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ)

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف:١٦٣/٢، الرقم:٧٦٨٢، وابن عبد البر في الاستذكار:٦٨/٢، والمباركفوري في تحفة الأحوذي:٤٤٥/٣)

"حضرت عمر ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے"۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند مرسل قوی ہے۔

حضرت سائب بن یزید ﷺ نے بیان کیا:

كُنَّا نَنْصَرِفُ مِنَ الْقِيَامِ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ ﷺ وَقَدْ دَنَا فُرُوْعُ الْفَجْرِ، وَكَانَ الْقِيَامُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ ﷺ ثَلَاثَةً وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (أخرجه عبد الرزاق في المصنف:٢٦١/٤، الرقم:٧٧٣٣، وابن عبد البر في التمهيد:١١٤/٨، وأيضا في الاستذكار:٦٩/٢، وابن حزم في الإحكام:٢٣٠/٢)

"ہم حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں فجر کے قریب تراویح سے فارغ ہوتے تھے اور عہدِ عمر ﷺ میں (بشمول وتر) ۲۳ رکعات تراویح پڑھنے کا معمول تھا"۔

حضرت سائب بن یزید ﷺ کا بیان ہے:

كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً، قَالَ: وَكَانُوْا يَقْرَؤُوْنَ بِالْمِئِيْنِ وَكَانُوْا يَتَوَكَّؤُوْنَ عَلٰى عِصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ﷺ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ. (اِسْنَادُهُ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ كَمَا قَالَ الْفِرْيَابِيُّ) (أخرجه البيهقي في السنن الكبرى، ٤٩٦/٢، الرقم:٤٣٩٣، وابن الحسن الفريابي في كتاب الصيام، ١٣١/١، الرقم:١٧٦، وابن الجعد في

المسند، ۴۱۳/۱، الرقم:۲۸۲۵، والمبارکبوری فی تحفة الأحوذی، ۴۴۷/۳)

''حضرت عمر بن خطاب ﷛ کے عہد میں صحابۂ کرامؓ ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اوران میں سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان ﷛ کے عہد میں شدتِ قیام کی وجہ سے وہ اپنی لاٹھیوں سے ٹیک لگاتے تھے''۔

بقول امام فریابی رحمہ اللہ اس کی سند اور رجال ثقہ ہیں۔

ابنِ ابوالحسناء رحمہ اللہ کا بیان ہے:

اَنَّ عَلِيًّا ۔ ﷛ ۔ اَمَرَ رَجُلاً يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً.

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف، ۱۶۳/۲، الرقم:۷۶۸۱، والبيهقي في السنن الكبرى، ۴۹۷/۲، الرقم:۴۳۹۷، وابن عبد البر في التمهيد، ۱۱۵/۸، والمباركبوري في تحفة الأحوذي، ۴۴۴/۳، وابن قدامة في المغني، ۴۵۶/۱)

''سیدنا حضرت علی ﷛ نے ایک شخص کو رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا''۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن سُلمی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

دَعَا الْقُرَّاءَ فِيْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، قَالَ: وَكَانَ عَلِيٌّ ﷛ يُوْتِرُ بِهِمْ. وَرُوِيَ ذٰلِكَ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ عَنْ عَلِيٍّ ﷛.

(أخرجه البيهقي في السنن الكبرى، ۴۹۶/۲، الرقم:۴۳۹۶، والمباركبوري في تحفة الأحوذي، ۴۴۴/۳)

''سیدنا حضرت علی ﷛ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علی ﷛ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔ یہ حدیث حضرت علی ﷛ سے دوسری سند سے بھی مروی ہے''۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ: اَنَّ عَلِيًّا ۔ ﷛ ۔ كَانَ يَؤُمُّهُمْ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ. رَوَاهُ ابْنُ الْإِسْمَاعِيْلِ الصَّنْعَانِيُّ وَقَالَ: فِيْهِ قُوَّةٌ. (أخرجه الصنعاني في سبل السلام: ۱۰/۲)

''ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حضرت علی ﷛ انہیں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے''۔

اس کو ابن اسماعیل صنعانی نے روایت کیا اور کہا کہ اس کی سند قوی ہے۔

حضرت عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ کا بیان ہے:

كَانَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَ يُوْتِرُ

بِثَلَاثٍ. (رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، إِسْنَادُهُ مُرْسَلٌ قَوِيٌّ)

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف، ٢/١٦٣، الرقم:٧٦٨٤، والمباركفوري في تحفة الأحوذي، ٣/٤٤٥)

''حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے''۔

اِسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا، اس کی سند مرسل قوی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے حضرت شُتیر بن شکل رحمہ اللہ سے روایت ہے:

اَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ.

(رَوَاهُ ابْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ، وَقَالَ: وَفِي ذٰلِكَ قُوَّةٌ)

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف، ٢/١٦٣، الرقم:٧٦٨٠، والبيهقي في السنن الكبرى، ٢/٤٩٦، الرقم:٤٣٩٥)

''وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے''۔

اِس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ اور بیہقی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ امام بیہقی رحمہ اللہ کے ہیں، اور انہوں نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں قوت ہے۔

حضرت ابوالخصیب رحمہ اللہ کا بیان ہے:

كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّيْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ، وَالْبُخَارِيُّ فِي الْكُنٰى)

(أخرجه البيهقي في السنن الكبرى: ٢/٤٩٦، الرقم:٤٣٩٥، والبخاري في الكنى: ١/٢٨، الرقم:٢٣٤)

''ہمیں حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح پانچ ترویحوں یعنی بیس رکعات میں پڑھاتے تھے''۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے، اور امام بخاریؒ نے ''الکنی'' میں روایت کیا ہے۔

عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ: كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّيْ بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ)

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف: ٢/١٦٣، الرقم:٧٦٨٣)

''حضرت نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ابنِ ابی مُلیکہ ہمیں رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے''۔

اِس حدیث کو امام ابن ابی شیبہؒ نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت حارث رحمہ اللہ سے مروی ہے:

اَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ.

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف: ١٦٣/٢، الرقم: ٧٦٨٥)

''وہ لوگوں کو رمضان المبارک کی راتوں میں (نمازِ تراویح) میں بیس رکعتیں اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے''۔

حضرت ابو البُختَریؒ سے روایت ہے:

اَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِيْ رَمَضَانَ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ.

(رَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، اِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ)

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف: ١٦٣/٢، الرقم: ٧٦٨٦)

''وہ رمضان المبارک میں پانچ ترویحات (یعنی بیس رکعتیں) اور تین وتر پڑھا کرتے تھے''۔

اِسے امام ابن ابی شیبہؒ نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

جلیل القدر تابعی شیخ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ (جنہوں نے تقریباً ۲۰۰ صحابۂ کرام کی زیارت کی ہے) فرماتے ہیں:

أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ.

(رَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَاِسْنَادُهُ حَسَنٌ)

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف: ١٦٣/٢، الرقم: ٧٦٨٨)

''میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بشمول وتر ۲۳ رکعت تراویح پڑھتے تھے''۔

اسے امام ابن ابی شیبہؒ نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

حضرت سعید بن عبید رحمہ اللہ سے مروی ہے:

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيْعَةَ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ وَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ.

(رَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ)

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف: ١٦٣/٢، الرقم: ٧٦٩٠)

”حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ انہیں رمضان المبارک میں پانچ ترویحات (یعنی بیس رکعت) نماز تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے“۔

اِس کو امام ابن ابی شیبہؒ نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ﷺ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (أخرجه الذهبي في سير أعلام النبلاء، ٤٠٠/١، والعسقلاني في تلخيص الحبير، ٢١/٢، الرقم: ٥٤٠، وابن قدامة في المغني، ٤٥٦/١، ومالك في المدونة الكبرى، ٢٢٢/١، والسيوطي في تنوير الحوالك، ١٠٤/١، والزرقاني في شرحه على الموطأ، ٣٣٨/١، وابن تيمية في مجموع الفتاوى: ٤٠١/٢)

”حضرت عمر بن خطاب ﷺ نے لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب ﷺ کی اقتداء میں قیام رمضان کے لیے اکٹھا کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے“۔

حافظ ابن رشد قرطبیؒ نے فرمایا:

فَاخْتَارَ مَالِكٌ فِيْ أَحَدِ قَوْلَيْهِ وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَدَاوُدُ الْقِيَامَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ... أَنَّ مَالِكًا رَوٰى عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً. (أخرجه ابن رشد في بداية المجتهد: ١٥٢/١)

”امام مالکؒ نے اپنے دو اقوال میں سے ایک میں اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور امام داؤد ظاہری رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیس تراویح کا قیام پسند کیا ہے اور تین وتر اس کے علاوہ ہیں.... اسی طرح امام مالکؒ نے یزید بن رومانؒ سے روایت بیان کی، فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب ﷺ کے زمانہ میں لوگ تیئس (۲۳) رکعت (تراویح بشمول تین وتر) کا قیام کیا کرتے تھے“۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے ”اپنے فتاویٰ“ (مجموعہ فتاویٰ) میں کہا ہے:

ثَبَتَ أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ كَانَ يَقُوْمُ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِيْ رَمَضَانَ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ فَرَاٰى

كَثِيْرًا مِنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ ذٰلِكَ هُوَ السُّنَّةُ لِأَنَّهُ قَامَ بَيْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَلَمْ يُنْكِرْهُ مُنْكِرٌ.

(أخرجه ابن تيمية فی مجموع الفتاوی: ۱۹۱/۱، وإسماعيل بن محمد الانصاری فی تصحيح حديث صلاة التراويح عشرين ركعة: ۳۵/۱)

''ثابت ہوا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے، تو اکثر اہلِ علم نے اسے سنت مانا ہے۔ اس لیے کہ وہ مہاجرین اور انصار (تمام) صحابۂ کرام کی موجودگی میں قیام کرتے (بیس رکعت پڑھاتے) اور ان صحابہ میں سے کسی نے بھی انہیں نہیں روکا''۔

حضرت محمد بن کعب القرظیؒ (جو جلیل القدر تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (قيام الليل للمروزی: ۱۵۷)

حضرت امام اَعمش سلیمان بن مہرانؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول بھی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھنے کا تھا۔ (قيام الليل: ۱۵۷)

حضرت ابراہیم نخعیؒ (جلیل القدر تابعی، کوفہ کے مشہور و معروف مفتی) فرماتے ہیں کہ لوگ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (كتاب الآثار برواية الامام أبی يوسف: ٤۱)

نمازِ تراویح سے متعلق اَکابرینِ اُمت کے اَقوال:

امام ابوحنیفہؒ: جیسا کہ عرض کیا گیا علامہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قیامِ رمضان بیس رکعت ہے۔ (بداية المجتهد: ۲۱٤/۱)

امام فخر الدین قاضی خانؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ہر رات بیس یعنی پانچ ترویحہ وتر کے علاوہ پڑھنا سنت ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان: ۱۱۲/۱)

علامہ علاء الدین کاسانی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں صحابۂ کرام کو تراویح پڑھانے پر جمع فرمایا، تو انہوں نے بیس رکعت تراویح پڑھائی اور صحابہؓ کی طرف سے اجماع تھا۔ (بدائع الصنائع)

امام مالکؒ: حضرت امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق تراویح کی ۳۶/رکعت ہیں؛ جبکہ ان کے ایک قول کے مطابق بیس رکعت سنت ہیں۔ علامہ ابن رشد قرطبی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ایک

قول میں بیس رکعت تراویح کو پسند فرمایا ہے۔(بداية المجتهد:۱/۲۱٤)

مسجد حرام میں تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ کے طور پر مکہ کے لوگ ایک طواف کرلیا کرتے تھے، جس پر مدینہ منورہ والوں نے ہر ترویحہ پر چار چار رکعت نفل پڑھنی شروع کر دیں تو اس طرح امام مالکؒ کی ایک رائے میں ۳۶ر رکعت (۲۰ر رکعت تراویح اور ۱۶ر رکعت نفل) ہوگئیں۔

امام شافعیؒ: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بیس رکعت تراویح پسند ہیں، مکہ مکرمہ میں بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔(قیام اللیل:۱۵۹)

ایک دوسرے مقام پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے پایا ہے۔(سنن الترمذی:۱/۱۶۶)

علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں کہ تراویح کی رکعت کے متعلق ہمارا (شوافع) مسلک وتر کے علاوہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعت کا ہے، اور بیس رکعت پانچ ترویحہ ہیں اور ایک ترویحہ چار رکعت کا دو سلاموں کے ساتھ، یہی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کا مسلک ہے اور قاضی عیاضؒ نے بیس رکعت تراویح کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔(المجموع)

امام احمد بن حنبلؒ: فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: امام ابوعبداللہ (احمد بن حنبلؒ) کا پسندیدہ قول بیس رکعت کا ہے اور حضرت سفیان ثوریؒ بھی یہی کہتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے صحابۂ کرام کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت پڑھتے تھے، نیز حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کا استدلال حضرت یزید و علی رضی اللہ عنہما کی روایات سے ہے۔ ابن قدامہؒ کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ اجماع کے ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جس چیز پر نبی اکرم ﷺ کے صحابہ عمل پیرا رہے ہوں، وہی اتباع کے لائق ہے۔(المغنی:۲/۱۳۹، صلاۃ التراویح)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل علم کا مسلک وہی ہے جو حضرت علیؓ و حضرت عمرؓ اور دیگر صحابۂ کرامؓ سے منقول ہے کہ تراویح میں بیس رکعت ہیں، حضرت سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بیس رکعت پڑھتے دیکھا۔

(سنن الترمذی، ماجاء فی قیام شہر رمضان)

امام ترمذیؒ نے اس موقع پر تحریر کیا ہے کہ بعض حضرات مدینہ منورہ میں ۴۱/رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔لیکن امام ترمذیؒ نے اہل مکہ یا اہل مدینہ میں سے ۸/تراویح پر کسی کا عمل نقل نہیں کیا۔

صحیح مسلم کی سب سے مشہور و معروف شرح لکھنے والے علامہ نوویؒ جو ریاض الصالحین کے مصنف بھی ہیں فرماتے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے اور تمام علماء متفق ہیں کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے؛ البتہ اس میں کچھ اختلاف ہے کہ گھر میں اکیلا پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں باجماعت؟ تو امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، بعض مالکی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ باجماعت پڑھنا بہتر ہے؛ چونکہ حضرت عمر فاروق ؓ اور حضرات صحابۂ کرامؓ نے ایسا ہی کیا اور اس پر مسلسل عمل جاری ہے؛ حتی کہ یہ مسلمانوں کی ظاہری علامات میں سے ایک علامت ہے۔(شرح مسلم، ملخص: الترغيب في قيام رمضان)

نیز علامہ نوویؒ فرماتے ہے کہ جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے اور یہ بیس رکعت ہیں، جن میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔(الاذکار:۸۳)

علامہ عینیؒ (بخاری شریف کی شرح لکھنے والے) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان ؓ، حضرت علی ؓ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔(عمدۃ القاری:۷/۱۷۸)

شیخ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں جن کا طریقہ معروف و مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔(احیاء العلوم:۱/۱۳۲)

شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے اور یہ بیس رکعت ہیں۔ (غنیۃ الطالبین:۲۶۷،۲۶۸)

مولانا قطب الدین خان محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اجماع ہوا صحابہ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعت ہیں۔ (مظاہر حق:۱/۴۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی سب سے مشہور و معروف کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) میں تحریر کیا ہے کہ صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت مقرر ہوئی تھیں؛ چنانچہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ نے قیام رمضان میں تین چیزیں زیادہ کی ہیں:

(۱) مسجدوں میں جمع ہونا؛ کیونکہ اس سے عوام وخواص پر آسانی ہوتی ہے۔

(۲) اس کو شروع رات میں ادا کرنا؛ جبکہ اخیر رات میں پڑھنا زیادہ افضل ہے؛ جیسا کہ حضرت عمر فاروق ﷛ نے اس طرف اشارہ فرمایا۔

(۳) تراویح کی تعداد بیس رکعت۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۶۷)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷛ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعت پڑھانے کا ہوا، اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔

(عون الباری: ۴/۳۱۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مکمل عبارت اور اس کا صحیح مفہوم:

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا۔ كَیْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً یُصَلِّیْ اَرْبَعاً فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعاً فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثاً، قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ: یَا عَائِشَةُ! اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ. (صحیح البخاری، کتاب التهجد)

”حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اکرم ﷺ کی رمضان میں نماز کی کیا کیفیت ہوا کرتی تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ پہلے چار رکعت ادا کرتے تھے اور ان کی خوبی اور ان کی لمبائی کے بارے میں مت پوچھو (کہ وہ کتنی خوب اور کتنی لمبی ہوا کرتی تھیں) پھر آپ چار رکعت اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔ پھر تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا“۔

وضاحت: یاد رکھیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا اصل تعلق تہجد کی نماز سے ہے اور تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کی گئی کہ آپ ﷺ پہلے خوب لمبے قیام و رکوع و سجدہ والی چار رکعت ادا کرتے تھے، پھر خوب لمبے قیام و رکوع و سجدہ والی چار رکعت ادا کرتے تھے، اور پھر تین

رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔

حدیث کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سوال اور جواب کا اصل مقصد نبیِ اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت کو بیان کرنا ہے، نہ کہ تعدادِ رکعت کو۔

بعض حضرات نے تہجد اور تراویح کی نماز کو ایک سمجھ کر حدیث میں وارد گیارہ میں سے آٹھ کے لفظ کو تراویح کے لیے لے لیا؛ لیکن گیارہ رکعت پڑھنے کی کیفیت اور تین رکعت وتر کو نظر انداز کر دیا۔

اگر نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح ایک ہی نماز ہے اور تراویح کے آٹھ رکعت ہونے کی یہی حدیث دلیل ہے، تو چاہیے کہ اس حدیث کے تمام اجزاء پر عمل کیا جائے اور اس میں بیان کردہ پوری کیفیت کے ساتھ نمازِ تراویح ادا کی جائے یا کم از کم اس کے مسنون ہونے کو بیان کیا جائے؛ مگر اس حدیث سے صرف آٹھ کا لفظ تو لے لیا؛ مگر آٹھ رکعت نماز کی کیفیت کو چھوڑ دیا؛ کیونکہ اس میں لمبی لمبی چار چار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے، نیز وتر کے لیے تین کے لفظ کو چھوڑ کر صرف ایک ہی رکعت وتر کو اپنی سہولت کے لیے اختیار کر لیا۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ آٹھ رکعت پڑھنے کے بعد سو جاتے پھر وتر پڑھتے تھے؛ حالانکہ ماہِ رمضان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے سارے حضرات نمازِ عشاء کے ساتھ تراویح پڑھنے کے فوراً بعد وتر جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ صحیح البخاری کی اس حدیث کے صرف آٹھ کے لفظ کو لے کر باقی تمام اُمور کو چھوڑنا، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر عمل کرنا نہیں ہوا؛ بلکہ اپنے اَسلاف کے قرآن وحدیث فہمی پر قناعت کرنا ہے اور یہی تقلید ہے؛ حالانکہ صحیح البخاری میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری حدیث ہے: **كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ بِالَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّيْ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ.** (باب ما يقرأ في ركعتي الفجر)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ تہجد کی نماز تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور جب فجر کی اذان سنتے تو دو ہلکی رکعت ادا کرتے (یعنی فجر کی سنت)۔

غور فرمائیں کہ گیارہ رکعت والی حدیث بھی صحیح البخاری میں ہے اور تیرہ رکعت والی حدیث بھی صحیح البخاری میں اور دونوں حدیثیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ گیارہ رکعت والی حدیث میں سے لفظ آٹھ کو تو لے لیا اور تیرہ رکعت والی حدیث کو بالکل ہی چھوڑ دیا؛ حالانکہ تیرہ رکعت

والی حدیث میں ''کَانَ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو عربی زبان میں ماضی استمرار کے لیے ہے، یعنی آپ ﷺ کا تیرہ رکعت پڑھنے کا معمول تھا۔ نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح کو ایک کہنے والے حضرات قرآن وحدیث کی روشنی میں دونوں احادیث میں تطبیق دینے سے قاصر ہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آٹھ رکعت والی حدیث میں تو چار چار رکعت پڑھنے کا تذکرہ ہے؛ لیکن عمل دو دو رکعت پڑھنے کا ہے، تو جواب میں دوسری حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے، جس میں نمازِ تہجد کو دو دو رکعت پڑھنے کا تذکرہ ہے، اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو صحیح البخاری ہی (کتاب الوتر) میں ہے:

ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ اَوْتَرَ. نبی اکرم ﷺ نے وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر نمازِ تہجد پہلے دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر وتر پڑھے۔

صحیح بخاری شریف کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نمازِ وتر کے علاوہ دو دو رکعت کر کے تہجد کی کل بارہ رکعتیں ادا فرماتے۔

آٹھ رکعت تراویح کا موقف رکھنے والے حضرات کے نزدیک تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو ان احادیث میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ غرضیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث سے آٹھ کا لفظ لیا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے دو دو رکعت پڑھنے کو لیا، تو نہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر عمل ہوا اور نہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر عمل ہوا؛ بلکہ اپنے اسلاف کی تقلید ہوئی؛ حالانکہ یہ تینوں احادیث صحیح البخاری کی ہی ہیں۔

معلوم ہوا کہ نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد کو ایک قرار دینا ہی غلط ہے؛ کیونکہ اس کا ثبوت دلائل شرعیہ سے نہیں دیا جا سکتا ہے۔ چاروں ائمہ میں سے کوئی بھی دونوں نمازوں کو ایک قرار دینے کا قائل نہیں ہے۔ خود امام بخاریؒ تو تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھا کرتے تھے، امام بخاریؒ تراویح باجماعت پڑھا کرتے تھے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھا کرتے تھے اور پورے رمضان میں تراویح میں صرف ایک ختم کرتے تھے، جب کہ تہجد کی نماز امام بخاریؒ تنہا پڑھا کرتے تھے اور تہجد میں ہر تین رات میں ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ کے اس عمل کی تفصیلات پڑھنے کے لیے صحیح البخاری کی سب سے مشہور ومعروف شرح ''فتح

الباری'' کے مقدمہ ''ہدی الساری'' کا مطالعہ فرمائیں۔

بس بات صحیح یہی ہے کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، تہجد کی نماز تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے متعین ہوئی ہے، سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات: ﴿**يَآ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً**﴾ پڑھ لیں؛ جبکہ تراویح کا عمل نبیِ اکرم ﷺ کے فرمان سے مشروع ہوا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **سَنَنْتُ لَهٗ قِيَامَهٗ**. (سنن النسائی، سنن ابن ماجہ) ''تراویح کا عمل میں نے مسنون قرار دیا ہے''۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں جماعت کے ساتھ بیس رکعت کا باقاعدہ اہتمام کے ساتھ شروع ہونا، روزِ روشن کی طرح واضح ہے، جیسا کہ محدثین وعلماء کرام کے اقوال، حوالوں کے ساتھ اوپر تحریر کیے جا چکے ہیں؛ لہٰذا اس حقیقت کا انکار کرنا صرف اور صرف ہٹ دھرمی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جو آپ ﷺ کبھی کم کبھی زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے صحیح ابن خزیمہ وصحیح ابن حبان میں وارد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں آٹھ رکعات تراویح پڑھیں؛ حالانکہ یہ روایت اس قدر ضعیف ومنکر ہے کہ اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے، جس کی بابت محدثین نے تحریر کیا ہے کہ اس کے پاس منکر روایات ہیں، جیسا کہ ۸ر رکعت تراویح کا موقف رکھنے والے حضرات نے دوسرے مسائل میں اس طرح کے راویوں کی روایات کو تسلیم کرنے سے منع کیا ہے۔ اس نوعیت کی متعدد احادیث جمہور مسلمین کے پاس بھی موجود ہیں، جن میں مذکور ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے بیس رکعت تراویح پڑھیں: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک نبیِ اکرم ﷺ ماہِ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ (سنن بیہقی: ۱/۴۹۶، اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں، ابن عدی نے مسند میں اور علامہ بغوی نے مجمع صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: زجاجۃ المصابیح)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام رافعیؒ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے لوگوں کو بیس رکعت دو راتیں پڑھائیں، پھر تیسری رات کو لوگ جمع ہو گئے؛ مگر آپ باہر تشریف نہیں لائے۔ پھر صبح کو فرمایا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ یہ تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کر سکو؛ اس لیے باہر نہیں آیا۔

دوسرے شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے ایک روایت کی بنیاد پر تحریر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷛ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم دیا تھا؛ حالانکہ یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے اور حدیث کی سند میں شدید ضعف بھی ہے۔ نیز حضرت عمر فاروق ﷛ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھی گئیں، یہ بات سورج کی روشنی کی طرح محدثین واکابر امت نے تسلیم کی ہے، جیسا کہ محدثین وعلماء کرام کے اقوال حوالوں کے ساتھ اوپر تحریر کیے جاچکے ہیں؛ لہٰذا اس حقیقت کا انکار کرنا صرف ہٹ دھرمی ہے۔ امام ترمذی، امام غزالی، علامہ نووی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ ابن قدامہ، حافظ ابن تیمیہ اور مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالویؒ نے جب پہلی دفعہ ۱۲۸۴ھ میں باضابطہ طور پر فتویٰ جاری کیا کہ آٹھ رکعت تراویح سنت اور بیس رکعت بدعت ہے۔ تو اس انوکھے فتوے کی ہر طرف سے مخالفت کی گئی۔ مشہور غیر مقلد بزرگ عالم مولانا غلام رسولؒ نے خود اس فتویٰ کی سخت کلمات میں مذمت کی، اور اس کو سینہ زوری قرار دیا۔ (رسالہ تراویح: ۲۸، ۵۶)

تیسرے شبہ کا ازالہ:

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے اقوال میں اگر کوئی تضاد ہو تو صحابہؓ کے اقوال کو چھوڑ کر نبی اکرم ﷺ کے قول کو لیا جائے گا۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اگر کوئی اس میں شک بھی کرے، تو اُسے اپنے ایمان کی تجدید کرنی ہوگی؛ لیکن یہاں کوئی تضاد نہیں ہے؛ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال وافعال میں کہیں بھی تراویح کی کوئی تعداد مذکور نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سنتوں سے صحابۂ کرام کو ہم سے زیادہ محبت تھی۔ اور دین میں نئی بات پیدا کرنے سے صحابۂ کرامؓ ہم سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔

خصوصی توجہ:

سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی الشیخ عطیہ محمد سالمؒ (متوفی: ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) نے نمازِ تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک مستقل کتاب "اَلتَّرَاوِيحُ أَكْثَرُ مِنْ أَلْفِ عَامٍ فِي الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ" لکھی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں تصنیف کا سبب بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں نماز تراویح ہو رہی ہوتی ہے تو بعض لوگ آٹھ رکعت پڑھ کر ہی رک جاتے ہیں، ان کا یہ گمان ہے کہ آٹھ رکعت تراویح پڑھنا بہتر ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں ہے، اس طرح یہ لوگ مسجد نبوی میں بقیہ تراویح کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ ان کی اس محرومی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے؛ لہٰذا میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں؛ تا کہ ان لوگوں کے شکوک وشبہات ختم ہوں اور ان کو بیس رکعت تراویح پڑھنے کی توفیق ہو جائے۔

اس کتاب میں ۱۴۰۰ سالہ تاریخ پر مدلل بحث کرنے کے بعد شیخ عطیہ محمد سالمؒ لکھتے ہیں: اس تفصیلی تجزیہ کے بعد ہم اپنے قراء سے اولاً تو یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ایک ہزار سال سے زائد اس طویل عرصہ میں کسی ایک موقع پر بھی یہ ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں مستقل آٹھ تراویح پڑھی جاتی تھیں؟ یا چلیں بیس سے کم تراویح پڑھنا ہی ثابت ہو؟ بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ پورے چودہ سو سالہ دور میں بیس یا اس سے زائد ہی پڑھی جاتی تھیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا کسی صحابی یا ماضی کے کسی ایک عالم نے بھی یہ فتویٰ دیا کہ ۸/ سے زائد تراویح جائز نہیں ہیں اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اس فتوے کی بنیاد بنایا ہو؟۔

(مزید کے لیے دیکھیے: انوارات رمضان المبارک)

☆......☆......☆

تراویح؛ احکام ومسائل

تراویح کی نیت کا طریقہ:

واضح رہے کہ تراویح کی نماز رمضان المبارک کے قیام اللیل، یا تراویح یا سنت نماز کی نیت سے ادا ہوجاتی ہے، اسی طرح (تراویح کے امام کے پیچھے) امام والی نماز کی نیت سے بھی تراویح ادا ہوجاتی ہے، نیز مطلق نفل یا سنت کی نیت کرلے تو یہ نیت بھی کافی ہوگی، البتہ بہتر یہ ہے متعین کرکے نیت کرلے کہ "میں دو رکعت تراویح کی نماز پڑھنے کی نیت کرتا ہوں" اگر امام کے پیچھے ہو تو یہ نیت کرے کہ "میں دو رکعت تراویح کی نماز اس امام کی اقتداء میں ادا کرنے کی نیت کرتا ہوں"۔ یہ نیت دل سے کرے تب بھی کافی ہے، البتہ نیت کے الفاظ اگر زبان سے ادا کرلے تو بہتر ہے، یاد رہے کہ تراویح کی نماز میں بہتر یہ ہے کہ ہر دو رکعت بعد از سرِ نو نیت کی جائے، اور اگر شروع میں ہی ۲۰ رکعت نمازِ تراویح کی نیت کرلے تو یہ بھی جائز ہے۔

الدر المختار میں ہے:

(وکفی مطلق نیة الصلاة) وإن لم یقل لله (لنفل وسنة) راتبة (وتراویح) علی المعتمد، إذ تعینها بوقوعها وقت الشروع، والتعیین أحوط.

(کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ: ۵۹، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت)

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں ہے:

ومنها: نیة التراویح أو نیة قیام رمضان، أو نیة سنة الوقت. ولو نوی الصلاة مطلقا، أو نوی التطوع، قال بعض المشایخ: لا یجوز؛ لأنها سنة والسنة لا تتأدی بنیة مطلق الصلاة، أو نیة التطوع واستدلوا بما روی الحسن عن أبی حنیفة أن رکعتی الفجر لا تتأدی إلا بنیة السنة، وقال عامة مشایخنا: إن التراویح وسائر السنن تتأدی بمطلق النیة؛ ولأنها وإن کانت سنة لا تخرج عن کونها نافلة، والنوافل تتأدی بمطلق النیة إلا أن الاحتیاط أن ینوی التراویح، أو سنة الوقت، أو قیام رمضان احترازا عن موضع الخلاف.

(کتاب الصلوٰۃ، فصل فی سنن التراویح: ۱/۲۸۸، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت)

مجمع الانہر میں ہے:

(وضم التلفظ إلى القصد أفضل) لما فيه من استحضار القلب لاجتماع العزيمة به قال محمد بن الحسن: النية بالقلب فرض، وذكرها باللسان سنة، والجمع بينهما أفضل.

وفي القنية أنها بدعة إلا إذا كان لا يمكنه إقامتها في القلب إلا بإجرائها على اللسان فحينئذ تباح، وكيفية التلفظ أن يقول: اللهم إني أريد أداء صلاة ظهر اليوم أو فرض الوقت مستقبل القبلة فيسرها لي وتقبلها مني، وعلى هذا سائر العبادات.

(کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ: ۱/۸۵، ط: دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

فتاوی شامی میں ہے:

وهل يشترط أن يجدد في التراويح لكل شفع نية؟ ففي الخلاصة: الصحيح نعم لأنه صلاة على حدة وفي الخانية: الأصح لا، عين الكل بمنزلة صلاة واحدة كذا في التتارخانية. وظاهره أن الخلاف في أصل النية ويظهر لي التصحيح الأول لأنه بالسلام خرج من الصلاة حقيقة فلابد في دخوله فيها من النية، ولا شك أنه الأحوط؛ خروجا من الخلاف، نعم رجح في الحلية الثاني إن نوى التراويح كلها عند الشروع في الشفع الأول كما لو خرج من منزله يريد صلاة الفرض مع الجماعة ولم تحضره النية لما انتهى إلى الإمام.

(کتاب الصلوٰۃ، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاۃ التراویح: ۲/۴۴، ط: سعید)

تراویح کی دعا کا ثبوت:

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کوئی خاص تسبیح یا دعا احادیث سے ثابت نہیں ہے، تسبیح تراویح کے نام سے جو تسبیح ہمارے ہاں معروف ہے وہ بعض فقہاء نے مختلف روایات کے الفاظ کو جمع کر کے عوام الناس کی سہولت کے لیے مرتب کردی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ، سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ، سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوْحِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، نَسْأَلُکَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ.

مگر اس کو لازم نہیں سمجھنا چاہیے؛ بلکہ مطلقاً کوئی بھی دعا یا تسبیح پڑھی جاسکتی ہے اور جس طرح ہر چار رکعت کے بعد کوئی دعا پڑھ لینی چاہیے، اسی طرح ۲۰/ رکعت کے بعد اور وتر سے پہلے بھی پڑھ لینی چاہیے؛ لیکن تکلفات اور التزامات کے بغیر تسبیح کے مذکورہ کلمات (جو حضرت علامہ شامیؒ نے علامہ قہستانیؒ کے حوالے سے ذکر فرمائے ہیں، ان کے) پڑھنے میں حرج نہیں ہے، فقہاءِ کرام نے جب اس دعا کا ذکر کیا ہے تو بغیر التزام اور غلو کے اسے کبھی پڑھ لینا چاہیے، نیز اکابر نے بھی اس کے التزام اور غلو (مثلاً بآوازِ بلند اجتماعی طور پر پڑھنے، یا اسی کو لازم سمجھنے، اس سے کم یا زیادہ نہ پڑھنے) سے منع کیا ہے، نہ کہ مطلقاً اسے پڑھنے سے۔

فتاوی شامی میں ہے:

(یجلس) ندبا (بین کل أربعة بقدرها و كذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادى، نعم تكره صلاة ركعتين بعد كل ركعتين.

(قوله بين تسبيح) قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات: سبحان ذى الملك والملكوت، سبحان ذى العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحى الذى لا يموت، سبوح قدوس رب الملائكة والروح، لا إله إلا الله نستغفر الله، نسألك الجنة ونعوذ بك من النار، كما فى منهج العباد. الخ.

(کتاب الصلوٰۃ، باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲، ط: سعید)

تسبیح تراویح میں لفظ "**العظمۃ**" کے تلفظ کی تحقیق:

عربی زبان میں لفظ (**العَظَمة**) ظاء پر زبر کے ساتھ ہو، تو اس کا معنی ہے: بزرگی، بڑائی، شان وشوکت، تو (**ذی العزۃ والعَظَمة**) کا معنی ہوا: عزت اور کبریائی والا۔ جب کہ جزم کے ساتھ (**العَظْمة**) کے معنی ہیں: ہڈی کا ٹکڑا، تو معنی بنے گا: ہڈی والا، اور یقیناً یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں بولنا بہت غلط ہے۔

لیکن صرف لغت ومعنی کا سہارا لے کر یہ کہنا کہ تسبیح تراویح میں لفظ "**العظمة**" میں "ظ" کو ساکن پڑھنا بالکلیہ ممنوع ہے تو یہ بات درست نہیں، قواعد لغت کی رو سے دوسرا تلفظ یعنی ظ کے سکون کے ساتھ لفظ "**العظمة**" کی ادائیگی بھی پہلے معنی میں کی جاسکتی ہے، اور اس صورت میں لفظ "**العظمة**" کو ظ کی حرکت اور سکون دونوں طرح پڑھنے کی گنجائش ہوگی۔

قاعدہ یہ ہے کہ لفظ (**العظمة**) میں عین، ظاء، میم تینوں حروف پر حرکت ہے، اور ملا کر پڑھنے میں گول تاء پر چوتھی حرکت آئے گی، عربی میں اس کو (**توالی حرکات**) کہا جاتا ہے۔ اور عربی لغت کا قاعدہ ہے کہ: جس لفظ میں تین یا اس سے زائد حروف لگاتار متحرک ہوں، تو اس لفظ میں دوسرے حرف پر تخفیفاً جزم لگا کر پڑھنا جائز ہے۔ یہ قاعدہ ''النحو الوافی'' جلد:۱، مسئلہ:۱۶، صفحہ:۱۹۹ پر لکھا ہے، اور اس طرح کے جزم کو (سکون تخفیف) کا نام دیا ہے۔ کتبِ تفسیر و قراءات میں سورۂ بقرہ کی آیت:۵۴ میں لفظ (**بارئکم**) کی ذیل میں، جہاں امام ابوعمرو بصریؒ کی قراءت (بسکون الھمز) ذکر کی جاتی ہے، وہاں امام نحو ابوعلی فارسیؒ کی یہ بات مذکور ہے: **قَالَ أَبُوْعَلِيٍّ: وَأَمَّا حَرَكَةُ الْبِنَاءِ فَلَمْ يَخْتَلِفِ النُّحَاةُ فِيْ جَوَازِ تَسْكِيْنِهَا مَعَ تَوَالِي الْحَرَكَاتِ** ۔ اور یہاں پر (**العظمة**) کی ظاء پر بھی جو حرکت ہے وہ حرکتِ بناء ہے۔ دوسری بات یہ کہ عموماً عربی زبان میں حرکات کو تلفظ میں ثقل (بھاری پن) کا باعث سمجھا جاتا ہے، اسی لیے توالی حرکات کے وقت اہل عرب لفظ میں تخفیف پیدا کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں، جیسے: ادغام، حذف، ابدال، اختلاس، جزم۔ جو شخص قواعد صرف اور علم قراءات سے واقف ہے، اس کو معلوم ہوگا کہ لفظ کے ثقل کو دور کرنے کے لیے عربی زبان میں یہ سب طریقے بے شمار الفاظ میں رائج ہیں، اور ان سے لفظ کا اصل معنیٰ نہیں بدلتا، اور نہ دوسرا معنیٰ متکلم کے یہاں مراد ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ: عوام الناس جو (**العظمة**) کی ظاء پر جزم لگاتے ہیں وہ اُردو کے تلفظ سے متاثر ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں، اور سہولت کی بنا پر بھی۔ اور اس طرح سے کرنا عربی زبان کے قواعد کے اعتبار سے درست ہے، اس سے فاسد معنیٰ نمودار نہیں ہوتا ہے، اور نہ وہ مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے جو حضرات ان باتوں سے ناواقفیت کی بنا پر عوام الناس کے بارے میں شدت اختیار کرتے ہیں، ان کا رویہ درست نہیں ہے، ہاں بہتر یہ ہے کہ اس لفظ کو زبر کی حرکت کے ساتھ بولا جائے، جیسا کہ اس کا اصل تلفظ ہے۔ واللہ اعلم

تراویح میں آیت سجدہ کا اعلان:

تراویح کی نماز میں نیت باندھنے سے پہلے سجدۂ تلاوت کا اعلان کرنا خیر القرون سے ثابت نہیں ہے؛ اس لیے اس کو لازم اور ضروری سمجھنا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر مجمع زیادہ ہے، جیسا کہ بڑے شہروں میں یا بڑی مساجد میں ہوتا ہے، صفیں دور دور تک ہوتی ہیں اور کچھ صفیں بالائی منزل میں بھی ہوتی ہے، سجدۂ

تلاوت کا اعلان نہ کرنے کی صورت میں مغالطہ کا قوی احتمال رہتا ہے کہ لوگوں کو سجدۂ تلاوت کا پتہ نہ چلے اور سجدہ کے بجائے رکوع کرنے لگیں تو ایسے موقع پر ضرورت کی بناء پر اعلان کرنے کی اجازت ہے، باقی اس کو لازم سمجھنا اور اعلان نہ کرنے کی صورت میں برا بھلا کہنا، شور شرابہ کرنا جائز نہیں۔

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے:

قال النووی: البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق، وفي الشرع إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله – ﷺ –. (كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۲۲۳/۱، دار الفكر)

تراویح میں تین رکعات اکٹھی پڑھ لینا:

دوسری رکعت میں سجدہ کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے کی صورت میں تیسری رکعات کے بعد قعدہ کرنے کی صورت میں آخر میں اگرچہ سجدہ سہو کیا ہو؛ لیکن ایسی صورت میں چونکہ دو رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا، اس لیے نماز کا اعادہ اور تراویح میں قرآن کی تکمیل کی غرض سے ان تین رکعات میں پڑھی گئی قراءت کا لوٹانا بھی ضروری ہوگا؛ ورنہ تراویح میں مکمل قرآن سننا یا سنانا کی سنت مکمل نہ ہوگی۔

جوہرہ میں ہے:

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتد بما قرأه فيه، ويعيد القراءة؛ ليحصل الختم في الصلاة الجائزة. (الجوهرة النيرة على مختصر القدوري: ۹۸/۱)

تراویح کی چار رکعات ایک سلام سے پڑھنا:

تراویح کی نماز دو رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا افضل اور سنت ہے، اور چار رکعات ایک سلام سے پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن متوارث طریقہ چوں کہ دو دو رکعت کر کے پڑھنا ہے؛ لہٰذا قصداً چار چار رکعات کر کے نہیں پڑھنا چاہیے۔

فتاوی شامی میں ہے:

(وهي عشرون ركعة) حكمته مساواة المكمل للمكمل (بعشر تسليمات) فلو فعلها بتسليمة؛ فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلا نابت عن شفع واحد به يفتى (يجلس) ندبًا (بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر) (قوله: وصحت بكراهة) أي صحت عن

الكل. وتكره إن تعمد، وهذا هو الصحيح كما في الحلية عن النصاب وخزانة الفتاوى، خلافًا لما في المنية من عدم الكراهة، فإنه لايخفى ما فيه لمخالفته المتوارث مع تصريحهم بكراهة الزيادة على ثمان في مطلق التطوع ليلًا فهنا أولى، بحر.

(کتاب الصلوٰۃ، باب الوتر والنوافل، مبحث: صلاۃ التراویح: ۲/۴۵، ط: ایچ، ایم، سعید)

تراویح سے پہلے وتر پڑھنے کا حکم:

تراویح میں جو طریقہ منقول ہے وہ یہ ہے کہ پہلے عشاء کے فرض اور سنت پڑھی جائیں، پھر اس کے بعد تراویح پڑھی جائیں، اور اس کے بعد وتر کی نماز پڑھی جائے، یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے؛ تاہم اگر کسی نے تراویح سے پہلے وتر کی نماز پڑھ لی تو بھی نماز ہو جائے گی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، لیکن یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے؛ لہٰذا عذر کے بغیر ایسے کرنا یا اس کی عادت بنانا درست نہیں ہے، باقی رمضان میں افضل یہ ہے کہ وتر باجماعت ادا کریں، اس لیے اگر تراویح کی کچھ رکعتیں نکل گئی ہیں تو امام کے ساتھ وتر کی نماز پڑھ لے پھر اس کے بعد تراویح کی بقیہ رکعتیں پڑھ لے۔

مختصر القدوری میں ہے:

يستحب أن يجتمع الناس في شهر رمضان بعد العشاء فيصلي بهم إمامهم خمس ترويحات في كل ترويحة تسليمتان ويجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة ثم يوتر بهم.

(کتاب الصلوٰۃ، باب قیام شہر رمضان: ۵۴، ط: دار الکتب العلمیہ)

الجوہرۃ النیرہ علی مختصر القدوری میں ہے:

(قوله: ثم يوتر بهم) فيه إشارة إلى أن وقت التراويح بعد العشاء قبل الوتر به قال عامة المشايخ، والأصح أن وقتها بعد العشاء إلى آخر الليل قبل الوتر وبعده؛ لأنها نوافل سنة بعد العشاء كذا في الهداية، وقال أبوعلي النسفي: الصحيح أنه لو صلى التراويح قبل العشاء لا تكون تراويح ولو صلاها بعد العشاء والوتر جاز وتكون تراويح. (کتاب الصلوٰۃ، باب قیام شہر رمضان: ۱/۹۹، ط: المطبعۃ الخیریۃ)

فتاویٰ شامی میں ہے:

(ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتر وبعده) في الأصح، فلو فاته بعضها وقام

الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلى ما فاته. (کتاب الصلوٰۃ، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۴، ط: سعید)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما وقتها فقد اختلف مشايخنا فيه قال بعضهم: وقتها ما بين العشاء والوتر، فلا تجوز قبل العشاء ولا بعد الوتر، وقال عامتهم: وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر فلا تجوز قبل العشاء؛ لأنها تبع للعشاء فلا تجوز قبلها كسنة العشاء. (کتاب الصلاۃ، فصل فی قدر التراویح: ۱/۲۸۸، ط: سعید)

تراویح چھوڑنے والے کے روزے کا حکم:

یاد رہے کہ رمضان المبارک میں عشاء کی نماز کے بعد بیس رکعات تراویح کی نماز مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سنتِ مؤکدہ ہے، بلا عذر اس کو چھوڑنے والا نافرمان اور گناہ گار ہے، خلفاء راشدین، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے پابندی سے تراویح پڑھنا ثابت ہے۔

نیز تراویح اور روزہ دونوں الگ الگ عبادات ہیں، اس لیے تراویح نہ پڑھنے والے کا روزہ تو درست ہوگا؛ تاہم تراویح چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

- فتاویٰ شامی میں ہے:

(التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعا.

(قوله سنة مؤكدة) صححه في الهداية وغيرها، وهو المروي عن أبي حنيفة، وذكر في الاختيار أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها وما فعله عمر، فقال: التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه، ولم يكن فيه مبتدعا؛ ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله - ﷺ -. ولا ينافيه قول القدوري إنها مستحبة كما فهمه في الهداية عنه، لأنه إنما قال يستحب أن يجتمع الناس، وهو يدل على أن الاجتماع مستحب، وليس فيه دلالة على أن التراويح مستحبة، كذا في العناية. وفي شرح منية المصلي: وحكى غير واحد الإجماع على سنيتها، وتمامه في البحر.

(قوله لمواظبة الخلفاء الراشدين) أي أكثرهم لأن المواظبة عليها وقعت في أثناء خلافة

عمر – رضي الله عنه –، ووافقه على ذلك عامة الصحابة ومن بعدهم إلى يومنا هذا بلا نكير، وكيف لا وقد ثبت عنه – صلى الله عليه وسلم – "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ" كما رواه أبو داوٗد بحر (قوله إجماعا) راجع إلى قول المتن سنة للرجال والنساء، وأشار إلى أنه لا اعتداد بقول الروافض إنها سنة الرجال فقط على ما في الدرر والكافي أو أنها ليست بسنة أصلا كما هو المشهور عنهم على ما في حاشية نوح، لأنهم أهل بدعة يتبعون أهوائهم لا يعولون على كتاب ولا سنة، وينكرون الأحاديث الصحيحة.

(کتاب الصلوٰۃ، باب الوتر والنوافل:۲/۴۳، ط: ایچ ایم سعید)

کیا تراویح چھوڑنے یا آٹھ رکعات پڑھنے سے گناہ ہوگا؟

بیس رکعت تراویح کی نماز بالاجماع سنتِ مؤکدہ نماز ہے، اور سنتِ مؤکدہ کو بلا عذر چھوڑنے کی عادت بنانے والا گناہ گار ہوتا ہے، اور اگر عذر کی وجہ سے سنت مؤکدہ چھوٹ جائے تو گناہ نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر پوری تراویح کی نماز یا بقیہ بارہ رکعتیں اگر کسی عذر (بیماری، سفرِ شرعی وغیرہ) کی وجہ سے رہ گئی تو گناہ نہیں؛ لیکن اگر مستقل طور پر بلا عذر محض سستی یا غفلت کی وجہ سے پوری تراویح یا بقیہ بارہ رکعتوں کے چھوڑنے کو عادت بنالے تو گناہ ہوگا۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

(التراويح سنة) مؤكدة؛ لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعاً.

(كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل:۲/۴۳، ط: سعيد)

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

لكن أجمع الصحابة على أن التراويح عشرون ركعةً.

(کتاب الصلاۃ، باب قیام شہر رمضان:۳/۹۷۳، ط: رشیدیہ)

نائٹ ڈیوٹی کی وجہ سے تراویح چھوڑنا:

واضح رہے کہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے، بلا عذر اس کو چھوڑنے کی عادت بنانے والا یا غیر اہم سمجھ کر چھوڑنے والا گناہ گار ہے، خلفاءِ راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین سے پابندی سے تراویح پڑھنا ثابت ہے؛ لہٰذا تراویح کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، تاہم شدید (شرعی) عذر

جیسے سفرِ شرعی یا سخت بیماری وغیرہ کی وجہ سے اگر تراویح چھوٹ جائے تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے۔ لہٰذا ایسے شخص کو چاہیے کہ نائٹ ڈیوٹی کے دوران فرض نماز کے ساتھ ساتھ تراویح بھی ادا کرے اور اس سلسلہ میں کمپنی کے ذمہ داروں سے بات کرے، اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو اپنی ڈیوٹی کو دن کی شفٹ میں تبدیل کروالے اور بغیر کسی شرعی عذر کے تراویح کو ترک نہ کرے۔

(مستفاد: ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل: ۴۳/۲، ط: سعید، مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، باب قیام شہر رمضان: ۹۷۳/۳، ط: رشیدیہ)

گھروں میں باجماعت تراویح پڑھنا، پڑھانا:

یاد رہے کہ ماہِ رمضان المبارک کی ہر رات میں ہر شرعی مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا مستقل سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، یعنی اگر چند افراد مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ لیں تو اہلِ محلہ کی طرف سے مسجد کی تراویح کی جماعت کی سنت ادا ہو جائے گی، اور اگر مسجد میں تراویح کی بالکل جماعت نہ ہو تو تمام اہلِ محلہ مذکورہ سنت ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے، نیز تراویح میں ایک قرآنِ مجید ختم کرنا سنت ہے، اور رمضان المبارک کے پورے مہینہ میں تراویح پڑھنا ایک الگ سنت ہے؛ لہٰذا اگر مسجد میں باجماعت تراویح کی جماعت ادا کی جاتی ہے (گو اس میں ختم قرآن ہو کہ نہ ہو) تو لوگوں کا تراویح میں قرآن پاک کی تکمیل کی سنت پر عمل کرنے کی نیت سے گھر میں تراویح کی جماعت کروانا جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ عشاء کی نماز باجماعت مسجد میں پڑھ کر اس کے بعد گھر میں تراویح کی جماعت کرالیا کریں، مسجد قریب ہونے کے باوجود اگر فرض نماز گھر پر ادا کی تو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ثواب نہیں ملے گا، جو رمضان المبارک جیسے مقدس اور نیکیاں کمانے کے مہینے میں بڑی محرومی کی بات ہے۔

دیکھیے: **الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (۴۵/۲):**

(والجماعة فيها سنة على الكفاية) في الأصح، فلو تركها أهل مسجد أثموا إلا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل قاله الحلبي.

(قوله: والجماعة فيها سنة على الكفاية إلخ) أفاد أن أصل التراويح سنة عين، فلو تركها واحد كره، بخلاف صلاتها بالجماعة فإنها سنة كفاية، فلو تركها الكل أساءوا؛ أما لو تخلف

عنها رجل من أفراد الناس وصلى في بيته فقد ترك الفضيلة، وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد وهكذا في المكتوبات كما في المنية وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول. واستظهر ط الثاني. ويظهر لي الثالث، لقول المنية: حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة فقد تركوا السنة وأساءوا. الخ

وظاهر كلامهم هنا أن المسنون كفايةً إقامتها بالجماعة في المسجد، حتى لو أقاموها جماعة في بيوتهم ولم تقم في المسجد أثم الكل، وما قدمناه عن المنية فهو في حق البعض المختلف عنها. وقيل: إن الجماعة فيها سنة عين فمن صلاها وحده أساء وإن صليت في المساجد وبه كان يفتي ظهير الدين. وقيل: تستحب في البيت إلا لفقيه عظيم يقتدى به، فيكون في حضوره ترغيب غيره. والصحيح قول الجمهور إنها سنة كفاية، وتمامه في البحر.

فتاویٰ شامی میں ہے:

(والختم) مرةً سنةٌ ومرتين فضيلةٌ وثلاثاً أفضل. (ولا يترك) الختم (لكسل القوم)، لكن في الاختيار: الأفضل في زماننا قدر ما لايثقل عليهم، وأقره المصنف وغيره. وفي المجتبى عن الإمام: لو قرأ ثلاثاً قصاراً أو آيةً طويلةً في الفرض فقد أحسن ولم يسيء، فما ظنك بالتراويح؟ وفي فضائل رمضان للزاهدي: أفتى أبو الفضل الكرماني والوبري أنه إذا قرأ في التراويح الفاتحة وآيةً أو آيتين لايكره، ومن لم يكن عالماً بأهل زمانه فهو جاهل.

(قوله: الأفضل في زماننا إلخ)؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة، حلية عن المحيط. وفيه إشعار بأن هذا مبني على اختلاف الزمان، فقد تتغير الأحكام لاختلاف الزمان في كثير من المسائل على حسب المصالح، ولهذا قال في البحر: فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة، لكن لا يلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصاً في زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم.

(قوله: وفي المجتبى إلخ) عبارته على ما في البحر: والمتاخرون كانوا يفتون في زماننا بثلاث آيات قصار أو آية طويلة حتى لا يمل القوم ولا يلزم تعطيلها، فإن الحسن روى عن الإمام أنه إن قرأ في المكتوبة بعد الفاتحة ثلاث آيات فقد أحسن ولم يسئ، هذا في المكتوبة فما ظنك في غيرها. (۴۶/۲، ۴۷، باب الوتر والنوافل، ط: سعید)

تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنا:

قرآن کریم دیکھ کر تراویح پڑھنا، پڑھانا رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، حضرات صحابہ وتابعینؒ، جمہور فقہاء ومجتہدین سے ثابت نہیں ہے؛ اسی لیے احناف کے نزدیک نماز میں قرآنِ مجید دیکھ کر پڑھنا یا دیکھ کر سماعت کرنا جائز نہیں، تراویح میں دیکھ کر قرآنِ مجید پڑھنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اسی طرح دیکھ کر سماعت کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اگر اس حالت میں سامع نے لقمہ دیا اور امام نے قبول کرلیا تو امام ومقتدی سب کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

دیکھیے: البحر الرائق شرح کنز الدقائق (۷۳/۴):

(قوله: وقراءته من مصحف) أي يفسدها عند أبي حنيفة، و قالا: هي تامة؛ لأنها عبادة انضافت إلى عبادة إلا أنه يكره؛ لأنه تشبه بصنيع أهل الكتاب، و لأبي حنيفة وجهان: أحدهما أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير، الثاني أنه تلقن من المصحف فصار كما إذا تلقن من غيره، وعلى هذا الثاني لا فرق بين الموضوع والمحمول عنده، وعلى الأول يفترقان، و صحح المصنف في الكافي الثاني وقال: إنها تفسد بكل حال تبعًا لما صححه شمس الأئمة السرخسي، و ربما يستدل لأبي حنيفة كما ذكره العلامة الحلبي بما أخرجه ابن أبي داؤد عن ابن عباس قال: نهانا أمير المؤمنين أن نؤم الناس في المصحف؛ فإن الأصل كون النهي يقتضي الفساد، و أراد بالمصحف المكتوب فيه شيء من القرآن، فإن الصحيح أنه لو قرأ من المحراب فسدت، كما هو مقتضى الوجه الثاني، كما صرحوا به، و أطلقه فشمل القليل والكثير و ما إذا لم يكن حافظًا أو حافظًا للقرآن، و هو إطلاق الجامع الصغير.

الدر المختار شرح تنویر الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفه (۶۲۳/۱):

(وقراءته من مصحف) أي ما فيه قرآن (مطلقًا)؛ لأنه تعلم إلا إذا كان حافظًا لما قرأه وقرأ بلا حمل، وقيل: لاتفسد إلا بآية.

المحيط البرہانی للإمام برہان الدین ابن مازة (۷۷/۲):

وإذا قرأ المصلي من المصحف فسدت صلاته وهذا قول أبي حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد: لاتفسد، حجتهما: أن عائشة أمرت ذكوان بإمامتها وكان ذكوان يقرأ من المصحف، ولأبي حنيفة وجهان: أحدهما: إن حمل المصحف وتقليب الأوراق والنظر فيه والتفكر ليفهم ما فيه فيقرأ عمل كثير، والعمل الكثير مفسد لما نبيّن بعد هذا، وعلى هذا الطريق يفرق الحال بينهما إذا كان المصحف في يديه أو بين يديه أو قرأ من المحراب، والله أعلم.

نمازِ تراویح کے بعد دعا:

نمازِ تراویح کے بعد وتر کی نماز سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا سے متعلق یہ اُصولی بات جان لینا چاہیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا ثابت ہے، جب اس پر عمل کیا جائے تو اجتماعی صورت عملاً پیدا ہو جاتی ہے؛ لیکن اجتماعی دعا پر ایسا التزام کرنا کہ جو شخص اس اجتماعی دعا میں شامل نہ ہو رہا اس پر طعن و تشنیع کی جائے درست نہیں، تراویح کے بعد وتر سے پہلے اگر لازم سمجھے بغیر دعا کر لی جائے تو گنجائش ہے، اگر یہ دعا وتر کے بعد کی جائے تو اس کی بھی اجازت ہے، اور اگر کوئی شخص یہ دعا نہیں کرتا تو اس پر بھی لعن طعن نہ کی جائے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

"بعد ختم تراویح دعا مانگنا درست ہے، اور مستحب ہے، اور معمولِ سلف وخلف ہے، پھر وتر کے بعد دعا ضروری نہیں ہے، ایک بار کافی ہے۔ یعنی ختم تراویح کے بعد کافی ہے"۔

(فتاویٰ دارالعلوم: ۱۹۲/۴، ط: مکتبہ امداد العلوم، ملتان)

شبینہ پڑھنے کا حکم:

واضح رہے کہ شبینہ کے جواز کی کچھ شرائط ہیں:

(۱) سب سے بنیادی شرط یہ ہے کہ: شبینہ نوافل کے بجائے تراویح میں پڑھیں، اور اگر نوافل میں

پڑھیں تو باقاعدہ جماعت نہ ہو یعنی دو یا تین سے زائد مقتدی نہ ہوں؛ کیوں کہ اگر مقتدی تین سے زائد ہوئے تو یہ تداعی (دعوت وبلاوے) کے ساتھ نوافل کی جماعت ہوگی جو کہ مکروہِ تحریمی ہے، نیز اگر نمازِ تراویح میں شبینہ پڑھا جائے تو اس میں بھی مندرجہ ذیل شرائط کا خیال رکھنا لازم اور ضروری ہے:

(۲) قرآن پاک کو ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے۔

(۳) نام ونمود اور ریا کاری مقصود نہ ہو۔

(۴) اس کے لیے فضول خرچی نہ کرنی پڑتی ہو۔

(۵) اس میں لاؤڈ اسپیکر کا بلا ضرورت استعمال نہ ہو، بلکہ صرف بقدرِ ضرورت استعمال کیا جائے۔

(۶) اس کی وجہ سے معتکف اور ذکر، تلاوت اور نماز میں مشغول شخص یا آرام کرنے والے یا کسی بیمار کو تکلیف نہ ہو۔

(۷) فرائض وواجبات کی طرح اس کی پابندی نہ ہو۔

(۸) اس میں شرکت کرنے والے اپنے ذوق وشوق سے شرکت کریں، شرکت نہ کرنے پر کم ہمت ہونیکا طعن وتشنیع نہ کیا جائے۔

(۹) جلدی کی وجہ سے نماز کے ارکان وشرائط کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی جاتی ہو۔

(۱۰) شبینہ پڑھانے والے حضرات مشروط یا معروف طور پر اجرت نہ لیں۔

(۱۱) سننے والے کلامِ پاک پورے ادب واحترام کے ساتھ سنیں۔

مذکورہ بالا تمام شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے بھی بہتر یہ ہے کہ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنے کے بجائے کم سے کم تین راتوں میں ختم کیا جائے۔

آج کل شبینۂ مروجہ عام طور پر مفاسد سے خالی نہیں ہوتے، نوافل کی جماعت، نمائش وریا، نماز تراویح اور قرآن کی بے ادبی وبے احترامی وغیرہ اُمورِ قبیحہ شبینہ کے جزو لازم ہو گئے ہیں، عموماً حفاظ آداب واُصول تجوید کی رعایت نہیں رکھتے، اس قدر تیز پڑھتے ہیں کہ بہت سے حروف کٹ کر ایک ایک رکعت میں بیسیوں لحن جلی (تجوید کی بڑی غلطیاں) ہوتی ہیں، نیز بسا اوقات جو کچھ پڑھا جاتا ہے، وہ مقتدیوں کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پڑھا، نیز بعض جگہ تو شبینہ ہوتے ہوئے بہت سے لوگ چائے پانی ہنسی مذاق؛ بلکہ ٹھٹھے لگانے میں مصروف رہتے ہیں، ایسی صورت میں شبینہ مروجہ کا ناجائز ہونا ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

تراویح میں تکمیل قرآن کے موقع پر وعظ:

نمازِ تراویح کے اختتام پر یعنی تکمیلِ قرآن پاک کے دن اجتماعی طور پر وعظ کرنا، اجتماع کے لیے انتظام کرنے کا شرعی حکم یہ ہے کہ تکمیلِ قرآن کے موقع پر چوں کہ لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں، اس لیے ایسے موقع پر مختصر وعظ وغیرہ کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے، خواہ یہ وعظ تکمیلِ قرآن اور تراویح کے متصل بعد ہو یا کچھ وقفہ دے کر رات میں کسی وقت ہو۔

کفایت المفتی میں ہے: ''مسجد میں تبلیغ یا وعظ کا جلسہ یا مشورہ کر کے اجتماع کرنا جائز ہے''۔

(کتاب الوقف: ۲۹۶/۱۰، ط: ادارۃ الفاروق، کراچی)

فتاویٰ شامی میں ہے: **أن المسجد إنما بني للمكتوبة، وتوابعها كالنافلة والذكر وتدريس علم.**

(کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ: ۲۲۵/۲، ط: دار الفکر، بیروت)

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

فلا يجوز لأحد مطلقا أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن. (کتاب الصلاۃ: ۳۶/۲، ط: دار الکتاب الاسلامی)

تراویح میں تکمیل قرآن کے موقع پر مٹھائی:

تراویح میں تکمیل قرآن مجید کے موقع پر شیرینی اور دیگر اشیاء تقسیم کرنا اور اس کے لیے اجتماعی چندہ کرنا، اس کے لیے مسجد میں اعلان کرنا، لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ تراویح ختم ہونے پر شیرینی تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے، اگر ختم پر مٹھائی تقسیم کرنے کے لیے لوگوں کو چندہ دینے پر مجبور کیا جاتا ہو اور بچوں کا رش اور شور وغل ہوتا ہو، مسجد کا فرش خراب ہوتا ہو یا اسے لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہو تو اس کا ترک کر دینا ضروری ہے، اور اگر یہ مفاسد نہ پائے جائیں؛ بلکہ کوئی خوشی سے تقسیم کر دے یا امام یا سامع کے لیے لے آئے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے، ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ خشک چیز تقسیم کی جائے؛ تاکہ مسجد کا فرش وغیرہ خراب نہ ہو اور مسجد کے اندر تقسیم کرنے کے بجائے دروازے پر تقسیم کر دیا جائے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

''سوال: (۱) رمضان المبارک میں تراویح میں ختم قرآن ہوتا ہے اس دن شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

بینوا تؤ جروا۔(۲) شیرینی صرف ایک شخص کی طرف سے تقسیم ہوتی ہے، چندہ نہیں کرتے تو یہ درست ہے یا نہیں؟(۳) شیرینی جماعت خانہ میں تقسیم کرسکتے ہیں یا صحن میں کی جائے؟ بینوا تؤ جروا۔

الجواب:(۱) ضروری نہیں ہے، لوگوں نے اسے ضروری سمجھ لیا ہے اور بڑی پابندی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے، لوگوں کو چندہ دینے پر مجبور کیا جاتا ہے، مسجدوں میں بچوں کا اجتماع اور شور وغل وغیرہ خرابیوں کے پیشِ نظر اس دستور کو موقوف کردینا ہی بہتر ہے۔

(۲) امامِ تراویح یا اور کوئی ختمِ قرآن کی خوشی میں کبھی کبھی شیرینی تقسیم کرے اور مسجد کی حرمت کا لحاظ رکھا جائے تو درست ہے۔

(۳) مسجد کا فرش خراب نہ ہو، خشک چیز ہو اور مسجد کی بے حرمتی لازم نہ آئے تو درست ہے، بہتر یہ ہے کہ دروازے پر تقسیم کردیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب''۔ (مسائل تراویح:۶/۲۴۳-۲۴۴، ط: دارالاشاعت)

البحر الرائق میں ہے:

أخرجه المنذري مرفوعا: (جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وبيعكم وشرائكم ورفع أصواتكم وسل سيوفكم وإقامة حدودكم وجمروها في الجمع واجعلوا على أبوابها المطاهر). (کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا:۲/۳۷)

رمضان میں اکرامِ حافظ یا امام صاحب کی اضافی خدمت:

نمازِ تراویح کے امام کے لیے رقم جمع کرکے دینا اور امام کا رقم طے کیے بغیر نماز تراویح پڑھانا، مگر تکمیلِ قرآن کے دن نمازیوں کا ہدیہ دینا اور امام کا لینا جب کہ عرف میں رواج اسی طرح کا ہو، اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ تراویح کی نماز میں قرآنِ مجید سننے اور سنانے پر اُجرت لینا اور لوگوں کے لیے اجرت دینا جائز نہیں، لینے اور دینے والے دونوں گناہ گار ہوں گے؛ البتہ اگر ہدیۃً واکراماً کوئی کچھ دے دیا جائے اور نہ دینے پر شکوہ یا شکایت نہ ہو اور اور نہ ہی مطالبہ ہو اور دینا مشروط یا معروف بھی نہ ہو تو یہ صورت اجرت میں داخل نہ ہوگی۔ نیز اگر قرآن مجید سننے اور سنانے والے کو رمضان المبارک میں تمام نمازوں یا ایک دو نماز کے لیے نائب امام یا مؤذن بنادیا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نمازیں یا اذان سپرد کردی جائیں اور رمضان کے آخر میں طے شدہ تنخواہ دے دی جائے تو جائز ہوگا۔

اسی طرح اگر مسجد کا امام یا مؤذن ہی تراویح میں قرآن سنائیں اور مسجد انتظامیہ رمضان المبارک میں مشاہرہ زیادہ یا دوگنا دے تو یہ صورت بھی تراویح کی اجرت میں داخل نہیں ہوگی۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال؛ فإذا لم يكن للقاریٔ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستاجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا – إنا لله وإنا إليه راجعون – الخ.

(كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة:٥٦/٦، ط: دار الفكر، بيروت)

کفایت المفتی میں ہے:

"متأخرین فقہائے حنفیہ نے امامت کی اُجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، پس اگر امام مذکور سے معاملہ امامت نماز سے متعلق ہوا تھا تو درست تھا؛ لیکن قرآنِ مجید تراویح میں سنانے کی اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے، اگر معاملہ قرآن مجید سنانے کے لیے ہوا تھا تو ناجائز تھا"۔ (کتاب الصلاۃ:۴۱۰/۳،ط:ادارۃ الفاروق، کراچی)

یاد رہے کہ اُجرت اور چیز ہے اور اِکرام وتکریم اور چیز، ان دونوں کے درمیان فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے آج کل یہ مسئلہ بڑا ہی معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے۔

اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہر دور وزمانہ میں اکرامِ حافظ اور تکریم قرآن مجید کے عنوان سے اُمت حفاظ کرام کی خدمت کرتی آئی ہے، نہ تو دینے والے اس کو اُجرت سمجھ کر دیتے ہیں اور نہ لینے والے ہی اس کو اُجرت سمجھ کر اپنا ثوابِ آخرت برباد کرتے ہیں؛ بلکہ یہ محض اور محض اکرامِ حاملین قرآن کی ایک صورت ہے، جس کا حکم حدیث میں بھی آیا ہے؛ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَكْرِمُوْا حَمَلَةَ الْقُرْآنِ، فَمَنْ اَكْرَمَهُمْ فَقَدْ اَكْرَمَ اللّٰهَ.**

(كنز العمال:٥٢٣/١، رقم الحديث:٢٣٤٣، الجامع الصغير:١٤٥/١)

"حاملین قرآن (یعنی حفاظ اور علمائے کرام) کا اکرام کرو، جس نے ان کا اکرام کیا، اس نے اللہ کا اکرام کیا"۔

تراویح کی اُجرت، امام صاحب کا ہدیہ:

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''تراویح ایک عبادت ہے، جو اللہ کی رضا کے لیے لوگ پڑھتے ہیں اور تراویح پڑھانے والا بھی اللہ کی رضا کے لیے پڑھاتا ہے، اس میں تو کوئی دوسری رائے نہیں ہے۔

باقی رہا مسئلہ کہ جو امام تراویح پڑھاتا ہے اور پورا دن قرآن کریم یاد کرتا ہے، قرآن کریم کو سنانے کے لیے کسی اور مشغلہ میں مشغول نہیں ہوتا اور اس کے اخراجات بھی ہیں، اس کی ضرورتیں بھی ہیں، تو اس تراویح پڑھانے والے کو تو پیسوں کی نیت سے نہیں اللہ کی رضا کے لیے ہی تراویح پڑھانی چاہیے؛ لیکن اس کے پیچھے تراویح پڑھنے والوں کو چاہیے کہ اس امام کی خدمت کریں، امام کو ہدیہ دیں اور زیادہ سے زیادہ دینا چاہیے۔

ایک بات تو یہ سمجھ لیں کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تراویح پڑھانے والا اُجرت نہ لے، وہ لوگ یہ کیوں نہیں کر لیتے کہ اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھائیں اور مصلّٰی پر کھڑا کر دیں، وہ کیوں نہیں کر لیتے کہ خود قرآن کریم کو یاد کریں اور تراویح پڑھالیا کریں۔

بھائی! آپ پورا دن ملازمت کرتے ہیں، پورا دن آپ تجارت کرتے ہیں، پورا دن آپ دنیاوی کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور حافظ پورا دن قرآن کریم کو یاد کرتا ہے، نہ وہ تجارت کر سکتا ہے، نہ ملازمت کر سکتا ہے، قرآن کریم یاد کرتا ہے اور رات کو مصلّٰی پر کھڑے ہو کر تراویح پڑھاتا ہے، اگر بیچارے کو کوئی اَٹکن بھی آجائے تو پوری مسجد شور مچاتی ہے، کچھ بھول جائے تو آپ کی باتیں بھی سنتا ہے، تو اس کو محنت بھی کرنی پڑتی ہے، اس لیے تراویح پڑھانے والے کو تو اللہ کی رضا کے لیے پڑھانا چاہیے؛ لیکن امام کے پیچھے تراویح پڑھنے والوں کو امام کی ضرورت کا خیال رکھنا چاہیے۔

ایک لطیفہ:

میں ایک بات خوش طبعی یعنی لطیفہ کے طور پر عرض کیا کرتا ہوں کہ جب ہمارے یہاں رمضان کا اخیر ہوتا ہے تو ہم اپنے بچوں کے لیے Shopping (یعنی خریداری) کرتے ہیں، جوتے کپڑے لیتے ہیں اور اس قدر اسراف کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ! (اللہ بچائے)۔

ضرورت کی حد تک تو کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن بہت آگے نکل جانا اس کی شریعت میں کہاں گنجائش ہوگی

۔اب آپ نے سب کچھ کرلیا،اب آپ مجھے بتائیں کہ ایک حافظ صاحب،ایک قاری صاحب ہے،وہ پورا مہینہ کچھ نہیں کرتے،قرآن یاد کرتے ہیں اور تراویح پڑھاتے ہیں،اب وہ ایک مہینہ کے بعد جب گھر جائے اور اہلیہ کہے کہ مجھے کپڑے لینے ہیں تو وہ قاری صاحب کہے کہ سورۃ النساء کا اجر تم لے لو،بیٹی کہتی ہے کہ ابو مجھے جوتے لینے ہیں تو وہ کہے کہ بیٹی سورۂ بقرہ کا ثواب تم لے لو،آپ بتائیں کہ اس سے کیا اس کے گھر کا ماحول ٹھیک ہوجائے گا،اس کی ضرورتیں پوری ہوجائیں گے،تو جس طرح آپ تراویح پڑھتے ہیں اجر کے لیے،وہ بھی تراویح پڑھاتا ہے اجر کے لیے،باقی اس پر یہ دلائل پیش کرتا کہ رسول اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام جب دین بیان کرتے تھے تو یہ فرمایا کرتے تھے:﴿یٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا﴾(سورۂ ہود:۱۲/۵۱)

"اے میری قوم!میں اس(تبلیغ)پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا"۔

﴿یٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ مَالًا﴾(سورۂ ہود:۱۲/۲۹)

"اے میری قوم!میں اس(تبلیغ)پر تم سے کچھ مال نہیں مانگتا"۔

اللہ کے بندوں یہ خطاب نبی ان کو کرتے تھے جو نبی کے مخالف ہوتے تھے،کافر ہوتے تھے،جو مشرک ہوتے تھے،ان کو پیغمبر یہ بات کہتے تھے کہ میں تم سے اپنی دعوت پر کوئی معاوضہ نہیں لے رہا ہوں۔

لیکن جو پیغمبر کے معتقد تھے تو کیا پیغمبر نے ان سے اپنی ضرورتیں پوری نہیں کرائیں،کیا پیغمبر کا معتقد پیغمبر کی ضرورت کو پورا کرے تو نبی نے مسترد کیا ہے،ایسی بات نہیں ہے۔

میں ایک بات عرض کیا کرتا ہوں کہ ایک ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک ہے ابو جہل،تو رسول اکرم ﷺ جو فرماتے ہیں کہ:میں تم سے کچھ نہیں مانگتا،یہ ابو جہل کو کہہ رہے ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں کہہ رہے ہیں،تو تم اس آیت کا مصداق ابو جہل کی جگہ کھڑے ہوکر خود کو نہ بناؤ۔آپ کیسی بات کرتے ہیں جو خطاب کفار کو ہو رہا ہے وہ آپ اپنے لیے فٹ کررہے ہیں۔

میں مزید سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ دیکھو!مثلاً میں کسی علاقہ میں بیان کے لیے جاتا ہوں جو عقیدہ کے اعتبار سے میرے مخالف ہیں،تو ظاہر ہے کہ میں بیان کروں گا تو ان سے تو نہیں کہوں گا کہ میں نے آپ کو عقیدہ سمجھایا ہے مجھے کھانا کھلاؤ،چائے پلاؤ وغیرہ وغیرہ،وہ کہیں گے ہم نے بلایا تھا کیوں آئے تھے،نہیں آتے ہم نے تو نہیں بلایا تھا،ان سے تو میں یہ کہوں گا کہ میں عقیدہ بتاتا ہوں اور حرام ہے جو میں تم سے کچھ بھی

مانگوں، مگر جو میرے عقیدت مند ہیں، میں ان کے یہاں جاتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ بھائی چائے لاؤ، کھانا لاؤ وغیرہ وغیرہ، تو کیا وہ کہیں گے کہ اللہ کے نبی تو فرماتے ہیں کہ میں کچھ نہیں لیتا اور تم تو (کہہ رہے ہو، یہ لاؤ وہ لاؤ) کوئی بھی ایسا نہیں کرتا، میں اس لیے گزارش کرتا ہوں کہ فرق سمجھو۔

قرآن میں جو انبیاء کا خطاب ہے کہ ہم کسی سے مطالبہ نہیں کرتے وہ غیر سے ہے اور علماء جو تقاضہ کر بھی لے تو وہ ان سے کرتے ہیں جو اپنے ہیں، اپنوں اور غیروں میں فرق ہوتا ہے، اپنائیت پیدا کرو، دوری مت پیدا کرو۔

آپ یقین فرمائیں کہ اس دور میں جو مستقل مہم چلی ہے اس پر میری مستقل فائل بھی ہے، بیان بھی ہے ''اُجرت علیٰ تعلیم الدین'' اس نام سے کہ دین پر کوئی انسان اُجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ دلائل موجود ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ایک مستقل محنت اس پر کی ہے، دین کو مٹانے کی ایک سازش کی ہے؛ کیونکہ جو مالدار ہے اس نے عالمِ دین بن کر جمعہ پڑھانا نہیں ہے اور جو غریب ہے اس کو تنخواہ دینی نہیں ہے، تو جمعہ کون پڑھائے گا؟ جو مالدار ہے اس نے قاری بن کر بچوں کو پڑھانا نہیں ہے اور غریب جس نے پڑھانا ہے اس کو تنخواہ دینی نہیں ہے، تو قرآن کون پڑھائے گا؟

آپ دیکھیں نا! کیسے غیر شعوری طور پر ایک مہم چلادی گئی ہے، ہم کو اغیار کے پروپیگنڈے میں شریک نہیں ہونا چاہیے؛ اس لیے تراویح پڑھانے والے حافظ، قاری، عالم ان کو چاہیے کہ خالص اللہ کی رضا کے لیے پڑھائیں اور پڑھنے والوں کو چاہیے کہ دل کھول کر امام کو ہدیہ دیں، اس کی ضرورتوں کا خیال رکھیں، اللہ ہمیں دین پر اپنا سب کچھ مٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں تو عرض کیا کرتا ہوں کہ صرف یہ دعا نہ کیا کریں کہ اللہ دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے؛ بلکہ یوں دعا کیا کریں کہ اے اللہ! دین کی خدمت اور دین کی خدمت کرنے والوں کی خدمت اور پھر اس پر جو ہماری خدمت ہے اس کو قبول فرما۔ دین کی خدمت کرنے کی توفیق دے، دین کی خدمت کرنے والوں کی خدمت کرنے کی توفیق دے اور پھر جو ہم نے خدمت کی ہے اس کو اپنے کرم سے قبول فرما، آمین۔ (افاداتِ رمضان: ۱۰۰تا۱۰۳)

تراویح کے بقیہ اَحکام ومسائل کے لیے بندہ کی کتاب ''انوارات رمضان المبارک'' سے ''تحفۂ تراویح'' (صفحہ: ۶۵تا۱۱۵) ملاحظہ ومطالعہ کیجیے۔

☆......☆......☆

رمضان اور قرآن

رمضانُ المبارک کا مہینہ بہت ہی بابرکت مہینہ ہے۔ رمضان المبارک کو مہینوں کا سردار کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پورے مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا کہ اس مہینہ کی اہمیت کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ رجب کے مہینے سے ہی رمضان المبارک میں پہنچنے کی دعا شروع کر دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''میری اُمت رمضان کے حوالے سے پانچ ایسی چیزوں سے نوازی گئی ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو وہ چیزیں نہیں دی گئیں۔

پہلی چیز: جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے اللہ تعالیٰ اس امت کی طرف دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جن کی طرف دیکھ لیتے ہیں، ان کو کبھی بھی عذاب نہیں دیتے۔

دوسری چیز: افطار کے وقت روزہ داروں کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

تیسری چیز: فرشتے ان کے لیے دن ورات استغفار کرتے ہیں۔

چوتھی چیز: اللہ اپنی جنت کو حکم کرتے ہوئے فرماتا ہے: میرے بندوں کے لیے تزئین کرلو(خوبصورت ہوجاؤ) اور تیار ہوجاؤ۔

پانچویں چیز: جب(رمضان) کی آخری رات ہوتی ہے، تو(اللہ تعالیٰ) ان سب کو معاف فرمادیتے ہیں''۔(شعب الایمان، رقم الحدیث:۳۳۳۱)

قرآن کریم اسی ماہ مبارک رمضان میں نازل ہوا۔ فرمان خداوندی ہے:

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا''۔(سورۂ بقرہ:۱۸۵)

قرآن کریم ماہ رمضان کی ایک خاص رات میں نازل ہوا۔ اس مبارک رات کو لیلۃ القدر یا شب قدر کہتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے''۔ (سورۃ القدر:۱)

قرآن کریم کا ماہ رمضان کی لیلۃ القدر میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ''لوح محفوظ سے آسمان اول پر'' بیت العزت میں بیک وقت شب قدر میں اُتارا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت العزت سے ضرورت کے مطابق تئیس (۲۳) سالوں میں نبی اکرم ﷺ تک حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت بھیجا۔

مشہور مفسر حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس وغیرہ (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن شریف لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر بیت العزت میں یکبارگی (شب قدر میں) نازل فرمایا۔ پھر واقعات کے مطابق تفصیل وار تئیس سالوں میں رسول اللہ ﷺ پر (تھوڑا تھوڑا) نازل ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر:۸/۴۴۱)

قرآن کریم کا رمضان میں نازل ہونا ایک حقیقت ہے۔ رمضان سے قرآن کریم کا تعلق بہت گہرا ہے۔ ہمیں رمضان کے اوقات وساعات کی قدر کرتے ہوئے، روزہ کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآن کریم میں مصروف رہنا چاہیے۔ رمضان اور قرآن ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ یہ دونوں قیامت کے دن روزہ رکھنے والوں اور تلاوت کرنے والوں کے حق میں سفارش بھی کریں گے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ روزہ اور قرآن قیامت کے دن (روزہ رکھنے والے اور تلاوت کرنے والے کے حق میں) سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے پینے سے روک دیا تھا؛ لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمالیں! قرآن کریم کہے گا: اے میرے رب! میں نے رات میں اس کو سونے سے روک دیا تھا؛ لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول کرلیں۔ پھر ان دونوں کی سفارشیں قبول کرلی جائیں گی۔ (حلیۃ الاولیا وطبقات الاصفیاء:۸/۱۶۱)

قارئین کرام! ہمیں چاہیے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں اپنا وقت زیادہ تر قرآن کریم میں تدبر وتفکر اور اس کی تلاوت وقرأت میں گزاریں۔ یہ عمل جہاں ہمیں رمضان جیسے مبارک مہینے میں ادھر ادھر کی لغو اور لایعنی باتوں سے محفوظ رکھے گا وہیں اس عمل سے آخرت بھی سدھرے گی اور من جانب اللہ بڑا اجر وثواب بھی ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اسلاف واکابر کو اس حوالے سے بھی خاصی توفیق عطا کی تھی کہ وہ رمضان المبارک میں سارے مشاغل سے دور رہ کر اپنے اکثر اوقات قرآن کریم کی تلاوت میں ہی صرف کرتے تھے۔

امام الانبیاء ﷺ کا رمضان میں تلاوت قرآن کرنا:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا بھی یہ معمول تھا کہ آپ رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما رمضان میں آپ ﷺ کی سخاوت وغم خواری اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کے دور کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ خیر کے معاملے میں لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت اس وقت رمضان میں اور زیادہ بڑھ جاتی تھی جب جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملتے۔ جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے رمضان شریف کی ہر رات میں ملتے؛ تا آں کہ رمضان ختم ہو جاتا۔ آپ ﷺ جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے تھے۔ جب جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملنے لگتے تو آپ ﷺ چلتی ہوا سے بھی زیادہ بھلائی پہنچانے میں سخی ہو جایا کرتے تھے۔
(صحیح البخاری، رقم الحدیث:۱۹۰۲)

اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ رمضان کے مہینے میں جہاں ہمیں قرآن کریم کی تلاوت کرنی چاہیے، وہیں ہمیں صدقات وخیرات میں سخاوت سے کام لینا چاہیے۔

رمضان میں ساٹھ (60) قرآن ختم:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شخصیت عوام وخواص میں جانی پہچانی ہے۔ امام صاحبؒ کے بارے میں علی بن زید صیدانی بیان کرتے ہیں کہ وہ رمضان میں ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے، ایک ختم دن میں اور ایک ختم رات میں۔ (التدوین فی أخبار قزوین:۳۳۲/۲)

قرآن کی تلاوت اور دلچسپی:

حضرت امام مالکؒ کے بارے میں ابن عبدالحکیمؒ فرماتے ہیں:

"جب رمضان کا مہینہ آتا تو امام مالک حدیث کی تدریس اور اہل علم کی مجلسوں سے دور رہتے اور پوری دلچسپی سے قرآن کریم دیکھ کر تلاوت کرتے"۔ (لطائف المعارف لابن رجب:۱۷۱/۱)

ہر رات ایک قرآن ختم:

حضرت امام شافعیؒ شروع میں طلب علم میں مشغولیت کی وجہ سے قرآن کی تلاوت کم کرتے تھے۔ پھر آخر عمر میں بہت زیادہ تلاوت کرتے تھے۔ حضرت ربیع آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: آپ ہر رات ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ ماہ رمضان میں آپ ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے۔(المنتظم فی تاریخ الأمم والملوك: ١٠/١٣٥)

نفلی عبادات اور قرآن کی تلاوت:

حضرت سفیان ثوریؒ کے بارے میں عبدالرزاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب رمضان آتا تو سفیان ثوریؒ ساری (نفلی) عبادتوں کو چھوڑ دیتے اور پوری دلچسپی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے۔ (لطائف المعارف: ١/١٧١)

رمضان اور سترہ (17) قرآن:

ولید بن عبدالملک بنو اُمیہ کے نامور اور مشہور خلیفہ تھے۔ آپ کے بارے میں ابراہیم بن ابوعبلہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے انہوں نے ایک دن پوچھا: کتنے دن میں قرآن ختم کرتے ہو؟ میں نے جواب دیا اتنے اتنے دنوں میں۔ پھر وہ بولے: امیر المؤمنین مشغول ہونے کے باوجود تین دن میں ایک قرآن ختم کرتا ہے۔ وہ ماہ رمضان میں سترہ قرآن ختم کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ٩/١٨٢)

تین دنوں میں قرآن ختم:

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے رمضان کا معمول بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی تو امام بخاریؒ اپنے ساتھیوں کو جمع کرتے۔ آپ ان کی امامت کرتے اور ہر رکعت میں بیس آیتوں کی تلاوت کرتے۔ یہی آپ کا معمول رہتا؛ تا آں کہ آپ قرآن مکمل کرتے۔ اور آپ سحری کے وقت تک نصف سے ثلث قرآن کے درمیان تک پڑھتے؛ چنانچہ ہر تیسری رات کو سحری کے وقت ایک قرآن ختم کرتے۔ آپ دن میں ہر روز ایک قرآن ختم کرتے۔ (فتح الباری: ١/٤٨١)

ماہ رمضان میں نوے (90) قرآن ختم:

محمد بن زہیر بن قمیر فرماتے ہیں: میرے والد ہم سب کو رمضان میں قرآن کریم ختم کرتے وقت جمع کرتے تھے۔ ایک دن و رات میں تین قرآن ختم کرتے تھے۔ ماہ رمضان میں نوے قرآن ختم کرلیا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد: ٨/٤٨٥)

امام بغویؒ زہیر محمد بن قمیر کے بارے میں فرماتے ہیں: امام احمد بن حنبل کے بعد، ان (زہیر محمد بن قمیر) سے بہتر کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ وہ رمضان میں نوے (۹۰) قرآن کریم ختم کرتے تھے۔(العبر فی خبر من غبر: ۳۶۹/۱)

33 مرتبہ قرآن ختم:

مامون الرشید مشہور و معروف عباسی خلفاء میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم، حلم اور شجاعت و بہادری سے نوازا تھا۔ انہوں نے خلق قرآن کے حوالے سے علماء کرام پر ظلم کیا۔ یہ ان کی زندگی کی ناگفتہ بہ حقیقت ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے: وہ بعض رمضان میں ۳۳ مرتبہ قرآن کریم ختم کرلیا کرتے تھے۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۲۲۶/۱)

تین قرآن ختم:

ابوجعفر محمد بن عبداللہ فرغانی فرماتے ہیں کہ ابوالعباس بن عطا نے فرمایا: اے ابوجعفر! بہت سالوں سے ہر روز میں ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ رمضان میں ایک دن اور رات میں تین قرآن ختم کرتا ہوں۔

(صفة الصفوة: ۵۳۳/۱)

ایک رات میں ایک قرآن:

حضرت قتادہؒ ہر سات رات میں ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ جب رمضان آتا تو ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ جب آخری عشرہ ہوتا تو ہر ایک رات میں ایک قرآن کریم ختم کرتے تھے۔

(نداء الریان فی فقه الصوم وفضل رمضان: ۱۹۸/۱)

قرآن مجید میں تدبر و تفکر:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا رمضان میں قرآن کریم میں تدبر و تفکر کے حوالے سے رقم طراز ہیں: علم کی گہرائی اور دقت نظر کا کچھ اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ حضرت نے اپنا یہ حال خود ایک دفعہ بیان فرمایا کہ میں رمضان مبارک میں قرآن مجید شروع کرتا ہوں اور تدبر و تفکر کے ساتھ اس کو پورا کرنا چاہتا ہوں؛ لیکن کبھی پورا نہیں ہوتا۔ جب دیکھتا ہوں کہ آج رمضان المبارک ختم ہونے والا ہے تو پھر اپنے خاص طرز کو چھوڑ کر جو کچھ باقی ہوتا ہے اس دن ختم کر کے دور پورا کرلیتا ہوں۔ یہ عاجز (حضرت نعمانی) عرض کرتا ہے کہ رمضان المبارک میں کبھی حضرت کے قریب رہنے کا اتفاق تو نہیں

ہوا؛ لیکن یہ معلوم ہے کہ آپ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ والے اس مبارک مہینہ میں زیادہ وقت قرآن مجید ہی کی تلاوت اور تدبر و تفکر پر صرف فرماتے تھے۔ اس کے باوجود قرآن کریم ختم نہیں کر پاتے تھے۔

(عبدالرحمٰن کوندو، الانور: ۳۰۷)

روزانہ ایک قرآن ختم:

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ حدیث اور علوم حدیث کی ایک اہم و مستند شخصیت کے طور پر عرب وعجم میں مشہور تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو درس وتدریس، تعلیم وتعلم، تصنیف وتالیف، عبادت وریاضت اور اصلاح وتزکیے کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ رمضان میں کئی سالوں تک آپ کا یہ معمول رہا کہ آپ روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرتے۔ آپ رقم طراز ہیں: (سن) ۱۳۳۸ھ سے ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا تھا، جو تقریباً (سن) ۱۳۸۰ھ تک رہا؛ بلکہ اس کے بھی بعد تک (رہا)۔ (آپ بیتی: ۱/۷۲)

رمضان میں چالیس پارے روزانہ:

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی دادی محترمہ قرآن کریم کی حافظہ تھیں۔ آپ کو دوران حفظ اپنی دادی سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ ان کی تلاوت قرآن پاک کے بارے میں لکھتے ہیں: میری دادی صاحبہ حافظہ تھیں اور بہت اچھا یاد تھا۔ سال بھر کا معمول، خانگی مشاغل، کھانے پکانے کے علاوہ، ایک منزل روزانہ کا تھا اور رمضان میں چالیس پارے روزانہ کا تھا۔ (آپ بیتی: ۱/۷۲)

یومیہ قرآن کا ختم:

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ رمضان المبارک میں روزانہ مکمل قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: رمضان المبارک میں یہ معمول اتنا بڑھ جاتا تھا کہ یومیہ پورا قرآن مجید پڑھتے تھے۔ (تذکرہ شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خانؒ: ۱۳۲)

مستورات کا قرآنی شغف:

قطب الاقطاب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ اپنے گھر کی مستورات کے متعلق

لکھتے ہیں:

ہمارے گھر کی مستورات میں میری بچیاں اللہ ان کو مزید قوت وہمت عطا فرمائے ،کھانے پینے کے مشاغل اور بچوں کی پرورش کے ساتھ ساتھ کہ ماشاء اللہ ایک ایک کے کئی کئی بچے ہیں، ماہ مبارک کی راتوں کا حصہ مختلف حافظوں سے سننے میں گذارتی ہیں اور دن میں ۱۴-۱۵ / پارے روزانہ پڑھنا تو اقل درجہ ہے (یعنی یہ تو کم سے کم مقدار ہے) اس پر تنافس اور مقابلہ ہوتا ہے کہ کس کے پارے زیادہ ہوئے۔

میری دادی صاحبہ نوراللہ مرقدہا حافظہ تھیں، اس لیے ایک منزل روزانہ فی بشوق کا تو ان کا مستقل معمول تھا اور ماہ مبارک میں چالیس پارے یعنی ایک پورا قرآن کر کے دس پارے مزید روزانہ پڑھنا تو ہمیشہ کا معمول تھا اور اس کے علاوہ بیسیوں تسبیحیں مختلف کئی کئی سو کی دائمی مشغلہ تھا، جن کی تعداد ۱۷/ ہزار کے قریب ہوتی ہے، جس کی تفصیل تذکرۃ الخلیل میں ہے۔ (اکابر کا رمضان)

اور میرے والد صاحبؒ کی نانی صاحبہ کا قصہ بھی اسی رسالہ (اکابر کا رمضان) میں گذر چکا ہے (جو آگے حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ کے معمولات میں بھی آرہا ہے) کہ انہوں نے پورا قرآن شریف ایک رکعت میں اپنے صاحبزادے مولوی رؤف الحسن مرحوم سے سنا، اللہ کا بڑا ہی احسان ہے کہ مستورات میں رمضان المبارک میں قرآن پاک کا زور اب تک باقی ہے، ان بیچاریوں کو رات دن میں سونے کا وقت بہت ہی کم ملتا ہے، رات کا حصہ تو یہ اپنی تلاوت اور قرآن شریف سننے میں خرچ کرتی ہیں، جب بچے سوتے رہتے ہیں اور دن میں جب یہ سونا چاہتی ہیں تو ایک بچہ اِدھر سے آکر نوچنے لگتا ہے، دوسری بچی اُدھر سے ٹیں ٹیں کرنے لگتی ہے، مجھے تو بعض مرتبہ بڑا ہی ترس آتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی قبول فرمائے۔ (اکابر کا رمضان)

قارئین کرام! ہمارے اسلاف واکابر اور ان کے اہل خانہ رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ساتھ کس طرح چمٹے رہتے تھے۔ دراصل وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کی تلاوت اللہ پاک کو بہت پسند ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ وہ تلاوتِ قرآن کریم کی توفیق کو اپنے لیے خوش قسمتی سمجھتے تھے۔ ہمیں بھی اپنے بڑوں سے سیکھ کر، قرآن کریم تلاوت کو شب و روز کا معمول بنانا چاہیے۔ خاص کر رمضان المبارک کے مہینے میں، ہمیں پوری دلچسپی اور لگن کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہنا چاہیے۔ اگر ایک شخص ساری نفلی عبادتوں کو چھوڑ دے؛ تاآں کہ وہ تسبیح وتہلیل اور دعا وغیرہ کو بھی چھوڑ کر، صرف

تلاوت قرآن کریم میں مشغول رہتا ہے تو اللہ پاک اس کی ساری مرادیں پوری فرمائیں گے۔

تلاوت قرآن میں مشغولیت کی وجہ سے دعا بھی نہیں مانگ سکا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو وہ چیزیں بھی عطا فرمائیں گے جو مانگنے سے رہ گئیں ہیں۔ایک حدیث قدسی ہے:

''جس شخص کو قرآن کریم میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کردے میں اس شخص کو اس سے بہتر دیتا ہوں جو میں مانگنے والوں کو دیتا ہوں''۔(سنن الترمذی، رقم الحدیث:۲۹۲۶)

رمضان کے مبارک مہینہ میں، اکابر واسلاف اور علماء وصلحا کا قرآن کریم میں تدبر وتفکر اور قرأت وتلاوت کا مختصر تذکرہ جو یہاں نذر قارئین کیا گیا ہے۔وہ قرآن کریم کے ساتھ ان کی دلچسپی، شغف اور محبت وعقیدت کا بین ثبوت ہے۔ہمیں بھی خود کو قرآن کریم کے حوالے سے کچھ اسی طرح کی جدوجہد اور سعی پیہم کرنی چاہیے۔ہم جانتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جب ہم خود کو اس پاک ذات کے کلام کے ساتھ مشغول رکھیں گے اس کے ساتھ محبت کا اظہار کریں گے تو وہ پاک ذات بھی ہمیں پسند کرے گی اور اپنے محبوب بندوں میں شامل فرمالے گی اور ہماری آخرت سنور جائے گی۔

ایمان بسا دل میں ہے پہچان میں آجا
اے پیارے مرے حلقہ قرآن میں آجا
کیوں تجھ کو تردّد ہے پس وپیش میں کیوں ہے
عارف ہے تو میخانہ عرفان میں آجا
مل جائے گی پھر عظمت رفتہ تجھے ناداں
تو بابِ عمل کھول کے میدان میں آجا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان کے قیمتی اوقات کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆......☆......☆



اعتکاف



اِعتکاف

فضائل وفوائد☆احکام ومسائل

ہم سب کو معلوم ہے کہ اسلام کی پانچ بنیادی تعلیمات میں توحید، نماز، زکاۃ اور حج کے ساتھ ماہ رمضان کے روزوں کا بھی شمار ہے۔ سابقہ تفصیلات سے ہم جان چکے ہیں کہ ماہ رمضان بڑی فضیلتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے، اس مہینہ میں اہل ایمان کی طرف اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں متوجہ ہوتی ہیں، احادیث وآثار میں رمضان شریف کے بڑے فضائل اور برکات مذکور ہیں۔

احادیث کے مطابق رمضان کے تین عشرے تین مختلف خصوصیات کے حامل ہیں اور ہر ایک پر خصوصی رنگ غالب ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے، دوسرا عشرہ مغفرت کا اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا۔(صحیح ابن خزیمة، رقم الحدیث: ۱۷۸۰)

یوں تو رمضان کا پورا مہینہ دیگر مہینوں میں ممتاز اور خصوصی مقام کا حامل ہے؛ لیکن رمضان شریف کے آخری دس دنوں (آخری عشرہ) کے فضائل اور بھی زیادہ ہیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت وطاعت، شب بیداری اور ذکر وفکر میں اور زیادہ منہمک ہوجاتے تھے۔ احادیث میں ذکر ہے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ آخری عشرہ میں اتنا مجاہدہ کیا کرتے تھے جتنا دوسرے دنوں میں نہیں کیا کرتے تھے۔(صحیح مسلم، رقم الحدیث:۲۰۰۹)

سنن ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ اور مسند احمد میں بھی اسی مفہوم کی احادیث مروی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں آپ ﷺ کے معمولات دیگر ایام کے مقابلہ میں بڑھ جاتے تھے۔

یاد رکھیے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی ایک اہم خصوصیت اعتکاف ہے۔ آپ ﷺ کا مبارک معمول تھا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔

اعتکاف کیا ہے؟

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصورِ جاناں کیے ہوئے

روزے کے ذریعے انسان کی نفسانیت کو اعتدال پر لاکر اُسے شریعت کے تقاضے پورا کرنے کے لائق بنایا تھا، اب اس نے جب اس طریقے پر بیس دن گزار دیے اور گویا روحانی دوا کا ایک نصاب (کورس) پورا ہو گیا، تو اب خدائے پاک نے یہ چاہا کہ میرا بندہ میرے سوا تمام مخلوقات سے غیر ضروری میل جول ترک کر کے میرے ہی در پر آپڑے اور میرے سوا اس کو کسی سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رہے، روزے میں محبوب بیوی کو صرف دن دن کے لیے چھڑایا تھا، جب بندہ اس میں پورا اُترا تو اب دن رات اس سے الگ کر کے اِس کی تمام تنہائیاں اپنے لیے مخصوص کر لیں اور فرمادیا کہ کھانا، پینا، لیٹنا، سونا سب ہمارے ہی در پر کرو اور ہماری جو یاد اب تک دنیا کے کام دھندوں میں لگ کر کرتے تھے اب وہ سب سے الگ تھلگ ہمارے عبادت خانے ہی میں ہوا کرے گی؛ تا کہ دنیا کے گندے ماحول سے یکسو ہو کر دل ودماغ میں ہماری محبت ومعرفت خوب رَچ بس جائے اور تمہارے دل کی دنیا پر اب حکومت رہے تو صرف اور صرف ایک اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کی۔

اعتکاف کی روح:

چناں چہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اعتکاف کی روح دل کا اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا اور مخلوق سے الگ ہو کر صرف ایک خدا کی یاد میں مشغول ومنہمک ہو جانا ہے، اسی کی سوچ وفکر، یہی تذکرے، اسی کی بات چیت یہاں تک کہ انسان کے دل ودماغ پر خدا ہی کا تصور چھا جائے اور اسی کی یاد دل میں سما جائے اور بجائے مخلوق کے خالق ہی سے دل لگنے لگے۔
(زاد المعاد: ۱/۱۷۸)

تمنا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد اُن کی دل نشیں ہوتی

جس مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہو اس میں عبادت کی نیت سے بیٹھے رہنے کو اعتکاف کہتے ہیں ،عورتیں اپنے گھر میں جہاں نماز پڑھتی ہوں وہیں پر اعتکاف کر لیا کریں اور اگر نماز کی کوئی خاص جگہ اب تک مقرر نہیں ہے تو اب مقرر کر لیں۔

حکمت:

اگر صرف یوں کہہ دیا جاتا کہ بالکل ایک طرف ایسی جگہ پر دس دن گزارو کہ جہاں پرندہ پر نہ مار سکے

تو ظاہر ہے کہ تنہائی ویکسوئی زیادہ ملتی؛ لیکن کیا فائدہ ایسی تنہائی سے کہ انسان بجائے انسان کے ایک وحشی جانور بن جائے اور بُری صحبتوں سے بچنے کے شوق میں اچھی صحبتوں سے بھی محروم ہو جائے ؎

اِیسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

اس لیے خدائے حکیم نے اعتکاف کے لیے مسجد کو مقرر فرمایا؛ کیونکہ بیہودہ اور غلط قسم کے لوگ تو مسجد میں آئیں گے نہیں جن کی صحبت مضر ہو، ہمیشہ نمازی، دین دار، پرہیز گار اور تہجد گزار لوگوں ہی سے سابقہ پڑے گا، انہیں سے میل جول اور بات چیت ہوگی جن کی صحبت بے حد مفید اور کارآمد ہے؛ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایسی مسجد کا حکم دیا کہ جہاں پانچوں وقت نماز ہوتی ہو؛ کیونکہ اگر کسی ایسی ویران مسجد میں اعتکاف کیا جہاں آدمی کا نام ونشان نہ ہو اور اُلّو بول رہا ہو تو فائدے سے زیادہ نقصان ہو گیا، نہ جماعت کی نماز ملے گی اور نہ نیک صحبتیں میسر آئیں گی۔

اِعتکاف اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سنت:

جاننا چاہیے کہ نفسِ اعتکاف ان عبادات میں سے ہے جو پچھلے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے زمانے سے چلی آرہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بھی ان کا ذکر فرمایا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کے بعد طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں کے لیے اسے (یعنی بیت اللہ کو) پاک صاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔ گویا طواف ونماز کی طرح اعتکاف بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا خاص ذریعہ ہے کہ باری تعالیٰ اپنے دو برگزیدہ پیغمبروں کو معتکفین کی خدمت اور ان کے اعزاز میں مسجدِ حرام کی صفائی اور خدمت کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں۔

اور رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرنا رسول اللہ ﷺ کی مستقل سنت ہے، اور اس کی فضیلت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ حضرت نبیِ اکرم ﷺ ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے تھے، امام زہریؒ فرماتے ہیں: کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے اعتکاف کی سنت کو چھوڑ رکھا ہے؛ حالانکہ رسول اللہ ﷺ بعض امور کو انجام دیتے تھے اور ان کو ترک بھی کرتے تھے، اور جب سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت سے لے کر وفات تک بلا ناغہ آپ اعتکاف کرتے رہے، کبھی ترک نہیں کیا۔ (اور اگر ایک سال اعتکاف نہ کر سکے تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ کما فی الحدیث) لیکن حیرت ہے کہ لوگ اس کی پوری طرح پابندی نہیں کرتے۔

(عمدۃ القاری: ۵/۱۷۴، مراقی الفلاح بشرح الطحطاوی: ۳۸۶)

اور نبی اکرم ﷺ کا ہمیشگی فرمانا (ترک کرنے والوں پر نکیر کیے بغیر) یہ اس کی سنیت کی دلیل ہے۔

نیز اعتکاف میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں قیام کر کے تقرب باری تعالیٰ کا حصول ہے، دنیا سے منہ موڑنا اور رحمتِ خداوندی کی طرف متوجہ ہونا اور مغفرتِ باری تعالیٰ کی حرص کرنا ہے۔ اور معتکف کی مثال ایسے بیان فرمائی گئی ہے گویا کوئی شخص کسی کے در پر آ کر پڑ جائے کہ جب تک مقصود حاصل نہیں ہوگا اس وقت تک نہیں لوٹوں گا، معتکف اللہ کے در پر آ کر پڑ جاتا ہے کہ جب تک رب کی رضا اور مغفرت کا پروانا نہیں مل جاتا وہ نہیں جائے گا، ایسے میں اللہ کی رضا و مغفرت کی قوی امید؛ بلکہ اس کے فضل سے یقین رکھنا چاہیے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:۱۰۸/۲)

چناں چہ احادیث میں آپ ﷺ کا طرزِ عمل اس طرح بیان کیا گیا ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمر۔ رضی الله عنهما۔، قال: كان رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ يعتكف العشر الأواخر من رمضان. (صحيح البخاری:۴۷/۳)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کرتے تھے"۔

عن عائشة۔ رضی الله عنها۔ – زوج النبی ﷺ –: أن النبی۔ ﷺ۔ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ.

(صحيح البخاری:۴۸/۳، رقم الحديث:۱۹۸۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی"۔

عن أبی هريرة۔ رضی الله عنه۔، قال: كان النبی۔ ﷺ۔ يعتكف فی كل رمضان عشرة أيام، فلما كان العام الذی قبض فيه اعتكف عشرين يومًا. (صحيح البخاری:۵۱/۳)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں دس دن اعتکاف کرتے تھے، لیکن جو آپ کی وفات کا سال تھا، اس میں آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا"۔

علما نے لکھا ہے کہ آپ نے بیس دن کا اعتکاف اس لیے فرمایا تھا کہ آپ کو منکشف ہو گیا تھا کہ یہ آپ کا

آخری رمضان ہے، آپ نے چاہا کہ اعمالِ خیر میں کثرت کی جائے؛ تاکہ امت کو عمل خیر میں جدوجہد کرنا ظاہر ہوجائے اور بعض نے کہا کہ یہ بیس دن کا اعتکاف اس لیے تھا کہ آپ نے اس سے پہلے سال رمضان میں سفر ہوجانے کی بنا پر اعتکاف نہیں کیا تھا، اس لیے پچھلے سال اعتکاف نہ کرسکنے کی تلافی کرنے کے لیے اس سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کا عمل آپ ﷺ کی نظر میں کتنی بڑی فضیلت والا اور اہم عمل تھا۔

نبی اکرم ﷺ کا اعتکاف:

سیدنا حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے:

أن رسول الله۔ ﷺ۔ كان يعتكف في العشر الأوسط من رمضان، فاعتكف عاما، حتى إذا كان ليلة إحدى وعشرين، وهي الليلة التي يخرج من صبيحتها من اعتكافه، قال:من كان اعتكف معي، فليعتكف العشر الأواخر، وقد أريت هذه الليلة ثم أنسيتها، وقد رأيتني أسجد في ماء وطين من صبيحتها، فالتمسوها في العشر الأواخر، والتمسوها في كل وتر، فمطرت السماء تلك الليلة وكان المسجد على عريش، فوكف المسجد، فبصرت عيناي رسول الله ۔ ﷺ۔ على جبهته أثر الماء والطين، من صبح إحدى وعشرين. (صحيح البخاري:٣/٤٨)

"نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور پھر دوسرے عشرہ میں بھی، پھر ترکی خیمہ سے جس میں اعتکاف فرما رہے تھے، سر باہر نکال کر ارشاد فرمایا: کہ میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شبِ قدر کی تلاش اور اہتمام کی وجہ سے کیا تھا، پھر اسی کی وجہ سے دوسرے عشرہ میں کیا، پھر مجھے کسی بتلانے والے (یعنی فرشتہ) نے بتلایا کہ وہ رات اخیر عشرہ میں ہے؛ لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کررہے ہیں وہ اخیر عشرہ کا بھی اعتکاف کریں۔ مجھے یہ رات دکھلادی گئی تھی پھر بھلادی گئی (اس کی علامت یہ ہے کہ) میں نے اپنے آپ کو اس رات کے بعد کی صبح میں گیلی مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا؛ لہٰذا اب اس کو اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ راوی کہتے ہیں: کہ اس رات میں بارش ہوئی اور مسجد چھپر کی تھی وہ ٹپکی اور میں نے اپنی آنکھوں سے حضرت نبی اکرم ﷺ کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کا اثر اکیس (۲۱ ویں شب) کی صبح کو دیکھا"۔

معلوم ہوا کہ اعتکاف کی عبادت کے ذریعے شبِ قدر کا حصول متوقع ہے۔

اعتکاف کے فضائل:

اگر خالص اللہ کو راضی کرنے کے لیے اعتکاف کیا جائے تو بہت اونچی اور عظیم الشان عبادت ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معتکف کے متعلق ارشاد فرمایا:

هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ، وَيُجْرى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا.

(سنن ابن ماجه: ۵۶۷/۱، باب في ثواب الاعتكاف، رقم الحديث: ۱۷۸۱)

"معتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لیے (بغیر کیے بھی) اتنی ہی نیکیاں لکھی جاتی ہیں جتنی کرنے والے کے لیے لکھی جاتی ہیں"۔

تشریح:

اس حدیث میں اعتکاف کے دو بڑے اہم فائدے بیان کیے گئے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ آدمی گناہوں سے محفوظ رہتا ہے، ظاہر ہے کہ آدمی جہاں بھی بیٹھتا ہے ہر طرح کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے اور دنیا بھر کے قصے، قضیے، جھوٹ، سچ، غیبت، بہتان ضرور ہوتا ہے، بچتے بچتے بھی آدمی اپنے ماحول کے اثرات سے بہت کم محفوظ رہتا ہے، لیکن مسجد میں بیٹھ کر آدمی ان تمام جھگڑوں سے بچ جاتا ہے۔

(۲) دوسری بڑی پتے کی بات اس حدیث پاک سے یہ ہاتھ لگی کہ بہت سی نیکیوں کا ثواب بغیر کیے بھی مفت مل جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خدائے پاک دینے کے لیے بہانے ڈھونڈتا ہے کہ کوئی بہانہ مل جائے تو اپنے بندے کو نواز دوں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خدا نے دینے کا تو فیصلہ کر رکھا ہے؛ لیکن کسی نہ کسی بہانے سے دینا چاہتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ آپ کے بچے سے کوئی غلطی ہوگئی، آپ کو پتہ لگا، آپ نے سزا میں کہہ دیا کہ آج دوپہر کو تجھے کھانا نہیں دیں گے۔ اب جو دوپہر کا وقت ہوا اور آپ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو آپ نے کھانا شروع کیا؛ لیکن نوالہ منہ میں کو چل نہیں رہا اور بار بار خیال آتا ہے کہ منے کو بلا لوں؛ لیکن معافی مانگے بغیر کھانا دینا بھی ٹھیک نہیں، اُدھر منے کی بھولی بھالی صورت مارے بھوک کے پھول کی طرح کملائی جاتی ہے اور اِدھر آپ کا اُسے

دیکھ دیکھ کر کلیجہ پھٹا جاتا ہے اور آپ بار بار پوچھتے ہیں کہ ”آئندہ تو نہیں کرو گے“؟ ”آئندہ تو نہیں کرو گے؟“ اور انتظار یہ ہے کہ ابھی اُس کے ہونٹوں سے ”جی نہیں“ نکلے تو فوراً بلا کر گود میں بٹھالوں۔ خدائے پاک کی قسم! خدا اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے؛ لیکن کوئی اس شفقت وکرم کے لائق تو ہو۔

اعتکاف کرنے والا چونکہ بہت سے نیک کام صرف اس وجہ سے نہیں کرسکتا کہ وہ مسجد میں گھر گیا ہے تو کہیں بندہ یہ نہ سوچنے لگے کہ اچھا اعتکاف کیا سیکڑوں عبادتوں اور اچھے کاموں سے رہ گئے، اس لیے خدائے کریم نے بغیر کیے ہی یہ سب ثواب اس کے لیے طے کردیے، کیا اچھا موقع ہے! ہوسکتا تھا کہ آدمی اگر اعتکاف نہ کرتا تو اتنی نیکیاں کر بھی نہ سکتا؛ لیکن اب اعتکاف کی بدولت اس کو یہ ثواب بھی مل رہا ہے۔

اِعتکاف: جہنم سے بہت دوری کا سبب:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ مَشٰى فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ خَيْرًا لَّهُ مِنْ اِعْتِكَافِ عَشْرِ سِنِيْنَ، وَمَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ، كُلُّ خَنْدَقٍ أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ.

(المعجم الأوسط: ۷/ ۲۲۰، رقم الحدیث: ۷۳۲۶)

”جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کے لیے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے، اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرمادیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور زمین کی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے“۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ جہنم سے اس کا گویا کوئی واسطہ ہی نہیں باقی رہتا، لیکن ہم میں سے کتنے ہوں گے کہ جن کے دل میں یہ تمام فائدے اور اجر وثواب سن کر بھی کبھی اعتکاف کا شوق نہیں پیدا ہوتا۔

کم سے کم اس ثواب کے حاصل کرنے کا ایک بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ پانچوں وقت جب نماز کے لیے مسجد میں داخل ہوں تو (نفلی) اعتکاف کی نیت کرلیا کریں، جب تک مسجد میں رہیں گے اگر بالکل خاموش بھی بیٹھے رہے تب بھی اعتکاف کا ثواب ملتا رہے گا اور اگر قرآن مجید یا تسبیحات وغیرہ بھی پڑھتے رہے تو اس کا ثواب

الگ ملے گا۔

اعتکاف کا ثواب دو حج اور دو عمروں کے برابر:

حضرت علی (زین العابدینؒ) بن حسین اپنے والد حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مَنِ اعْتَكَفَ عَشْرًا فِي رَمَضَانَ كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ.**

(شعب الإيمان للبيهقي، باب الاعتكاف: ۴۲۵/۳، رقم الحديث: ۳۹۶۶)

"جس شخص نے رمضان المبارک میں دس دن کا اعتکاف کیا، اس کا ثواب دو حج اور دو عمروں کے برابر ہے"۔

تشریح:

قدر کرنے والوں کی ضرورت ہے، اگر کسی کام میں دنیا کا ادنیٰ نفع تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی ہم کو نظر آتا تو ہم خون پسینہ ایک کر دیتے کسی نہ کسی طرح اسے حاصل کرتے لیکن دین کے کاموں کی ہمارے دلوں میں کوئی قدر ہی نہیں، اس لیے بڑے سے بڑا نفع سن کر بھی ہمارے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔

اعتکاف کی فضیلت و سنیت قرآن مجید میں:

قرآن مجید میں نہ صرف اعتکاف کا ذکر؛ بلکہ اس کی عظیم فضیلت کی طرف واضح اشارہ بھی موجود ہے؛ جیسا کہ ابھی اوپر تحریر کیا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے از خود اپنے گھر کی تعمیر کے مقاصد میں اعتکاف کا مستقل ذکر فرمایا اور اپنے نبیوں کو حکم دیا کہ وہ اعتکاف کرنے والوں کے لیے اُس کے گھر کو پاک وصاف کریں۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ (البقرة: ۱۲۵)

"اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ایسی جگہ بنایا جس کی طرف وہ لوٹ لوٹ کر جائیں اور جو سراپا امن ہو! اور تم مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو یہ تاکید کی کہ تم دونوں میرے گھر کو ان لوگوں کے لیے پاک کرو جو (یہاں) طواف کریں اور اعتکاف میں بیٹھیں اور رکوع اور سجدہ بجالائیں"۔

مذکورہ بالا آیت سے جہاں اعتکاف کی نہایت فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف کا عمل اس اُمت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ سابقہ اُمم میں بھی یہ عمل کسی نہ کسی صورت میں رہا ہے۔ نیز اعتکاف روحانیت اور قربِ خداوندی کا ایسا عظیم الشان مجرب عمل ہے کہ جلیل القدر پیغمبر سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی مبارک عمل کے بعد کتابِ الٰہی عنایت کی گئی۔

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ (الأعراف:۱۴۲)

”اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ ٹھیرایا (کہ ان راتوں میں کوہ طور پر آکر اعتکاف کریں) پھر دس راتیں مزید بڑھا کر ان کی تکمیل کی، اور اس طرح ان کے رب کی ٹھیرائی ہوئی میعاد کل چالیس راتیں ہوگئیں، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے پیچھے تم میری قوم میں میرے قائم مقام بن جانا، تمام معاملات درست رکھنا اور فساد برپا کرنے والے لوگوں کے پیچھے نہ چلنا“۔

لفظِ وٰعَدْنَا کے اصلی معنی دو طرف سے وعدے اور معاہدے کے آتے ہیں، یہاں بھی حضرت حق جل شانہٗ کی طرف سے عطائے تورات کا وعدہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تیس چالیس راتوں کے اعتکاف کا، اس لیے بجائے وَعَدْنَا کے وٰعَدْنَا فرمایا۔ (معارف القرآن)

علامہ راغب اصفہانیؒ (مفردات القرآن، مادہ: ع، ک، ف کے تحت) فرماتے ہیں:

العُکُوفُ: الإقبال علی الشیء وملازمته علی سبیل التعظیم له، والاعتِکافُ فی الشرع: هو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربة ویقال: عَکَفْتُهُ علی کذا، أی: حبسته علیه، لذلک قال: سَوَاءُ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ (الحج:۲۵)**، وَالْعٰكِفِيْنَ** (البقرة:۱۲۵)**، فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ** (الشعراء:۷۱)**، يَعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ** (الأعراف:۱۳۸)**، ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا** (طه:۹۷)**، وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ** (البقرة:۱۸۷)**، وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا** (الفتح:۲۵)**، أی: محبوسا ممنوعا.**

”عکوف کے معنی تعظیماً کسی چیز پر متوجہ ہونا اور اس سے وابستہ رہنا ہیں، اور اصطلاحِ شریعت میں اعتکاف کے معنی ہیں عبادت کی نیت سے مسجد میں رہنا اور اس سے باہر نہ نکلنا۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾

"جب تم مسجدوں میں اعتکاف کر رہے ہوں"۔

﴿سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ﴾

"خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے"۔

﴿وَالْعَاكِفِيْنَ﴾

"اور اعتکاف کرنے والوں"۔

﴿فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ﴾

"اور اس کی پوجا پر قائم رہیں"۔

عکفته علیٰ کذا، کسی چیز پر روکے رکھنا۔

﴿يَعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ﴾

"یہ اپنے بتوں کی عبادت کے لیے بیٹھے رہتے تھے"۔

﴿ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾

"جس معبود کی پوجا پر تو قائم اور معتکف تھا"۔

﴿وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا﴾

"اور قربانی کے جانور بھی روک دیے گئے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ، هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ، عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ، فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ، وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ، ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ، وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ، تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ (البقرة:۱۸۷)

"تمہارے لیے حلال کردیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو، وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کررہے تھے، پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی، چناں چہ اب تم ان سے صحبت کرلیا کرو، اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو، اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہوکر تم پر واضح (نہ) ہوجائے، اس کے بعد رات آنے تک روزے پورے کرو، اور ان (اپنی بیویوں) سے اس حالت میں مباشرت نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھے ہو"۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اعتکاف کے آداب تو بتلائے گئے، مگر اس کے فرض وواجب ہونے سے سکوت فرمایا، پس یہ اشارہ اس طرف ہوگیا کہ واجب نہیں، ورنہ اور مامورات و واجبات کی طرح اس کے لیے بھی وجوب کا صیغہ استعمال فرماتے، مگر اس کے آداب واحکام مثل نہی عن المباشرت (مباشرت سے منع کرنا) کے ذکر فرمانے سے اس کا مہتم بالشان ہونا بھی قرآن ہی میں مذکور ہے۔ ادھر حدیث میں ہے: **کان خلقه القرآن**، یعنی حضور ﷺ کی عادت تھی قرآن شریف پر عمل کرنا۔ (مسند احمد، کنز العمال)

پس حضور ﷺ نے ضرور اعتکاف فرمایا ہے اور آپ کا فعل سنیت کو مفید ہوتا ہے اور عدمِ وجوب سیاقِ قرآنی سے معلوم ہو چکا ہے۔ پس اعتکاف کا سنت ہونا اس طرح قرآن سے ثابت ہوگیا، اس اعتبار سے بھی ایک قسم کا اعتدال ہے کہ نہ فرض وواجب، نہ مباح؛ بلکہ سنت ہے، گو فرض میں بھی دوسری قسم کا اعتدال ہے، مگر وہ اور معنی کو اور یہ اور معنی کو، پس اگر اسے فرض کردیتے تو اس کے مناسب اعتدال کا جو مقتضیٰ ہے یعنی یُسرِ مطلق وہ نہ رہتا۔ اس میں یہ خاص اعتدال رکھا ہے کہ کوئی کرے اور کوئی نہ کرے اور چوں کہ حضور ﷺ نے خود ہمیشہ کیا ہے اور نہ کرنے والوں پر ملامت بھی نہیں فرمائی۔ (دیکھیے: خطبات حکیم الامت)

اِعتکاف کی حکمتیں اور فائدے:

اعتکاف میں حکم شرعی ہونے کی وجہ سے جس قدر فائدے اور حکمتیں ہوں کم ہے، یہاں مختصراً چند حکمتیں اور فائدے لکھے جاتے ہیں:

(۱) اعتکاف میں انسان کو یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور دل دنیا کی فکروں سے خالی ہوجاتا ہے۔ انسان کی توجہ خدا سے ہٹانے والی چیزیں چاہے وہ انسان کے اپنے اندر ہوں یا باہر، جب انسان تنہائی میں رہے گا آہستہ آہستہ

سب ختم ہو جائیں گی اور دل پوری طرح دنیا کے خیالات سے فارغ ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور اس میں عبادتوں کے انوار و برکات حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

(۲) لوگوں سے ملنے جلنے اور کاروبار کی مشغولیت میں جو انسان سے چھوٹے موٹے بہت سے گناہ ہو جاتے ہیں، اعتکاف میں ان سے حفاظت رہتی ہے۔

(۳) خدائے پاک فرماتا ہے کہ "جو شخص مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے میں دوڑ کر اُسے اپنا لیتا ہوں"۔ (صحیحین)

اور اعتکاف کرنے والا تو اپنا گھر در سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صرف قریب ہی نہیں؛ بلکہ خدا کے در پر آ کر پڑ جاتا ہے، تو اب آپ اندازہ لگائیے کہ خدائے پاک کتنا قریب ہوگا اور اس پر کتنا زیادہ مہربان ہوگا۔

(۴) شریف لوگ اپنے گھر پر آئے ہوئے مہمان کی عزت اور خاطر تواضع کیا کرتے ہیں تو کریموں کا کریم اور داتاؤں کا داتا اپنے گھر پر آئے ہوئے مہمان کی کیا کچھ نہ عزت و اکرام کرے گا۔

(۵) شیطان انسان کا پُرانا دشمن ہے؛ لیکن جب انسان خدا کے گھر میں ہے تو گویا مضبوط قلعے میں ہے، شیطان اب اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

(۶) فرشتے ہر وقت خدا کی عبادت اور اس کی یاد میں لگے رہتے ہیں، مؤمن بندہ بھی اعتکاف میں بیٹھ کر ہر وقت خدا کی یاد میں ہے اور فرشتوں سے مشابہت پیدا کر رہا ہے اور فرشتے چونکہ اللہ کے بہت قریب ہیں اس لیے یہ بندہ بھی اللہ کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کر رہا ہے۔

(۷) نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے، اُسے نماز ہی کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ (صحیحین، مشکوٰۃ: ۶۸) اعتکاف میں یہ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔

(۸) جب تک آدمی اعتکاف میں رہتا ہے اُسے عبادت کا ثواب ملتا رہتا ہے، خواہ وہ خاموش بیٹھا رہے یا سوتا رہے یا اپنے کسی اور کام میں مشغول رہے۔

(۹) جب معتکف (اعتکاف کرنے والے) کا ہر ہر منٹ عبادت میں ہے تو شبِ قدر حاصل کرنے کا بھی اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں؛ کیونکہ جب بھی شبِ قدر آئے گی یہ بہر حال عبادت میں ہوگا۔

(رمضان کیا ہے؟: ۱۴۶)

اعتکاف ایک عظیم نبوی سنت، اسے حقیر نہ سمجھیں!

اعتکاف یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کی خاطر مسجد میں رک کے رہنا ایک عظیم ترین عبادت ہے، جس کا ثبوت خود حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے ملتا ہے، اس کے باوجود خود کو دین دار سمجھنے والے بعض لوگ اس سنتِ نبوی کا استخفاف کرتے نظر آتے ہیں، وہ گویا اس دائمی سنتِ نبوی کو دیگر سنتوں کے ہم پلہ نہیں سمجھتے، اس لیے جو لوگ اعتکاف یا ہر سال اعتکاف کرتے ہیں یہ حضرات اُن کی اس عظیم عبادت کو اپنے زعم میں حقیر سمجھتے ہیں جب کہ سنت کو حقیر سمجھنا نہایت مذموم فعل ہے۔ کچھ تو عملاً اس گناہ کے مرتکب ہیں اور کچھ قولاً کہ زبان درازی تک سے گریز نہیں کرتے۔ رہے وہ حضرات جنھیں اس عمل کا سنت ہونا ہی معلوم نہیں یا جنھیں سرے سے سنت و شریعت سے کوئی لینا دینا نہیں، اس وقت وہ ہمارے مخاطب نہیں، ہمارے مخاطب وہ لوگ ہیں جو جہلِ مرکب میں مبتلا ہو کر اس ربانی عمل کو رہبانی عمل سے تعبیر کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

تفسیر عزیزی میں ہے: **من تهاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تهاون بالسنة عوقب بحرمان الفرائض ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة.**

یعنی جو شخص آداب میں سُستی کرتا ہے وہ سنت سے محرومی کی بلا میں گرفتار کیا جاتا ہے اور جو سنت میں سُستی کرتا ہے اور اسے ہلکا سمجھتا ہے وہ فرائض کے چھوٹنے کی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور جو فرائض میں سُستی کرتا ہے اور ان کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفتِ الٰہی سے محروم رہتا ہے۔

(تفسیر عزیزی: ۴۳۲، سورۂ بقرہ، تحت الآیۃ: غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ، فتاویٰ رحیمیہ)

سنت کو ترک کر دینا اور اس پر عمل نہ کرنا الگ مسئلہ ہے اور سنت کو ہلکا سمجھنا دوسرا مسئلہ ہے۔ سنت کو ترک کر دینا اور اس کا عادی بن جانا موجبِ فسق ہے موجبِ کفر نہیں، یعنی ترکِ سنت کا عادی بن جانا عمل کی خرابی ہے یہ فسق کا سبب بن جاتا ہے، اور دوسری چیز یہ ہے کہ سنت کا ہلکا سمجھنا، اس کا استخفاف اور اس کی حقارت کرنا، یہ عقیدے کی خرابی ہے، جو موجبِ کفر ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

لَوْقَالَ بِطَرِيْقِ الْاِسْتِخْفَافِ سَمِعْنَاهُ كَثِيْرًا يَكْفُرُ.

اگر کسی نے کوئی جملہ استخفاف اور حقارت سے کہا، تو بہت سے علما نے اسے موجبِ کفر کہا ہے۔

(مجموعۂ مقالات)

اعتکاف کی حیثیت سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ کی ہے کہ محلّے کا کوئی بالغ مَرد بھی اگر مسجد میں اعتکاف کر لے تو سب کے سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں، لیکن قابلِ غور یہ ہے کہ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد اس مبارک عمل کو کبھی ناغہ نہیں کیا اور آپ کے ساتھ بہت سے صحابۂ کرام بھی اعتکاف کرتے تھے۔ (صحیح البخاری)

سیرتِ نبوی کا جس نے کچھ بھی مطالعہ کیا ہوگا اس پر یہ بات بھی مخفی نہ ہوگی کہ مکہ مکرمہ میں جس طرح آپ ﷺ پریشان خاطر رہے، مدینہ منورہ ہجرت کے بعد بھی آپ کو چین وسکون سے رہنا نصیب نہیں ہوا کہ آپ یہاں بھی دین کے استحکام وحفاظت اور اس کی دعوت وتبلیغ میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے، اس کے باوجود احادیثِ مبارکہ کے مطابق آپ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف ضرور کرتے تھے، اس لیے کہ اعتکاف خود تعلیم وتربیت وغیرہ کا گہوارہ ہوتا، اور آپ کا یہ معمول وفات تک برقرار رہا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ اعتکاف کی ہمیشہ رہی ہے، اس مہینے میں تمام مہینے کا اعتکاف فرمایا اور جس سال وصال ہوا ہے اس سال بیس روز کا اعتکاف فرمایا تھا؛ لیکن اکثر عادتِ شریفہ چوں کہ اخیر عشرے ہی کے اعتکاف کی رہی ہے، اس لیے علما کے نزدیک سنتِ مؤکدہ وہی ہے۔ (فضائل رمضان)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک یوں تو پورا کا پورا عباداتِ الٰہی اور طاعتِ الٰہی میں خصوصی توجہ چاہتا ہے؛ لیکن اس کے آخری ایام میں بالکلیہ باری تعالیٰ کے دربار میں آکر پڑ جانا محبوب ومطلوب ہے، جس میں بہت سے گناہوں سے حفاظت بھی ہے اور ہر وقت کی نیکی کا ثواب بھی۔ جیسا کہ علما نے اعتکاف کے فوائد شمار کرتے ہوئے لکھا ہے:

(۱) اعتکاف کرنے والا گویا اپنے تمام بدن اور تمام وقت کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کر دیتا ہے۔

(۲) دنیا کے جھگڑوں اور بہت سے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۳) اعتکاف کی حالت میں اُسے ہر وقت نماز کا ثواب ملتا ہے، کیوں کہ اعتکاف سے اصل مقصود یہی ہے کہ معتکف ہر وقت نماز اور جماعت کے اِنتظار اور اِشتیاق میں بیٹھا رہتا ہے۔

(۴) اعتکاف کی حالت میں معتکف فرشتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے کہ ان کی طرح ہر وقت عبادت

اور تسبیح وتقدیس میں رہتا ہے۔

(۵) مسجد چوں کہ خدا تعالیٰ کا گھر ہے، اس لیے اعتکاف میں معتکف خدا تعالیٰ کا پڑوسی؛ بلکہ اس کے گھر میں مہمان ہوتا ہے۔ (مستفاد از تعلیم الاسلام)

نیز اعتکاف میں چوں کہ آنا جانا اور اِدھر اُدھر کے کام بھی کچھ نہیں رہتے اس لیے عبادت اور کریم آقا کی یاد کے علاوہ اور کوئی مشغلہ بھی نہ رہے گا، لہٰذا شبِ قدر کے قدر دانوں کے لیے اعتکاف سے بہتر صورت نہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ اول تو سارے ہی رمضان میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام اور کثرت فرماتے تھے، لیکن اخیر عشرے میں کچھ حد ہی نہیں رہتی تھے۔ (فضائل رمضان)

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ نصیب فرمائے اور سنت کی توقیر اور اس پر عمل کی توفیق سے نوازے۔ آمین

اعتکاف سے متعلق ضروری مسائل:

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے: لغت میں اعتکاف کے معنی ٹھہرنا ہیں، یعنی کسی جگہ میں ٹھہرنا اور اپنے آپ کو اس میں روکنا، اور شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف کے معنی: مسجد میں ثواب کی نیت سے ٹھہرنا ہیں، یعنی مرد کا ایسی مسجد میں جس میں با جماعت نماز ہوتی ہو، یا امام اور مؤذن مقرر ہوں اور عورت کا اپنے گھر کے کسی حصے میں ثواب کی نیت سے ٹھہرنا۔

اعتکاف کیوں؟

نبوت سے کچھ عرصہ قبل ہی حضرت نبی کریم ﷺ کے دل میں خلوت اور گوشہ نشینی کا شوق پیدا کر دیا گیا تھا، تا کہ آپ ﷺ کا دل، دماغ اور روح، نبوت کی اس عظیم ذمے داری کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے جو عنقریب آپ ﷺ کے سپرد کی جانے والی تھی۔ آپ ﷺ نے گوشہ نشینی کے لیے غارِ حرا کا انتخاب کیا، تا کہ زندگی کی مشغولیاں ترک کر کے اور مخلوق سے الگ رہ کر اپنی فکری قوتوں، روحانی جذبات، دلی احساسات اور عقل وشعور کو یک جا کر سکیں اور کائنات کے بے مثال خالق وموجد سے مناجات کے لمحات میسر آسکیں۔ (سیرۃ النبی ﷺ للصلابی)

یہی وجہ ہے کہ بعض وعظ وارشاد والے لوگ خلوت اختیار کرتے ہیں، جس میں وہ ذکرِ الٰہی اور عبادت کا خاص اہتمام کرتے ہیں، تا کہ ان کا دل منور ہو، دل کی ساری تاریکیاں ختم ہو جائیں اور وہ غفلت وشہوت اور بے راہ روی سے پاک ہو جائیں۔ (ایضاً)

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف آوری کے بعد تادمِ حیات اس پر مواظبت فرمائی اور اس کا سبب یہ ہے کہ اعتکاف میں بندہ اپنے رب کے حضور تقرب حاصل کرتا ہے، کیوں کہ وہ اعتکاف میں اپنے گھر اور دنیا کے دیگر مشاغل سے اعراض کر کے اپنے رب سے لو لگاتا ہے اور اللہ جل شانہ سے رحمت طلب کرتا ہے، گویا وہ اپنے رب کے در پر آپڑتا ہے کہ جب تک مغفرت و رحمت کا اعلان نہ ہو جائے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا، اور اس عمل میں خالص عبودیت کا اظہار ہے۔(بدائع الصنائع، تحفة الفقهاء)

معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی سنت ہے کہ آپ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے، اس لیے ہمیں بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے، تا کہ ہم ان آلودگیوں سے پاک وصاف ہو جائیں جو دل ودماغ میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہمیں اپنے حالات وواقعات کو کتاب وسنت کی روشنی میں درست کرنا چاہیے اور اس سے قبل کہ ہمارا محاسبہ ہو، ہمیں خود اپنا محاسبہ کر لینا چاہیے۔(سیرة النبی ﷺ للصلابی، بتغیر)

اعتکاف کا حکم:

رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، بستی میں سے بعض لوگوں کے کر لینے سے سب کے ذمے سے ادا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے۔

وقيل سنة على الكفاية حتى لو ترك أهل بلدة بأسرهم يلحقهم الاساء، والا فلا كالتأذين.

(مجمع الأنهر: ۱/۳۷۶)

اعتکاف کے لیے بہترین جگہ:

فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں ہے کہ سب سے افضل یہ ہے کہ مسجدِ حرام میں اعتکاف کرے، اس کے بعد مسجدِ نبوی میں، اس کے بعد بیت المقدس میں، ان تینوں مساجد کے بعد کسی جامع مسجد میں اور اس کے بعد محلے کی مسجد میں، البتہ عورت اپنے گھر کی مسجد یا گھر کا کوئی حصہ متعین کر کے اس میں اعتکاف کرے گی۔

(ہندیہ، خانیہ)

کسی دوسرے محلے، بستی یا شہر میں اعتکاف:

اعتکاف کہاں کیا جائے؟ اس کے متعلق فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے ابھی لکھا گیا ہے کہ سب سے افضل یہ ہے کہ مسجدِ حرام میں اعتکاف کرے، اس کے بعد مسجدِ نبوی میں، اس کے بعد بیت المقدس میں،

ان تینوں مساجد کے بعد کسی جامع مسجد میں اور اس کے بعد اپنے محلّے کی مسجد میں، ہاں عورت مسجدِ بیت یا گھر کا کوئی حصہ متعین کر کے اس میں اعتکاف کرے گی۔

وأفضل الاعتكاف ما كان في المسجد الحرام ثم في مسجد النبي عليه الصلاة والسلام ثم في بيت المقدس ثم في الجامع ثم فيما كان أهله أكثر وأوفر كذا في التبيين، والمرأة تعتكف في مسجد بيتها اذا اعتكف في مسجد بيتها، فتلك البقعة في حقها كمسجد.

(ہندیہ، خانیہ)

لیکن یہ مسئلہ محض افضل وغیر افضل کا ہے، جائز اور ناجائز کا نہیں، نیز اس کا تعلق عام حالات سے ہے، جب کہ دیگر کوئی عارضہ یا مصلحت وحکمت درپیش نہ ہو، ورنہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ کسی دوسرے محلّے، بستی یا شہر میں اعتکاف نہیں کرنا چاہیے اور بعض افراد جو ایسا کرنے والوں پر سخت اعتراضات کرتے ہیں، اس کی کوئی حیثیت نہیں، کتبِ معتبرہ کے مطابق ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر خاص دینی فوائد کے پیشِ نظر کسی دوسرے محلّے، بستی یا شہر میں اعتکاف کیا جائے تو مزید ثواب کی امید ہے۔ ان شاء اللہ

علما نے صراحت کی ہے کہ آبادی میں ہر محلّے میں کم از کم ایک آدمی کا اعتکاف کرنا سنتِ مؤکدہ ہے، جس کو سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ کہا جاتا ہے، یہ ذمّے داری ہر اہلِ مسجد پر ہے، لہٰذا محلّے والوں میں سے ایک دو آدمی اعتکاف کرلیں تو سب کے اوپر سے یہ ذمّے داری پوری ہو جاتی ہے اور اعتکاف؛ لیلۃ القدر کی تلاش اور اس میں عبادت کی غرض سے کیا جاتا ہے، جس میں اخلاص کی ضرورت ہے، دنیوی اغراض ومقاصد کے لیے اپنی مسجد چھوڑ کر کسی دوسری مسجد میں اعتکاف کرنا مناسب نہیں ہے؛ بلکہ اپنی ہی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیے، البتہ دینی اغراض کی بنا پر دوسری مسجد میں اعتکاف کے لیے منتقل ہو تو یہ جائز بھی ہے اور زیادہ فضیلت کا باعث بھی، مثلاً وہاں عوام کو وعظ اور دعوت وتبلیغ کرنا مقصود ہو، تو ایسی صورت میں اعتکاف کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کا ثواب بھی ملے گا۔ (فتاویٰ قاسمیہ)

اسی طرح کہیں اگر علمِ دین سیکھنے سکھانے (لوگوں کی اصلاح وتربیت) کا اہتمام ہو تو اس مسجد میں اعتکاف کرنا اپنی مسجد میں اعتکاف کرنے سے زیادہ ثواب کا باعث ہوگا، جیسا کہ نماز پڑھنے کے متعلق علما نے لکھا ہے کہ اپنے استاذ کی مسجد اس مسجد سے جو قدیم یا بڑی یا قریب ہو افضل ہے، کیوں کہ اس میں دو

ثواب ہیں؛ ایک جماعت کا، دوسرے تحصیلِ علم کا۔ (عمدۃ الفقہ)

اللہ رحم کرے! اس کے باوجود کچھ لوگ مسائل سے ناواقفیت کی بنیاد پر کسی دوسری بستی میں اعتکاف کرنے والے کو روکنے تک کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ کسی مسلمان کو کسی مسجد میں بلاوجہ شرعی اعتکاف سے روکنے کی اجازت نہیں اگر کوئی محض عناداً کسی کو روکے تو اس کی طرف التفات کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ روکنے والا جاہل و نامعقول ہے۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ)

البتہ جو شخص جس محلّے کی مسجد میں اعتکاف کرے گا، اس کے ذریعے اس مسجد سے متعلق سنتِ اعتکاف ادا ہوگی۔ (ایضاً)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے کہ فقہا کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں کے لوگوں سے (ذمہ) ساقط ہوگا جس میں معتکف نے اعتکاف کیا، اس لیے کہ اعتکاف علی الاشہر سنت کفایہ ہے، جس کا تعلق ہر بستی کے لوگوں کے ساتھ ہے، پس جیسے کہ ترک سے وہی لوگ مسیٔ (گنہگار) ہوں گے، اسی طرح ادا سے وہی لوگ بری بھی ہوں گے۔

وفی جامع الرموز: وقیل سنۃ علی الکفایۃ حتی لو ترک فی بلدۃ لاساؤا، الخ(١٦٤).

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں اسائت (گناہ) کا تعلق اہلِ بلدہ کے ترکِ اعتکاف کے ساتھ قرار نہیں دیا گیا، بلکہ متروک فی البلدہ ہوجانے سے اہلِ بلدہ کو مسیٔ قرار دیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اگر اجنبی آدمی بھی معتکف ہوجائے تو اس صورت میں بھی اعتکاف کا متروک فی البلدہ ہونا صادق نہیں آتا، جس سے یہ لازم آتا ہے کہ اہلِ بلدہ سے سنت ادا ہوجائے گی۔

مختصر یہ کہ عام حالات میں ایسی مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے جہاں جمعے کی نماز ہوتی ہو؛ تاکہ جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر نہ جانا پڑے اور یہ مسجد محلّے اور اپنے شہر میں ہو تو بہتر ہے؛ لیکن اگر کسی مصلحت سے دوسرے محلّے کی مسجد میں یا کسی دوسرے شہر میں جا کر اعتکاف کیا جائے تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ (کتاب المسائل)

اعتکاف کی قسمیں:

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: واجب، سنت (مؤکدہ علی الکفایہ) اور مستحب (نفل)۔

واجب: نذر کا اعتکاف واجب ہے، مثلاً؛ کسی نے منت مانی کہ اللہ کے لیے اس ہفتے تین روز کا

اعتکاف کروں گا یا اسی طرح کچھ کہا۔

سنتِ مؤکدہ: رمضان المبارک کے آخری عشرے میں دس دن کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے، جس کی ابتدا بیس رمضان کی شام یعنی غروبِ آفتاب سے ہوتی ہے اور عید کا چاند نظر آتے ہی اس کا وقت ختم ہوجاتا ہے، خواہ چاند اُنتیس رمضان کو دکھائی دے یا تیس رمضان کو، دونوں صورتوں میں سنت ادا ہوجائے گی۔

مستحب: واجب اور سنتِ مؤکدہ کے علاوہ سب اعتکاف مستحب ہیں اور سال کے تمام دنوں میں جائز ہے۔(الدر المختار مع الرد)

اعتکاف درست ہونے کی شرطیں:

اعتکاف کے درست وصحیح ہونے کے لیے درجِ ذیل چند شرطیں ہیں:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) عاقل ہونا۔

(۳) نیت کرنا۔

(۴) جنابت سے پاک ہونا۔

(۵) عورت کے لیے، حیض ونفاس سے پاک ہونا۔

(۶) مرد کے لیے مسجد اور عورت کے لیے مسجدِ بیت ہونا۔

(۷) واجب اور مسنون اعتکاف کے لیے روزہ ہونا بھی شرط ہے۔(ہندیہ، الدر المختار مع رد المختار)

اعتکاف کے مستحبات وآداب:

اعتکاف میں مندرجۂ ذیل باتوں پر عمل کرنا مستحب ہے:

(۱) اعتکاف کے لیے افضل ترین مسجد کا انتخاب کرنا۔

(۲) نیک اور اچھی باتیں کرنا۔

(۳) قرآن شریف کی تلاوت کا التزام کرنا۔

(۴) علومِ دینیہ پڑھنا ر پڑھانا۔(ہندیہ)

اعتکاف میں مباح چیزیں:

درجِ ذیل کام حالتِ اعتکاف میں کرنا جائز ہے:

(۱) مسجد میں کھانا، پینا، سونا، کپڑے بدلنا وغیرہ۔

(۲) کوئی حاجت کی چیز خریدنا، بہ شرط یہ کہ وہ چیز مسجد میں موجود نہ ہو۔

(۳) نکاح کرنا یا نکاح کی مجلس میں شرکت کرنا۔

(۴) دینی کتابیں/رسالے پڑھنا یا دینی مجلس میں بیٹھنا۔

(۵) معتکف کا خوشبو لگانا یہ جائز ہی نہیں؛ بلکہ مستحب ہے۔ معتکف کا تیل لگانا، کنگھی کرنا بھی جائز ہے لیکن کنگھی اور تیل میں اس کا بہت خیال کرے کہ بال مسجد میں نہ گرے۔ (فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۷۶)

کن عذروں کی بنا پر معتکف مسجد سے نکل سکتا ہے؟

جن باتوں کی وجہ سے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے، وہ درجِ ذیل ہیں:

طبعی ضروریات: طبعی ضروریات کی وجہ سے معتکف کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے، مثلاً: پیشاب، پاخانہ وغیرہ۔

وحرم علیه الخروج الا لحاجة الانسان طبیعیة کبول وغائط وغسل الخ.

(الدرالمختار مع الرد، هندیه)

شرعی ضروریات: شرعی ضرورت مثلاً جمعے کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے، جب کہ معتکف کی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو، ایسے میں معتکف کو چاہیے کہ زوال کے بعد یا اتنی دیر پہلے مسجد سے نکلے کہ جامع مسجد یعنی جہاں جمعے کی نماز ہوتی ہو، وہاں پہنچ کر خطبے سے قبل چار رکعت سنت پڑھ سکے اور جمعے کے فرض کے بعد چار یا چھ رکعت سنت ادا کر کے لوٹ آئے۔

ویستن بعدها اربعا أو ستًا علی الخلاف. (الدرالمختار مع الرد، هندیه)

اِضطراری حالت: اضطراری حالت مثلاً خدا نہ کرے مسجد میں آگ لگ جائے، مسجد گر جائے، مسجد میں کوئی موذی جانور گھس جائے یا اس طرح کا اور کوئی حادثہ رونما ہو جائے تو اس صورت میں معتکف کو باہر نکلنا درست ہے، اور اسے چاہیے کہ جلد از جلد قریب کی کسی مسجد میں چلا جائے اور اپنا اعتکاف خراب ہونے

سے بچالے۔(ہندیہ)

اعتکاف کے مکروہات:

وہ باتیں، جن سے اعتکاف مکروہ ہوجاتا ہے، درجِ ذیل ہیں:

(۱) خاموشی کو عبادت سمجھ کر مستقل خاموش رہنا۔

(۲) فضول اور لایعنی باتیں کرنا۔

(۳) بلاضرورت خرید وفروخت کا سامان مسجد میں لانا۔(ہندیہ)

اعتکاف کو فاسد کرنے والے امور:

وہ باتیں جن سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، درجِ ذیل ہیں:

(۱) بلاعذر مسجد سے باہر نکلنا، خواہ عمداً ہو یا سہواً یعنی جان بوجھ کر نکلے یا بھول سے۔

(۲) جماع کرنا، خواہ عمداً ہو یا سہواً، انزال ہو یا نہ ہو، مسجد میں ہو یا باہر۔

(۳) بیوی سے دل لگی کے دوران انزال ہوجانا۔

(۴) جان بوجھ کر روزہ توڑ دینا۔

(۵) مرتد ہوجانا۔

(۶) پاگل ہوجانا، جب کہ اس حالت میں کوئی روزہ فوت ہوجائے۔

(۷) ایسا بے ہوش ہوجانا کہ کوئی روزہ فوت ہوجائے۔

(۸) عورت کو حیض یا نفاس جاری ہوجانا۔

(۹) کسی عذر سے باہر نکل کر ضرورت سے زائد ٹھہر جانا، جیسے استنجا کے لیے گیا اور فارغ ہو کر کچھ دیر باہر ٹھہرا رہا۔

(۱۰) بیماری یا خوف کی وجہ سے مسجد سے نکلنا۔(ہندیہ)

اعتکاف کن صورتوں میں توڑا جاسکتا ہے؟

بعض صورتوں میں انسان ہونے کے ناطے معتکف کو اعتکاف ختم کرنے کی نوبت آجاتی ہے، من جملہ ان کے بعض صورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن میں شرعاً باہر نکل جانے کی گنجائش ہے اور ان شاء اللہ معتکف گنہ گار

نہیں ہوگا؛ البتہ بعد میں کم از کم ایک دن کی قضا کر لے۔

☆اعتکاف کے دوران کوئی ایسا مرض لاحق ہوگیا کہ اس کا علاج مسجد میں رہ کر ممکن نہ ہو یا کوئی دوا لانے والا نہ ہو، یا اتنا سخت بیمار ہوگیا کہ گھر جائے بغیر چارہ نہ ہو، یا معتکف تو ٹھیک ہو؛ لیکن اس کے متعلقین میں سے کوئی سخت بیمار ہو جائے، اور اس کے سوا کوئی اور تیمارداری کرنے والا نہ ہو وغیرہ۔

☆کسی وجہ سے روزہ توڑنا پڑ گیا، اس صورت میں بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا؛ کیوں کہ مسنون اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔

☆معتکف کو مسجد میں جان و مال کا خطرہ لاحق ہو جائے، یا وہ محفوظ ہو؛ لیکن اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر والوں کی جان، مال اور آبرو کو خطرہ لاحق ہو جائے، جس کا تدارک مسجد میں رہ کر ممکن نہ ہو، مثلاً حکومت کی طرف سے گرفتاری یا عدالت میں پیشی کا وارنٹ وغیرہ جاری ہو جائے، وغیرہ وغیرہ۔

☆کسی ڈوبتے یا جلتے ہوئے وغیرہ انسان کی جان بچانے کی نوبت آنا۔

(فتاویٰ شامی، البحر الرائق، احکام اعتکاف)

اعتکاف کی قضا:

اگر معتکف بلا عذر تھوڑی دیر کے لیے بھی مسجد سے نکلے گا، خواہ بھول کر ہی کیوں نہ ہو، اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور اسے اس کی قضا کرنی ہوگی اور واجب اعتکاف میں روزہ بھی رکھنا ہوگا اور ماہِ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، عذر کی بنا پر توڑ دیا جائے یا بھول سے ٹوٹ جائے، تو جس دن کا اعتکاف ٹوٹا ہے اس دن کے اعتکاف کی قضا روزہ سمیت لازم ہے؛ لیکن احتیاطاً اختلاف سے بچنے کے لیے رمضان کے بعد دس دن روزہ سمیت قضا کر لے تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ)

اعتکاف کا فدیہ:

جس اعتکاف کی قضا واجب تھی اگر کوئی شخص اس پر قادر ہی نہ ہو سکا اور انتقال کر گیا، تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن اگر اعتکاف کی قضا واجب ہونے کے بعد قضا کرنے کی اس نے استطاعت تو پائی، پھر بھی قضا نہیں کی، یہاں تک کہ زندگی سے مایوس ہوگیا، تو اب اس کے ذمے ہے کہ ہر دن کے اعتکاف کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، یا تقریباً پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کر دے، یا اپنے ورثا کو

اس کی وصیت کر دے۔ یہ وصیت اس کے تہائی حصے میں جاری ہوگی اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں ورثہ کی صوابدید پر ہوگا کہ اس کی طرف سے فدیہ ادا کریں یا نہ کریں؛ البتہ ادا کر دینا ان کے حق میں بہتر ہے۔

(بدائع الصنائع)

اعتکاف کرنے والے کے لیے خاص رعایتیں:

اعتکاف یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرے میں سنت وثواب کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنا احادیث مبارکہ کی رو سے عظیم ثواب کا باعث ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی اور اپنے اصحاب کے ساتھ خود ہر سال اعتکاف کر کے اس کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، اس کے باوجود ہمارے معاشرے میں اس جانب بے توجہی عام ہے، اکثر شہروں کی گھنی آبادی میں سے چند افراد ہی مسجد میں اعتکاف کرتے ہیں۔ کچھ تو اس لیے نہیں کرتے کہ انھیں اعتکاف سے گویا ایک خوف سا لگتا ہے، ان کا ماننا ہے کہ اعتکاف میں سر اٹھا کر یا کھڑکی سے آسمان کی طرف محض دیکھ لینے سے ان کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا یا اسی طرح اور کچھ، دیگر کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جو اس لیے اعتکاف نہیں کرتے تاکہ آزاد رہ کر دور سے اعتکاف کرنے والوں کو نصیحت بلکہ فضیحت کر سکیں کہ دیکھو اعتکاف میں یہ کرتے ہیں اور یہ نہیں کرتے۔ انھوں نے شاید اعتکاف کو اپنے زعم میں ایک ایسی چیز سمجھ رکھا ہے کہ پوری زندگی اور پورے سال دنیا میں چلنے پھرنے والا محض اعتکاف کی نیت کر لینے سے دوسری دنیا کا آدمی یعنی ایلین بن جاتا ہے، جس کے ضروریات واحساسات سب ختم ہو جاتے ہیں، اب اسے کسی ذی روح سے واسطہ نہ ہونا چاہیے، بس وہ معتکَف کے پردوں میں چھپا ہوا دن ورات کے ہر ہر گھنٹے اور ہر ہر لمحے میں اپنے رب کو یاد کرتا رہے۔ اسے نہ اس خاص گوشے سے باہر نکلنے کی اجازت ہے اور نہ کسی سے کچھ بول سکنے یا کچھ کر سکنے کی۔ اسی طرح کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے یہ مختصر مضمون سپردِ قلم کیا گیا، جس میں معتبر اہلِ فتویٰ کے ارشادات کو حسبِ ضرورت مع ترمیم وتغیر قرینے سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ان مسائل کو سمجھنے اور زیادہ سے زیادہ اعتکاف کی برکتوں سے محظوظ ہونے کی ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے۔ آمین (مفتی ندیم احمد انصاری)

پوری شرعی مسجد میں کہیں بھی رہے:

اکثر لوگ سمجھتے ہیں معتکِف ہر وقت معتکَف کے گوشے میں دبکا بیٹھا رہے، جب معتکف کے لیے مسجد

یں کسی ایک جگہ ہی بیٹھنا لازم نہیں (شرعی) مسجد کے کسی بھی حصے میں جانے کی اجازت ہے، مثلاً اندر گرمی ہو تو صحن میں بھی آسکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ مخرج) یعنی وہ جس مسجد میں معتکف ہے اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم) معلوم ہوا ہر وقت گوشے میں رہنا ضروری نہیں، بلکہ عبادتِ نافلہ و ذکر کرنے کے لیے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں جہاں چاہے اٹھے بیٹھے۔ (امداد الاحکام)

بشری تقاضوں کے لیے مسجد سے نکلنا:

فقہا نے واضح طور پر لکھا ہے کہ چھوٹا بڑا استنجا تو بہ ہر حال مسجد سے باہر ہی ہوگا، غسلِ جنابت بھی باہر کرے گا، سحر و افطار (اور طعام) کی مسجد میں اجازت ہے اس کے لیے باہر نہ جائے، کوئی لانے والا نہ ہو تو مکان سے جا کر لے آئے، استنجا کے لیے اگر اپنے گھر ہی کا عادی ہو تو وہاں چلا جایا کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ مخرج)

اسی طرح جو عورت گھر میں معتکف ہو، اگر اس کے لیے کھانا پکانے والا کوئی نہ ہو تو مسجدِ بیت میں ہی وہ کھانا بھی پکا سکتی ہے۔ (ایضاً)

مسجد میں ریح خارج کرنا:

عام حالات میں فقہاء نے مسجد میں اخراجِ ریح کو منع کیا ہے؛ کیوں کہ اس سے بد بو پھیلتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں بدبودار چیزوں کے لانے کو منع فرمایا ہے اور معتکف کو طبعی حوائج کے لیے باہر نکلنا جائز ہے اور یہ بھی طبعی حوائج میں داخل ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اگر پہلے سے اس کا تقاضا (محسوس) ہو تو استنجا کے بہانے باہر آجائے، تاہم یہ حکم از راہِ استحباب ہے واجب نہیں، اس لیے جس شخص کو عذر ہو اس کے لیے مسجد سے باہر نہ آنے کی بھی گنجائش ہے، ہاں اگر کسی شخص کو گیسٹک کی بیماری ہو اور بار بار خروجِ ریح کی نوبت آتی ہو اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اعتکاف بھی کر رہا ہو، تو خیال ہوتا ہے کہ ایسے شخص کا اعتکاف میں نہ بیٹھنا بہتر ہے کیوں کہ اعتکاف سنتِ کفایہ ہے، یعنی اگر ایک شخص نے بھی اعتکاف کر لیا تو سب لوگ ترکِ سنت کے گناہ سے بچ جائیں گے، اور ایسے شخص کے اعتکاف کرنے میں بظاہر مسجد کی بے احترامی معلوم ہوتی ہے اور اس سے اجتناب زیادہ اہم ہے۔ (کتاب الفتاویٰ)

سگریٹ، بیڑی اور تمباکو کا استعمال:

اگر بغیر سگریٹ کے گذارہ نہیں تو اس کے لیے بھی باہر جا سکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ پیشاب پاخانے

کے لیے جائے تو یہ کام بھی کرلے، پھر منہ خوب مسواک سے صاف کرکے آجائے۔(فتاویٰ محمودیہ مخرج)

یعنی اعتکاف کی فضیلت بھی بہت ہے اور منفعت بھی بہت ہے، اس کی طرف اہتمام سے توجہ کی جائے، جب قضائے حاجت (پاخانہ پیشاب) کے لیے رات کے وقت مسجد سے باہر جائے تو وہاں یہ حاجت (بیڑی سگریٹ) بھی پورا کرتا آئے، اس کے بعد وضو اور مسواک وغیرہ سے منہ خوب صاف کرے، بدبودار منہ لے کر مسجد میں نہ آئے۔(ایضاً)

نیز تمباکو پان وغیرہ مسجد میں کھا سکتا ہے، جب کہ بدبودار نہ ہو۔(ایضاً)

مختصر یہ کہ بیڑی، سگریٹ اور گٹکھا استعمال کرنا عام حالات میں بھی کراہت سے خالی نہیں؛ تاہم اگر اس کا ایسا عادی ہو چکا ہو کہ اس کے استعمال کے بغیر چین نہ آتا ہو، یا کوئی شخص ایسا خوگر ہو کہ اس کے بغیر اجابت نہ ہوتی ہو، تو اب اس کی حیثیت کھانے پینے کی طرح طبعی ضرورت کی ہوگی اور طبعی ضرورت کے لیے معتکف مسجد سے باہر جا سکتا ہے، اس لیے اس مقصد کی غرض سے بھی باہر نکل سکتا ہے؛ البتہ پھر اچھی طرح منہ صاف کرکے مسجد میں آئے، کیوں کہ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ہے۔(کتاب الفتاویٰ)

دعا وسلام اور ملاقات:

معتکف بیت الخلاء سے نکل کر کسی (غیر طبعی رشرعی راضطراری) کام کے لیے مستقلاً نہ ٹھہرے، چلتے چلتے (رفتار سُست کرکے) ضروری بات، سلام و دعا کر سکتا ہے، کوئی لانے والا نہ ہو تو ضروری اشیا مکان سے لا سکتا ہے۔(فتاویٰ محمودیہ مخرج)

مسجد میں باہر کے حضرات ملاقات کے لیے آئیں تو ان سے بھی بات چیت، خیریت اور دوسرے غائب حضرات کے حالات معلوم کر سکتا ہے۔(ایضاً)

خطوط وغیرہ کے جواب لکھنے کی نوبت آئے تو ڈاک مسجد میں لاکر پڑھے، مسجد میں ہی جواب لکھے۔(ایضاً)

درس وتدریس اور تعلیم:

معتکِف کو معتکَف کے پردے سے باہر یعنی مسجد کے جماعت خانے (جو شرعی مسجد میں ہی داخل ہو) میں بھی نمازِ سنت ونفل وتلاوتِ قرآن یا کسی کتاب کا دیکھنا اور جماعت خانے میں کتاب کا سنانا، اذان دینا، تکبیر کہنا، وعظ کہنا، عمدہ اخبار کا دیکھنا اور دینی مضامین کا ترجمہ کرنا سب درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ مخرج)

اسی طرح وہ قرآن مجید ناظرہ (وغیرہ حالتِ اعتکاف میں بلا مضایقہ) پڑھا سکتا ہے، لیکن اگر بچے اتنے چھوٹے ہوں کہ پاکی ناپاکی کو نہ سمجھتے ہوں تو ان کو مسجد میں نہ بٹھایا جائے۔ (ایضاً)

حجامت بنانا یا بنوانا:

معتکف مسجد کے فرش پر بیٹھ کر حجامت بنوا سکتا ہے؛ البتہ بال وہاں نہ گرنے پائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ مخرج)

یعنی اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ بدون عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر اس سے بنوانا بھی جائز ہے اور اگر بالعوض کام کرتا ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے؛ مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اُجرت سے کام کرنا جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ)

دنیوی معاملات و علاج و معالجہ:

مسجد دنیوی باتوں، کاروبار اور معاملات کے لیے نہیں بنائی گئی، نہ مطب کے لیے بنائی گئی ہے، اس لیے یہ سب چیزیں مسجد میں مکروہ ہیں، مگر ان سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ ضرورت کے موقع پر کوئی دوسرا آدمی کام کرنے والا نہیں اور مثلاً دکان دار مسجد میں نماز کے لیے آیا، اس سے معتکف نے کہہ دیا کہ فلاں چیز اپنی دکان سے ہمارے مکان پر بھجوا دو، تو اس کی اجازت ہے، اسی طرح کوئی مریض اتفاقیہ آیا، اس کو حکیم صاحب نے دوا تجویز کر دی جو ان کے مطب سے مل گئی، تو مضائقہ نہیں، مگر مستقل یہ مشغلہ وہاں اختیار نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ مخرج)

چہل قدمی و ورزش:

چہل قدمی ایک تو تفریحاً کی جاتی ہے، اس نقطۂ نظر سے مسجد میں ٹہلنا مناسب نہیں، البتہ بعض لوگوں کو طبی اغراض کے تحت چہل قدمی کرنی ہوتی ہے، خاص کر ریاحی تکلیف یا شوگر وغیرہ کی وجہ سے، اس مقصد کے تحت چہل قدمی کرنا درست ہے، کیوں کہ یہ علاج کے قبیل سے ہے اور انسان کی بنیادی حاجات میں داخل ہے اور معتکف کے لیے مسجد میں ضروری امور انجام دینے کی اجازت ہے (البتہ ہیئت میں مسجد کے آداب ملحوظ رکھے)۔ (کتاب الفتاویٰ)

حتیٰ کہ اگر کوئی شخص روزانہ ورزش کا عادی ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے، یعنی مسجد میں ورزش کرنا اصلاً تو خلافِ ادب ہی ہے، لہٰذا زمانۂ اعتکاف میں اس کو ترک کر دے اگر تکلیف نہ ہو، اگر تکلیف زیادہ ناقابلِ برداشت ہو تو بہ مجبوری خلوت کے وقت کر لیا کرے۔ (امداد الاحکام)

پلنگ یا چارپائی پر سونا:

اب تو اگر اعتکاف کرنے والا گدّا ڈال کر بھی سونا چاہے تو اسے تیکھی نظروں سے دیکھا جاتا ہے کہ اللہ کے گھر میں دیکھو کیسے ٹھاٹھ کرتا ہے، جب کہ علما نے لکھا ہے کہ معتکف اپنے اعتکاف کی جگہ چارپائی بچھا سکتا ہے اور اس پر لیٹ سکتا ہے؛ مگر آج کل عرفاً مسجد میں چارپائی بچھانا خلافِ احترام سمجھا جاتا ہے، اس لیے احتیاط چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ)

فون کا استعمال:

یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے کہ ضرورت کے تحت اعتکاف میں فون لانے یا گھر پر فون کرنے کو بھی بالکل عیب سمجھا جاتا ہے، جب کہ حق بات یہ ہے کہ حالتِ اعتکاف میں فون وغیرہ مسجد میں لانے سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے؛ لیکن دینی یا جائز دنیوی ضرورت کی وجہ سے مجبوراً لانا پڑے تو اس میں بیکار باتیں نہ کریں، صرف ضرورت کی بات کر کے بند کر دیں۔ (مجموعہ فتاوی دار العلوم کراچی)

بیوی سے گفتگو:

اسی طرح فون پر یا بالمشافہ بیوی سے بات چیت کرنے کی بھی اجازت ہے، معتکف کے لیے صرف جماع اور دواعیِ جماع کی ممانعت ہے، ملاقات اور بات چیت میں قباحت نہیں، جب کہ (شوہر) مسجد کے اندر ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حالتِ اعتکاف میں جا کر ملاقات کرنا ثابت ہے اور بخاری شریف میں ایک سے زیادہ مواقع پر یہ روایت آئی ہے۔ (بخاری، کتاب الفتاویٰ)

تاہم حالتِ اعتکاف میں بیوی سے پیار و محبت کی باتیں کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ حقانیہ)

اعتکاف کے بقیہ تفصیلی احکام و مسائل کے لیے بندہ کی کتاب ”انوارات رمضان المبارک“ سے ”تحفۂ اعتکاف“ (صفحہ: ۱۴۵ تا ۱۵۶) کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

☆......☆......☆



شبِ قدر



شبِ قدر کی اہمیت

اللہ رب العزت نے دنیا میں جتنی بھی قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے ہر قسم کے اندر کوئی نہ کوئی ایک چیز اپنی قسم کی تمام چیزوں سے بہتر واعلیٰ ہوتی ہے۔

نبیوں میں سب نبیوں کے سردار ہمارے آقا و مولیٰ سرورِ دوعالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، اُمتوں میں آپ ﷺ کی اُمت سب اُمتوں سے بہتر، آپ کے اصحاب میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، آسمانی کتابوں میں سب سے اونچی کتاب قرآن مجید، شہروں میں مرتبے کے لحاظ سے سب سے اونچا مکہ معظمہ اور مسجدوں میں سب سے اشرف مسجدِ حرام ہے، اسی طرح سال کے بارہ مہینوں میں سب سے زیادہ برکتوں کا مہینہ رمضان المبارک اور دنوں میں سب سے اونچا دن جمعہ اور راتوں میں سب سے اشرف و بلند مرتبے والی رات ''شبِ قدر'' ہے۔

پہلی اُمتوں کی عمریں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھیں اس لیے انہیں عبادت کا بھی خوب موقع ملتا تھا؛ لیکن اِس اُمت کی عمریں ساٹھ، ستر اور سو سے آگے نہیں بڑھتیں، اس لیے یہ اگر زیادہ عبادت کرنا چاہیں تو کیسے کریں؟ اِس لیے خدائے پاک نے اپنی رحمت سے اِس اُمت کے لیے ایک رات ایسی دے دی کہ اگر ہم اس میں عبادت کر لیں تو ان لمبی لمبی عمر والوں سے بھی کہیں زیادہ کما سکتے ہیں۔

شبِ قدر کا معنیٰ و مفہوم:

(۱) امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا سُمِّیَتْ بِذٰلِکَ لِعِظَمِهَا وَقَدْرِهَا وَشَرَفِهَا.

(تفسیر القرطبی المسمی "الجامع لأحکام القرآن": ۱۳۰/۲۰)

''قدر کا معنیٰ مرتبہ کے ہیں؛ چونکہ یہ رات باقی راتوں کے مقابلے میں شرف و مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہے، اس لیے اسے ''لیلۃ القدر'' کہا جاتا ہے''۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقْضِی الْاَقْضِیَةَ فِیْ لَیْلَةِ نِصْفِ شَعْبَانَ وَیُسَلِّمُھَا اِلٰی اَرْبَابِھَا فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ.

(تفسیر القرطبی: ۱۳۰/۲۰)

”اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو تمام فیصلے فرمالیتا ہے اور چونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سال کی تقدیر و فیصلے کا قلمدان فرشتوں کو سونپا جاتا ہے، اس وجہ سے یہ 'شبِ قدر' کہلاتی ہے“۔

(۳) قدوۃ المفسرین حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس رات کو قدر کے نام سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے:

نَزَلَ فِیْھَا کِتَابٌ ذُوْقَدْرٍ، عَلٰی لِسَانِ ذِیْ قَدْرٍ، عَلٰی اُمَّةٍ لَھَا قَدْرٌ، وَلَعَلَّ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّمَا ذَکَرَ لَفْظَةَ الْقَدْرِ فِیْ ھٰذِہِ السُّوْرَةِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لِھٰذَا السَّبَبِ. (التفسیر الکبیر: ۲۸/۳۲)

”اس رات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قابل قدر کتاب، قابل قدر اُمت کے لیے صاحبِ قدر رسول کی معرفت نازل فرمائی، یہی وجہ ہے کہ اس سورہ میں لفظ قدر تین دفعہ آیا ہے“۔

(۴) شیخ علاؤ الدین علی بن محمد الخازن بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قِیْلَ: سُمِّیَتْ بِذٰلِکَ لِاَنَّ الْاَرْضَ تَضِیْقُ بِالْمَلَائِکَةِ فِیْھَا.

(تفسیر الخازن المسمی ”لباب التأویل فی معانی التنزیل“: ۳۹۵/٤)

”قدر کا معنی تنگی کا بھی آتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے اسے قدر والی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس رات آسمان سے فرشِ زمین پر اتنی کثرت کے ساتھ فرشتوں کا نزول ہوتا ہے کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے“۔

(۵) امام ابوبکر الورّاق رحمہ اللہ قدر کہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سُمِّیَتْ بِذٰلِکَ لِاَنَّ مَنْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ قَدْرٌ وَّلَا خَطَرٌ یَصِیْرُ فِیْ ھٰذِہِ اللَّیْلَةِ ذَا قَدْرٍ اِذَا اَحْیَاھَا.

(تفسیر القرطبی: ۱۳۱/۲۰)

”یہ رات عبادت کرنے والے کو صاحب قدر بنا دیتی ہے، اگرچہ وہ پہلے اس لائق نہیں تھا“۔

شبِ قدر کی فضیلت:

شبِ قدر کی فضیلت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ پروردگارِ عالم نے قرآن مجید میں کوئی ایک دو آیت نہیں؛ بلکہ پوری ایک سورت اسی کی تعریف میں اُتاری، فرماتے ہیں:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰـهُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ o وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ o لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ o تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ o سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ o﴾ (القدر:۹۷/ ۱ تا ۵)

ترجمہ: بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر (یعنی قدر ومنزلت والی رات) میں اُتارا ہے۔ اور آپ کیا سمجھے ہیں (کہ) شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر (فضیلت و برکت اور اَجر وثواب میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس (رات) میں فرشتے اور روح الامین (یعنی جبرئیلؑ) اپنے رب کے حکم سے (خیر و برکت کے) ہر امر کے ساتھ اُترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوعِ فجر تک (سراسر) سلامتی ہے۔

قرآن مجید کی اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے قرآن کو ایک باعزت اور خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے، پورا قرآن لیلۃ القدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حسبِ ضرورت نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور ۲۳ ؍سال میں اس کے نزول کی تکمیل ہوگئی، ان آیات میں قرآن کریم کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، جس کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ ہم نے قرآن کی عظمت واہمیت کے پیش نظر اسے ایک نہایت ہی معظم ومکرم اور بابرکت رات میں نازل کیا ہے، اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدخان (آیت:۳) میں یوں بیان فرمایا ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰـهُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ﴾ ’’بے شک ہم نے قرآن کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے، بے شک ہم ڈرانے والے تھے‘‘ اور یہ رات ماہ رمضان میں تھی، جس کی تصریح اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ (آیت:۱۸۵) میں فرمادی ہے:

﴿شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ﴾ ’’رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا‘‘۔

گویا اس سورت کی ابتدا میں انسانوں پر اللہ کے عظیم احسان کا ذکر ہے جو کہ کتابِ مبین کو نازل کرنے کی صورت میں ہوا، اسی طرح اس سورت میں شبِ قدر کی فضیلت بیان ہوئی ہے، اس میں پہلی فضیلت یہ ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر ہے، دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس رات میں غروب آفتاب سے لیکر طلوعِ فجر تک فرشتے امن وسلامتی اور رحمت وبرکت کا پیغام لے کر نازل ہوتے رہتے ہیں، اول تو ان کا زمین پر اترنا ہی دنیا والوں کے لیے رحمت وبرکت کا سبب ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر قسم کی بھلائی وعافیت بھی لے کر آتے ہیں اور رات بھر یہ رحمت وبرکت اور سکون وچین تقسیم ہوتا رہتا ہے، وقت کی

قدر کرنے والے خوب لُوٹتے ہیں اور غافل، سست، نکمے اور پھسڈی لوگ یہاں بھی محروم ہی رہتے ہیں۔ واضح رہے کہ لیلۃ القدر میں نزول قرآن کا معنی یہ ہے کہ اس رات میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔

یہ رات کیوں عطا ہوئی؟

جاننا چاہیے کہ سورۂ قدر مکی ہے، اس میں ۵ آیات ہیں، قدر کے معنی عظمت اور بلند مرتبہ ہونے کے ہیں، قرآن مجید جس رات کو آسمانِ اوّل پر اُتارا گیا، اس کے درجہ و مرتبہ کے کیا کہنے! اسی لیے خود رب کائنات نے اس رات کو "لیلۃ القدر" کا نام دیا ہے، اس کا شانِ نزول حدیث پاک میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا ذکر کیا، جو ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور دن کو جہاد کرتا تھا، اس نے مسلسل ایک ہزار مہینے اسی طرح گزار دیے، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اس کے مقام کو کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ اس پر یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی کہ اس اُمت کا شرف یہ ہے کہ اس اُمت کو اللہ نے ایک رات ایسی عطا فرمائی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ (تفسیر مظہری: ۱۰/۳۱۶)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے بنی اسرائیل کے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسلسل ایک ہزار ماہ تک ہتھیار بند رہا اور جہاد کرتا رہا، صحابہ کو یہ سن کر اس شخص پر بڑا رشک آیا، حق تعالیٰ نے اس کے عوض ان حضرات کو شبِ قدر عطا فرمائی، اور سورۂ قدر نازل ہوئی۔

(تفسیر القرطبی: ۲۰/۲۳۱)

اور ایک روایت میں حضرت علی بن عروہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک روز بنی اسرائیل کے چار حضرات: یعنی حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل اور حضرت یوشع بن نون علیہم السلام کا ذکر فرمایا جو اَسّی اَسّی سال تک حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی، اس پر صحابہ کو تعجب ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۃ القدر لے کر نازل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ سے فرمایا: آپ کی اُمت ان حضرات کی اسی سال کی عبادت پر تعجب کرتی ہے، اللہ نے ایک شب آپ کو ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس میں عبادت کرنا اَسّی سال کی عبادت کرنے سے بہتر ہے۔ (تفسیر روح المعانی: ۳۰/۱۹۲)

اُمتِ محمدیہ ﷺ کی خصوصیت:

شبِ قدر فقط آپ ﷺ کی اُمت کی خصوصیت ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ

سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَهَبَ لِأُمَّتِي لَيْلَةَ الْقَدْرِ لَمْ يُعْطِهَا مَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ. (الدر المنثور: ٦/٣٧١)

''یہ مقدس رات اللہ تعالیٰ نے فقط میری اُمت کو عطا فرمائی ہے سابقہ اُمتوں میں سے یہ شرف کسی کو بھی نہیں ملا''۔

پہلی اُمتوں میں عابد کسے کہا جاتا تھا؟

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ پہلی اُمتوں میں عابد اسے قرار دیا جاتا تھا، جو ہزار ماہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا؛ لیکن نبی اکرم ﷺ کے صدقہ میں اس اُمت کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ ایک رات کی عبادت سے اس سے بہتر مقام حاصل کر لیتی ہے۔

چنانچہ قاضی شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قيل: ان العابد كان فيما مضى يسمى عابدًا حتى يعبد الله ألف شهر عبادة، فجعل الله تعالى لامة محمد ـ ﷺ ـ عبادة ليلة خير من ألف شهر كانوا يعبدونها. (فتح القدير: ٥/٤٧٢)

''سابقہ اُمتوں کا عابد وہ شخص ہوتا جو ایک ہزار ماہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا؛ لیکن اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے افراد کو یہ شبِ قدر عطا کر دی، جس کی عبادت اس ہزار ماہ سے بہتر قرار دی گئی''۔

گویا یہ عظیم نعمت بھی حضرت نبی اکرم ﷺ کی غلامی کے صدقہ میں اُمت کو نصیب ہوئی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدتِ حکومت پانچ سو مہینے تھی اور حضرت ذوالقرنین رحمہ اللہ کی مدتِ سلطنت بھی پانچ سو ماہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کو لیلۃ القدر عطا کی کہ اس شب کی عبادت کا اجر وثواب ان دونوں بادشاہوں کی مجموعی مدت سلطنت یعنی ایک ہزار ماہ کی حکومت سے بہتر ہے، تفصیل کے لیے بندہ کی کتاب ''اَنوارات رَمضانُ المبارک'' بھی ملاحظہ ومطالعہ کی جا سکتی ہے۔

(محمد سلمان الخیر نعیمی سہارنپوری)

شبِ قدر ہزار مہینوں سے افضل رات:

جاننا چاہیے کہ عمل میں کمال اللہ کی عبادت سے پیدا ہوتا ہے، اور اس اُمت کی عمریں کم ہیں، اوسط

سال ہے، اور گذشتہ اُمتوں کی عمریں ہزار سال سے زائد ہوتی تھیں، نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کی ہے، پھر قوم کی ہلاکت کے بعد ڈیڑھ سو سال زندہ رہے ہیں، پس یہ اُمت عبادت میں گذشتہ لوگوں کا مقابلہ کیسے کرے گی؟ جواب: اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو عبادت کے لیے خاص مواقع عنایت فرمائے ہیں جیسے جمعہ کا دن، شبِ برأت اور سب سے اہم شبِ قدر عنایت فرمائی ہے، یہ رات تراسی (۸۳) سال چار ماہ سے بہتر ہے، اگر اُمت اس رات کو وصول کرے تو وہ گذشتہ اُمتوں سے آگے بڑھ جائے گی۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ "ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے" تو کتنی بڑھ کر؟ کتنی زیادہ؟ تو صحیح بات یہی کہ خدا ہی جانے، جسے اللہ رب العزت زیادہ فرمائے اس کی زیادتی کا کیا ٹھکانا، بڑے لوگ تھوڑی بہت بڑائی کو کوئی بڑائی نہیں سمجھا کرتے، جس کی نظر اونچی ہوتی ہے وہ بہت اونچی چیز ہی کو اونچی مانا کرتا ہے۔

معتمدِ اکابر و مشائخ حضرت مولانا محمد عبداللہ طارق صاحب دہلوی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

"لیکن میرے والد صاحب (حضرت مولانا محمد رحمت اللہ میرٹھی ثم دہلویؒ) ایک اور بات فرمایا کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ عربوں کے یہاں اُس زمانے میں ہزار سے آگے گنتی نہ تھی اور آج تک بھی دس لاکھ (ملیون، جو انگریزی کے ملین Million سے لیا گیا ہے، اس) سے آگے ان کے پاس کوئی لفظ نہیں اور قرآن مجید چونکہ انہیں کی زبان اور انہیں کے محاورات کے مطابق اُترا ہے؛ لہٰذا ان کے سامنے ہزار سے زیادہ کا کوئی لفظ بولا کیسے جاسکتا تھا، اس لیے ان کی آخری گنتی کا لفظ بول کر آگے خدائے تعالیٰ نے صرف اتنا فرما دیا کہ "اس سے بھی زیادہ" اب اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، کروڑ بھی اسی میں آگیا اور ارب اور کھرب اور نیل اور سنکھ مہاسنکھ سب اسی میں آگئے تو گویا شبِ قدر کی فضیلت کی کوئی حد نہیں ہے"۔ (رمضان کیا ہے؟: ۱۵۲ تا ۱۵۴)

نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے؛ لہٰذا اس آخری عشرہ کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ پانچوں نمازوں کو جماعت سے پڑھنے کا اہتمام کریں، دن میں روزہ رکھیں، رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزاریں، تراویح اور تہجد کا اہتمام کریں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، اپنے اور امت مسلمہ کے لیے دعائیں کریں، قرآن کریم کی تلاوت زیادہ سے زیادہ کریں۔

اس رات کی فضیلت واہمیت معلوم کرنے کے لیے اگرچہ قرآن کریم کی ایک مستقل سورت بہت کافی ہے؛ تاہم نمونے کے طور پر چند احادیث بھی ذکر کی جاتی ہیں۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

(صحيح البخاري: ١/ ٢٧٠، كتاب الصيام، رقم الحديث: ١٩١٠)

''جس شخص نے شب قدر میں اجر و ثواب کی اُمید سے قیام کیا (عبادت کی) اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں''۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ''اگلے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں''۔

(مسند الامام احمد، تفسیر ابن کثیر: ۵۳۱/۴)

تشریح:

اس ارشاد نبوی ﷺ میں جہاں لیلۃ القدر کی ساعتوں میں ذکر و فکر، عبادت و طاعت کی تلقین کی گئی ہے، وہاں اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ عبادت سے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو، ریاکاری یا بدنیتی نہ ہو اور آئندہ عہد کرے کہ میں برائی کا ارتکاب نہیں کروں گا؛ چنانچہ اس شان کے ساتھ عبادت کرنے والے بندے کے لیے یہ رات مژدۂ مغفرت بن کر آتی ہے۔

اگر دنیا کے کاروباری کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں مہینے میں ہمارے قریبی شہر میں ایک میلہ لگنے والا ہے جس میں اتنی آمدنی ہوگی کہ ایک روپیہ کے دس روپے بن جائیں گے اور سال بھر پھر کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی تو بتاؤ کون بے وقوف ہے جو اس بہترین موقع کو کھودے گا؟ اگر بتانے والے نے تاریخ نہ بھی بتائی ہوگی تو کسی نہ کسی طرح وہ تاریخ کا پتہ لگائے گا اور اگر شبہ رہ جائے گا تو احتیاطاً کئی دن پہلے اس جگہ پر پہنچ جائے گا۔

اب ایک موقع نیکیوں کے میلے کا بھی مؤمنوں کو دیا جا رہا ہے؛ مگر اتنی بات ہے کہ مہینہ تو بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اس مہینے کے آخری تہائی حصہ میں ہے؛ لیکن تاریخ گول مول رکھی کہ دیکھیں نیکیوں کے شوقین اور خدا کی محبت اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی اُلفت کا دم بھرنے والے کیا کچھ کر کے دکھاتے ہیں اور جس نبی مکرم ﷺ نے اس رات کی تلاش میں پورے پورے مہینے کا اعتکاف کیا ہے، اس کے چاہنے والے کتنے دن اپنی راحت و آرام قربان کرتے ہیں۔

دعویٰ اُلفتِ احمد تو سبھی کرتے ہیں — کوئی نکلے تو سہی رنج اُٹھانے والا

بدنصیب کون؟

دنیاوالوں کی نظر میں تو سب سے بڑا بے وقوف اور نادان وہی ہے جو کمائی کا سیزن یونہی گنوادے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے؛ لیکن حضرت نبی اکرم ﷺ کی نظر میں سب سے بڑا بدنصیب اور محروم القسمت وہ ہے جو نیکیوں کا بہترین موقع ضائع کردے اور کچھ نہ کر سکے؛ چناں چہ سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رمضان المبارک کی آمد پر ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا مَحْرُومٌ. (سنن ابن ماجه: ١٢٠، كتاب الصيام، رقم الحديث: ١٦٤٤)

”یہ جو ماہ تم پر آیا ہے، اس میں ایک ایسی رات ہے، جو ہزار ماہ سے افضل ہے، جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، گویا وہ ساری خیر سے محروم رہا اور اس رات کی بھلائی سے وہی شخص محروم رہ سکتا ہے جو واقعی محروم ہی ہو“۔

تشریح:

ایمان کی کمی اور نیکیوں کی قیمت سے بے خبری اور بے توجہی کی بات ہے؛ ورنہ کیا دنیا میں رات بھر جاگنے والوں کی کمی ہے؟ نائٹ ڈیوٹی کرنے والے کم ہیں؟ کیا رات بھر لوگ کھڑے نہیں رہتے؟ کیا اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے مسلسل مشین کے پُرزوں کی طرح کھانا پینا بھلا کر کام میں جٹے نہیں رہتے؟ مگر رونا تو یہ ہے کہ خدا کے لیے کون جاگے، موت سے پہلے کی تیاری تو سب کر رہے ہیں؛ مگر موت کے بعد کی تیاری کون کرے؟ بس جسے مرنا ہوگا وہ اس کی تیاری بھی کرے گا اور جو نہیں کرتا اس کی محرومی میں شک ہی کیا ہے، اگر ساٹھ ستر برس کی زندگی کے لیے انسان مارا مارا پھرتا ہے اور رات دن ایک کردیتا ہے تو لاکھوں کروڑوں برس نہیں؛ بلکہ بے حد بے شمار زندگی کے لیے کیا کچھ نہ کر ڈالنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے اس رات کی تلاش میں پہلے شروع رمضان کے دس دن کا اعتکاف کیا پھر دس دن کا اور کیا جب بیس دن میں بھی شب قدر نہ ملی تو پھر آخری دس دن کا کیا اور پھر ہمیشہ انہیں دس دن کا اعتکاف کرتے رہے۔ (مشکوٰۃ: ۱۸۲، عن ابی سعیدؓ)

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيْلُ۔ عليه السّلامُ۔ فِيْ كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ۔ عَزَّ وَجَلَّ۔ (شعب الایمان:۳۴۳/۳)

''شبِ قدر میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں زمین پر اتر آتے ہیں اور ہر اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو کھڑے، بیٹھے (یعنی کسی بھی حال میں) اللہ کو یاد کر رہا ہو''۔

سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث:۲۰۱۷)

''شبِ قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو''۔

مذکورہ حدیث کے مطابق شبِ قدر کی تلاش ۲۱ویں، ۲۳ویں، ۲۵ویں، ۲۷ویں اور ۲۹ویں راتوں میں کرنی چاہیے۔

شبِ قدر کو مخفی کیوں رکھا گیا؟

اتنی اہم اور بابرکت رات کے مخفی ہونے کی متعدد حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

☆ دیگر اہم مخفی اُمور مثلاً اسمِ اعظم، جمعہ کے روز قبولیت دعا کی گھڑی کی طرح اس رات کو بھی مخفی رکھا گیا۔

☆ اگر اسے مخفی نہ رکھا جاتا تو عمل کی راہ مسدود ہو جاتی اور اسی رات کے عمل پر اکتفا کر لیا جاتا، ذوقِ عبادت میں دوام کی خاطر اس کو آشکار نہیں کیا گیا۔

☆ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کسی انسان کی وہ رات رہ جاتی تو شاید اس کے صدمے کا ازالہ ممکن نہ ہوتا۔

☆ اللہ تعالیٰ کو چونکہ اپنے بندوں کا رات کے اوقات میں جاگنا اور بیدار رہنا محبوب ہے، اس لیے رات متعین نہ فرمائی؛ تاکہ اس کی تلاش میں متعدد راتیں عبادت میں گزریں۔

☆ عدمِ تعین کی وجہ سے گنہگاروں پر شفقت بھی ہے؛ کیونکہ اگر علم کے باوجود اس رات میں گناہ سرزد ہوتا تو اس سے لیلۃ القدر کی عظمت مجروح کرنے کا جرم بھی لکھا جاتا۔ (التفسیر الکبیر:۲۸/۳۲)

ایک جھگڑا علمِ شبِ قدر سے محرومی کا سبب بنا:

ایک نہایت اہم وجہ اس کے مخفی کر دینے کی جھگڑا بھی ہے، آپس کا اختلاف اور لڑائی جھگڑے بڑی محرومی کی چیز ہیں، اور اختلاف اور جھگڑے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اُترنے والی رحمت بھی اُٹھ جاتی ہے، اللہ کی رحمت اور توجہ بندوں کے لیے ایسی نعمت ہے کہ اس کا کوئی بدل نہیں؛ مگر اس اختلاف اور جھگڑے کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے بھی محرومیت کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے، نیز آپس کی لڑائی جھگڑے کی وجہ سے نیک اعمال کی توفیق بھی اُٹھالی جاتی ہے، پھر بجائے نیک اعمال میں مشغول ہونے کے جھگڑے اور فساد کی اسکیمیں بنانے میں وقت خرچ ہونے لگتا ہے، انسان کی جیب پھٹنے سے روپے پیسے گر جاتے ہیں؛ لیکن دلوں کے پھٹنے کی وجہ سے اعمال گر جاتے ہیں، اور نیک اعمال کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ہوتی ہے اور دلوں کے اختلاف اور لڑائی جھگڑے کی وجہ سے اللہ کی رحمت اور اس کی توجہ اُٹھالی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اس رات کی تعیین کے بارے میں اپنی اُمت کو آگاہ فرمادیں کہ یہ فلاں رات ہے؛ لیکن دو آدمیوں کے جھگڑے کی وجہ سے بتلانے سے منع فرمادیا، روایت کے الفاظ یوں ہیں:

خرج النبی۔ ﷺ۔ لیخبر بلیلة القدر، فتلاحی رجلان من المسلمین، فقال: خرجت لأخبرکم بلیلة القدر، فتلاحی فلان و فلان فرفعت.

(صحیح البخاری: ۲۷۱/۱، کتاب الصیام، رقم الحدیث: ۱۹۱۹)

''ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ شب قدر کی تعیین کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے گھر سے باہر تشریف لائے؛ لیکن راستہ میں دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں شب قدر کے بارے میں اطلاع دینے آیا تھا؛ مگر فلاں فلاں کی لڑائی کی وجہ سے اس کی تعیین اُٹھالی گئی''۔

معلوم ہوا کہ لڑائی جھگڑے کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اُمت برکتوں اور سعادتوں سے محروم ہوتی جارہی ہے۔

دو آدمیوں کی لڑائی سامنے آنے کی وجہ سے شبِ قدر حتمی طور پر متعین نہیں ہوسکی اور شبِ قدر کا متعین ہو جانا اللہ کی طرف سے ایک رحمت ضرور تھی، جو اُٹھ گئی؛ لیکن حتمی طور پر متعین نہ ہونے میں اس سے زیادہ رحمت

کی بات سامنے آگئی؛اس لیے کہ اگر حتمی طور پر ایک رات متعین ہوگئی ہوتی،تو ساری اُمت اسی ایک رات کی عبادت کا انتظار کرتی،اس کے بعد کسی اور رات میں عبادت نہ کرتی اور ساری راتیں عبادت سے خالی چھوڑ دیتی ،جو اُمت کے لیے ایک قسم کے خسارے کی بات ہے اور اب حتمی طور پر متعین نہ ہونے کی صورت میں باتوفیق بندے پورے عشرہ میں عبادت کے لیے کمر بستہ ہوجاتے ہیں اور سب کچھ چھوڑ کر دس دن کے اعتکاف میں بیٹھ جاتے ہیں،تو یہ اُمت کے لیے اور زیادہ رحمت کی بات ہوگئی۔

ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ حضرات صحابہ کی بعض لڑائی بھی اُمت کے لیے باعثِ رحمت ہوجاتی ہے،جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا۔یاد رہے کہ یہ دونوں صحابی حضرت کعب ابن مالک اور حضرت عبداللہ ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہما تھے۔

مذکورہ روایت سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ شاید اس کے بعد تعیین شب قدر کا آپ کو علم نہ رہا؛ حالانکہ یہ بات درست نہیں، کیونکہ شارحین حدیث نے تصریح کردی ہے کہ تعیین کا علم جو اٹھالیا گیا تھا تو وہ صرف اسی ایک سال کی بات تھی، ہمیشہ کے لیے نہیں۔

علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں رقمطراز ہیں:

فان قلت لما تقرر ان الذی ارتفع علم تعینها فی تلک السنة فهل اعلم النبی ۔ﷺ۔ بعد ذلک بعینها؟ قلت روی عن ابن عیینة انه اعلم بعد ذلک بعینها.(عمدۃ القاری:۱۱/۱۳۸)

”اس سال تعیین شب قدر کا علم اٹھالیا گیا اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کو اس کی تعیین کا علم رہا یا نہ رہا؟ میں کہتا ہوں کہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کو اس کے تعین کا علم تھا“۔

ہمارے نزدیک آقائے دوجہاں ﷺ کو نہ صرف تعین کا علم ہے؛ بلکہ آپ بعض غلاموں کو اس پر آگاہ بھی فرماتے ہیں۔

ایک صحابی کو آگاہ فرمانا:

حضرت عبداللہ بن اُنیس الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا:

یارسول اللہ! ان لی بادیة أکون فیها و أنا أصلی بحمد اللہ فمرنی بلیلة أنزلها الی هذا المسجد فقال: أنزل لیلة ثلاث وعشرین.

(سنن أبی داؤد:۱/۲۰۳، کتاب الصلاۃ، باب فی لیلة القدر، رقم الحدیث: ۱۳۸۰)

"میں ایک ویرانے (جنگل) میں رہتا ہوں، وہاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نماز ادا کرتا ہوں آپ مجھے حکم دیں کہ کون سی رات آپ کے ہاں مسجد نبوی میں بسر کرنے کے لیے آؤں، تو آپ نے فرمایا: رمضان کی تیئیسویں (۲۳رویں) رات آجاؤ"۔

چنانچہ یہ صحابی ہمیشہ تیئیسویں رات کو مسجد نبوی میں آکر جاگا کرتے۔ لوگوں نے آپؓ کے صاحبزادے سے پوچھا کہ بتاؤ آپ کے والد اس رات کیا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا:

كان يدخل المسجد اذا صلى العصر فلا يخرج الا لحاجة حتى يلي الصبح فاذا صلى الصبح وجد دابته على باب المسجد فجلس عليها ولحق بباديته.

"وہ عصر کے بعد صبح تک مسجد سے بغیر کسی حاجت کے باہر نہ آتے اور صبح اپنی سواری پر سوار ہو کر اپنے دیہات کی طرف روانہ ہو جاتے"۔

اس روایت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہر آدمی کے لیے شب قدر الگ الگ ہے۔

شب قدر کی تعیین:

ہم سب جانتے ہیں کہ جو چیز جتنی قیمتی اور اہم ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ محنت سے حاصل ہوتی ہے تو شب قدر جیسی قیمتی دولت بھلا بغیر محنت کے کیسے ہاتھ لگ سکتی تھی، اس لیے اس کی تاریخ گول مول رکھی گئی ہے اور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ. (تفسیر ابن کثیر: ۵۳۴/۴)

"کیا خبر ہے تاریخ کا پتہ نہ دینے ہی میں تمہاری بھلائی ہو"۔

مطلب اس کا صاف ہے کہ اگر تاریخ معلوم ہو جاتی تو اس کی اتنی قدر نہ ہوتی اور معلوم ہوتے ہوئے پھر اس کی ناقدری کرنا سخت بدنصیبی اور محرومی کی بات تھی اور اب بہت سی راتوں میں صرف اسی خیال سے کچھ عبادت ہو جاتی ہے کہ شاید یہی شب قدر ہو۔

مشہور مفسر حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہی ہے کہ اس کے شوقین پورے رمضان عبادتوں کا اہتمام کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵۳۴/۴)

جن بزرگوں نے اس کی تلاش و جستجو کی ہے انہوں نے اُسے مختلف تاریخوں میں پایا ہے، بعض نے

رمضان کے علاوہ عام دنوں ہی میں پایا؛ لیکن وہ ایک اتفاقی بات ہے، حدیثوں میں رمضان المبارک ہی میں بتائی گئی ہے۔ (نیل الاوطار:۴/۲۸۷)

بہتر تو یہ ہے کہ پورا رمضان تمام رات عبادتوں میں گزرے، لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہو تو اخیر کے دس دن کا اہتمام کرنا چاہیے اور بہترین ترکیب یہ ہے کہ ان دس دنوں کا اعتکاف کرلیا جائے؛ تاکہ اگر سوتے ہوئے بھی گزر جائے تب بھی ثواب سے خالی نہ گزرے، اس طریقے سے اعتکاف کی بھی ایک اہم سنت ادا ہو جائے گی اور شبِ قدر بھی ہاتھ لگ جائے گی۔

تاہم شبِ قدر کی تعیین کے بارے میں تقریباً پچاس اقوال ہیں، ان میں سے دو قول نہایت ہی قابل توجہ ہیں۔

(۱) رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک ہے؛ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

(صحیح البخاری:۱/۲۷۰، کتاب الصوم، رقم الحدیث:۱۹۱۳)

"شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو"۔

چونکہ اعتکاف کا مقصد بھی تلاشِ لیلۃ القدر ہے، اس لیے ان آخری ایام کا اعتکاف سنت قرار دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کو جب تک اللہ تعالیٰ نے اس شبِ قدر کی تعیین سے آگاہ نہیں فرمایا تھا، آپ اس کی تلاش کے لیے پورا رمضان اعتکاف کرتے تھے، لیکن جب آگاہ فرما دیا گیا تو وصال تک صرف آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے رہے۔

طاق راتوں سے مراد اکیسویں (۲۱) تیئیسویں (۲۳) پچیسویں (۲۵) ستائیسویں (۲۷) اور اُنتیسویں (۲۹) راتیں ہیں، انہیں راتوں میں سے کسی نہ کسی میں شبِ قدر ملنے کی پوری اُمید ہے، ان پانچ راتوں کو جاگ کر گزار دینا کچھ مشکل کام نہیں ہے؛ لیکن اگر اتنی ہمت نہ ہو تو ستائیسویں کو جاگ لے؛ کیونکہ شبِ قدر ہونے کی سب سے زیادہ اُمید اسی رات میں ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے اور اگر کوئی اور ہمت کرے تو اکیسویں اور تیئیسویں بھی اس کے ساتھ ملا لے اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے جو قسم کھا کر فرمایا ہے کہ وہ رات ستائیسویں ہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب وہ رات طے ہوگئی؛ بلکہ ہوسکتا ہے کہ انہیں وہ ستائیس ہی کو ملی ہو؛ کیونکہ وہ ان دس دنوں

میں گھومتی رہتی ہے، ہاں بعض روایتوں کی وجہ سے اس میں اُمید اور راتوں سے زیادہ ہے۔

ہمارے مخدوم و بزرگ حضرت مولانا محمد عبداللہ طارق صاحب دہلوی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

''ناچیز کی رائے اس سلسلے میں یہ ہے کہ شبِ قدر کے بارے میں یقینی طور پر تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ فلاں تاریخ ہی کو ہے؛ البتہ اکثر علماء کے فرمان کی وجہ سے ستائیسویں راجح ہے اور اس کے بعد سب سے زیادہ اُمید اکیسویں کو ہے، خود میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ اس کی نشانیاں اکیسویں رات میں پائی ہیں''۔

(رمضان کیا ہے:۱۵۹)

حکمت:

اگر مسلسل دس رات جاگنے کا حکم دیا جاتا یا پانچ ہی راتوں کے اگر مسلسل جاگنے کا حکم ہوتا تو بہت سے لوگ اس کی ہمت نہ کرتے اور بعض اگر کر بھی لیتے تو تندرستی پر اثر پڑنے کا اندیشہ تھا، اس لیے خدائے پاک نے طاق راتوں میں شبِ قدر رکھ کر ان راتوں کو ایسے عجیب طریقے پر تقسیم کر دیا کہ ایک رات جاگ لیں تو دوسری کو سولیں، اس طرح راتوں کا جاگنا بھی ہو جائے اور تندرستی پر بھی کوئی اثر نہ پڑے۔

(۲) رمضان المبارک کی ستائیسویں شب شبِ قدر ہے، مگر شبِ قدر کے ستائیسویں شب میں حتمی طور پر متعین ہونے کے بارے میں کسی بھی طرح کی کوئی صریح روایت موجود نہیں؛ تاہم جمہور علماء اسلام کی یہی رائے ہے؛ چنانچہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قد اختلف العلماء فی ذالک والذی علیه المعظم انها لیلة سبع و عشرین.

(تفسیر القرطبی: ۱۳٤/۲۰)

''علماء کا شبِ قدر کی تعیین کے بارے میں اختلاف ہے؛ لیکن اکثریت کی رائے یہی ہے کہ لیلۃ القدر کی رات ستائیسویں شب ہے''۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وکثیر منهم ذهب الی انها اللیلة السابعة من تلک الأوتار. (روح المعانی: ۲۲۰/۳۰)

''علماء کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ طاق راتوں میں سے ستائیسویں ہے''۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قاری قرآن حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی بھی یہی

رائے ہے۔ حضرت زو بن جیش ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب ﷺ سے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ﷺ کا قول ہے کہ جو شخص پورا سال عبادت کرے گا، وہ شب قدر کو پالے گا۔

حضرت اُبی ابن کعب ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ﷺ جانتے ہیں کہ شب قدر رمضان کی آخری راتوں میں سے ہے اور وہ ستائیسویں رات ہے؛ لیکن آپؓ نے اس کا ذکر اس لیے کر دیا؛ تاکہ لوگ فقط انہی راتوں کو ہی نہ جاگیں؛ بلکہ پورا سال عبادت کریں اور اس کے بعد حلف اُٹھا کر کہا کہ وہ رات ستائیسویں ہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپؓ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اس کی علامت بیان فرمائی ہے، وہ اسی رات میں پائی جاتی ہے، یعنی شبِ قدر گذرنے کے بعد جب صبح کو سورج طلوع ہوگا تو اس میں شعائیں نہ ہوں گی اور ہم نے ستائیسویں شب گذرنے کے بعد صبح میں سورج کو اسی طرح پایا ہے ،اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ستائیسویں شب ہی شبِ قدر ہے۔ (انوارِ رسالت:۲۹۰)

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ستائیسویں کو شب قدر قرار دیتے ہوئے تین دلیلیں بیان کیا کرتے تھے۔ جس کو امام رازیؒ نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔

انه قال ليلة القدر تسعة حروف وهو مذكور ثلاث مرات فتكون السابعة والعشرين.

ان السورة ثلاثون كلمة وقوله (هي) هي السابعة و عشرون فيها.

(التفسیر الکبیر:۳۰/۳۲، تفسیر القرطبی:۱۰/۱۳۶)

(۱) ''لفظ لیلۃ القدر کے ۹ رحروف ہیں اور اس کا تذکرہ تین دفعہ ہوا ہے اور مجموعہ ۲۷ رہوگا''۔

(۲) ''سورۃ القدر کے کل ۳۰ رالفاظ ہیں، جن کے ذریعے شب قدر کے بارے میں بیان کیا گیا ہے؛ لیکن اس سورہ میں جس لفظ کے ساتھ اس رات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ''ھِیَ'' ضمیر ہے اور یہ لفظ اس سورہ کا ستائیسواں لفظ ہے''۔

(۳) سیدنا حضرت فاروق اعظم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شب قدر کی تعین کے بارے میں سوال کیا، توانہوں نے فرمایا:

أحب الأعداد الى اللّٰه تعالى الوتر وأحب الوتر اليه السبعة فذكر السموت السبع والأرضين السبع والأسبوع و عدد الطواف. (التفسیر الکبیر:۳۰/۳۲)

''اللہ تعالیٰ کو طاق عدد پسند ہے اور طاق عددوں میں سے بھی سات کے عدد کو ترجیح حاصل ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات کی تخلیق میں سات کے عدد کو نمایاں کیا ہے، مثلاً سات آسمان، سات زمین، ہفتہ کے دن سات، طواف کے چکر سات وغیرہ''۔

شب قدر کس کو ملتی ہے؟

علامہ ابن المنیرؒ نے اس موقع پر ایک بڑی ضروری بات لکھی ہے، فرماتے ہیں:

''یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ شبِ قدر بڑے بڑے بزرگوں اور صاحبِ کشف وکرامات اولیاء ہی کو ملتی ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں دے دیتے ہیں''۔(نیل الاوطار:۲۹۲/۴)

شب قدر کی پہچان:

اے خواجہ چہ پُرسی ز شب قدر نشانی

ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

احادیث مبارک میں شبِ قدر کی کچھ نشانیاں بتائی گئی ہیں جس رات میں وہ نشانیاں پائی جائیں سمجھ لو کہ وہی شب قدر ہے:

(۱) سب سے صحیح پہچان شبِ قدر کی یہ ہے کہ اس رات کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو چودھویں رات کے چاند کی طرح بغیر کرنوں کا اور عام دنوں سے کسی قدر کم روشن ہوتا ہے۔

(مسلم عن ابی ابن کعبؓ، عمدۃ القاری:۳۶۵/۵)

یہ پہچان بہت سے لوگوں نے آزمائی ہے اور ہمیشہ پائی جاتی ہے۔

(۲) وہ رات کھلی ہوئی اور روشن ہوتی ہے۔(مسند احمد، عمدۃ القاری:۳۶۵/۵، تفسیر ابن کثیر:۵۳۱/۴)

(۳) اس رات میں نہ زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے اور نہ زیادہ گرمی۔(ایضاً)

(۴) اس رات میں آسمان میں تارے ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر سے اُدھر نہیں جاتے۔(ایضاً)

(۵) علامہ ابن جریر طبریؒ نے بعض بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اس رات میں ہر چیز زمین پر جھک کر سجدہ کرتی ہے اور پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔(عمدۃ القاری:۳۶۵/۵)

لیکن یاد رہے کہ یہ چیز ہر ایک کو نظر نہیں آتی، اور شاید بہت سوں کی تو سمجھ میں بھی نہ آئے۔

(۶) بعض علماء کا تجربہ ہے اور علامہ سید نعمان آلوسیؒ نے تو ایک ضعیف روایت بھی پیش کی ہے کہ اس رات میں سمندروں، کنووں کا کھاری پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ (العرف الشذی: ۳۶۷)

کچھ تعجب کی بات تو ہے نہیں کہ اس رات میں رحمتِ الٰہی کی موسلا دھار بارشوں کا اثر اس قسم کی چیزوں میں بھی ظاہر ہو جائے؛ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ہی ایسا ہوا کرے۔

(۷) بعض لوگوں کو کوئی خاص قسم کی روشنی وغیرہ بھی نظر آتی ہے، جیسا کہ قاضی شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار (۲۹۴/۴) میں ذکر کیا ہے؛ لیکن وہ اپنے اپنے حالات پر ہے، یہ کوئی خاص نشانی نہیں ہے، عام لوگوں کو اس کے چکر میں نہ پڑنا چاہیے۔

شبِ قدر کے اعمال:

اس رات میں جاگ کر نماز، تلاوت، تسبیحات، درود شریف اور دعاؤں وغیرہ کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، اس رات کا کوئی خاص عمل نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے سبھی اعمال کیے جائیں، اس طرح ہر قسم کے اعمال کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا اور اَدل بدل کر عبادت کرنا آسان بھی ہوگا، کبھی نماز پڑھ لی، کبھی تلاوت کرنے لگے تو کبھی تسبیحات میں مشغول ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبیٔ اکرم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے شبِ قدر کا پتہ چل جائے تو کیا دعا مانگوں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ دعا کرنا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ.

(مسند أحمد: ۱۸۲/۶، ۱۷۱، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۸۲/۱، تفسیر ابن کثیر: ۵۳۳/۴، نیل الاوطار: ۲۸۶/۴)

"اے اللہ بیشک تو بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے ہی کو پسند کرتا ہے، پس مجھے بھی معاف فرما دے"۔

اس رات میں مسجدوں میں جمع ہونے اور باقاعدہ تقریروں وغیرہ کرنے کرانے سے اگرچہ یہ تو فائدہ ہوتا ہے کہ اِس طرح مل جل کر جاگنا آسان ہو جاتا ہے، مگر اس کی ہمیشہ پابندی کرنا اور بہت زیادہ اہتمام کرنا اچھا نہیں، علماء نے اس کو ناپسند کیا ہے۔ (مراقی الفلاح بشرح الطحاوی: ۲۱۹)

اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے دور میں شبِ قدر میں جاگنے کا یہ طریقہ نہ

تھا؛ حالانکہ اس کی قیمت وہ حضرات ہم سے زیادہ پہچانتے تھے۔

دوسری ایک ضروری بات یہ ہے کہ ستائیسویں رات کو بہت زیادہ اہتمام کرنے کی وجہ سے لوگوں کا ذہن یہ بن جاتا ہے کہ آج ہی شب قدر ہے؛ حالانکہ یہ غلط ہے کہ ستائیسویں کو یقینی طور پر شب قدر ہے، اس کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ کسی اور رات کو جاگنے کا اہتمام نہیں کرتے؛ حالانکہ پیچھے گزر چکا ہے کہ اس کے چھپانے کا ایک بڑا راز ہی یہ ہے کہ لوگ اس کی تلاش میں بہت سی راتوں میں عبادتیں کیا کریں۔

ایک ضروری بات:

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ پوری رات جاگنا تو ہے مشکل اور تھوڑی بہت دیر جاگنے سے فائدہ کیا؟ لہٰذا چھٹی! یہ خیال غلط ہے اگر رات کے اکثر حصے میں جاگ لیے تب بھی ان شاء اللہ یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی اور پوری رات ہی جاگنا کونسا مشکل ہے، ہم اور آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ رمضان میں کتنے لوگ ایسے تھے جو آج دنیا میں نہیں ہیں اور وہ رمضان ان کا آخری رمضان تھا، ہمیں کیا خبر ہے کہ آئندہ رمضان تک ہم میں سے کس کس کی باری ہے، اس لیے اگر اتنی بڑی نعمت حاصل کرنے کے لیے کوئی ایک دو رات جاگ ہی لیا تو کونسی بڑی بات ہے! لیکن اگر تمام رات جاگنا بس کا ہی نہ ہو تو اکثر حصہ ہی سہی اور بہتر یہ ہے کہ یہ اکثر حصہ اخیر رات کا ہو؛ کیونکہ اس وقت عبادت میں دل بھی لگتا ہے اور شروع رات کے مقابلے میں اخیر رات افضل بھی ہے۔

فائدہ:

اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر مختلف دِنوں (یعنی راتوں) میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں؛ کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر قرار پائے گی اس جگہ اسی رات میں شب قدر کی برکات حاصل ہوں گی، ان شاء اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شب قدر کی تلاش کی توفیق عطا فرمائے اور محض اپنے لطف و کرم سے یہ رات نصیب فرمادے۔ آمین

شب قدر سے متعلق بقیہ تفصیلات کے لیے بندہ کی کتاب "انواراتِ رمضان المبارک" سے "تحفۂ شب قدر" (صفحہ: ۱۵۷ تا ۱۷۶) کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

☆......☆......☆



صدقة الفطر



صدقۃ الفطر
فضائل وفوائد ☆ احکام ومسائل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا فرما کر اور اسے اشرف المخلوقات قرار دے کر دنیا میں بھیجا۔ عقل کی ہدایت اور نگہبانی کے لیے اس کو شریعت کی روشنی سے نوازا تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرے اور ایک نیک وصالح اور منصفانہ معاشرہ کی تعمیر کا کام انجام دے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے انبیاء ورسل دنیا میں بھیجے اور یہ سلسلہ خاتم الانبیاء جناب نبی اکرم ﷺ پر ختم ہوا، جن کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام انس وجن کے لیے رسول بنا کر بھیجا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت واطاعت کا مکلف بنا کر، اس روئے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا؛ تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی شریعت پر عمل کرے اور ایک منصفانہ سماج کی تشکیل کے لیے کوشاں رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یقیناً جسمانی ومالی دونوں طرح کی قربانی درکار ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران:۹۲)

”جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے ہرگز بھلائی نہیں پاؤ گے“۔ اسی مالی قربانی کے ضمن میں آج ”صدقۂ فطر“ ہمارا موضوع ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں:

زکوٰۃ المال: یعنی مال کی زکوٰۃ، جو مال کی ایک خاص مقدار پر فرض ہے جس پر تفصیلی بحث ہماری سابقہ کتاب ”انواراتِ رمضان المبارک“ میں (صفحہ:۱۱۶ تا ۱۴۴) دیکھی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ الفطر: یعنی بدن کی زکوٰۃ، اس کو صدقۂ فطر کہا جاتا ہے۔ اس مضمون میں یہی موضوع بحث ہے؛ اگرچہ اس پر بھی تفصیلی بحث ”انوارات رمضان“ میں موجود ہے؛ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر یہاں بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۝﴾ (التوبۃ:۹/۶۰)

”بے شک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کیے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔ یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے“۔

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَکِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۝﴾ (التوبۃ:۹/۱۰۳)

”آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجیے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے“۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ۝﴾ (الاعلیٰ:۸۷/۱۴،۱۵)

”بے شک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہوگیا۔ اور وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور (کثرت و پابندی سے) نماز پڑھتا رہا“۔

روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ۝﴾ کی تفسیر پوچھی گئی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت صدقۂ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(تفسیر القرطبی:۲۰/۲۰)

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض سلف کہتے ہیں ”تَزَکّٰی“ زکوٰۃ سے ہے مراد یہاں صدقہ الفطر ہے، اور ذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ سے تکبیرات عید مراد ہیں اور فَصَلّٰی میں نماز عید کا ذکر ہے۔ یعنی عید کے روز کا پروگرام یوں ہے، صدقۃ الفطر، پھر تکبیریں، پھر نماز۔

(فوائد عثمانی)

حاصل یہ ہوا کہ تَــزَکّــی سے مراد صدقۂ فطر ادا کرنا ہے، کیونکہ اس سے تزکیہ اور صفائی حاصل ہوتی ہے، اور اللہ کا نام لینے سے مراد تکبیر تحریمہ اور تکبیرات زائدہ ہیں جو عید کی نماز میں کہی جاتی ہیں اور نماز سے مراد "عید کی نماز" ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے ابن جریرؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابو العالیہ رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ ابو خلدہ رحمہ اللہ سے فرمایا:

إذا غدوت غدا إلى العيد فمر بي، قال: فمررت به فقال: هل طعمت شيئا؟ قلت: نعم. قال: أفضت على نفسك من الماء؟ قلت: نعم. قال: فأخبرني ما فعلت بزكاتك؟ قلت: وكذلك قلت: قد وجهتها؟ قال: إنما أردتك لهذا.

وقال: إن أهل المدينة لايرون صدقة أفضل منها ومن سقاية الماء.

(تفسير القرآن العظيم لابن كثير: ٥٩١/٨)

"کل جب عید گاہ جاؤ تو مجھ سے ملتے جانا، جب میں گیا تو مجھ سے کہا: کچھ کھا لیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، فرمایا: نہا چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا: زکوٰۃ فطر ادا کر چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا: بس یہی کہنا تھا کہ اس آیت میں یہی مراد ہے۔

اور فرمایا:

اہل مدینہ اس صدقہ (فطرانے) اور پانی پلانے سے افضل کسی عمل کو نہ سمجھتے تھے"۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ عرفجہ ثقفی اس سورت (سورۂ اعلیٰ) کو سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھ رہے تھے جب یہ اس آیت ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝﴾ پر پہنچے، تو تلاوت چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے:

آثرنا الدنيا على الآخرة، فسكت القوم، فقال: آثرنا الدنيا لأنا رأينا زينتها ونسائها وطعامها وشرابها، وزويت عنا الآخرة فاخترنا هذا العاجل وتركنا الآجل.

وهذا منه على وجه التواضع والهضم، أو هو إخبار عن الجنس من حيث هو، والله أعلم. (تفسير القرآن العظيم لابن كثير: ٥٩١/٨)

’’سچ ہے ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، لوگ خاموش رہے، تو آپ نے پھر فرمایا کہ اس لیے کہ ہم دنیا کے گرویدہ ہو گئے کہ یہاں کی زینت کو، یہاں کی عورتوں کو، یہاں کے کھانے پینے کو، ہم نے دیکھ لیا آخرت نظروں سے اوجھل ہے اس لیے ہم نے اس سامنے والی کی طرف توجہ کی اور اس نظر نہ آنے والی سے آنکھیں پھیر لیں‘‘۔

یا تو یہ فرمان سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بطورِ تواضع کے ہے یا جنس انسان کی بابت فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ صلى الله عليه وآله وسلم ـ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، أبواب صدقة الفطر، باب فرض صدقة الفطر: ۲/۵۴۷، الرقم: ۱۴۳۲)

’’رسول اللہ ﷺ نے فطرانے کی زکوٰۃ فرض فرمائی ہے کہ ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جَو ہر غلام اور آزاد مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے مسلمان کی طرف سے اور حکم فرمایا کہ اسے لوگوں کے نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے ہی ادا کر دیا جائے‘‘۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيْبٍ. (أخرجه البخاري في الصحيح، أبواب صدقة الفطر، باب فرض صدقة الفطر: ۲/۵۴۸، الرقم: ۱۴۳۵)

’’ہم صدقۂ فطر کا ایک صاع کھانا نکالا کرتے یا ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کشمش میں سے‘‘۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ـ صلى الله عليه وآله وسلم ـ أَمَرَ بِإِخْرَاجِ زَكَاةِ الْفِطْرِ أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ.

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الزكاة: ۲/۶۷۹، الرقم: ۹۸۶)

’’رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ صدقۂ فطر نماز عید کے لیے جانے سے پہلے ادا کیا جائے‘‘۔

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ تَمْرًا فَالْمَاءُ فَإِنَّهُ طَهُوْرٌ وَقَالَ: اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ.

(أخرجه الترمذي في السنن، باب ماجاء في الصدقة على ذي القرابة: ۳/۴۶، الرقم: ۶۵۸)

"جب تم میں سے کوئی (روزہ) افطار کرے تو کھجور سے کرے؛ کیونکہ اس میں برکت ہے، اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے افطار کرے؛ کیونکہ یہ پاک ہے، نیز فرمایا: مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے؛ لیکن رشتہ دار پر صدقہ دو چیزیں ہیں: صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی"۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ.

(أخرجه أبو داؤد في السنن، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر: ۲/۱۱۱، الرقم: ۱۶۰۹)

"رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کو فرض فرمایا جو روزہ داروں کی لغویات اور بیہودہ باتوں سے پاکی ہے اور غریبوں کی پرورش کے لیے ہے۔ جس نے نماز عید سے پہلے اسے ادا کیا تو یہ مقبول زکوۃ ہے اور جس نے اسے نماز عید کے بعد ادا کیا تو یہ دوسرے صدقات کی طرح ایک صدقہ ہوگا"۔

اسی حکمت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ اسے سجدۂ سہو سے تشبیہ دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

زَكَاةُ الْفِطْرِ لِشَهْرِ رَمَضَانَ كَسَجْدَتَيِ السَّهْوِ لِلصَّلَاةِ، تَجْبُرُ نُقْصَانَ الصَّوْمِ كَمَا يَجْبُرُ السُّجُوْدُ نُقْصَانَ الصَّلَاةِ. (المجموع للنووي: ٦/١٤٠)

"صدقۂ فطر سجدۂ سہو کی طرح ہے، جس طرح سجدۃ السہو نماز کی کمی کوتاہی کو دور کر دیتا ہے اسی طرح صدقۃ الفطر روزے کو کمی کوتاہی سے پاک کر دیتا ہے"۔

حضرت عبداللہ بن ابی صعیر رضی اللہ عنہ اپنے باپ رضی اللہ عنہ (سے) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَدُّوْا صَاعًا مِنْ قَمْحٍ أَوْ صَاعًا مِنْ بُرٍّ عَنْ كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوْكٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى غَنِيٍّ أَوْ فَقِيْرٍ أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيْهِ اللّٰهُ وَأَمَّا فَقِيْرُكُمْ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ أَكْثَرُ مِمَّا يُعْطِيْ.

(أخرجہ أحمد بن حنبل فی المسند: ۴۳۲/۵، الرقم: ۲۳۷۱۴، وعبد الرزاق فی المصنف: ۳۱۸/۳، الرقم: ۵۷۸۵)

''گندم کا ایک صاع (صدقۂ فطر) تم میں سے ہر چھوٹے بڑے، آزاد وغلام، مرد وعورت، غنی اور فقیر ہر ایک پر فرض ہے۔ غنی کو اللہ تعالیٰ (اس کے ذریعے) پاک کر دیتا ہے اور فقیر جتنا دیتا ہے اس کی طرف اس سے زیادہ اسے واپس لوٹا دیا جاتا ہے''۔

حضرت جریر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صَوْمُ شَهْرِ رَمَضَانَ مُعَلَّقٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَا يُرْفَعُ إِلَّا بِزَكَاةِ الْفِطْرِ.

(اعانۃ الطالبین: ۱۹۰/۲، الترغیب والترہیب)

''رمضان کے روزے آسمان او رزمین کے درمیان معلق (لٹکے) رہتے ہیں، جنہیں (اللہ کی طرف) صدقۂ فطر کے بغیر نہیں اٹھایا جاتا''۔

حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رمضان کے آخر میں بصرے کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

أَخْرِجُوْا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ فَكَأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا فَقَالَ: مَنْ هٰهُنَا مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قُوْمُوْا إِلٰى إِخْوَانِكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ، فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوْكٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ -رَأٰى رُخْصَ السِّعْرِ قَالَ: قَدْ أَوْسَعَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَلَوْ جَعَلْتُمُوْهُ صَاعًا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ.

(أخرجہ أبو داؤد فی السنن، باب من روی نصف صاع من قمح: ۱۲۲/۲، الرقم: ۱۶۱۹)

''اپنے روزوں کا صدقہ نکالو۔ لوگ کچھ نہ سمجھے تو انہوں نے فرمایا کہ جو یہاں مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں وہ اپنے بھائیوں کے پاس جائیں اور انہیں بتائیں؛ کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو مقرر فرمایا ہے کہ ایک صاع کھجوریں یا جَو اور نصف صاع گندم ہر آزاد، غلام، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے کی طرف سے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور غلے کی فراوانی دیکھی، تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت دی ہے؛ لہٰذا ہر چیز کا ایک صاع رکھ لو''۔

حضرت عوف رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ صَلَاةَ الْعِيدِ وَيَتْلُو هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى o وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى o﴾(الأعلى:۸۷/ ۱۴،۱۵).

(أخرجه البزار في المسند:۸/۳۱۳، الرقم:۳۳۸۳)

''آپ ﷺ عید والے دن نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیتے تھے، اور اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرماتے تھے: ﴿بے شک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہوگیا۔ اور وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور (کثرت و پابندی سے) نماز پڑھتا رہا﴾''۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ صَارِخًا بِبَطْنِ مَكَّةَ يُنَادِيْ أَنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى، حُرٍّ أَوْ مَمْلُوْكٍ، حَاضِرٍ أَوْ بَادٍ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ أَوْ تَمْرٍ. (أخرجه الحاكم في المستدرك:۱/۵۶۹، الرقم:۱۴۹۲)

''نبی اکرم ﷺ نے وادی مکہ کے بیچ ایک پکارنے والے کو حکم دیا کہ وہ یہ ندا لگائے کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان چھوٹے بڑے، مرد و زن، آزاد و غلام، شہری و دیہاتی پر ایک صاع جَو اور ایک صاع کھجور واجب ہے''۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

صَدَقَةُ الْفِطْرِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَمَنْ أَعْطَاهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهِيَ صَدَقَةٌ.

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف:۲/۳۹۵، الرقم:۱۰۳۳۲)

''صرف وہی صدقہ فطرانہ کہلائے گا جو عید الفطر تک ادا کر دیا جائے گا اور جس نے اس عید کے بعد کچھ صدقہ دیا تو وہ (فطرانہ نہیں؛ بلکہ صرف) صدقہ ہوگا''۔

صدقۂ فطر کیا ہے؟

فطر کے معنی روزہ کھولنے یا روزہ نہ رکھنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اُس صدقہ کا نام صدقۂ فطر ہے جو ماہِ رمضان کے ختم ہونے پر روزہ کھل جانے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کیا جاتا ہے، نیز صدقہ فطر رمضان کی کوتاہیوں اور غلطیوں کا کفارہ بھی بنتا ہے؛ جیسا کہ ابھی اوپر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کلمات گذرے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر روزہ دار کی بیکار بات اور فحش گوئی سے روزے کو پاک کرنے کے لیے اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لیے مقرر کیا ہے''۔

(أخرجہ أبوداؤد فی السنن، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر: ۲/۱۱۱، الرقم: ۱۶۰۹)

صدقۂ فطر مقرر ہونے کی وجہ:

عیدالفطر میں صدقۂ فطر اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اس میں روزہ داروں کے لیے گناہوں سے پاکیزگی اور ان کے روزوں کی تکمیل ہے۔ نیز مالداروں کے گھروں میں تو اُس روز عید ہوتی ہے مختلف قسم کے پکوان پکتے ہیں، اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں؛ جبکہ غریبوں کے گھروں میں بوجہ غربت اُسی طرح روزہ کی شکل موجود ہوتی ہے؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مالدار لوگوں پر لازم ٹھہرایا کہ غریبوں کو عید سے پہلے صدقہ فطر دے دیں؛ تاکہ وہ بھی خوشیوں میں شریک ہوسکیں، وہ بھی کھاپی سکیں اور اچھا پہن سکیں۔

صدقۂ فطر کا وجوب:

متعدد احادیث سے صدقۂ فطر کا واجب ہونا ثابت ہے، اختصار کے مدنظر یہاں تین احادیث پر اکتفا کررہا ہوں، جو ابھی اوپر بھی گذر چکیں:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے خواہ وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن دارقطنی)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اپنے روزوں کا صدقہ نکالو۔ (سنن ابوداؤد)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں ایک منادی کو اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا۔ (سنن ترمذی)

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟

جو مسلمان اتنا مالدار ہے کہ ضروریات سے زائد اُس کے پاس اُتنی قیمت کا مال واسباب موجود ہے جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اُس پر عیدالفطر کے دن صدقۂ فطر واجب ہے، چاہے وہ مال واسباب

تجارت کے لیے ہو یا نہ ہو، چاہے اُس پر سال گزرے یا نہیں۔ غرضیکہ صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے زکوٰۃ کے فرض ہونے کی تمام شرطیں پائی جائیں ضروری نہیں ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے، یعنی جس کے پاس ایک دن اور ایک رات سے زائد کی خوراک اپنے اور زیرِ کفالت لوگوں کے لیے ہو تو وہ اپنی طرف سے اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے۔

صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا وقت:

عید الفطر کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص صبح صادق ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گیا تو اُس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور جو بچہ صبح صادق سے پہلے پیدا ہوا ہے اُس کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی کا وقت:

صدقۂ فطر کی ادائیگی کا اصل وقت عید الفطر کے دن نمازِ عید سے پہلے ہے؛ البتہ رمضان کے آخر میں کسی بھی وقت ادا کیا جا سکتا ہے؛ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ابھی گزرا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ صدقہ فطر نماز کے لیے جانے سے قبل ادا کر دیا جائے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۵۰۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۲۸۵)

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما گھر کے چھوٹے بڑے تمام افراد کی طرف سے صدقۂ فطر دیتے تھے؛ حتیٰ کہ میرے بیٹوں کی طرف سے بھی دیتے تھے اور ان لوگوں کو دیتے تھے جو قبول کرتے: **كَانُوْا يُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ.**

(صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر علی الحر والمملوک: ۵۴۹/۲، رقم: ۱۴۴۰)

"وہ (یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض دیگر صحابۂ کرامؓ) عید الفطر سے ایک یا دو روز قبل فطرانہ ادا کر دیا کرتے تھے"۔

نمازِ عید الفطر کی ادائیگی تک صدقۂ فطر ادا نہ کرنے کی صورت میں نمازِ عید کے بعد بھی قضاء کے طور پر دے سکتے ہیں؛ لیکن زیادہ تاخیر کرنا بالکل مناسب نہیں؛ کیونکہ اس سے صدقہ فطر کا مقصود اور مطلوب ہی

فوت ہو جاتا ہے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ ہیں کہ جس نے اسے نمازِ عید سے پہلے ادا کر دیا تو یہ قابلِ قبول زکوٰۃ ہوگی اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث:۱۶۰۶)

صدقۂ فطر کی مقدار:

کھجور اور کشمش کو صدقۂ فطر میں دینے کی صورت میں علماءِ اُمت کا اتفاق ہے کہ اس میں ایک صاع 'جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ کا ایک پیمانہ ہے' صدقہ فطر ادا کرنا ہے، البتہ گیہوں کو صدقۂ فطر میں دینے کی صورت میں اس کی مقدار کے متعلق علماءِ اُمت میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ گیہوں میں بھی ایک صاع صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا؛ جبکہ علماء امت کی دوسری رائے ہے کہ گیہوں میں آدھا صاع صدقۂ فطر میں ادا کیا جائے۔ حضرت عثمان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، اور اسماء رضی اللہ عنہم سے صحیح سندوں کے ساتھ گیہوں میں آدھا صاع مروی ہے۔

ہندوستان و پاکستان کے بیشتر علماء بھی مندرجہ ذیل احادیث کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر میں گیہوں آدھا صاع ہے، یہی رائے مشہور و معروف تابعی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی تحریر کیا ہے کہ صدقۂ فطر میں آدھا صاع گیہوں نکالنا کافی ہے۔ (الاختیارات الفقیہ:۱۸۳)

صدقۂ فطر میں آدھا صاع گیہوں والے قول کو اختیار کرنے کے بعض دلائل:

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جو یا کھجور یا کشمش یا پنیر سے ایک صاع صدقۂ فطر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے گیہوں سے صدقۂ فطر نکالنے کے سلسلے میں ان سے گفتگو کی، تو آپؓ نے فرمایا کہ گیہوں سے صدقۂ فطر میں آدھا صاع دیا جائے؛ چنانچہ لوگوں نے اسی کو معمول بنالیا۔ (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم کی سب سے زیادہ مشہور و معروف شرح لکھنے والے، ریاض الصالحین کے مصنف امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ اسی حدیث کی بنیاد پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء نے گیہوں سے آدھا صاع کا فیصلہ کیا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: گیہوں کے ایک صاع سے دو آدمیوں کا صدقہ فطر ادا کرو۔ کھجور اور جو کے ایک صاع سے ایک آدمی کا صدقہ فطر ادا کرو۔ (سنن دار قطنی، مسند احمد)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقۂ فطر میں ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو ضروری قرار دی۔ صحابہ کرامؓ نے گیہوں کے آدھے صاع کو اس کے برابر قرار دیا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر ہر چھوٹے بڑے اور آزاد و غلام پر گیہوں کا آدھا صاع اور کھجور و جو کا ایک صاع ضروری ہے۔ (اخرجہ عبدالرزاق بسند صحیح)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا صدقۂ فطر میں گیہوں کا آدھا صاع اور کھجور و جو کا ایک صاع ادا کرتی تھیں۔

(اخرجہ ابن ابی شیبہ)

غرضیکہ علماء اُمت کے اس قول کے مطابق تقریباً پونے دو کلو احتیاطاً دو کلو گیہوں صدقۂ فطر میں ادا کرنا ہوگا۔

کیا ہر شخص صدقہ فطر یکساں ادا کرے گا یا اپنی اپنی حیثیت کے مطابق؟

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ فطر ادا کریں گے، جیسا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''صرف مُسِنَّہ کی قربانی کرو؛ لیکن اگر دنبوں میں مُسِنَّہ کا ملنا دشوار ہو تو چھ ماہ کے دنبے کی قربانی بھی کر سکتے ہو''۔ (سنن النسائی، کتاب الضحایا، باب المسنۃ والجزعۃ: ۲۱۸/۷، برقم: ۴۳۷۸)

بکرے، گائے اور اونٹ میں مُسِنَّہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ پینے کے دانتوں کی جگہ چرنے اور کھانے کے دانت نکل آئیں۔ بکرے کی عمر ایک سال ہو تو اُس کی یہ دانت نکلتے ہیں جب کہ گائے دو سال اور اونٹ پانچ سال کا ہو جائے تو اُس کے کھانے کے دانت نکلتے ہیں۔ شریعت میں اِجازت ہے کہ ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق بکروں، دنبوں، گایوں یا اونٹوں کی قربانی کرے۔ اِسی طرح حضرت نبی اکرم ﷺ نے صدقہ فطر کی بھی مختلف اَقسام کو اُمت کے لیے جائز فرمایا؛ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری ؓ روایت کرتے ہیں:

''حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم ایک صاع (چار کلو) اناج (بطور صدقہ فطر) ادا کرتے تھے؛ یا

ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جَو یا ایک صاع کشمش ادا کرتے تھے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو گندم کا آٹا آ گیا۔ جو کہ اُس وقت نسبتاً سب سے مہنگا تھا۔ تو نصف صاع (دوکلو) گندم کو ان چیزوں کے چار کلو کے برابر قرار دے دیا گیا‘‘۔ (صحیح البخاری، کتاب صدقۃ الفطر، باب صاع من زبیب: ۵۴۸/۲، برقم: ۱۴۳۷)

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

’’رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ہم ایک صاع اناج بطور صدقہ فطر ادا کرتے تھے۔ ہمارا اناج جَو، کشمش، پنیر اور کھجور پر مشتمل ہوتا تھا‘‘۔ (صحیح البخاری، باب الصدقۃ قبل العید: ۵۴۸/۲، رقم الحدیث: ۱۴۳۹)

لہٰذا مختلف آمدنی رکھنے والے طبقات اپنی اپنی آمدن اور مالی حیثیت کے مطابق دوکلو گندم کی قیمت سے لے کر چار کلو کشمش کی قیمت تک کسی بھی مقدار کو صدقہ فطر کے طور پر ادا کریں گے؛ تاکہ غرباء و مستحقین کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔

کیا گیہوں کے بدلے قیمت دی جاسکتی ہے؟

صدقۂ فطر میں گیہوں کی قیمت ادا کرنے میں بھی علماء امت کا زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت حسن بصریؒ، علماء احنافؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ نے تحریر کیا ہے کہ گیہوں کی قیمت بھی صدقہ فطر میں دی جاسکتی ہے۔ ان حضرات کے اقوال حوالوں کے ساتھ انٹرنیٹ کے اس لنک پر پڑھے جاسکتے ہیں۔

زمانہ کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اب تقریباً تمام ہی علماء کرام نے تسلیم کیا ہے کہ عصر حاضر میں غلہ و اناج کے بدلے قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔

صدقۂ فطر میں گیہوں کی قیمت دینے والے حضرات تقریباً پونے دوکلو گیہوں کی قیمت بازار کے بھاؤ کے اعتبار سے صدقہ فطر میں ادا کریں۔

صدقہ فطر کے مستحق کون ہیں یعنی صدقۂ فطر کس کو دیا جائے؟

صدقۂ فطر/فطرانہ کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، یعنی جن کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اُنہیں صدقہ فطر دے سکتے ہیں اور جنہیں زکوٰۃ نہیں دے سکتے اُنہیں فطرانہ بھی نہیں دے سکتے۔ مصارف میں سے بہتر یہی ہے کہ فقراء و مساکین کو ترجیح دی جائے، اِس لیے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مروی ہے:

أَغْنُوهُمْ عَنِ الطَّوَافِ فِي هَذَا الْيَوْمِ.

(رواہ البیہقی، رقم الحدیث: ۷۷۶۱، والدار قطنی: ۱۵۲/۲، رقم الحدیث: ۶۷)

"اس دن مساکین کو (صدقۂ فطر و دیگر خیرات دے کر) گلی گلی چکر لگانے (اور دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے وسوال کرنے) سے بے نیاز کردو"۔

البتہ! یہ صدقہ اپنی اوپر والی نسل؛ یعنی: ماں، باپ، دادا، دادی، یا نانا، نانی وغیرہ، اور نیچے والی نسل؛ یعنی: بیٹا بیٹی، پوتا پوتی اور نواسا نواسی وغیرہ کو دینا درست نہیں ہے۔ ایسے ہی شوہر اپنی بیوی کو، یا بیوی اپنے شوہر کو غریب و مسکین ہونے کے باوجود اپنا صدقۂ فطر نہیں دے سکتی۔

ان رشتہ داروں کے علاوہ دیگر رشتہ داروں، مثلاً: بھائی بہن، بھتیجا بھتیجی، بھانجا بھانجی، چچا چچی، پھوپا پھوپی، خالہ خالو، ماموں ممانی، سسر ساس، سالہ بہنوئی، سوتیلی ماں سوتیلا باپ وغیرہ ان سب کو صدقہ فطر دینا درست ہے بشرطیکہ یہ غریب اور مستحق ہوں۔

نیز! سید مرد اور سیدہ عورت کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں ہے، ایسے افراد اگر غریب و مستحق و ضرورت مند ہوں تو ان کی مدد صدقاتِ واجبہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے علاوہ دیگر اَموال سے کی جائے۔

متفرق مسائل:

ایک شہر سے دوسرے شہر میں صدقہ فطر بھیجنا مکروہ ہے۔ یعنی جہاں آپ رہ رہے ہیں مثلاً ریاض میں تو وہیں صدقۂ فطر ادا کریں، ہاں اگر دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں اُس کے غریب رشتہ دار رہتے ہیں یا وہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں تو اُن کو بھیج دینا مکروہ نہیں ہے۔

ایک آدمی کا صدقہ فطر کئی فقیروں کو اور کئی آدمیوں کا صدقہ فطر ایک فقیر کو دیا جا سکتا ہے۔

جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھے، اُس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔

آج کل جو نوکر چاکر اجرت پر کام کرتے ہیں ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا مالک پر واجب نہیں ہے۔

حضرت نبیِ اکرم ﷺ کے زمانے میں؛ بلکہ آج سے ۱۵۰ یا ۲۰۰ سال پہلے تک ناپنے اور تولنے کے لیے کوئی خاص پیمانہ موجود نہیں تھا، جو ہر جگہ پر ایک ہی سائز میں مہیا ہو، صاع بھی ایک پیمانہ ہے جو عموماً بالٹی

وغیرہ کی شکل کا ہوتا تھا، جس میں عام طور پر چار مرتبہ دونوں ہاتھ بھر کر کوئی سامان رکھا جاتا تھا، لیکن اُس زمانہ میں یہ پیمانہ کسی فیکٹری میں تیار نہیں ہوتا تھا کہ سب بالکل ایک ہی سائز کے ہوں؛ بلکہ یہ پیمانہ تھوڑا چھوٹا یا بڑا بھی ہوتا تھا، جیسا کہ ہمارے علاقوں میں آج بھی ریت اور بدر پور وغیرہ فروخت کرنے کے لیے لوگ ایک بالٹی کا پیمانہ بنالیتے ہیں۔ اس صاع کے پیمانہ کو موجودہ رائج کلوگرام کے پیمانہ سے مقارنہ کیا گیا تو علماء ومؤرخین میں اختلاف ہوا، اور اختلاف کا ہونا بدیہی بات ہے؛ چنانچہ ایک صاع اور آدھا صاع کو کلوگرام سے موازنہ کرنے پر اختلاف پیدا ہوا۔

بخاری ومسلم میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ صدقۂ فطر میں ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کھانے کی اشیاء سے دیا جائے، اور کھانے کی اشیاء سے مراد جو یا کھجور یا پنیر یا کشمش ہے؛ جیسا کہ اس حدیث کے خود راوی صحابیِ رسول ﷺ حضرت ابو سعید خدری ؓ نے حدیث کے آخر میں وضاحت کی ہے لیکن اس میں کسی بھی جگہ گیہوں کا تذکرہ نہیں ہے، غرضیکہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال میں کسی بھی جگہ مذکور نہیں ہے کہ گیہوں سے ایک صاع دیا جائے، ہاں حدیث کی ہر مشہور ومعروف کتاب حتی کہ بخاری ومسلم میں موجود ہے کہ صدقۂ فطر میں گیہوں دینے کی صورت میں صحابہ کرام آدھا صاع یعنی تقریباً پونے دو کلو گیہوں دیا کرتے تھے، جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث میں مذکور ہے۔

صدقۂ فطر کے تفصیلی احکام ومسائل کے لیے بندہ کی کتاب ''انوارات رمضان المبارک'' سے ''تحفۂ صدقۃ الفطر'' (۱۷۷ تا ۱۸۹) بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

☆......☆......☆

رمضانُ المبارک میں معمولاتِ نبوی ﷺ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً رمضان المبارک میں امام الانبیاء والمرسلین جناب نبی اکرم ﷺ کے معمولات کا اجمالاً ذکر کردیا جائے؛ تاکہ ہم بھی رمضان المبارک کو انہیں مبارک خطوط ونقوش اور معمولات کے مطابق گزارنے والے بن جائیں۔

رمضان المبارک کے ماہِ سعید میں حضرت نبی اکرم ﷺ کے معمولاتِ عبادت وریاضت میں عام دنوں کی نسبت کافی اضافہ ہوجاتا۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور محبت اپنے عروج پر ہوتی۔ اسی شوق اور محبت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کے قیام کو بھی بڑھادیتے۔ یہاں پر حضرت نبی اکرم ﷺ کے انہیں معمولات کا ذکر کیا جاتا ہے؛ تاکہ ہم بھی آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرکے اس مہینے کی برکتوں اور سعادتوں کو لوٹ سکیں۔

معمولاتِ نبوی ﷺ کا اِجمالی جائزہ:

اِجمالی طور پر جناب رسول اللہ ﷺ کے معمولات رمضان المبارک کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

صیامِ رمضان: اس سے مراد ماہ رمضان کے دوران اپنے اوپر روزوں کی پابندی کو لازم ٹھہرالینا ہے۔

قیامِ رمضان: رمضان المبارک کی راتوں میں نمازِ تراویح، تسبیح وتہلیل اور کثرت سے ذکر وفکر میں مشغول رہنا۔

ختمِ قرآن: دورانِ ماہ رمضان المبارک مکمل قرآن پاک کی تلاوت کا معمول۔

اعتکاف: رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے ایام بہ نیت اعتکاف مسجد میں بیٹھنا۔

نمازِ تہجد: سال کے بقیہ مہینوں کی نسبت رمضان المبارک میں نمازِ تہجد کی ادائیگی میں زیادہ انہماک اور ذوق وشوق کا مظاہرہ۔

صدقہ وخیرات: حضرت نبی اکرم ﷺ اس مہینے میں عام مہینوں کی نسبت صدقہ وخیرات بھی کثرت سے کیا کرتے تھے۔

(ا) صیامِ رمضان اور معمولاتِ نبوی ﷺ:

حضرت نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک سے اتنی زیادہ محبت فرمایا کرتے تھے کہ اس کے پانے کی دعا اکثر

کیا کرتے تھے۔اور رمضان المبارک کا اہتمام ماہِ شعبان میں ہی روزوں کی کثرت کے ساتھ ہو جاتا تھا۔

رَسول اللہ ﷺ کا دعا فرمانا:

حضرت نبیٔ اکرم ﷺ ماہِ رَجب کے آغاز کے ساتھ ہی یہ دعا اکثر فرمایا کرتے تھے:

عن أنس بن مالک قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل رجب قال:

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ.

(المعجم الأوسط:٥٥٨/٤، رقم الحدیث:٣٩٥١، مسند أحمد بن حنبل:٢٥٩/١)

"حضرت انس بن مالک ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب رجب المرجب کا مہینہ شروع ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان بابرکت بنا دے اور ہمیں رمضان نصیب فرما"۔

رَمضان المبارک کا چاند دیکھنے پر خصوصی دعا:

حضرت نبیٔ اکرم ﷺ رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر خصوصی دعا فرمایا کرتے تھے:

کان اذا رای ھلال رمضان قال: ھلال رشد وخیر، ھلال رشد وخیر امنت بالذی خلقک. (مصنف ابن ابی شیبہ:۴۰۰/۱۰، رقم الحدیث:۹۷۹۸، المعجم الاوسط:۲۱۲/۱، رقم الحدیث:۳۱۳)

"رسول اللہ ﷺ جب رَمضان المبارک کا چاند دیکھتے تو فرماتے: یہ چاند خیر و برکت کا ہے، یہ چاند خیر و برکت کا ہے۔میں اس ذات پر ایمان رکھتا ہوں جس نے تجھے پیدا فرمایا"۔

رَمضانُ المبارک کو خوش آمدید کہنا:

حضرت نبیٔ اکرم ﷺ اس مبارک مہینے کا خوش آمدید کہہ کر اس کا استقبال کرتے۔

حضرت نبیٔ اکرم ﷺ نے سوالیہ انداز کے ذریعے صحابۂ کرامؓ سے رمضان المبارک کے استقبال کے بارے میں پوچھ کر اس مہینے کی برکت کو مزید واضح کیا۔

جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا، تو رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرامؓ سے دریافت کرتے:

مَاذَا يَسْتَقْبِلُكُمْ وَتَسْتَقْبِلُوْنَ؟.

"تم کس کا استقبال کر رہے ہو اور تمہارا کون استقبال کر رہا ہے۔(یہ الفاظ آپ نے تین دفعہ

ارشاد فرمائے)

اس پر سیدنا حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی وحی اُترنے والی ہے یا کسی دشمن سے جنگ ہونے والی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ فِیْ اَوَّلِ لَیْلَۃٍ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ لِکُلِّ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ.

(الترغیب والترھیب: ۶۴/۲، رقم الحدیث: ۱۵۰۲)

"تم رمضان کا استقبال کر رہے ہو، جس کی پہلی ہی رات میں اللہ تعالیٰ تمام اہل قبلہ کو معاف فرما دیتے ہیں"۔

رمضان اور شعبان میں روزوں کا اتصال:

امام الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان میں کثرت کے ساتھ روزے رکھ کر ماہ رمضان کی تیاری اور استقبال کیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

کان أکثر صیامہ سوی رمضان فی شعبان.

(سنن النسائی: ۳۰۶/۱، کتاب الصیام، رقم الحدیث: ۲۱۷۹، المعجم الاوسط: ۴۶۰/۲، رقم الحدیث: ۱۷۹۴، و۱۱۰۹، رقم الحدیث: ۸۲۲۸، مجمع الزوائد: ۱۹۲/۳)

حضرت نبی اکرم ﷺ رمضان کے علاوہ صرف ماہ شعبان میں ہی کثرت کے ساتھ روزے رکھا کرتے تھے؛ بلکہ اکثر اوقات آپ ﷺ شعبان کے روزوں کو رمضانُ المبارک کے ساتھ ملا دیتے تھے؛ چنانچہ حضرت سیدہ عائشہ اور سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

ما کان النبی ۔ﷺ۔ یصوم شھرا سوی رمضان الا شعبان فانہ کان یصلہ برمضان.

(المعجم الکبیر: ۲۵۶/۲۳، رقم الحدیث: ۵۲۹، ۵۲۷)

"حضرت نبی اکرم ﷺ رمضان کے علاوہ صرف شعبان میں ہی پورے ماہ کے روزے رکھا کرتے تھا، اس لیے کہ یہ رمضان کے ساتھ متصل ہے"۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے:

عن أم سلمۃ قالت: ما رأیت رسول اللہ ۔ﷺ۔ یصوم شھرین متتابعین الا انہ کان

يصل شعبان برمضان. (سنن النسائی: ۳۰۵/۱، ۳۰۶، کتاب الصوم، رقم الحدیث: ۲۱۷۵، مسند احمد بن حنبل: ۳۰۰/۶)

''حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے علاوہ صرف شعبان میں ہی پورے ماہ کے روزے رکھا کرتے تھا؛ اس لیے کہ یہ رمضان کے ساتھ متصل ہے''۔

حضرت اُسامہ ابن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَمْ أَرَكَ تَصُوْمُ شَهْرًا مِنَ الشُّهُوْرِ مَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانَ؟ قَالَ: ذَالِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَّرَمَضَانَ وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَعْمَالُ إِلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فَاُحِبُّ اَنْ يُّرْفَعَ عَمَلِيْ وَاَنَا صَائِمٌ. (سنن النسائی، کتاب الصیام، باب صوم النبی ﷺ وذکر اختلاف الناقلین للخبر فی ذلک: ۲۰۱/۴، رقم الحدیث: ۲۳۵۷، مسند احمد بن حنبل: ۲۰۱/۵، رقم الحدیث: ۲۱۸۰۱)

''میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جس قدر آپ شعبان میں روزے رکھتے ہیں اس قدر میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک ایسا مہینہ ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان میں (آتا) ہے اور لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں؛ حالانکہ اس مہینے میں (پورے سال کے) عمل اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں؛ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے عمل روزہ دار ہونے کی حالت میں اُٹھائے جائیں''۔

گویا ماہِ شعبان ماہِ رمضان کے لیے مقدمہ کی مانند ہے؛ لہٰذا اس میں وہی اعمال بجالانے چاہئیں جن کی کثرت رمضان المبارک میں کی جاتی ہے یعنی روزے اور تلاوتِ قرآن حکیم۔

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ماہِ شعبان میں روزوں اور تلاوتِ قرآن حکیم کی کثرت اِس لیے کی جاتی ہے تاکہ ماہِ رمضان کی برکات حاصل کرنے کے لیے مکمل تیاری ہو جائے اور نفس، رحمٰن کی اِطاعت پر خوش دلی اور خوب اطمینان سے راضی ہو جائے''۔ (لطائف المعارف: ۲۵۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے معمول سے اِس حکمت کی تائید بھی ہو جاتی ہے؛ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ شعبان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

كان المسلمون إِذَا دَخَلَ شَعْبَانُ اَكَبُّوا على المصاحِفِ فقرؤوها، واَخْرَجُوْا زَكَاةَ أموالهم تقوِيَةً للضَّعيفِ والمسكينِ على صيامِ ورمضانَ. (لطائف المعارف: ۲۵۸)

''شعبان کے شروع ہوتے ہی مسلمان قرآن کی طرف جھک پڑتے، اپنے اَموال کی زکوٰۃ نکالتے؛ تاکہ غریب، مسکین لوگ روزے اور ماہِ رمضان بہتر طور پر گزار سکیں''۔

کثرتِ عبادت وریاضت:

جیسا کہ عرض کیا گیا رَمضانُ المبارک میں حضرت نبیِ اکرم ﷺ کے معمولاتِ عبادت وریاضت اور مجاہدہ میں عام دنوں کی نسبت بہت اضافہ ہو جاتا؛ چنانچہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ ﷺ ـ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانَ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ، وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ، وَأَشْفَقَ مِنْهُ. (شعب الایمان:۳/۳۱۰، رقم الحدیث:۳۶۲۵)

''جب ماہِ رمضان شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک متغیر ہو جاتا، آپ کی نمازوں میں اضافہ ہو جاتا، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتے اور اس کا خوف طاری رکھتے''۔

روزے میں سحری وافطاری کا معمول:

رَمضانُ المبارک میں پابندی کے ساتھ سحری و افطاری بے شمار فوائد اور فیوض و برکات کی حامل ہے۔ حضرت نبیِ اکرم ﷺ بالالتزام روزے کا آغاز سحری کے کھانے سے فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً.

(صحیح البخاری:۱/۲۵۷، کتاب الصوم، باب برکۃ السحور من غیر ایجاب، رقم الحدیث:۱۸۲۳)

''سحری کھایا کرو؛ کیونکہ سحری میں برکت ہے''۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے روزے کے درمیان فرق کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فصل ما بين صيامنا و صيام أهل الكتاب أكلة السحر.

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور، رقم الحدیث:۱۰۹۶)

''ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے''۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

السحور کله برکة فلا تدعوه. (مسند احمد بن حنبل:۱۲/۳)

''سحری سراپا برکت ہے، اسے ترک نہ کیا کرو''۔

ایک دوسری روایت میں حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سحری کرنے والے پر اللہ کی رحمتیں ہوتی ہیں:

فان اللّٰہ و ملآئکتهٗ یصلون علی المتسحرین. (مسند احمد بن حنبل:۱۲/۳)

''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کرنے والوں پر اپنی رحمتیں نازل کرتے ہیں''۔

روزے میں سحری کو بلاشبہ بہت اہم مقام حاصل ہے۔ روحانی فیوض و برکات سے قطع نظر سحری دن میں روزے کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے اُمت کو تلقین فرمائی ہے کہ سحری ضرور کھایا کرو، خواہ وہ پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ سحری آخری وقت میں تناول فرمایا کرتے تھے۔ گویا سحری کا آخری لمحات میں کھانا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

برکت سے کیا مراد ہے؟

برکت سے مراد اجر عظیم ہے؛ کیونکہ اس سے ایک تو سنت ادا ہوتی ہے اور دوسرا روزہ کے لیے قوت و طاقت مہیا ہوتی ہے۔

محقق ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں برکت سے مراد دوسرے دن کے روزے کی قوت حاصل کرنا ہے۔

حدیث مبارکہ میں بھی اس فائدے کا ذکر ملتا ہے؛ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

استعینوا بطعام السحر علی صیام النهار وبقیلولة النهار علی قیام اللیل.

(سنن ابن ماجہ:۱۲۳، کتاب الصیام، باب ماجاء فی السحور، رقم الحدیث:۱۶۹۳)

''سحری کھا کر دن کے روزے کی قوت حاصل کرو اور دن کو قیلولہ کر کے رات کی نماز (تہجد) کے لیے مدد حاصل کرو''۔

برکت سے مراد اَجر وثواب کی زیادتی ہے؛ کیونکہ سحری کھانا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ سحری میں برکت کے فوائد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

و اما البرکة التی فیه فظاهرة لانه یقوی علی الصیام و ینشط له و تحصل بسببه الرغبة فی الازدیاد من الصیام و قیل لانه یتضمن الاستیقاظ' والذکر و الدعاء فی ذالک الوقت الشریف و قت تنزل الرحمة و قبول الدعاء و الاستغفار. (شرح صحیح مسلم)

"سحری میں برکت کی وجوہات ظاہر ہیں؛ جیسا کہ یہ روزے کو تقویت دیتی ہے اور اسے مضبوط کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے روزے میں زیادہ کام کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق رات کو جاگنے کے ساتھ ہے اور یہ وقت ذکر اور دعا کا ہوتا ہے جس میں اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور دعا اور استغفار کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے"۔

سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل:

سحری کرنے میں تاخیر اور افطار کرنے میں تعجیل رسول اللہ ﷺ کا زندگی بھر معمول رہا ہے؛ جس کے راوی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر. (صحیح مسلم: ۳۵۰/۱، کتاب الصیام، باب فضل السحور، رقم الحدیث: ۱۰۹۸، جامع الترمذی: ۸۸/۱، کتاب الصوم، باب ماجاء فی تعجیل الافطار، رقم الحدیث: ۷۰۰)

"میری امت کے لوگ بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ روزہ جلد افطار کرتے رہیں گے"۔

حدیث قدسی ہے: **قال اللّٰہ تعالی احب عبادی الی أعجلهم فطرًا.**

(جامع الترمذی: ۸۸/۱، کتاب الصوم، باب ماجاء فی تعجیل الافطار، رقم الحدیث: ۷۰۰)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندوں میں مجھے پیارے وہ ہیں جو افطار میں جلدی کریں"۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس اُمت کے لوگوں میں یہ دونوں باتیں (یعنی افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرنا) رہیں گی تو اس وقت تک سنت کی پابندی کے باعث اور حدودِ شرع کی نگرانی کی وجہ سے خیریت اور بھلائی پر قائم رہیں گے۔

سحری میں تاخیر:

حضرت نبی اکرم ﷺ سحری تناول فرمانے میں تاخیر کرتے یعنی طلوعِ فجر کے قریب سحری کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اُمِرْنَا اَنْ نُعَجِّلَ اِفْطَارَنَا وَنُؤَخِّرَ سُحُوْرَنَا وَ نَضَعَ اَيْمَانَنَا عَلٰى شَمَائِلِنَا فِي الصَّلٰوةِ.

(السنن الکبری: ۲۳۸/۴، سنن دار قطنی: ۲۸۴/۱)

''ہمیں (یعنی نبیوں کو) روزہ جلدی افطار کرنے، سحری میں تاخیر کرنے اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے''۔

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَزَالُ اُمَّتِيْ عَلٰى سُنَّتِيْ مَا لَمْ تَنْتَظِرْ بِفِطْرِهَا النُّجُوْمَ.

(صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۵۱۰، صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۲۰۶۱، موارد الظمآن: ۸۹۱)

''میری اُمت میری سنت پر اس وقت تک برابر قائم رہے گی، جب تک کہ وہ روزہ افطار کرنے کے لیے ستاروں کا انتظار نہ کرنے لگے گی''۔

آپ ﷺ کا یہ عمل یہودیوں کے برعکس تھا، جن کے ہاں سحری کرنے کا کوئی تصور نہیں تھا اور وہ افطاری کرنے کے معاملے میں آسمان پر ستاروں کے طلوع ہونے کا انتظار کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ آفتاب غروب ہوتے ہی افطار کر لیا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سحری کھانے کی برکت کئی طرح سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً: اتباعِ سنت، یہود و نصاریٰ کی مخالفت، عبادت پر قوت حاصل کرنا، آمادگیِ عمل کی زیادتی، بھوک کے باعث جو بدخلقی پیدا ہوتی ہے اس کی مدافعت، سحری میں کئی حقدار اور محتاجوں کو شریک کر لینا، جو اس وقت میسر آ جاتے ہیں۔

علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روزے کا مقصد چونکہ پیٹ اور شرم گاہ کی خواہشات کو توڑنا اور درجۂ اعتدال میں لانا ہے؛ لیکن اگر آدمی اتنا کھا جائے کہ جس سے روزے کے مقاصد پورے نہ ہوں؛ بلکہ ختم ہی ہو کر رہ جائیں۔ اور یہ روزہ کی روح کے خلاف ہے؛ جبکہ عیش پسند لوگ ایسا کرتے ہیں کہ

دن بھر کی کسر شام کو اور رات بھر کی کسر سحری میں نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کس چیز سے روزہ افطار فرماتے تھے:

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات کھجوروں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔ اگر وہ میسر نہ ہوتیں تو پانی سے افطار فرمالیتے تھے؛ چنانچہ حضرت سلیمان بن عامر ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا أفطر أحدكم فليفطر على تمر فانه بركة فان لم يجد فليفطر على ماءٍ فانه طهور.

(جامع الترمذی: ۱/۸۳، کتاب الزکوٰۃ، رقم الحدیث: ۶۵۸)

”جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو اسے چاہیے کہ کھجور سے کرے؛ کیونکہ اس میں برکت ہے اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے؛ کیونکہ پانی پاک ہوتا ہے“۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے کھجور کو بہترین سحری قرار دیا؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نعم سحور المؤمن التمر.

(سنن ابی داؤد: ۱/۳۲۷، کتاب الصوم، باب من سمی السحور الغداء، رقم الحدیث: ۲۳۴۵)

”مؤمن کی بہترین سحری کھجور ہے“۔

ہمارے ہاں اکثر و بیشتر افطاری کے وقت عجیب مضحکہ خیز صورت نظر آتی ہے۔ یہ ہماری مجلسی زندگی کا خاصہ ہے، جو الا ماشاء اللہ افراتفری، بدنظمی اور ذہنی انتشار کی آئینہ دار ہے۔ اس کی ایک جھلک اِفطاری کے وقت بھی نظر آتی ہے۔ ادھر مغرب کی اذان بلند ہوئی، اس کے ساتھ ہی ایک ہنگامہ شروع ہوگیا اور افطاری کے لیے بھاگم دوڑ مچ گئی۔ کوئی جلدی سے کھانے کی طرف لپک رہا ہے اور کلی کر کے مسجد کی طرف بھاگ رہا ہے۔ مؤذن کے اذان سے فارغ ہونے کے فوراً بعد مغرب کی نماز کھڑی ہوگئی۔ اس افراتفری میں افطاری کرنے والوں میں سے کسی کو دوسری اور کسی کو آخری رکعت میں جماعت ملی۔ بدنظمی اور عدم توازن پر مبنی یہ صورت حال ہماری کج فہمی کی پیداوار ہے، ہم اپنی لاعلمی کی بنا پر نمازِ مغرب میں غیر ضروری عجلت کو روا گردانتے ہیں؛ حالانکہ نماز کا وقت اتنا تنگ بھی نہیں، جتنا ہم سمجھ بیٹھے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم آٹھ، دس

منٹ افطاری کے لیے دیں اور پھر اطمینان اور یکسوئی سے نمازِ مغرب با جماعت ادا کریں۔ اتنا وقفہ کرنے سے نماز مکروہ نہیں ہوگی۔ فقہی اعتبار سے نمازِ مغرب کا وقت گرما و سرما کے موسموں کے تفاوت کے پیشِ نظر سوا گھنٹے سے ڈیڑھ گھنٹے تک رہتا ہے۔ یہ اس کی آخری حد ہے اور اس کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے؛ لہٰذا مناسب اور احسن بات یہی ہے کہ چند منٹوں کے توقف کے بعد نمازِ مغرب کی جماعت کا اہتمام کیا جائے؛ تاکہ سب مسلمان آسانی سے شاملِ جماعت ہوسکیں۔

بھوک کی حالت میں طعام کو نماز پر فوقیت دینا:

اسلام ایک سہل العمل دین ہے، جس میں ہر کس و ناکس کے لیے آسانیاں ہی آسانیاں ہیں؛ لیکن ایک ہم ہیں کہ اپنی کم فہمی اور نادانی کے باعث شریعت کی عطا کردہ سہولتوں سے استفادہ نہیں کرتے اور خواہ مخواہ مشقت اُٹھاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو نماز کے معاملے میں یہاں تک آسانی مرحمت فرمادی کہ اگر ایک طرف بھوک لگی ہو اور کھانے کے لیے دستر خوان بچھ گیا ہو اور دوسری طرف نماز کا وقت آن پہنچا ہو تو ایسی صورت میں کھانا کھانے کو ترجیح دی جائے اور تناول ماحضر کے بعد نماز ادا کی جائے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ بھوک کی حالت میں نماز میں وہ یکسوئی، انہماک، خشوع و خضوع اور طمانیت قلب نصیب نہیں ہو سکتی، جس کا حصول نماز کے باطنی آداب کا تقاضا ہے۔ ایسی نماز جس میں آپ بھوک کی شدت سے بے قرار ہوں اور دھیان بار بار دستر خوان کی طرف جا رہا ہو، ان کیفیاتِ لذت و سرور سے کب آشنا ہو سکتی ہے، جو خدا کی بارگاہِ صمدیت میں محویت اور حضوریٔ قلب کا موجب ہیں۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ انسان پر شیطان ہمیشہ پیٹ کے راستے حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ حصولِ رزق کی کوششوں میں پریشانی سے فائدہ اٹھا کر اسے حرام کی طرف راغب کر دیتا ہے اور بھوک کے ہتھیار سے اسے شکار کر لیتا ہے۔ گویا رزق حرام کی راہ شیطان کی آماجگاہ ہوتی ہے؛ لہٰذا فکرِ معاش اور روزگار کی پریشانیوں سے نجات پا کر ہی عبادت کا حقیقی لطف اور کیف و سرور نصیب ہوتا ہے۔

بہترین عمل: عمل مداومت:

اسلام اعتدال اور توازن کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتا ہے اور وہ معاملات و عبادات میں افراط و تفریط کی روش اختیار کرنے کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھتا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسی راہ پر عمل پیرا

ہونے کی تعلیم فرمائی ہے۔ روایت میں ہے کہ ایک دفعہ چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جن میں حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ بھی تھے، صائم الدہر اور قائم الیل رہنے پر متفق ہو گئے۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ کو طلب فرمایا، پھر جو مکالمہ ہوا وہ انہی صحابی سے مروی حدیث پاک میں ملاحظہ فرمایئے:

قال لی رسول اللہ ﷺ۔ یا عبداللہ! الم اخبر انک تصوم الدھر و تقوم اللیل، فقلت: بلی یا نبی اللہ! قال فلا تفعل ، نم، وقم، وصم، وافطر،فان لجسدک علیک حقاً و ان لعینک علیک حقاً و لضیفک علیک حقاً و ان لزوجک علیک حقا لاصام من صام الدھر، صوم ثلاثة أیام من کل شھر صوم الدھر کلہ، صم کل شھر ثلاثة أیام.

(صحیح مسلم: ۳۶۵/۱، کتاب الصیام، باب النہی عن صوم الدہر، رقم الحدیث:۱۸۲)

”رسول اللہ ﷺ نے مجھے طلب کیا اور فرمایا: اے عبداللہ! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! (ایسا ہی ہے)۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو۔ روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو (رات کو) قیام بھی کرو اور سوؤ بھی؛ اس لیے کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے؛ جس نے ہمیشہ کا روزہ رکھا اس نے (کوئی) روزہ نہیں رکھا، ہر ماہ کے تین روزے ہمیشہ کے روزوں کا ثواب رکھتے ہیں؛ اس لیے بہتر ہے کہ تم ہر ماہ میں تین روزے رکھو“۔

ایک اور حدیث مبارکہ جسے حضرت ابن قیسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد سے روایت کیا ہے، اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایامِ بیض یعنی چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے روزے رکھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا:

من صام من کل شھر ثلاثة أیام فذلک الدھر.

(جامع الترمذی: ۳۲۷/۱، کتاب الصوم، رقم الحدیث:۷۶۲)

”جس نے ہر ماہ تین روزے رکھے، ایسا ہی ہے جیسے وہ زندگی بھر روزے رکھنے والا ہو“۔

آنحضرت ﷺ کے یہ حکمت آموز ارشادات عبادت میں میانہ روی اور اعتدال کو ملحوظ رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کا لب لباب یہ ہے کہ سب سے بہتر اور افضل عمل وہ ہے، جو خواہ مقدار میں تھوڑا ہی ہو؛ لیکن

اسے پابندیٔ وقت اور محافظت و مداومت کے ساتھ جاری رکھا جا سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

احب الأمر الی اللّٰہ مادام علیه صاحبه و ان أقل.

(صحیح مسلم: ۱/۳۶۵، کتاب الصیام، باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان، رقم الحدیث: ۷۸۲)

"اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے اچھا عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے؛ اگر چہ وہ قلیل ہو"۔

اسلام دین فطرت ہونے کے ناطے زندگی کے ہر معاملے میں نظم و ضبط (Discipline) پابندیٔ وقت (Punctuality) اور باقاعدگی (Regularity) پر زور دیتا ہے؛ لیکن ہم نے اپنی کوتاہ نظری سے ان تصورات کو مغرب سے آئی ہوئی چیز سمجھ رکھا ہے؛ حالانکہ وہ اسلامی تعلیمات کا جزوِ لاینفک ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے دنیاوی اور دینی معاملات کو انہی تصورات کے سانچے میں ڈھالیں اور افراط و تفریط سے نجات حاصل کر کے دنیوی و اُخروی کامیابیوں اور کامرانیوں سے بہرہ ور ہوں۔

(۲) معمول قیامِ رمضان:

آنحضرت ﷺ کا دوسرا مبارک معمول رمضان کی راتوں میں تواتر و کثرت کے ساتھ کھڑے رہنے اور نماز، تسبیح و تہلیل اور ذکر الٰہی میں محویت سے عبارت ہے۔ نماز کی اجتماعی صورت جو ہمیں تراویح میں دکھائی دیتی ہے، اسی معمول کا حصہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں قیام کرنے کی فضیلت کے باب میں ارشاد فرمایا:

فمن صامه وقامه ایماناً واحتسابا خرج من ذنوبه کیوم ولدته أمه.

(سنن النسائی: ۱/۳۰۸، کتاب الصیام، رقم الحدیث: ۲۲۰۸)

"جس نے ایمان و احتساب (ثواب) کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اور راتوں کو قیام کیا وہ گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو جاتا ہے، جس دن وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت بے گناہ تھا"۔

اس ارشاد گرامی کی رو سے روزے کے آداب کی بجا آوری اور اس میں عبادت اور ذکر الٰہی کے لیے کھڑے رہنے سے انسان کے گناہ بارگاہِ ایزدی کے عفو و کرم سے اس طرح مٹا دیے جاتے ہیں، گویا وہ ابھی ماں کے پیٹ

سے پیدا ہوا ہو۔ رات کے قیام کے لیے جو محبوب عمل سنت نبوی سے ثابت ہے وہ نمازِ تراویح ہے جس میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے۔

(۳) معمولِ ختم قرآن؛ ائمہ وفقہاء کی رائے میں:

رمضان المبارک کے دوران نماز تراویح میں کم از کم ایک بار قرآن ختم کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم روزانہ کتنی مقدار میں پڑھا جائے؟ اس بارے میں ائمہ وعلمائے فقہ کے فتاویٰ موجود ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فی رکعت تراویح میں کم از کم دس آیات قرآنی کی تلاوت کی جائے۔ قرآن پاک کی کل آیات تقریباً چھ ہزار ہیں اور ایک ماہ کے دوران ادا کردہ تراویح کی رکعتوں کی تعداد چھ سو بنتی ہے۔ اس حساب سے اگر روزانہ دس سے بارہ آیتیں تلاوت کی جائیں تو بآسانی ماہ رمضان المبارک میں ایک قرآن ختم ہوسکتا ہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس سے زیادہ قرآن پاک پڑھنے کے حق میں تھے اور وہ روزانہ بیس سے پچیس آیات تک تلاوت کرنے کے قائل تھے۔ بہرحال اس سے مقصود یہ ہے کہ حفاظ کرام وقرائے عظام قرآن کریم کو اتنی مقدار میں نہ پڑھیں کہ ترتیل کے ساتھ تلاوت ممکن نہ رہے۔ قرآت میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ نماز تراویح کی جماعت میں بچے اور بوڑھے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس بناء پر قراءت کو اتنا طول دینا ہرگز مناسب نہیں، جو ان کی برداشت سے باہر ہو جائے۔ صرف اتنی مقدار پر کفایت کی جائے کہ ہر شخص اطمینان وسکون کے ساتھ نماز تراویح کے دوران قراءت کو سن سکے۔

جس طرح نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کل جہاں کے لیے پیکرِ رحمت ہیں، اس طرح آپ ﷺ کا لایا ہوا دین بھی سراپا رحمت ہے، جس پر عمل کرنا اُمت کے ہر فرد کے لیے سہل اور آسان ہے؛ لیکن ہم نے اپنی کم نظری اور کوتاہ اندیشی کی بنا پر اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے اور کم وبیش ہر معاملے میں افراط وتفریط کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ رمضان المبارک میں ہمارے اندر عرصہ سے ایک غلط رجحان جڑ پکڑ رہا ہے کہ ہم بزعم خویش زیادہ سے زیادہ اجر وثواب کمانے کی غرض سے تراویح میں ایک سے زیادہ بار قرآن ختم کرنے کے رواج کو فروغ دے رہے ہیں، جس کی وجہ سے طویل قراءت کے بوجھ کے کچھ مقتدی متحمل نہیں ہوتے اور نتیجتاً عبادت میں ذوق وشوق پیدا ہونے کی بجائے لوگوں میں قرآن حکیم سے بے رغبتی بڑھنے لگی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زیادہ سے زیادہ قراءت کا سماعت کرنا باعثِ اجر وثواب ہے؛ لیکن اس شوق کو پورا کرنے کے لیے بجائے تراویح کے خواہشمند حضرات کو نوافل کی نماز کا اہتمام علیحدہ کیا جائے اور نماز تراویح میں صرف ایک بار قرآن سنایا جائے اور اس کی مقدار اتنی ہو کہ ہر شخص بغیر کسی دشواری کے نماز تراویح میں بطیبِ خاطر شریک ہو سکے۔

رمضان وقرآن میں گہرا باہمی ربط وتعلق پایا جاتا ہے؛ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرۃ:۱۸۵/۲)

"رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اُتارا گیا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کا دورانِ رمضان المبارک ایک بار ختمِ قرآن کا معمول تھا اور آپ نے اُمت کو بھی اسی اعتدال پر چلنے کی تعلیم وتلقین فرمائی ہے۔ اسلام سادہ اور فطرت سے ہم آہنگ دین ہے اور تعلیماتِ نبوی ﷺ میں بھی اسی فطری سادگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے دین میں تنگی پیدا نہ کرو۔ اسی لیے ہر اُمتی کی سہولت کے پیشِ نظر آپ ﷺ ماہِ صیام میں ایک بار قرآن پاک ختم کرنے کے معمول پر زندگی بھر کاربند رہے؛ ورنہ اگر آپ چاہتے تو رمضان المبارک میں ہزارہا قرآن ختم کر سکتے تھے۔

آپ ﷺ کے غلاموں کی یہ شان ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح میں رقمطراز ہیں:

ان علیا۔ کرم اللہ وجهه۔ کان یبتدئ القرآن من ابتداء قصد رکوبه مع تحقق المبانی و تفهم المعانی و یختمه حین وضع قدمه فی رکابه الثانی. (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح:۳۴۴/۵)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شانِ تلاوت یہ تھی کہ وہ گھوڑے کی ایک رکاب پر پاؤں رکھتے ہوئے ترتیل الفاظ وتفہیم معانی کے ساتھ تلاوت شروع کرتے تو دوسری رکاب تک پورا قرآن والناس تک ختم کر ڈالتے"۔

جس کے غلام کی یہ شان ہو، اس آقا کی قدرت کی وسعت کا کیا عالم ہوگا؛ لیکن ہمارے آقا ومولا جناب رسول اللہ ﷺ کو اپنے کمزور اُمتیوں کا خیال تھا، جنہیں پریشانی اور تکلیف میں دیکھنا آپ کو ہرگز گوارا نہ تھا۔

دورانِ رمضان رسول اللہ ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام کے دورۂ ختمِ قرآن کا معمول:

صحیحین کی متفق علیہ حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر رمضان المبارک میں رات کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن پاک کا دور کرنے کے لیے آقائے دوجہاں ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں تشریف

لاتے۔ جہاں باری باری ان دونوں ہستیوں میں سے ایک کلام پاک کی تلاوت کرتی تو دوسری سماعت فرماتی۔ یہ معمول ہر رمضان میں جاری رہا، یہاں تک کہ وصال مبارک سے پہلے آخری رمضان آیا تو آپ ﷺ نے سابقہ معمول کے برعکس دو مرتبہ قرآن پاک کا دور جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں فرمایا۔ حفاظ وقراء کرام کی کتنی خوش قسمتی ہے کہ وہ دوران تراویح ہر رمضان میں قرأت اور سماعت کا فریضہ ادا کر کے بیک وقت رسول اللہ ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

(۴) معمولِ تہجد:

رمضانُ المبارک کے دوران نبیٔ اکرم ﷺ کی نماز تہجد کی ادائیگی کے بارے میں معمول مبارک یہ تھا کہ آپ نماز تہجد میں آٹھ رکعت ادا فرماتے، جس میں وتر شامل کر کے کل گیارہ رکعتیں بن جاتیں۔ تہجد کا یہی مسنون طریقہ رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے۔

ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ تہجد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مختلف طرز عمل کیوں ثابت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت کے معاملے میں سرکار دو جہاں ﷺ نے جس جس عمل کی تعلیم اُمت کو عطا فرمائی، اس میں سہولت اور آسانی کا پہلو مدنظر رکھا گیا ہے۔ تہجد میں رکعتوں کی کمی وبیشی کو وقت کی فراغت پر منحصر رکھا گیا ہے، اگر کسی کے پاس زیادہ وقت نہ ہو تو دوگانہ ادا کرے۔ وقت زیادہ ہونے کی صورت میں رکعتوں کی تعداد کو بڑھایا بھی جا سکتا ہے۔ بہرحال تہجد کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ.**

(سنن الترمذی: ۱۹۴/۲، کتاب الدعوات، رقم الحدیث: ۳۵۴۹)

”تم پر رات کا قیام (نمازِ تہجد) لازمی ہے؛ کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین (نیک لوگوں) کا عمل رہا ہے“۔

فضائل نمازِ تہجد:

نمازِ تہجد تمام نفلی نمازوں میں اَفضلیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **شَرَفُ الْمُؤْمِنِ قِيَامُهُ بِاللَّيْلِ وَعِزُّهُ اِسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ النَّاسِ.**

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۵۲۶/۴، رقم الحدیث: ۱۹۰۳)

''مؤمن کی بزرگی قیام اللیل میں ہے اور عزت لوگوں سے استغناء میں ہے''۔

نمازِ تہجد میں مداومت اختیار کرنے سے بندہ اپنے رب کی نظر میں وہ مقام و مرتبہ حاصل کر لیتا ہے کہ اسے عزت و وقار اور شانِ استغناء نصیب ہوتی ہے، جس کے صلے میں اسے دنیا میں کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے کی حاجت نہیں رہتی اور اس کی جبینِ نیاز آستانۂ خداوندی کے سوا اور کسی در پر نہیں جھکتی۔ بندہ جب اپنے رب سے تعلق آشنائی محکم و پختہ تر کر لیتا ہے، تو اس کی زندگی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی عملی تفسیر بن جاتی ہے:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو　　عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

راتوں کی تنہائی میں خدا سے راز و نیاز اور اس کے آگے گڑگڑا کر تضرع و زاری کے ساتھ دعائیں مانگنے سے بندہ دنیا سے مستغنی ہو جاتا ہے اور کسی فرعون کو خاطر میں نہیں لاتا۔ رسولِ مکرم ﷺ نے اپنی اُمت کے شب زندہ دار اور نمازِ تہجد کی خاطر قیام اللیل کرنے والوں کی شان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عن ابن عباس - رضی اللہ عنہ - قال: قال رسول اللہ - ﷺ -:

أَشْرَافُ أُمَّتِيْ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَأَصْحَابُ اللَّيْلِ. (شعب الایمان: ۲/۵۵۷، رقم الحدیث: ۲۷۰۳)

''میری اُمت کے برگزیدہ افراد وہ ہیں جو قرآن کو (اپنے سینوں میں) اُٹھائے ہوئے ہیں اور شب بیداری کرنے والے ہیں''۔

اُمتِ محمدیہ ﷺ کے یہ پاک باز اور قدسی صفات مردانِ باخدا ہیں، جن کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿**إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَّأَقْوَمُ قِيْلًا**O﴾ (المزمل: ۷۳/۶)

''بیشک رات کا اُٹھنا نفس کو سختی سے روندتا ہے اور (وقتِ دعا دل و زبان کی یکسانیت کے ساتھ) سیدھی بات نکلتی ہے''۔

اُن نفوسِ قدسیہ کی راتیں یوں بسر ہوتی ہیں کہ ان کے پہلو شب کی خلوت میں بستروں سے الگ رہتے ہیں، جب دوسری خدائی خوابِ گراں کی لذتوں میں غلطاں ہوتی ہے، وہ اپنے رب کو منانے کے لیے اس کے حضور پیکرِ عجز و نیاز بنے گڑگڑا رہے ہوتے ہیں۔ موسمِ سرما کی ٹھنڈی راتوں میں نرم و گداز بستر کے آرام کو چھوڑ

کروہ اپنے نہاں خانۂ دل کو ذکرِ الٰہی کے نور سے منور کرتے ہیں اور اس میں ایسی لذت وحلاوت پاتے ہیں، جو دنیا کے عیش وآرام اور آسائش وراحت میں نصیب نہیں ہوسکتی۔

رمضانُ المبارک کی راتوں میں نبیِ اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ نمازِ عشاء وتراویح ادا کرنے کے بعد سونے کے لیے تشریف لے جاتے، پھر رات کے کسی حصے میں نمازِ تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو بشمولِ وتر گیارہ رکعتیں نماز کی ادا فرماتے۔

نمازِ تہجد کے لیے نمازِ عشاء کے بعد کچھ سونا شرط اور مسنون ہے، یہی عمل افضل ومستحب ہے، جو سنتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سنتِ صالحین سلف سے ثابت ہے، بغیر نیند کے نمازِ تہجد کا ادا کرنا مکروہ ہے۔

تہجد کا لغوی مفہوم:

''تہجد'' کا لفظ عربی لغت میں ''ہجود'' سے مشتق ہے، جس کے معنی رات کو سونے کے آتے ہیں۔ گویا تہجد وہ نماز ہے جو رات کے کسی حصے میں سونے کے بعد ادا کی جائے۔ اس کے لیے نیند کرنا شرط ہے، خواہ اس کا وقت تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ پس نیند کے بغیر جو نماز ادا کی جائے گی، وہ نوافل کے زمرے میں آئے گی، جس کا اپنا ثواب اور اجر ہے؛ لیکن اس نماز کو تہجد ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نمازِ تہجد کے اوقات:

نمازِ تہجد کے لیے رات کا کوئی حصہ مخصوص ومتعین نہیں۔ نمازِ عشاء کے بعد نیند کے لیے بستر پر چلے جائیں، خواہ وہ پندرہ منٹ کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ پھر آپ اُٹھ کر نمازِ تہجد ادا کرسکتے ہیں۔ یہ خیال کہ تہجد صرف رات کے پچھلے حصے میں ہی ادا ہوسکتی ہے، کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ سید الطائفہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب غُنیۃ الطالبین میں نبیِ اکرم ﷺ کی نمازِ تہجد کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں:

عن ابن عباس۔ رضی اللّٰہ عنہ۔ قال، قال رسول اللّٰہ۔ ﷺ۔:

من صلی رکعتین بعد عشاء الأخرۃ یقرأ بفاتحۃ الکتاب مرۃ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) بنی اللّٰہ لہ قصرین فی الجنۃ أهل الجنۃ. (الدر المنثور:٦/٤١٥)

''جو شخص عشاء کے بعد دو رکعت اس طرح ادا کرے کہ ایک مرتبہ فاتحۃ الکتاب اور بیس مرتبہ قل ھو اللہ

اُحد پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں دو محل بنائے گا، جن کا اہل جنت مشاہدہ کریں گے"۔

یاد رہے کہ نماز تہجد کا وقت فجر تک رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے اتباع میں اکثر بزرگانِ دین کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز عشاء کے بعد سوتے اور پھر نصف شب کے بعد آخری حصے میں اٹھتے تھے۔ بعض بزرگوں کا نصف شب کے پہلے حصے میں نماز تہجد کا معمول بھی رہا ہے۔

تہجد کے وقت کی دعا:

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات میں تہجد کے لیے اُٹھتے، تو یہ دعا پڑھتے:

اللّٰهم لک الحمد، أنت نور السموات والأرض ومن فيهن، ولک الحمد، أنت قيوم السموات والأرض ومن فيهن، ولک الحمد، أنت ملک السموات والأرض ومن فيهن، أنت الحق، وقولک الحق، ووعدک الحق، ولقاؤک حق، والجنة حق، والنار حق، والبعث حق، والنبيون حق، ومحمد ﷺ حق، اللّٰهم لک أسلمت، وبک آمنت، وعليک توكلت، وإليک انبت، وبک خاصمت، وإليک حاكمت، فاغفر لي ما قدمت وما أخرت، وما أعلنت وما أسررت، أنت المقدم وأنت المؤخر، لا إله إلا انت، ولا حول ولا قوة إلا بک.

(سنن الدارمی، باب الدعاء عند التهجد بالليل، رقم الحديث: ١٥٢٥)

"اے میرے اللہ! ہر طرح کی تعریف تیرے ہی لیے ہے، تو آسمان و زمین اور ان میں بسنے والی تمام کائنات کا نور ہے، تو ہی آسمان و زمین اور اس میں رہنے والی تمام مخلوق کو سنبھالنے والا ہے، تمام تعریفیں تیرے ہی لیے زیبا ہیں اور تو ہی تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے اندر جو کچھ مخلوق ہے ان کا بادشاہ ہے، تو سچا ہے، تیرا فرمان سچا ہے، تیرا وعدہ سچا ہے، تیری ملاقات برحق، جنت سچ ہے، دوزخ سچ ہے، مرنے کے بعد اٹھنا سچ ہے، تمام انبیاء سچے ہیں اور محمد (ﷺ) سچے ہیں، اے اللہ! میں فرماں بردار ہوں، اور تجھی پر ایمان لایا ہوں، اور تجھی پر بھروسہ ہے، اور تیری ہی طرف میں نے رجوع کیا ہے، اور تیرے ہی دلائل کے ذریعہ میں بحث کرتا ہوں، اور تجھی کو حکم بنایا ہے، پس جو خطائیں مجھ سے پہلے ہوئیں اور جو بعد میں ہوں گی ان سب کو معاف فرما، خواہ وہ ظاہر ہو گئی ہوں یا پوشیدہ ہوں، آگے کرنے والا اور پیچھے رکھنے والا تو ہی ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور طاقت و

ت تیری ہی طرف سے ہے''۔

تہجد کے لیے اُٹھنے والے خوش نصیبوں کے لیے نماز سے پہلے مذکورہ بالا دعا پڑھنا مسنون ہے۔

واقف ہوا گر لذتِ بیداریِ شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پُراسرار
آغوش میں اس کی وہ تجلی ہے کہ جس میں
کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت وسیار

☆☆☆

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

☆☆☆

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

قارئین باتمکین! یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قیام اللیل (یعنی نمازِ تہجد) ایک عظیم روحانی عبادت ہے۔

قرآن وسنت میں بکثرت اس نماز کے فضائل ومناقب وارد ہوئے ہیں، رات کی تاریکی میں دنیاوی زندگی کا ہنگامہ نہیں ہوتا، طبعاً انسان دنیاوی افکار سے آزاد رہتا ہے دلجمعی اور حضور قلب کی دولت رات کی تاریکی اور وقت سحر میں بآسانی میسر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عاشقان الٰہی اور محبانِ خدا ہمیشہ رات کے پچھلے پہر عبادت و بندگی کو انجام دیتے ہیں جس کے ذریعے ایک طرف وہ اللہ والے روح کی پاکیزگی، قلوب کی حیات حاصل کرتے ہیں، تو وہیں دوسری طرف نیک عزائم اور خلوص وللٰہیت کی شمعیں فروزاں کرتے ہیں؛ کیوں نہ ہو کہ وقت سحر میں انسان ریا سے پاک، خود نمائی سے دور ہوتا ہے اور اسے حضورِ قلب کمال تنہائی وہ دولت میسر آتی ہے جو عاشقِ زارِ خداوندی کے بہت زیادہ روح پرور اور کمال آفریں ہوتی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ پر تہجد کی یہ عاشقانہ نماز فرض تھی آپ ﷺ کمال محبوبیت ومعصومیت کے باوجود راتوں کو تہجد

پڑھتے تھے سفر و حضر، صحت و بیماری، حالت امن اور حالت جنگ میں کبھی بھی نبی رحمت ﷺ سے تہجد کی نماز نہیں چھوٹی، اور بزرگوں نے لکھا ہے: کہ قیام اللیل کے بغیر کوئی ولی کمال ولایت کو نہیں پہنچ سکتا۔ تہجد کے کچھ فضائل وفوائد آئندہ اوراق میں آ رہے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس اہم نماز کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

(۵) کثرتِ صدقات وخیرات:

حضرت نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ صدقہ وخیرات کثرت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ کوئی سوالی ان کے در سے خالی نہیں لوٹتا تھا؛ لیکن رمضان المبارک میں صدقہ وخیرات کی مقدار باقی مہینوں کی نسبت اور زیادہ بڑھ جاتی۔ اس ماہ میں صدقہ وخیرات میں اتنی کثرت ہو جاتی کہ ہوا کے تیز جھونکے بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکتے؛ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ ـ عَلَيْهِ السَّلَامُ ـ كَانَ رَسُولُ اللهِ ـ ﷺ ـ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ. (صحیح البخاری: ۱/۲۵۵، کتاب الصوم، رقم الحدیث: ۱۸۰۳)

"جب جبرئیل امین آجاتے، تو آپ کی سخاوت کی برکات کا مقابلہ تیز ہوا نہ کر پاتی"۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام محبت لیکر آتے تھے۔ اور رمضان المبارک میں چونکہ عام دنوں کی نسبت کثرت سے آتے تھے۔ اس لیے حضرت نبی اکرم ﷺ ان کے آنے کی خوشی میں صدقہ وخیرات بھی کثرت سے کرتے۔

جس کا تذکرہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں:

و فی هذا الحديث فوائد؛ منها بيان عظيم جوده ﷺ و منها استحباب اكثار الجود فی رمضان و منها زيادة الجود والخير عند ملاقاة الصالحين و عقب فراقهم للتأثر بلقائهم و منها استحباب مدارسة القرآن. (شرح صحیح مسلم: ۱۵/۶۹)

"اس حدیث پاک سے کئی فوائد اخذ ہوتے ہیں۔ مثلاً:

آپ ﷺ کی جود وسخا کا بیان

رمضان المبارک میں کثرت سے صدقہ وخیرات کے پسندیدہ عمل ہونے کا بیان

نیک بندوں کی ملاقات پر جود و سخا اور خیرات ہونے کا بیان

نیک بندوں سے ملنے کے بعد ان کی ملاقات کی خوشی میں صدقہ وخیرات

قرآن مجید کے دور اور درس وتدریس کے لیے مدرّس کے قیام کا جواز۔

(۶) معمولِ اعتکاف:

رمضانُ المبارک میں نبیٔ اکرم ﷺ بڑی باقاعدگی کے ساتھ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ زیادہ تر آپ آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے، کبھی کبھار آپ نے پہلے اور دوسرے عشرے میں بھی اعتکاف فرمایا؛ لیکن جب آپ ﷺ کو مطلع کر دیا گیا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرے میں ہے۔ اس کے بعد سے آپ ﷺ نے ہمیشہ آخری عشرے میں ہی اعتکاف فرمایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے معمولِ اعتکاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

اَنَّ النَّبِيَّ ۔ ﷺ ۔ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

(صحیح البخاری: ۱/۲۷۱، کتاب الاعتکاف، رقم الحدیث: ۱۹۲۲)

”حضرت نبیٔ اکرم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جا ملے“۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ آخری عشرہ کے علاوہ رمضان المبارک کے پہلے اور دوسرے عشرے میں بھی اعتکاف فرمایا؛ چنانچہ حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے:

ان رسول اللّٰه ۔ ﷺ ۔ اعتكف العشر الأول من رمضان ثم اعتكف العشر الأوسط في قبة تركية على سدتها حصير قال: فاخذ الحصير بيده فنحاها في ناحية القبة ثم اطلع رأسه فكلم الناس فدنوا منه فقال: اني اعتكف العشر الأول التمس هذه الليلة ثم اعتكف العشر الأوسط ثم اتيت فقيل لي: انها في العشر الأواخر فمن أحب منكم أن يعتكف فليعتكف.

(صحیح مسلم ۱/۳۶۷، کتاب الصیام رقم الحدیث: ۱۱۶۷)

”رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کے پہلا عشرہ کا اعتکاف فرمایا، پھر آپ ﷺ نے درمیانی عشرہ کا اعتکاف فرمایا اور یہ اعتکاف ایسے ترکی خیمہ میں تھا جس کے دروازے پر بطور پردہ چٹائی تھی جس کو آپ

ﷺ نے مبارک ہاتھ سے پکڑ کر خیمہ کی طرف ہٹایا اور پھر اپنا سر اقدس نکال کر صحابہ کرام کو اپنے قریب آنے کے لیے فرمایا، جب وہ قریب آگئے تو فرمایا: میں نے لیلۃ القدر کی تلاش میں پہلا عشرہ کا اعتکاف کیا، پھر میں نے درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا، پھر مجھے بتایا گیا کہ وہ آخری عشرہ میں ہے۔ تم میں سے جو اعتکاف جاری رکھنا چاہتا ہے وہ اسے جاری رکھے۔

نیز روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وصال مبارک کے سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

كان النبي ـ ﷺ ـ يعتكف في كل رمضان عشرة أيام، فلما كان العام الذي قبض فيه اعتكف عشرين يوماً. (صحیح البخاری: ۱/۶/۲۷، کتاب الاعتکاف، رقم الحدیث: ۱۹۳۹)

”نبی اکرم ﷺ ہر سال رمضان المبارک میں دس دن تک اعتکاف فرمایا کرتے تھے؛ لیکن جس سال آپ نے وصال فرمایا اس سال بیس دن تک معتکف رہے“۔

اعتکاف میں انسان دنیاوی معاملات سے علیحدگی اختیار کر کے خدا کی رضا کی تلاش میں گوشۂ تنہائی اختیار کرتا ہے۔ اللہ کی طرف سے توفیق یافتہ بندے آج بھی دنیا بھر میں اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی میں متعدد بار اس عبادت کا اہتمام کرتے آئے ہیں؛ تاکہ وہ اس عمل کے ذریعے خدا کو راضی کرسکیں اور تزکیۂ نفس کے مقام کو حاصل کرسکیں۔

☆......☆......☆

رَمضانُ المبارک میں اَسلاف کے معمولات

آج سے کچھ عرصہ قبل رمضان المبارک میں اہل مکہ اور اہل مدینہ کے معمولات نمایاں اور امتیازی حیثیت رکھتے تھے؛ لیکن امتدادِ زمانہ سے وہ سب اقدار زوال پذیر ہو چکی ہیں اور عبادت کا جوش وخروش قصہ ماضی بن چکا ہے۔

اہل مکہ کے معمولاتِ رَمضانُ المبارک:

کتبِ تاریخ و سیر میں اہل مکہ کے معمولات رمضان المبارک کے باب میں ان کے نمازِ تراویح ادا کرنے کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے، ان کا انداز یہ تھا کہ وہ ہر چار رکعت ادا کرنے کے بعد طوافِ کعبہ کرتے اور ہر طواف کے سات چکروں کے دوران تسبیحات پڑھتے اور طواف مکمل کرنے کے بعد مقامِ ابراہیم پر دوگانہ نفل ادا کرتے۔ اس طرح بیس تراویح کی رکعتوں کے ساتھ اضافی طور پر پانچ مرتبہ طواف و تسبیحات کے علاوہ دس رکعت نفل زائد ادا کرتے۔ رمضان المبارک میں اہل مکہ کا شغفِ عبادت اور والہانہ پن اپنی مثال آپ تھا۔

اہل مدینہ کے معمولاتِ رَمضانُ المبارک:

اہل مدینہ کے معمولاتِ رَمضان کا ذکر سیدنا حضرت اقدس امام شافعیؒ، سیدنا حضرت اقدس امام مالکؒ اور سیدنا حضرت اقدس امام احمد بن حنبلؒ نے بطور خاص کیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق وہ ہر چار رکعت کے بعد کمالِ ذوق وشوق اور اطمینان و یکسوئی سے کلمات تسبیح و استغفار پڑھتے اور ہر ترویحہ کے اختتام پر چار رکعت نفل کا اضافہ کر لیتے۔ اس طرح وہ تراویح کی بیس رکعتوں کے علاوہ سولہ رکعت نفل اضافی طور پر ادا کر کے کل چھتیس رکعت ادا کرتے۔ کتبِ تاریخ میں ان کے اس عمل کو ستہ عشریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اہل مدینہ کے ان معمولات پر ایک طویل عرصہ تک ائمہ اُمت اور ان کے متبعین عمل پیرا رہے۔ وہ کتنا ایمان پرور اور بصیرت افروز منظر ہو گا، جب لوگ حضرت اقدس امام الانبیاء والمرسلین جناب نبی اکرم ﷺ کے رَوضہ اَطہر کے سامنے حضوریٔ قلب اور والہانہ انہماک سے رات گئے تک عبادات اور ذکر وفکر میں مشغول رہتے ہوں گے۔

آہ! محفل سے پرانے بادہ کش رخصت ہوئے

افسوس صد افسوس کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ معاملہ کی بساط یکسر پلٹ چکی ہے۔ وہ سب معمولات جن کا ذکر اہل مکہ و اہل مدینہ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ محدث الہند حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے زمانے تک ان پر عمل ہوتا رہا، پھر اس کے بعد اُمت پر انحطاط و ادبار کے سائے چھانے لگے تو جہاں زندگی کے ہر شعبے میں بے عملی کا جمود اور نحوست طاری ہوگئی، وہاں عبادات و دینی معاملات میں وہ روحانی جوش وخروش، ذوق وولولہ اور انہماک و استغراق نہ رہا۔ نوافل اور دعا و مناجات ترک کر دینے کا رجحان عام پایا جاتا ہے۔ ہمارے واعظینِ قوم میں الا ماشاء اللہ! وہ برق طبعی اور شعلہ مقالی نہیں اور ان میں کردار کا وہ جوہر نہیں، جو ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھا۔ اب دین محض ظواہر پرستی کا نام بن کر رہ گیا ہے اور بقول ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم:

فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی

حیف صد حیف! ہم میں عظمت و شوکتِ رفتہ کے سب آثار رفتہ رفتہ ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔

نمازِ تراویح اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول:

خواتین بھی اگر نمازِ تراویح باجماعت ادا کرنا چاہیں تو وہ اپنے طور پر کسی قاری کو مقرر کر کے اس کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتی ہیں۔ اس ضمن میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اپنے غلام حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نمازِ تراویح ادا فرمایا کرتی تھیں۔

ایک غلام کے پیچھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نماز ادا کرنا انسانیت کے لیے کتنا انقلاب آفریں درس ہے۔ اسلام نے آقائیت اور خواجگی کے تمام بت پاش پاش کر دیے اور انسانی مساوات کی وہ روح پرور اور بصیرت افروز مثالیں پیش کیں کہ آج کی نام نہاد مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ دنیا اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔

رمضانُ المبارک میں ہمارا معمول: ایک لمحہ فکریہ!

رمضانُ المبارک کی ہر ہر ساعت ہمارے لیے سعادتوں کی پیامبر اور خدائے ذوالجلال کی بے پایاں رحمتوں

کی نوید بن کر آتی ہے؛ لیکن کیا ہم ان سے مستفیض ہو کر اپنے لیے اُخروی نجات اور کامیابی کا توشہ وسامان فراہم کرتے ہیں؟ کیا ہم اس ماہِ مقدس کے شب وروز کے سعید لمحوں کو غنیمت جان کر اپنی عاقبت سنوارنے کا اہتمام کرتے ہیں؟ ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانک کر سوچنا چاہیے کہ ہم اس ماہِ مبارک کا حق کہاں تک ادا کر پاتے ہیں۔

ہمیں اپنا یہ معمول بنانا چاہیے کہ جب ہم سحری کے لیے بیدار ہوں تو باوضو ہو کر کچھ وقت نمازِ تہجد کی ادائیگی کے لیے نکالیں اور پھر پورا ماہ اس کی پابندی کے لیے کوشاں رہیں۔ کیا بعید ہے کہ اس مشق سے ہماری نمازِ تہجد کی عادت مداومت اختیار کر جائے اور ہماری بقیہ زندگی میں تہجد کا معمول اس قدر راسخ ہو جائے کہ پھر اسے ترک کرنے کا تصور بھی نہ ہو سکے۔

رمضان المبارک کو یہ شرف اور فضیلت حاصل ہے کہ نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد کے درمیان سونے کا وقفہ بھی شاملِ عبادت تصور کر لیا جاتا ہے۔ گویا اس مقدس اور مبارک مہینے کی ہر ہر ساعت فیوض و برکات کی حامل ہو کر نامۂ اعمال میں بطور عبادت لکھ دی جاتی ہے۔

نمازِ تہجد اور اس کی اہمیت وفضیلت:

نمازِ تہجد کے مختصر فضائل وفوائد ہم گذشتہ اوراق میں بھی ذکر کر آئے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں مذکور مزید چند فضائل قندِ مکرر کے طور پر بیان کر دیے جائیں۔

قرآن کریم کی سورۂ بنی اسرائیل (آیت:۷۹) میں اللہ رب العزت والجلال کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾

”اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے، اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں ”مقامِ محمود“ تک پہنچائے گا“۔

ذرا اندازہ تو کیجیے کہ نمازِ تہجد پڑھنے پر مقامِ محمود عطا کیے جانے کا وعدہ ہو رہا ہے، کسی اور نماز پر نہیں معلوم ہوا کہ نمازِ تہجد کوئی عام نماز یا معمولی عبادت نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ تہجد کے چند فضائل وفوائد قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کر دیے جائیں۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دُنیا میں صرف اور صرف اپنی عبادت وطاعت، اپنی بندگی ومعرفت اور اپنی پہچان کروانے کے لیے بھیجا ہے؛ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی بندگی کر کے اُس کی ذات کو

پہچان کر اور اُس کی معرفت حاصل کر کے اِس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے، اور پھر آخرت کی ہمیشہ ہمیش کی زندگی عیش وعشرت اور راحت وآرام میں بسر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ نے اپنے تمام شعبہ ہائے زندگی؛ معاشرت ومعیشت، غمی وخوشی، تنگ دستی وفراوانی اور اپنی حرکات وسکنات اور نشست وبرخاست کے ہر وقت اور ہر لمحہ میں اِس عظیم مقصد کو اپنے سامنے رکھا اور اس کے اختیار کرنے میں ہمیشہ وہ کوشاں رہے۔ وہ دُنیوی کاروبار، زراعت وتجارت، صنعت وحرفت وغیرہ بھی کرتے تھے؛ لیکن اُن کے دِل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی محبت واُلفت میں مست وسرشار رہتے اور کسی وقت بھی اُس کی یاد سے غافل نہیں رہتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ﴾ (النور: ۳۷)

”(یہ وہ لوگ ہیں کہ) جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے، نہ نماز قائم کرنے اور نہ زکوٰۃ دینے سے“۔

یہی وہ لوگ ہیں جو رات جیسے پُر سکون وقت میں بھی راحت وآرام کے بجائے اپنے محبوبِ حقیقی کے سامنے عبادت وبندگی کے لیے دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں، اور نماز میں اُس کے سامنے راز ونیاز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِنہی لوگوں کا قرآن مجید میں مختلف انداز میں ذکر فرمایا ہے؛ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ، الآية﴾ (الم السجدۃ: ۱۶، ۱۷)

”اُن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو ڈر اور اُمید (کے ملے جلے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے وہ اُس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں، چنانچہ کسی متنفس کو کچھ پتہ نہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان اُن کے اعمال کے بدلے میں چھپا کر رکھا گیا ہے“۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○﴾ (الذاریات: ۱۷، ۱۸)

”وہ رات کے وقت کم سوتے تھے، اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے“۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۝﴾ (الفرقان:٦٤)

''اور (رحمان کے بندے وہ ہیں) جو راتیں اِس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں اور (کبھی) قیام میں''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ﴾ (الزمر:٩)

''بھلا (کیا ایسا شخص اُس کے برابر ہو سکتا ہے) جو رات کی گھڑیوں میں عبادت کرتا ہے، کبھی سجدے میں، کبھی قیام میں، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار سے رحمت کا اُمیدوار ہے؟ کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، سب برابر ہیں؟''۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۝﴾ (طٰہٰ:١٣٠)

''اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دِن کے کناروں میں بھی، تاکہ تم خوش ہو جاؤ''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝﴾ (المزمل:٦)

''بے شک رات کے وقت اُٹھنا ہی ایسا عمل ہے، جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے''۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ سے فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ﴾

(المزمل:٢٠)

''اے پیغمبر! تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑے ہوتے ہو اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)''۔

جاننا چاہیے کہ ابتدائے اسلام میں حضرت نبی اکرم ﷺ کو سورۂ مزمل میں مخاطب بنا کر اُمت کو آدھی رات یا کم و بیش تہجد پڑھنے کا استحبابی حکم دیا تھا: اور یہ حکم پانچ مقاصد سے تھا:

(۱) حضرات صحابہ نے قرآن بڑی عمروں میں حفظ کیا تھا، ایسا حفظ کچا ہوتا ہے، جبکہ حافظ اہل زبان بھی ہو، اس لیے حفظ پکا کرنے کے لیے ہر رات نازل شدہ قرآن اللہ پاک کو سنانا ہوتا تھا، نماز میں پڑھنا اللہ کو سنانا ہے ، اور چونکہ اس وقت تھوڑا قرآن نازل ہوا تھا، اس لیے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم دیا، تا کہ سارا وقت مشغول ہو جائے ، اور تلاوت کا حق بھی ادا ہو جائے۔

(۲) آگے دعوت کی مشغولیت بڑھے گی ، اس لیے ذمہ داری بڑھے گی ، اس سے پہلے قرآن خوب پکا کر لیا جائے ، بعد میں صحابہ کو وقت نہیں ملے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: سردار بنائے جاؤ (یعنی ذمہ داری سر پے آجائے) اس سے پہلے علم حاصل کرلو، یعنی پھر موقع نہیں ملے گا۔

(۳) رات میں اُٹھ کر عبادت کی ریاضت و مجاہدہ نفس کی اصلاح کے لیے، بہت مفید ہے، اس سے نفس خوب پامال ہوتا ہے۔

(۴) رات میں پڑھنا دن کی بہ نسبت آسان ہے، زبان سے بات سیدھی نکلتی ہے؛ کیونکہ دل و دماغ زبان کے پیچھے صحیح کام کرتے ہیں، کسی اور چیز میں دل و دماغ مشغول نہیں ہوتے ، اس کے علاوہ: رات کے مزاج میں انبساط ہے اور دن کے مزاج میں انقباض، اسی لیے رات کی نمازیں جہری ہیں اور دن کی سرّی۔

(۵) دن میں آدمی کے مشاغل ہوتے ہیں ، انسان اِدھر اُدھر دوڑتا بھاگتا ہے ، اور رات میں آدمی فارغ ہوتا ہے، اس لیے بھی رات کا وقت طویل نفل عبادت کے لیے، بہت ہی موزوں ہے۔

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی تہجد کی نماز پڑھنے کے بے شمار فضائل اور مختلف قسم کی ترغیبات وارد ہوئی ہیں؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’جب نبی اقدس ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے ، تو لوگ آپ ﷺ کی طرف دوڑنے لگے اور کہنے لگے کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں، میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا؛ تا کہ دیکھوں (کہ واقعی آپ ﷺ نبی ہیں یا نہیں؟) میں نے آپ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر کہا کہ: یہ چہرہ جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا۔ وہاں پہنچ کر جو سب سے پہلا ارشاد نبی اکرم ﷺ کی زبان سے سنا، وہ یہ تھا کہ: لوگو! آپس میں سلام کا رواج ڈالو اور (غرباء

ی) کھانا کھلاؤ اور صلۂ رحمی کرو اور رات کے وقت جب سب لوگ سوتے ہوں (تہجد کی) نماز پڑھا کرو، تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے''۔ (قیام اللیل)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں (جو آبگینوں کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں) اُن کے اندر کی سب چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو اچھی طرح سے بات کریں، اور (غرباء) کو کھانا کھلائیں اور ہمیشہ روزے رکھیں اور ایسے وقت میں رات کو نماز (تہجد) پڑھیں، جب کہ لوگ سو رہے ہوں''۔ (سنن الترمذی، مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم رات کے جاگنے کو لازم پکڑو، کیوں کہ یہ تم سے پہلے صالحین اور نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور رات کا قیام اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کے لیے کفارہ ہے، اور گناہوں سے روکنے اور حسد سے دُور کرنے والی چیز ہے''۔ (قیام اللیل)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تین قسم کے آدمیوں سے حق تعالیٰ شانہٗ بہت خوش ہوتے ہیں: ایک اُس آدمی سے جو رات کو (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑا ہو، دوسرے اُس قوم سے جو نماز میں صف بندی کرے، اور تیسرے اُس قوم سے جو جہاد میں صف بنائے (تاکہ کفار سے مقابلہ کرے)''۔ (قیام اللیل)

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''رمضان کے روزے کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا روزہ محرم کا ہے۔ اور فرض نماز کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز رات (کے وقت تہجد) کی ہے''۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح)

پرانے وقتوں میں نمازِ تہجد بڑی کثرت اور اہتمام کے ساتھ پڑھنے کا رواج تھا، گھر کے بڑے بوڑھے مختلف افراد، مرد و عورتیں رات کے پچھلے پہر بستر چھوڑتے، ٹھنڈے، گرم پانی سے وضو کرتے، پھر مرد حضرات مسجد کی طرف چل دیتے، اور خواتین گھروں میں مخصوص جگہوں پر تہجد کی نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتیں، اور یہ لوگ سپیدۂ سحر نمودار ہونے تک اسی طرح اپنے محبوبِ حقیقی کے ساتھ راز و نیاز میں ہمہ تن مصروف اور منہمک رہتے؛ لیکن آج بہت دُکھ اور

افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جب سے نت نئی ایجادات ٹی وی، وی سی آر، ڈش اور انٹرنیٹ؛ بالخصوص فیس بک وغیرہ متعارف ہوئی ہیں، تب سے ہم مسلمانوں سے ہمارا یہ قومی اور دینی ورثہ مکمل طرح سے چھوٹ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں دیگر نمازوں کے اہتمام کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھنے کی بھی توفیق عطا فرما کر مستقل اس پر عمل پیرا فرمادے۔ آمین بجاہ النبی الامی الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

نمازِ تہجد اور صلحائے اُمت:

یوں تو نفلی عبادتیں اور بھی ہیں، جن کا اپنا درجہ ہے؛ لیکن قربِ الٰہی کے اعتبار سے جو مقام نمازِ تہجد کو حاصل ہے وہ کسی بھی اور عبادت کو نصیب نہیں۔ جب ساری کائنات خواب شیریں کے مزے لے رہی ہوتی ہے تو اللہ کا بندہ محض اپنے رب کی رضا کے لیے رات کی نیند اور آرام کو چھوڑ کر بارگاہِ ایزدی میں قیام اور سجدہ ریزیاں کرتا ہے اور اپنے گناہوں اور لغزشوں کی بخشش و معافی کا طلب گار ہوتا ہے۔ خلوت کی ان ساعتوں میں بندے کو اپنے رب سے جو قرب نصیب ہوتا ہے، اس کا عشر عشیر بھی وقت کی کسی اور گھڑی میں نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابۂ کرام اور ان کے متبعین جملہ اولیاء، عرفاء اور مشائخ کے یہاں شب بیداری اور نماز تہجد کی ادائیگی ہمیں اپنے نقطۂ کمال پر نظر آتی ہے۔ اللہ کے ان سب برگزیدہ بندوں کے احوال میں مذکور ہے کہ وہ رات کو دیر تک نوافل اور نمازِ تہجد میں مشغول رہتے تھے۔ تہجد کے بغیر کوئی مقامِ ولایت پر فائز نہیں ہوسکتا اور جس کی تین تہجد نمازیں پے در پے قضا ہو جائیں، اس سے مقامِ ولایت سلب کر لیا جاتا ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر خلافت کی ذمہ داریوں کا بارِ عظیم تھا۔ وہ دن بھر اُمورِ مملکت، رعایا کی خبر گیری اور ان کی حاجت برداری میں مصروف رہتے اور ان کی راتیں اپنے رب کے ذکر و فکر، قیام و سجود اور گریہ وزاری میں بسر ہوتیں۔ گویا نہ دن کو آرام اور نہ رات کو سکون و قرار نصیب ہوتا۔ کسی نے پوچھا حضرت شب و روز یہ اضطراب والتہاب اور بے سکونی و بے آرامی کس لیے؟ آپ کے جسم و جان کا بھی آپ پر کچھ حق ہے۔

یہ سن کر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اگر میں دن میں آرام کرنے لگوں تو رعایا کے حال سے بے خبر ہو جاؤں اور رات کو چین کی نیند سوؤں تو خدا کی یاد سے غافل قرار پاؤں۔ یہ دونوں حالتیں مجھے گوارا نہیں

ہیں، اس لیے میرے دن خلقِ خدا کے لیے اور راتیں ذاتِ کبریا یعنی خالق کے لیے وقف ہیں۔

اس کے علاوہ صحابۂ کرامؓ، تابعین عظامؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ دینؒ، سلف صالحینؒ کے ہزار ہا اقوال اور واقعات قیام اللیل (نمازِ تہجد) کی فضیلت میں وارد ہیں۔ ابتدائے اسلام میں قیام اللیل کا جس قدر اہتمام کیا جاتا تھا اسی کی نورانیت اور عظمت سے سارا عالم جگمگاتا تھا؛ لیکن آج شومیٔ قسمت کہیے یا ہماری اعمالِ بد کی سزا کہ ہم اس نعمت سے محروم ہو کر اس شعر کے مصداق بن چکے ہیں ؎

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے

شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

آج المیہ یہ ہو گیا ہے کہ ہر کوئی اس اہم عبادت سے غافل ہے کیا خاص کیا عام، کیا عالم کیا جاہل، کیا بڑا کیا چھوٹا سب میں یہ عبادت مفقود ہوتی جا رہی ہے، الا ماشاءاللہ!

جبکہ یہ ایک عاشقانہ اور والہانہ عبادت ہے، قربِ خداوندی اور محبتِ رسول کا زینہ ہے، خود رسول اکرم ﷺ نے نمازِ تہجد کی مسلسل پابندی فرمائی ہے اور تہجد گزار بندے کے لیے چار نمایاں خصوصیات بیان فرمائیں: ''قیامِ لیل کے پابند ہو جاؤ؛ کیوں کہ:

(۱) یہ تم سے پہلے کے صالحین کا شیوہ رہا ہے

(۲) یہ رب سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے

(۳) یہ گناہوں کی معافی کا سبب ہے

(۴) اور یہ گناہوں سے باز رہنے کی تدبیر ہے''۔

محترم قارئین!!

دست بستہ درخواست ہے کہ آج امت مسلمہ کسمپرسی کی حالت میں ہے، امت کراہ رہی ہے، پوری دنیا اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا چاہتی ہے، اور وبائیں، بیماریاں ملکوں کی تاریخ میں تباہی کا ریکارڈ توڑ رہی ہیں اور انہی وباؤں و مخالف ماحول کے تحت آج ہر انسان اپنے اپنے گھروں میں محصور ہو کر رہ گیا ہے اور ماہ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ سر پر کھڑا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحت، تندرستی اور عافیت سے نوازا ہے، اور ماہ رمضان میں ہم سحری کے لیے اٹھتے ہیں، تو حفاظ اور علماء سے بالخصوص اور دیگر اصحاب سے بالعموم درخواست کرتا

ہوں کہ وضو کر کے دو رکعت، چار رکعت، چھ رکعت یا آٹھ رکعت جس قدر طاقت اور فرصت ہو، دل کی رغبت ہو، پڑھ لیا کریں، تہجد کا ثواب مل جائے گا، خصوصاً رمضان المبارک میں زیادہ خیال رکھا کریں، تہجد کے لیے کوئی خاص سورتیں مقرر نہیں ہیں، جس جگہ سے یاد ہو اور دل چاہے پڑھ لیا کریں، اور اللہ کے حضور دعا فرمائیں۔

یاد رکھیں!! دنیا کا وقت بہت کم ہے، زندگی بہت مختصر اور ناپائیدار ہے اور یہاں بہت کم عرصہ رہنا ہے، اور رات کی نماز، تلاوت، دعا، تسبیح اور استغفار کے ذریعہ مسلمان اپنی آخرت بہتر طریقے سے آباد کر سکتا ہے، اور ان عظیم اعمال صالحہ کو ہی اپنے رب سے ملاقات کے لیے ذخیرہ کر سکتا ہے، اور عقلمند وہی ہے جو رات کے آخری حصہ کو اپنے دین و دنیا کی اصلاح کے لیے غنیمت جانتا ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ رمضان المبارک کے صحیح استقبال کی توفیق عطا فرمائے اور دعائے نیم شبی کی اہمیت اور اسکی رغبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

فرض نماز اور تہجد کی نماز میں فرق:

فرض نماز اور تہجد کی نماز میں خاصا فرق ہے، اس طور پر کہ فرض نماز کی ندا ''حیّ علی الصلوٰۃ'' کی شکل میں بندے کی آواز میں آتی ہے، جبکہ رات کے آخری پہر یعنی تہجد کی نماز کی ندا بندوں کے رب کی آواز میں آتی ہے، فرض نماز کی ندا ہر کوئی سنتا ہے، جبکہ تہجد کی نماز کی ندا بعض لوگ ہی محسوس کرتے ہیں، فرض نماز کی ندا ''حیّ علی الصلوٰۃ'' اور ''حیّ علی الفلاح'' کے الفاظ سے لگائی جاتی ہے؛ جبکہ تہجد کی نماز کی ندا ''**هل من سائل فاعطيه**'' کے الفاظ سے لگائی جاتی ہے، یعنی کوئی ہے مانگنے والا جس کو عطا کیا جائے، فرض نماز مسلمانوں کی اکثریت ادا کرتی ہے؛ جبکہ تہجد کی نماز وہی لوگ ادا کرتے ہیں جن کو اللہ نے چن لیا اور منتخب کر لیا ہے، فرض نماز بعض لوگ ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے پڑھتے ہیں؛ جبکہ تہجد کی نماز اکثر لوگ تنہائی میں خالص اللہ ہی کے لیے پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس نماز کے اہتمام کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆

رَمضانُ المبارک میں اکابر ومشائخ کے معمولات

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے رَمضانُ المبارک کے مہینہ کو مسلمانوں کے لیے مغفرت اور رحمت کا سبب بنایا ہے، اس مہینہ کے روزوں کو فرض فرمایا ہے اور پھر اس کی علت (وجہ) یوں واضح فرمائی: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۸۳) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان میں جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، سرکش شیاطین وجنات قید کردیے جاتے ہیں اور ایک منادی ندا لگاتا ہے: **یَا طَالِبَ الْخَیْرِ أَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ أَقْصِرْ**. (مشکوۃ المصابیح:۱۷۳)

"اے عمل خیر اور ثواب کے طلب گار آگے بڑھ اور اے گناہوں کے خواہش مند بس کر اور پیچھے ہٹ جا"۔

یہ ایسا مبارک مہینہ ہے جس میں آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، جس کے روزے دار کے منہ کی بدبو کو حق تعالیٰ شانہٗ مشک سے بھی زیادہ پسند فرماتے ہیں، روزہ دار کے لیے سمندر کی مچھلیاں استغفار کرتی ہیں، جنت کو خوشبو دس کی دھونی دے کر مزین کیا جاتا ہے، معاصی کا زور کم ہوجاتا ہے، آخری رات میں سب روزہ داروں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ رمضان کے اخیر عشرہ میں عبادت کے لیے کمر کس لیتے تھے، پوری رات بیدار رہتے تھے، اخیر عشرہ کا ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ (مشکوۃ، کتاب الصوم:۱۸۳)

اتباعِ سنت کے جذبہ وشوق میں صالحین وکاملین بھی ماہِ مبارک کا اہتمام فرماتے، اس مبارک مہینہ میں ان کی طاعات وعبادات، تلاوت قرآن پاک، تسبیحات، وظائف، اذکار اور دعاؤں کا التزام صدقات وخیرات اور عبادات نافلہ قیام اللیل وغیرہ میں خاصا اضافہ ہوجاتا تھا؛ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: **طال شوق الأبرار الی وانا الیهم أشد شوقا**. (رواہ الدیلمی فی الفردوس، رقم الحدیث:۸۰۶۷)

"اَبرار (نیک) ومتقین کا شوق (اس ماہ میں) میری طرف بڑھ جاتا ہے اور میں (حق تعالیٰ شانہٗ) بھی ان کی طرف پوری محبت کے ساتھ متوجہ ہوجاتا ہوں"۔

الحمدللہ! برصغیر میں بالخصوص علمائے دیوبند سے عوام وخواص کی گہری وابستگی ہے، اُن اکابر کے تذکرے بہت زیادہ مفید ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے سلف صالحین کی یاد تازہ کردی، ان کا رمضان لائق

تقلید؛ بالخصوص اعتکاف تربیتی کورس، رجال سازی کا کیمپ ہوتا تھا، سالکین کی رہبری، عامی لوگوں کی فیض یابی کا عجیب موسم بن جاتا، اعتکاف گاہ بعد میں عظیم درس گاہ یا تاریخی خانقاہ میں بدل گئی۔

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

اکابر کے مختلف معمولات اسی لیے جمع کیے جاتے ہیں کہ ہر صاحب ذوق اپنے ذوق کے موافق اور اپنے حالات کے موافق مشائخ میں سے جن کے معمول کو اپنے لیے آسان اور اپنے ذوق کے موافق سمجھے اس کے اتباع کی کوشش کرے، گلدستہ کا کمال یہی ہے کہ اس میں ہر نوع کے پھول ہونے چاہئیں، ایک ہی نوع کے اگر سارے پھول ہوں تو وہ گلدستہ کا کمال نہیں۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

اکابر کے معمولات اس وجہ سے نہیں لکھے جاتے کہ سرسری نگاہ سے ان کو پڑھ لیا جائے یا کوئی تفریحی فقرہ ان کو کہہ دیا جائے؛ بلکہ اس لیے ہیں کہ اپنی ہمت کے موافق ان کا اتباع کیا جائے اور حتی الوسع پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے کہ ہر لائن اپنے مخصوص امتیازات میں دوسرے پر فائق ہے۔

اس ناکارہ کا خیال اپنے اکابر کے متعلق خوش اعتقادی سے نہیں؛ بلکہ حقیقت میں یہ ہے کہ ان حضرات کے افعال واقوال حضور اقدس ﷺ جو جامع الکمالات اور "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا سچا مصداق ہیں، آپ ﷺ ہی کے مختلف احوال کا پرتو ہیں، میں تو اپنے ان اکابر شموس وبدورِ ہدایت کے متعلق خوان خلیل میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ ہی کے ترجمہ میں لکھوا چکا ہوں کہ

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
ان ہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
ان ہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
ان ہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے

اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

بہر کیف! رمضان المبارک میں مختلف اکابر کے متنوع رنگ رہے ہیں۔ تفصیل کے لیے اس سلسلے میں اُستاذ الاساتذہ، قطب الاقطاب، فخر الاماثل، زبدۃ الافاضل، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کا مشہورِ زمانہ رسالہ ''اکابر کا رمضان'' مطالعہ کیا جا سکتا ہے، جو بعض اکابر کے معمولاتِ رمضان اور نظام الاوقات پر مشتمل ہے۔

بندہ نے اس رسالے کے ساتھ ساتھ دیگر حضرات اکابر کے معمولاتِ رمضان جاننے کے لیے بعض اور کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

قارئین کرام کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس موضوع پر بندہ کی مستقل کتاب ''معمولاتِ رمضان المبارک'' زیرِ ترتیب ہے، جس میں حضرت نبی اکرم ﷺ، حضرات صحابہؓ و تابعینؒ اور ملت کے اکابر و مشائخ کے رمضان المبارک میں معمولات و نظام الاوقات کے ساتھ ان کا ذکرِ خیر بھی شامل ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل و اشاعت کے مراحل آسان فرمائے اور ان حضرات کی طرح ہمیں بھی رمضان المبارک کی صحیح قدر دانی کی توفیق، ہمت و استقلال، ثابت قدمی و مداومت اور ان کے نقوشِ میمون پر چلنے کی غیرت نصیب فرمائے، آمین۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ (متوفی: ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایک نادرۂ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی ذاتِ گرامی ان صاحبِ کمال افراد میں سے تھی جن پر زمانہ رشک کرتا اور تاریخ فخر محسوس کرتی ہے۔ وہ ان اوصاف و کمالات کے جامع تھے جن کا اجتماع کسی ایک ذات میں شاذ و نادر ہوا کرتا ہے۔ صدیوں میں ان جیسی ہشت پہلو شخصیت پیدا ہوتی اور قرطاسِ عالم پر ایسے نقوش مرتسم کر جاتی ہے جو ہمیشہ تابندہ رہتے ہیں اور راہِ عمل کا ہر مسافر اُن کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھتا اور منزل کا نشان پاتا ہے۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ حضرت نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت قدس سرہ کے ماہِ مبارک کے تفصیلی حالات تو مجھے نہیں ملے اور اب کوئی ایسا ہے بھی نہیں جس سے

تحقیقات کی جاسکے۔

البتہ یہ مشہور ہے کہ حضرت نے ۱۲۷۷ھ کے سفر حجاز میں ماہ مبارک میں قرآن پاک حفظ کیا تھا، روزانہ ایک دو پارے یاد کر کے تراویح میں سنایا کرتے تھے۔

مگر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے سوانح قاسمی میں تحریر فرمایا کہ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ میں حج کے لیے روانہ ہوئے، آخر ذی قعدہ میں مکہ مکرمہ پہنچے، بعد حج مدینہ شریف پہنچے اور ماہ صفر میں مدینہ پاک سے مراجعت فرمائی، ربیع الاول کے اخیر میں بمبئی پہنچے، اور جمادی الثانی تک وطن پہنچے، جاتے ہوئے کراچی سے جہاز بادبانی میں سوار ہوئے تھے، رمضان کا چاند دیکھ کر مولوی صاحب نے قرآن شریف یاد کیا تھا اور وہاں سنایا، بعد عید مکلا پہنچ کر حلواء مسقط خرید فرما کر شیرینی ختم دوستوں کو تقسیم فرمائی، مولوی صاحب کا اس سے پہلے قرآن یاد کرنا کسی کو ظاہر نہ ہوا تھا، بعد ختم مولوی صاحب فرماتے تھے کہ فقط دو سال رمضان میں میں نے یاد کیا اور جب یاد کیا پاؤ سپارہ کی قدر یا کچھ اس سے زائد یاد کر لیا پھر تو بہت کثرت سے پڑھتے۔

ایک بار یاد ہے کہ ستائیس پارے ایک رکعت میں پڑھے اگر کوئی اقتدا کرتا رکعت کر کے یعنی سلام پھیر کر اس کو منع فرما دیتے اور تمام شب تنہا پڑھتے رہتے۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ: (متوفی: ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء)

سید الطائفۃ المنصورۃ حضرت حاجی امداد اللہ بن محمد امین تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ ان اولیاء اللہ میں سے ہیں کہ جن کی تعریف و توصیف کسی بیان کی محتاج نہیں۔

حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کا شمار برصغیر ہند و پاک میں اہل السنۃ والجماعۃ اور حنفی مسلک و دیوبندی مشرب مسلمانوں کے اکابرین میں ہوتا ہے۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

سید الطائفہ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کے رمضان کے معمولات حضرت حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانوی) نور اللہ مرقدہ نے امداد المشتاق میں نقل کیے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ تمہاری تعلیم کے واسطے کہتا ہوں:

یہ فقیر عالم شباب (جوانی) میں اکثر راتوں کو نہیں سویا، خصوصاً رمضان شریف میں بعد مغرب دولڑکے نابالغ

حافظ یوسف والد حافظ ضامن صاحب و حافظ احمد حسین میرا بھتیجا سوا سوا پارہ عشاء تک سناتے تھے۔

بعد عشاء دو حافظ اور سناتے تھے، ان کے بعد ایک حافظ نصف شب تک اس کے بعد تہجد کی نماز میں دو حافظ، غرض کہ تمام رات اسی میں گذر جاتی تھی۔ (امداد المشتاق)

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ (متوفی: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

گنگوہ ضلع سہارنپور کا قدیم قصبہ ہے، عرصہ قدیم سے بڑے بڑے اولیاء اللہ کا مولد اور مدفن ہے، سہارنپور سے تقریباً سولہ میل اور تھانہ بھون سے تیرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ولادت باسعادت قصبہ گنگوہ محلہ سرائے متصل خانقاہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ، مولانا ہدایت احمد صاحب کے گھر ہوئی۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

آپ بیتی نمبر: ۲ میں امام ربانی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے معمولات رمضان اور مجاہدات میں لکھا گیا ہے کہ:

ریاضت و مجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا اور ترس کھایا کرتے تھے؛ چنانچہ اس پیرانہ سالی میں جبکہ آپ ستر (۷۰) سال کی عمر سے متجاوز ہو گئے تھے، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کا روزہ اور بعد مغرب چھ کی جگہ بیس رکعت صلوۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے، جس میں تخمیناً دو پارے قرآن مجید سے کم تلاوت نہ ہوتی تھی، پھر اس کے ساتھ رکوع سجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والوں کو سہو کا گمان ہو، نماز سے فارغ ہو کر مکان تک جانے اور کھانا کھانے کے لیے مکان پر ٹھہرنے کی مدت میں کئی پارے کلام مجید ختم کرتے تھے، پھر تھوڑی دیر بعد نماز عشاء اور صلوٰۃ التراویح جس میں گھنٹے سوا گھنٹے سے کم خرچ نہ ہوتا تھا تراویح سے فارغ ہو کر ساڑھے دس گیارہ بجے آرام فرماتے اور دو ڈھائی بجے ضرور ہی اُٹھ کھڑے ہوتے تھے؛ بلکہ بعض دفعہ خدام نے ایک ہی بجے آپ کو وضو کرتے پایا، اس وقت اُٹھ کر ڈھائی تین گھنٹے تک تہجد میں مشغولیت رہتی تھی، بعض مرتبہ سحر کھانے کے لیے کسی خادم کو پانچ بجے جانے کا اتفاق ہوا تو آپ کو نماز ہی میں مشغول پایا، صلوٰۃ فجر کے بعد آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک وظائف اور اوراد و مراقبہ و ملاحظہ میں مصروفیت رہتی، پھر اشراق پڑھتے اور چند ساعت استراحت فرماتے۔

اتنے ڈاک آجاتی تو خطوط کے جوابات اور فتاویٰ لکھواتے اور چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے

تھے،ظہر کے بعد حجرہ شریفہ بند ہو جاتا اور تا عصر کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے؛باوجود یہ کہ اس رمضان میں جس کا مجاہدہ لکھا گیا ہے پیرانہ سالی ونقاہت کے ساتھ وجع الورک کی تکلیف شدید کا یہ عالم تھا کہ استنجا گاہ سے حجرہ تک تشریف لانے میں حالانکہ پندرہ سولہ قدم کا فاصلہ ہے،مگر راہ میں بیٹھنے کی نوبت آتی تھی ،اس حالت پر فرائض تو فرائض نوافل بھی کبھی بیٹھ کر نہیں پڑھے اور ان میں گھنٹوں کھڑا رہنا،بارہا خدام نے عرض کیا کہ آج تراویح بیٹھ کر ادا فرماویں تو مناسب ہے،مگر آپ کا جواب یہی تھا''نہیں جی!یہ کم ہمتی کی بات ہے''۔اللہ رے ہمت،آخر **اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا** کے قائل کی نیابت کوئی سہل نہ تھی جو اس ہمت کے بغیر حاصل ہو جاتی۔

یوں تو ماہ رمضان المبارک میں آپ کی ہر عبادت میں بڑھوتری ہو جاتی تھی ؛مگر تلاوت کلام اللہ کا شغل خصوصیت کے ساتھ اس درجہ بڑھتا تھا کہ مکان تک آنے جانے میں کوئی بات نہ فرماتے تھے ۔نمازوں میں اور نمازوں کے بعد تخمیناً نصف قرآن مجید آپ کا یومیہ معمول قرار پاتا تھا،جس شب کی صبح کو پہلا روزہ ہوتا،آپ حاضرین جلسہ سے فرمادیا کرتے تھے کہ آج سے کچہری برخواست،رمضان کو بھی آدمی ضائع کرے تو افسوس کی بات ہے،اس مجاہدہ پر غذا کی یہ حالت تھی کہ کامل رمضان بھر کی خوراک پانچ سیر اناج تک پہنچنی دشوار تھی۔

تذکرۃ الرشید(مؤلفہ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ)میں دوسری جگہ ماہ مبارک کے معمولات میں حکیم محمد اسحاق صاحب نہٹوری خلیفہ حضرت امام ربانی(مولانا گنگوہیؒ)کی ایک تحریر لکھی ہے،وہ لکھتے ہیں:

رمضان شریف میں صبح کو خلوت خانہ سے دیر میں برآمد ہوتے،موسم سرما میں اکثر دس بجے تشریف لاتے، نوافل اور قراءت قرآن وسکوت ومراقبہ میں بہ نسبت دیگر ایام بہت زیادتی ہوتی ،سونا اور استراحت (آرام) نہایت قلیل،کلام بہت کم کرتے ،بعد نماز مغرب ذرا دیر خلوت نشینی کا ذائقہ لے کر کھانا تناول فرماتے،تراویح کی بیس (۲۰) رکعت اوائل میں خود پڑھاتے تھے اور آخر میں صاحبزادہ مولوی حافظ حکیم محمد مسعود احمد صاحب کے پیچھے پڑھتے ،بعد وتر دو رکعت طویل کھڑے،ہو کر کبھی بیٹھ کر پڑھتے ،دیر تک متوجہ بقبلہ بیٹھ کر پڑھتے رہتے ،پھر ایک سجدہ تلاوت کر کے کھڑے ہو جاتے ،بندہ نے بعض الفاظ سن کر اندازہ کیا ہے کہ اس درمیان میں سورہ تبارک الذی اور سورہ سجدہ اور سورہ دخان پڑھتے تھے،اکثر تمام عشرۂ ذی الحجہ اور عاشورا اور نصف شعبان کا روزہ رکھتے۔

شیخ الاعاظم حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نوراللہ مرقدہٗ(متوفی:۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)

شیخ الاعاظم والاکابر حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نوراللہ مرقدہٗ مولانا محمد اسماعیل کاندھلویؒ کے منجھلے صاحبزادہ

تھے۔آپ کی والدہ صاحبہ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کی نواسی تھیں، بڑی پاکیزہ صفت، عابدہ، زاہدہ اور ذکر و شغل کرنے والی خاتون تھیں۔

حضرت والا رحمہ اللہ مشہورِ زمانہ استاذ الاساتذہ اور بانیٔ تبلیغی جماعت حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے بڑے بھائی، تبلیغی جماعت کے امیر حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے چچا اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے والد گرامی ہیں۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

فخر الاماثل حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ "تذکرۃ الخلیل" میں شیخ الافاضل والعباقر حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری درخواست پر رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لیے میرٹھ تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ دن بھر میں چلتے پھرتے پورا قرآن ختم فرما لیتے اور افطار کا وقت ہوتا تو ان کی زبان پر ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ہوتی تھی۔

ریل سے اُترے تو عشاء کا وقت ہو گیا تھا، ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت تھی اس لیے مسجد میں قدم رکھتے ہی مصلے پر آ گئے اور تین گھنٹے میں دس پارے ایسے صاف اور رواں پڑھے کہ نہ کہیں لکنت تھی نہ تشابہ، گویا قرآن سامنے کھلا ہوا ہے اور باطمینان پڑھ رہے ہیں، تیسرے دن ختم فرما کر روانہ ہو گئے کہ دور کی ضرورت تھی نہ سامع کی۔

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ اپنے والد گرامی کے متعلق لکھتے ہیں:

والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے میرٹھ کے اس سفر سے متعلق یہ بھی فرمایا کہ میرٹھ کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ جب لوگوں میں یہ تذکرہ ہوا کہ ایک شخص سہارنپور سے تین دن میں قرآن شریف سنانے کے لیے آرہا ہے تو تیس چالیس حافظ محض امتحان کے لیے میرے پیچھے تراویح پڑھنے آئے تھے۔

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے یہ واقعہ بہت دفعہ سنایا کہ حضرت (اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی) قدس سرہ کی حیات کے آخری رمضان میں قرآن پاک میں نے سنایا کہ حکیم مسعود صاحبؒ نے کسی مجبوری کی وجہ سے قرآن پاک سنانے سے عذر فرما دیا تھا، والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام ربانی (حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی) قدس سرہ نے ماہ مبارک سے کئی دن پہلے یہ فرمانا شروع کیا کہ اب کے تو مسعود احمد معذور ہے ہمیں تراویح

کون پڑھادے گا، والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں بار باراس لفظ کو سنتا؛ مگرادباً یہ کہنے کی ہمت نہ پڑتی کہ میں پڑھادوں گا، ماہ مبارک سے دو دن قبل حضرت نے ارشاد فرمایا: مولوی یحییٰ! تم بھی تو حافظ ہو، میں نے عرض کیا کہ حضرت حافظ تو ضرور ہوں؛ مگر میں تو فارسی میں قرآن پڑھتا ہوں اور حضرت والا حکیم صاحب کا قرآن سننے کے عادی ہیں جو جید قاری ہیں، حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ نہیں تمہارا قرآن تو میں نے سنا ہے بس اب کے تو تم ہی تراویح پڑھا دیجیو، والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ پہلے دن تو مجھ پر بہت بوجھ پڑا اور سوا پارہ قرآن پاک کا دن میں دیکھ کر پڑھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کرنے کے بعد چھ مہینے تک ایک قرآن روز دیکھ کر پڑھا کرتا تھا، لیکن اس کے بعد سے کبھی دیکھ کر پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئی، یوں فرمایا کرتے تھے پہلے دن سوا پارہ تو دن میں دیکھ کر پڑھا تھا، پھر دوسرے دن سے خوف نکل گیا، پھر سارے رمضان دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئی۔

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے یہاں قرآن پاک حفظ پڑھنے کا تو اس قدر زور تھا کہ شاید کہیں لکھوا چکا ہوں کہ وہ اپنے تجارتی کتب خانہ کے پیکٹ وغیرہ اپنے ہاتھ سے بنایا کرتے تھے، خود ہی پتے لکھا کرتے تھے اور اس وقت بالجہر قرآن پاک پڑھا کرتے تھے نہ اس میں کوئی متشابہ لگتا تھا۔

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کسی سفر سے واپس تشریف لائے، حکیم اسحاق صاحب کی بیٹھک میں استراحت فرمانے تشریف لے گئے، نصیر الدین کا چودھواں پارہ تھا، سامع بار بار لقمے دے رہا تھا وہ باوضو تھے، مسجد میں تشریف لے گئے نصیر الدین کو سلام پھیرنے کے بعد مصلے پر سے ہٹا کر سولہ رکعات میں سولہ پارے ختم کر دیے، مصلیوں کو گرانی تو ضرور ہوئی؛ مگر لوگوں کو جلد قرآن پاک ختم ہونے کی خوشی مشقت پر غالب ہوا کرتی ہے، بارہویں رات میں قرآن ختم کر کے سب تکان بھول گئے۔

بعض اعزہ کے اصرار پر کاندھلہ میں بھی امی بی (میرے والد کی نانی اور حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی امۃ الرحمٰن جن کا عرف امی بی پڑ گیا تھا) کے مکان پر اخیر زمانہ میں ایک دفعہ قرآن شریف سنانے کا حال تو مجھے بھی معلوم ہے اور اپنی جوانی کا وہ قصہ سنایا کرتے تھے کہ ساری رات نوافل میں قرآن سنانے میں گذرتی تھی اور چونکہ ہمارے یہاں نوافل میں چار سے زیادہ مقتدیوں کی اجازت نہیں ہوتی تھی؛ اس لیے مستورات تو بدلتی رہتی تھیں اور میرے والد صاحب مسلسل پڑھتے رہتے تھے، میرے چچا جان (حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی ثم دہلوی) نور اللہ مرقدہ نے بھی کبھی رمضان المبارک امی بی کی وجہ سے کاندھلہ گذارا، تراویح تقریباً ساری رات میں پوری ہوتی تھی

مسجد سے فرض پڑھنے کے بعد مکان تشریف لے جاتے تھے اور سحر تک تراویح میں چودہ پندرہ پارے پڑھتے تھے۔

مولانا رؤف الحسن صاحب ؒ میرے والد صاحب کے حقیقی ماموں اور میری سابقہ اہلیہ مرحومہ کے والد ان کا مفصل قصہ تو آپ بیتی نمبر:۶ ر کے تقویٰ کے مضمون میں آئے گا، اس کا یہ جزء یہاں کے مناسب ہے کہ ۲۰ ر رمضان المبارک (کی شب) کو الٓمّٓ سے ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ تک ایک رکعت میں اور دوسری میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر سحر کے وقت اپنی والدہ امی بی سے یہ کہہ کر کہ "دو رکعت میں نے پڑھادیں باٹھارہ آپ پڑھ لیں" اور ان کی والدہ امی بی نے سارا قرآن کھڑے ہو کر سنا، بات پر بات نکلتی ہے، مگر یہ واقعات بھی اکابر کے ماہ مبارک کے معمولات میں داخل ہیں اس لیے زیادہ بے محل نہیں۔

میرے والد صاحب کا قیام مدرسہ کے اسباق کے علاوہ اوقات میں موچیوں کی مسجد، متصل مکان حکیم یعقوب صاحب میں زیادہ رہا کرتا تھا، وہیں افطار فرمایا کرتے تھے، جس میں کسی خاص چیز کا کوئی اہتمام نہیں تھا، کھجور زمزم اگر ہوتی تو مقدم ہوتی تھی؛ ورنہ جو بھی ہو۔

عشاء کے قریب تک یہ حضرات نوافل و اوراد میں مشغول رہتے، عشاء کے قریب اپنے اپنے گھروں جو سب مسجد کے قرب وجوار میں تھے ضروریات وغیرہ سے فارغ ہو کر مسجد میں مجتمع ہو جاتے، عشاء کی نماز سب مسجد میں پڑھتے اس کے بعد نوجوان پارٹی اپنے اپنے گھروں میں منتقل ہو جاتی اور سحر تک نوافل کا زور ہوتا؛ کیونکہ اس پر شدت تھی کہ نوافل کے مقتدیوں میں تین سے زیادہ نہ ہوں اس لیے مستورات بدلتی رہتیں اور حافظ بھی بدلتے رہتے ، چار رکعت فلاں فلاں رشتہ داروں کو ایک جگہ اور فلاں فلاں کو دوسری جگہ، سحر تک یہی سلسلہ رہتا، سحر پر سب بڑے اور چھوٹے مرد اور عورت اپنے اپنے ٹھکانوں پر مجتمع ہو جاتے اور اجتماعی طور پر سحری کھایا کرتے، سحر میں جیسا اوپر لکھا گیا (گھی) چپڑی ہوئی روٹی اور کوفتہ تو ضروری تھا اور تیسرا جزو میٹھی چوری (ملیدہ) کا خاص اہتمام تھا اور یہ مشہور تھا کہ چونکہ دیر ہضم ہوتی ہے تو رمضان میں بھوک نہیں لگتی، اذان کے بعد اول وقت صبح کی نماز ہوتی اور پھر سب گہری نیند سوتے اور حسب توفیق جلدی یا بدیر اٹھ کر قبیل الافطار تک بالنظر تلاوت میں مشغول رہتے، کوئی مسلسل پڑھتا کوئی سنانے کا سپارہ پڑھتا۔

میرے والد صاحب کا معمول صبح کی نماز پڑھ کر آرام کا تھا، اور دو تین گھنٹے سونے کے بعد اٹھ کر اپنے مشاغل علمیہ میں لگ جاتے، بعض طلبہ کو رمضان میں خصوصی اسباق بھی پڑھایا کرتے جو مدرسے میں مقیم ہوتے اور

والد صاحب سے مانوس ہوتے، افطار تک یہی معمول تھا، دن میں قرآن پاک کے سنانے یا دور کرنے کا معمول نہیں تھا، البتہ دن کے اوقات میں جو تھوڑا بہت وقت فارغ ملتا اس میں بالجہر پڑھنے کا معمول تھا۔

گنگوہ میں حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کے دور میں مغرب کی اذان خود کہنے کا بڑا معمول تھا، اس میں جہوری الصوت اور نہایت طویل اذان کا معمول تھا، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وجہ سے اہتمام کرتا تھا کہ اطمینان سے لوگ اپنے اپنے گھروں سے فارغ ہو کر آجائیں، دور تک اذان کی آواز پہنچتی رہے، میری اذان کے درمیان میں بہت اطمینان سے آدمی افطار سے فارغ ہو سکتا ہے، اور اذان کے بعد اپنے گھر سے چلے تو حضرت قطب عالم امام ربانی (حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی) قدس سرہ کی تکبیر اولیٰ میں شریک ہو سکتا ہے۔

والد صاحب فرماتے تھے کہ میں غروب آفتاب سے ایک دو منٹ پہلے خانقاہ کی چھت پر چلا جایا کرتا تھا، خود رو گھاس کے دو چار پتے توڑ کر ان کو چبا کر ان سے افطار کر کے اذان شروع کر دیتا تھا اور بہت ہی لمبی اور اطمینان سے اذان کہا کرتا تھا۔

اخیر شب میں جہر (زور) سے قرآن پاک پڑھنے کی ان کی عادت بہت تھی، نماز میں بھی اور بغیر نماز کے بھی، بسا اوقات رات کو میرے گہری نیند سے سوتے ہوئے جاگنا بھی ان کے رونے کی آواز سے ہوا کرتا تھا، میں نے اپنے اکابر میں بکاء فی اللیل (راتوں کو بہت رونے والا) دو کو دیکھا۔

واقعہ یہی تھا کہ حضرت شیخ الاسلام (مولانا سید حسین احمد مدنی)، حضرت رائپوری ثانی (مولانا شاہ عبد القادر صاحب)، میرے چچا جان (حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی)، حضرت میرٹھی (مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب) نوراللہ مراقدہم ان سب حضرات کے یہاں جب حاضری ہوتی تو ان سب کا ارشاد وامر یہ تھا کہ میری چارپائی ان کے قریب ہو، والد صاحب نوراللہ مرقدہ کے قریب تو ہمیشہ سونا ہوتا ہی تھا، میں نے رات کو بلبلا کر روتے ہوئے اور ہچکیاں مار کر روتے ہوئے جیسے کوئی بچہ مکتب میں پٹ رہا ہو، حضرت شیخ الاسلامؒ اور اپنے والد ہی کو دیکھا۔

حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہ تو روتے ہوئے ہندی کے دوہے بھی بہت پڑھا کرتے تھے، سنا یہ ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہاں بھی ظہر کے بعد جب کواڑ بند ہو جاتے تھے بعض اوقات گریہ اور ہچکیوں کی آواز سہ دری تک آتی تھی۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب (کاندھلوی) نوراللہ مرقدہ کا معمول مشائخ کاندھلہ میں لکھا ہے کہ رمضان

المبارک میں تمام رات عبادت میں گذارتے اور ایک لمحہ کے لیے نہ سوتے اور نہ بستر پر لیٹتے تھے، روزِ محشر کے خوف سے ہر وقت آنسو آنکھوں سے جاری رہتے تھے۔

قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ (متوفی: ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء)

سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے بانی مخدوم العلماء، مرشدِ ربانی، قطب عالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ ہیں۔

آپؒ نے اس سلسلہ عالیہ کا آغاز اپنے پیرومرشد کے حکم پر ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں قصبہ رائے پور ضلع سہارن پور سے کیا۔ اسی لیے یہ "سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور" کے نام سے مشہور ہوا۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کے رمضان المبارک کے معمولات کے متعلق فخر الاماثل حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ "تذکرۃ الخلیل" میں لکھتے ہیں:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تعلیم قرآن پاک سے شغف تھا (دو دن کے دیہات میں بیسیوں مکاتب قرآن پاک کے جاری کرائے)۔

اسی طرح خود تلاوت کلام اللہ سے عشق تھا، آپ حافظ قرآن تھے اور شب کا قریب قریب سارا وقت تلاوت میں صرف ہوتا تھا۔

رات دن کے چوبیس (۲۴) گھنٹوں میں شاید آپ گھنٹہ بھر سے زیادہ نہ سوتے ہوں اور اسی لیے آپ کو لوگوں سے وحشت ہوتی تھی کہ معمول تلاوت میں حرج ہوتا تھا، عصر و مغرب کے درمیان کا وقت عام دربار اور سب کی ملاقات کے لیے مخصوص تھا۔

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ اس پر یمن القوسین میں لکھتے ہیں:

"صبح کے وقت میں بھی نو دس بجے کے قریب ایک گھنٹہ مہمانوں کی عمومی ملاقات کا وقت تھا۔"

اور اس کے علاوہ بغیر کسی خاص ضرورت کے آپ کسی سے نہ ملتے اور حجرہ شریف کا دروازہ بند فرما کر خلوت کے مزے لوٹتے اور اپنے مولائے کریم سے راز و نیاز میں مشغول رہا کرتے تھے، خوراک آپ کی بہت ہی کم تھی۔

اور ماہ رمضان میں تو مجاہدہ اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا۔

ماہ مبارک میں صبح اور عصر کے بعد کی مجلس بھی موقوف ہوجاتی تھی۔

افطار و سحر دونوں کا کھانا بمشکل دو پیالی چائے اور آدھی یا ایک چپاتی ہوتا تھا، شروع میں آپ قرآن مجید تراویح میں خود سناتے اور دو بجے ڈھائی بجے فارغ ہوتے تھے، مگر آخر میں دماغ کا ضعف زیادہ بڑھ گیا تو سامع بنتے اور اپنی تلاوت کے علاوہ تین چار ختم سن لیا کرتے تھے، ماہ مبارک میں چونکہ تمام رات اور تمام دن آپ کا مشغلہ تلاوت کلام اللہ رہتا تھا، اس لیے تمام مہمانوں کی آمد آپ روک دیا کرتے تھے۔

مہمانوں کا ہجوم تو رمضان میں اعلیٰ حضرت رائپوریؒ کے یہاں بہت بڑھ جاتا تھا؛ البتہ ملاقات بالکل بند تھی، جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نمازوں کے لیے مسجد آتے جاتے تو وہ لوگ دور سے زیارت کرتے تھے۔

اور مکاتبت بھی پورے مہینے بند رہتی تھی کہ کوئی خط کسی کا بھی (الا ماشاء اللہ) عید سے قبل دیکھا یا سنا نہ جاتا تھا، اللہ جل جلالہ کا ذکر جس پیرایہ پر بھی ہو آپ کی اصل غذا تھی، اور اسی سے آپ کو وہ قوت پہنچتی تھی، جس کے سامنے دواء المسک اور جواہر مہرہ ہیچ تھا۔ (تذکرۃ الخلیل)

یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کے یہاں رمضان میں ہجوم تو بہت رہتا تھا، مگر حقیقی طالبین کا رہتا تھا جن کے لیے ماہ مبارک میں کوئی ملاقات کا وقت نہیں تھا، صرف نماز کو آتے جاتے دور سے عشاق زیارت کیا کرتے تھے؛ لیکن جن لوگوں کے آنے پر حضرت نوراللہ مرقدہ کے قلبِ اطہر کو متوجہ ہونا پڑے ان کا آنا بڑا گراں تھا۔

آپ بیتی نمبر ۴؍ باب تحدیث بالنعمہ میں لکھوا چکا ہوں کہ اپنے والد صاحب نوراللہ مرقدہ کے زمانۂ حیات کے آخری رمضان میں میں نے اعلیٰ حضرت رائے پوری قدس سرہ کی خدمت میں رمضان ۳۴ھ گذارنے کی خواہش ظاہر کی تھی تو اعلیٰ حضرتؒ نے از راہ شفقت تحریر فرمایا کہ رمضان کہیں آنے جانے کا نہیں ہوتا اور نہ ملنے کا، اپنی جگہ یکسوئی سے کام کرتے رہو، اس کے بعد اس ناکارہ نے صرف اخیر عشرہ میں حاضری کی اجازت چاہی، جس کا جواب میرے کاغذات میں مل گیا ہے جو آپ بیتی نمبر ۴؍ میں لکھوا چکا ہوں کہ جو سبب شروع ماہ مبارک میں عدم قیام کا ہے وہ آخر ماہ میں بھی موجود ہے، باقی تم اور تمہارے ابا جان زبردست ہیں ہم غریبوں کی کیا چل سکے، یہ تمہاری زبردستی ہے کہ جو اس وقت ماہ مبارک میں جواب لکھوا رہا ہوں، باقی جو ذکر و شغل حضرت مولانا سلمہ نے

تلقین فرمایا ہے وہی کرنا چاہیے، یہ خط تو وہاں گذر چکا۔

مگر میرے والد صاحبؒ نے فرمایا کہ تیری وجہ سے حضرت کی یکسوئی میں فرق پڑے گا اور حضرت کو تیرے کھانے پینے کا فکر رہے گا، اس لیے حضرت کا حرج نہ کر، اس واقعہ کو تفصیل سے وہاں لکھوا چکا ہوں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ (متوفی: ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر ہند پاک و بنگلہ دیش کے ان عظیم راہنماؤں میں ہوتا ہے جنہوں نے برطانوی استعمار کی غلامی کے دورِ عروج میں سورج غروب نہ ہونے والی سلطنت کے غلبہ واستعلا کو نہ صرف یہ کہ خود ذہنی اور شعوری طور پر قبول نہ کیا بلکہ فکر وعمل، جہد واستقامت اور عزم واستقلال کی شمع کو اپنے خون سے روشن کر کے برادرانِ وطن کو آزادی اور استقلال کی اس شاہراہ پر گامزن کر دیا جس پر چلتے ہوئے اس خطہ کے عوام نے غلامی کی ہولناک دلدل کو عبور کر کے حریت کے میدان میں قدم رکھا۔

بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تاریخ ہند جن شخصیات پر بجا طور پر فخر کرتی ہے، وطنِ عزیز کا ذرّہ ذرّہ جن کے احسانات کو تسلیم کرتا ہے، باشندگانِ ہند جن کی قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے، علم وعمل کا قافلہ، فکر ونظر کا کارواں کبھی جن کی قافلہ سالاری سے اپنے آپ کو بے نیاز نہیں کر سکتا، مسند درس وتدریس کے اساتذہ، علومِ فقہ وحدیث کے شناور کبھی اس کی نکتہ آفرینیوں سے بے پروا نہیں ہو سکتے، تفسیر قرآن میں غوطہ زنی کرنے والے کبھی اس کی صدف ریزیوں اور نکتہ سنجیوں سے نا آشنا نہیں رہ سکتے، تو وہ عظیم المرتبت شخصیت میر کارواں، بطل حریت، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ہیں۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

حضرت اقدس الحاج مولانا سید اصغر حسین میاں دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ "سوانح شیخ الہند" میں تحریر فرماتے ہیں:

رمضان المبارک میں مولانا کی خاص حالت ہوتی تھی اور دن رات عبادت خداوندی کے سوا کوئی کام ہی نہ ہوتا دن کو لیٹتے اور آرام فرماتے؛ لیکن رات کا اکثر حصہ بلکہ تمام رات قرآن مجید سننے میں گذار دیتے۔

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ خود حافظ نہیں تھے (اس لیے دیگر حضرات سے قرآن سنتے)"۔

کئی کئی حافظوں کو سنانے پر مقرر رکھتے، اگر وہ باہر کے رہنے والے خادم وشاگرد ہوتے تو ان کے قیام

وطعام کا اہتمام فرماتے اور تمام مصارف برداشت فرماتے، کبھی اپنے مرشد زادہ مولانا حافظ محمد احمد صاحب (مہتم دار العلوم) سے اصرار کر کے کئی کئی قرآن مجید سنتے، کبھی اپنے بے تکلف پیر بھائی حافظ انوار الحق مرحوم سے، کبھی اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد محسن صاحب کو مقرر فرماتے اور کبھی اپنے عزیز بھانجے مولوی محمد حنیف صاحب کو اور اخیر زمانہ میں اکثر مولوی حافظ کفایت اللہ صاحب اس خدمت سے سرفراز ہوتے تھے، تراویح سے فارغ ہو کر بہت دیر تک حاضرین کو مضامین علمیہ اور حکایاتِ اکابر سے محظوظ فرماتے اور پھر اگر موقع ملتا تو چند منٹ کے لیے لیٹ جاتے، اس کے بعد نوافل شروع ہوتیں ایک حافظ دو چار پارے سنا کر فارغ ہو کر آرام کرتا؛ مگر حضرت اسی طرح مستعد رہتے اور دوسرا حافظ شروع کر دیتا۔

اسی طرح متعدد حفاظ باری باری کئی کئی پارے سناتے، قاری بدلتے رہتے تھے، مگر مولانا کبھی دو تین بجے تک اور کبھی بالکل سحر کے وقت تک اسی طرح کھڑے سنتے رہتے، بعض رمضان میں فرائض مسجد میں پڑھ کر مکان میں باجماعت خدام وحاضرین تراویح ختم ہو جاتی، تو کوئی حافظ نوافل میں شروع کر دیتا، تمام رات یہی لطف رہتا اور اس قدر طویل قیام کے بعد جب پاؤں ورم کر جاتے تو خدام و مخلصین کو رنج ہوتا اور حضرت دل میں خوش ہوتے کہ **حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ** میں سید الاولین والآخرین ﷺ کا اتباع نصیب ہوا۔

ایک مرتبہ تقلیل طعام اور قلت منام اور پھر طویل قیام سے رمضان المبارک میں نہایت ضعیف ہو گئے، پاؤں کا ورم بہت زیادہ ہو گیا، مگر قلبی شوق چین نہ لینے دیتا تھا، کثیر مقدار میں قرآن مجید سننے کے لیے مستعد تھے۔ آخر لاچار ہو کر مکان میں سے عورتوں نے مولوی حافظ کفایت اللہ صاحب کو کہلا بھیجا کہ آج کسی بہانے سے قلیل مقدار پر بس کر دینا، مولوی صاحب نے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کی کسل اور گرانی کا عذر پیش کر دیا، حضرت کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا، خوشی سے منظور کر لیا، اندر حافظ صاحب لیٹ گئے باہر مولانا، مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے، انہوں نے ہوشیار ہو کر جب دیکھا کہ خود حضرت شیخ الہندؒ ہیں تو ان کی حیرت اور ندامت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، وہ اُٹھ کھڑے ہو گئے اور مولانا فرمانے لگے کہ نہیں بھائی کیا حرج ہے، تمہاری طبیعت اچھی نہیں ہے ذرا راحت آجائے گی۔ (سوانح شیخ الہند اصغری)

دوسری جگہ مالٹا سے واپسی کے بعد آخری رمضان کے تذکرہ میں سید صاحب لکھتے ہیں:

رمضان المبارک کی متبرک راتوں میں تراویح کے بعد دار العلوم تشریف لے جاتے، طلبہ،

حاضرین، منتظمین سب جمع ہوجاتے ،آدھی آدھی رات سے زیادہ گزر جاتی، مولانا کے لطائف وفیوض سے حاضرین محظوظ ہوتے رہتے تھے، آہ! کس کو معلوم تھا کہ یہ آخری دور ہے!

شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ (متوفی: ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء)

شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد انصاری انبہٹوی سہارنپوری قدس سرہ مسلّم عالم ربانی، متقی و پارسا، مشہور محدث معتمد فقیہ، مستند شیخ طریقت اور عظیم اُستاذ و مصنف تھے۔

آپؒ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے قدیم فضلاء میں سے تھے۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے نواسے اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے تھے۔

معمولاتِ رمضانُ المبارک:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اکابر کے چند معمولات ''فضائل رمضان'' کی ابتداء میں گزر چکے ہیں، اس کے بعد ''آپ بیتی'' لکھتے وقت بعض دوستوں کی درخواست پر میں نے حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کے کچھ دیگر معمولات بھی رمضان المبارک کے ذکر کیے تھے، مضمون بالا کی مناسبت سے یہاں بھی نقل کراتا ہوں۔

(حضرت قدس سرہ کے یہاں افطار میں) کھجور اور زمزم شریف کا بہت اہتمام ہوتا تھا، سال کے دوران میں جو حجاج کرام زمزم شریف لاتے تو خاصی مقدار میں رمضان تک محفوظ رہتا، لیکن کھجوریں اگر خراب ہونے لگتیں تو وہ رمضان سے پہلے ہی تقسیم کردی جاتیں؛ البتہ افطار کے وقت آدھی یا پون پیالی دودھ کی چائے کا معمول تھا اور بقیہ اس سیہ کار کو عطیہ ہوتا تھا۔

حضرت نوراللہ مرقدہ کے زمانے میں تقریباً دس منٹ کا فصل ہوتا تھا؛ تاکہ اپنے گھروں سے افطار کر کے آنے والے اپنے گھر سے افطار کر کے نماز میں شریک ہوسکیں۔

حضرتؒ کا معمول مدرسہ (مظاہر علوم سہارنپور) میں افطار کا رہا، چند خدام یا مہمان ۱۵-۲۰ر کے درمیان افطار میں ہوتے تھے، مدینہ منورہ میں (قیام کے دوران) مدرسہ شرعیہ میں افطار کا معمول تھا۔

مغرب کے بعد کی نوافل میں کمّاً (تعداد کے اعتبار سے) کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا، کیفاً (کیفیت کے اعتبار سے) ضرور ہوتا تھا کہ معمول سے زیادہ دیر لگتی تھی، عموماً سوا پارہ پڑھنے کا معمول تھا، اور ماہ مبارک میں جو پارہ تراویح میں

حضرت سناتے وہی مغرب کے بعد (نوافل میں) پڑھتے۔

اوّابین کے بعد مکان تشریف لے جا کر کھانا نوش فرماتے تھے، تقریباً ۲۰-۲۵ر منٹ اس میں لگتے تھے، کمّاً (مقدار کے اعتبار سے) اس وقت کی غذا میں بہت تقلیل (کمی) ہوتی تھی۔

میرے حضرت قدس سرہ کا اخیر کے دو سالوں کے علاوہ کہ ضعف ونقاہت بہت بڑھ گیا تھا ہمیشہ تراویح میں خود سنانے کا معمول رہا، دار الطلبہ بننے سے پہلے مدرسہ قدیم میں تراویح پڑھایا کرتے تھے، دار الطلبہ قدیم بن جانے کے بعد پہلے سال میں تو حضرت کی تعمیل حکم میں میرے والد صاحب نے قرآن پاک سنایا تھا، اس کے بعد سے ہمیشہ حضرت قدس سرہ کا وہاں قرآن پاک سنانے کا معمول رہا۔

اکثر ۲۹ر کی شب میں ختم قرآن کا معمول تھا، چند روز تک شروع میں سوا پارہ اور اس کے بعد سے اخیر تک ایک ایک پارہ کا معمول تھا۔

اس سلسلہ میں ایک عجیب وغریب قصہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلوی قدس سرہ کا معروف ہے کہ اگر رمضان المبارک ۲۹ر کا ہوتا تو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا معمول یکم رمضان کو دو پارے پڑھنے کا تھا اور ۳۰ر کا ہوتا تو یکم رمضان کو ایک پارہ پڑھا کرتے تھے، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب (محدث دہلوی) نور اللہ مرقدہ یکم رمضان کو اپنی مسجد میں تراویح پڑھانے کے بعد شاہ عبد القادر صاحب کی مسجد میں تحقیق کے لیے آدمی بھیجا کرتے کہ بھائی نے آج ایک پارہ پڑھایا دو، اگر معلوم ہوتا کہ دو پڑھے، تو شاہ صاحب فرمایا کرتے اب کے رمضان ۲۹ر کا ہوگا، یہ علم غیب نہیں کہلاتا؛ بلکہ علم کشف کہلاتا ہے۔

تراویح کے بعد ۱۵-۲۰ر منٹ حضرت قدس سرہ مدرسہ میں آرام فرماتے تھے جس میں چند خدام پاؤں بھی دباتے اور قرآن پاک کے سلسلے میں کوئی گفتگو بھی رہتی، مثلاً کسی نے غلط لقمہ دے دیا، یا تراویح میں اور کوئی بات پیش آئی ہو اس پر تبصرہ تفریح چند منٹ تک ہوتی، حضرت قدس سرہ کے پیچھے تراویح پڑھنے کے لیے دور دور سے حفاظ آتے۔

یہ ناکارہ اپنی تراویح پڑھانے کے بعد جو اکثر حکیم محمد اسحاق صاحب کی مسجد میں اور کبھی اماں جی کے اصرار وارشاد پر حضرت قدس سرہ کے مکان پر پڑھاتا تھا، جلد از جلد فراغت کے بعد حضرت قدس سرہ کے یہاں پہنچ جاتا اس وقت تک حضرت قدس سرہ کے یہاں ۴-۶ر رکعتیں ہوتیں، اس لیے کہ حکیم صاحب مرحوم کی مسجد میں نماز سویرے ہوتی تھی، اور مدرسہ اور دار الطلبہ میں تاخیر سے اور یہ ناکارہ اپنی نااہلیت سے پڑھتا بھی بہت جلدی تھا۔

ایک مرتبہ حافظ محمد حسین صاحب نے (جو حضرت قدس سرہ کے مستقل سامع تھے، ہر سال اجراڑہ سے سہارنپور رمضان گذارنے تشریف لایا کرتے تھے) غلط لقمہ دے دیا، میں نے ایک دم صحیح لقمہ دیا، حضرت حافظ صاحب کی زبان سے بے اختیار نکل گیا نماز ہی میں ''ہاں'' اور پھر جو میں نے بتایا تھا وہی حافظ صاحب نے بتایا، تراویح کے بعد کے وقفہ میں میں نے حضرت سے عرض کیا: حضرت نے میرا لقمہ لیا یا حافظ صاحب کا؟ میرا مطلب یہ تھا کہ حافظ صاحب کی نماز تو ''ہاں'' کہنے سے ٹوٹ گئی اور حضرت نے اگر ان کا لقمہ لیا ہوگا تو میں عرض کروں گا کہ سب کی ٹوٹ گئی، حضرت قدس سرہ میری حماقت کو سمجھ گئے، حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ میں باؤلا تھا جو ان کا لقمہ لیتا، اس قسم کے تفریحی فقرے یا کسی آیت شریفہ کے متعلق کوئی تفسیری نکتہ ہوتا تو اس پر بھی گفتگو فرماتے رہتے۔ ایک مرتبہ ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایک نعمت میں ہزاروں نعمتیں شامل ہیں، اس لیے تَعُدُّوْا ارشاد فرمایا گیا۔

تراویح کے بعد چند منٹ قیام کے بعد جیسا کہ اوپر لکھا مکان تشریف لے جا کر ۱۵-۲۰ منٹ گھر والوں سے کلام فرماتے اور محلے کی کچھ مستورات اس وقت آجاتیں ان سے بھی کچھ ارشاد فرماتے، اس کے بعد ڈھائی تین گھنٹے سونے کا معمول تھا۔

تہجد میں عموماً دو پارے پڑھنے کا معمول تھا، کبھی کم و بیش حسب گنجائش اوقات، بذل المجہود میں جب نظائر والی حدیث آئی جو مصحف عثمانی کی ترتیب کے خلاف ہے تو حضرت قدس سرہ نے اس ناکارہ سے فرمایا تھا کہ اس حدیث کا ایک پرچہ پر نقل کر دینا، آج تہجد اسی ترتیب سے پڑھیں گے، یہ فرط محبت اور فرط عشق کی باتیں ہیں۔ ع

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی

تقریباً صبح صادق سے باختلاف موسم دو یا تین گھنٹے پہلے اُٹھنے کا معمول تھا اور صبح صادق سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے سحر کا معمول تھا، ۱۵-۲۰ منٹ میں فراغت ہو جاتی تھی، یعنی طلوع فجر سے ۱۵-۲۰ منٹ پہلے۔

سحر میں دودھ وغیرہ کسی چیز کا اہتمام تو نہیں تھا، کبھی ہدایا میں پھینیاں آجاتیں تو بلا اہتمام سب گھر والوں کے لیے بھگو دی جاتیں، ایک آدھ چمچہ حضرت قدس سرہ بھی نوش فرما لیتے، البتہ پلاؤ کبھی کبھی سحر میں حضرت کے یہاں پکائی جاتی تھی؛ البتہ افطار میں کبھی نہیں پکا کرتی تھی۔

حضرت نور اللہ مرقدہ کو وصال سے دو سال قبل کہ ان دو سال میں امراض کا اضافہ ہو گیا تھا ان سے قبل میں نے کبھی آخری عشرے کا اعتکاف ترک فرماتے نہیں دیکھا اور دار الطلبہ بننے سے مدرسہ قدیم کی مسجد میں کرتے تھے اور دار الطلبہ بننے کے بعد یعنی ۳۵ھ سے دار الطلبہ میں فرماتے تھے اور اس عشرہ میں بھی بذل کی تالیف ملتوی نہیں ہوتی تھی، بلکہ مسجد کلثومیہ کی غربی جانب جو حجرہ ہے اس میں ۲۰ رتاریخ کو تالیف سے متعلقہ سب کتابیں پہنچ جاتی تھیں، جو صبح کی نماز کے بعد یہ ناکارہ اُٹھا کر مسجد میں رکھ دیتا اور تالیف کے ختم پر پھر اسی حجرہ میں منتقل کر دی جاتیں، اخیر عشرہ کے علاوہ میں نے کبھی اعتکاف کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

میں نے (حضرت قدس سرہ کے یہاں) کوئی خاص فرق (رمضان اور غیر رمضان کے معمول میں) نہیں دیکھا بجز اس کے کہ اُٹھنے میں کچھ تقدیم ہو جاتی، اگرچہ میں اجمالی طور پر فضائل رمضان میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت قدس سرہ اور حضرت حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ) کے یہاں رمضان اور غیر رمضان میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، بخلاف حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن دیوبندی) اور اعلیٰ حضرت (مولانا شاہ عبدالرحیم) رائے پوری نور اللہ مرقدہما کے کہ ان دونوں کے یہاں رمضان اور غیر رمضان میں بہت فرق ہوتا تھا، جیسا کہ میں فضائل رمضان میں لکھ چکا ہوں۔

اس کے علاوہ کہ اخبار دیکھنے کا جو معمول کسی کسی وقت غیر رمضان میں ہوتا تھا وہ رمضان میں نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ رمضان میں ان دو سالوں کے علاوہ جن میں میرے والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ) کے ساتھ دور ہوا تسبیح ہاتھ میں ہوتی تھی اور زبان پر اوراد آہستہ آہستہ، کوئی خادم بات دریافت کرتا تو اس کا جواب مرحمت فرما دیتے۔

تذکرۃ الخلیل (مؤلفہ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ) میں ایک جگہ حضرت (مولانا خلیل احمد) سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے معمولات یہ لکھے ہیں:

جب رمضان المبارک کا چاند نظر آتا جو نزول قرآن کا مہینہ ہے اور کثرت کلام اللہ کے لیے مخصوص ہے تب تو آپ کی جدوجہد کی کوئی حد ہی نہ رہتی تھی، تراویح میں سوا پارہ سنانے کا معمول تھا، ہر رکوع پر رکوع فرماتے اور بیس رکوع روزانہ کے حساب سے ستائیسویں شب کو ختم فرمادیا کرتے، مظاہر علوم کی مدرسی کے بعد مدرسہ قدیم کی مسجد میں آپ کا معمول محراب سنانے کا رہا اور دار الطلبہ بننے کے بعد دو سال دار الطلبہ کی مسجد میں قرآن پاک سنایا دو سال وہاں کی مسجد میں محراب سنائی، سننے والوں کا ہجوم بہت زیادہ ہوتا اور اور مشتاق دور دور سے رمضان گزارنے آتے، بلکہ بعض حفاظ اپنا سنانا بند کر کے اقتداء کرتے۔

آپ متوسط جہر کے ساتھ نہایت ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے کہ ایک ایک حرف سمجھ میں آتا تھا، چونکہ جوانی میں یاد کیا تھا نیز پڑھنے میں بھی استغراق ہوتا تھا اس لیے اٹکنے کی نوبت بھی آتی، مگر غلط پڑھنے کی نوبت نہیں آتی تھی یدفعۃً زبان رک جاتی یا متشابہ لگتا تو بتلانے والے جیسا کہ رواج ہے، جلدی سے بولتے اور کبھی غلط بھی بتا دیتے تھے جس کو حضرت نہ لیتے اور خود سوچ کر یا دوبارہ صحیح بتانے والے کے صحیح بتانے پر آگے چلتے تھے، بایں ہمہ آپ پر کبھی ناگواری کا اثر نہیں ہوتا؛ بلکہ سلام پھیر کر تسلی کے طور پر فرمایا کرتے کہ آخر جب حافظ بھولتا ہے تو سامع کو بھی بھولنا ضرور ہے، اگر بھول کر کہیں غلط بتا دیا تو تعجب ہی کیا ہے، محراب سنانے کا معمول حضرت کا ہمیشہ رہا، مگر عمر شریف جب ستر (۷۰) سال کو پہنچ گئی تو محراب سنانے کا تحمل دشوار ہو گیا۔

اور حضرت فرمانے لگے کہ رکوع کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ دوسری رکعت میں کھڑا نہ ہو سکوں گا، مگر ہمت کر کے کھڑا ہو جاتا ہوں، آخر کار ۲۰ رکعت اسی طرح پوری ہوتی ہیں کہ ہر رکعت میں گر جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور سجدہ سے اُٹھ کر کھڑا ہونا پہاڑ پر چڑھنے سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے، اس حالت میں بھی آپ دو سال نبھا گئے اور ہمت نہ ہارے، آخر میں جب قوت نے جواب ہی دے دیا تو محراب سنانا چھوٹ گیا، مگر اس کے بدلہ دوسرے سے سننے اور خالی اوقات میں خود تلاوت کرنے کا شغل بڑھ گیا، ماہ مبارک میں اول اشراق سے لے کر گیارہ بجے تک تلاوت فرماتے۔ (تذکرۃ الخلیل)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ (متوفی: ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

سولہویں صدی کے مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ، اٹھارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور انیسویں صدی کے حضرت مولانا محمد قاسم النانوتویؒ کے بعد بیسویں صدی کے سب سے کامیاب مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں جن کو چوتھا مقام حاصل ہے۔

برصغیر ہند میں قرآن وحدیث اور تصوف کا اتنا بڑا عالم پیدا نہیں ہوا، برصغیر ہندو پاک میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا وہ مقام ہے جو امام غزالیؒ کا تھا، مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف اور مکتوبات کی تعداد ایک ہزار کے قریب؛ بلکہ اس سے بھی زائد ہے۔

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی فاروقی تھانویؒ جن کو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے حکیم الامت (اُمت مسلمہ کا روحانی معالج) اور مجدد الملت کا لقب دیا ہے، بیسویں صدی میں جنوبی ایشیا میں بیداری

لانے والے اور اسلامی انقلاب کی ایک بلند پایہ شخصیت تھے۔ حضرت حکیم الامت ؒ اپنے وقت کی سب سے معروف مذہبی شخصیت تھی، وہ کثیر التصانیف مصنف تھے اور ان کو جدید ہندوستان کا سب سے بڑا صوفی سمجھا جاتا تھا۔

آپ نے درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر اور گاہے بگاہے سفر کرتے ہوئے بہت فعال زندگی گزاری ہے۔ وہ امتیازی علامت اور رہنما اصول جن سے آپ کے پیغام کو بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی، آپ کی تقریروں اور تحریروں میں بے باکی اور اعتدال وسچائی کا غیر معمولی احساس تھا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیتِ قرآنی کا نمونہ تھے:

"اور ایسے ہی ہم نے بنایا ہے تم کو ایک جماعت جو ہر پہلو سے اعتدال پر ہے، تاکہ تم مخالف لوگوں کے مقابلہ گواہ ہو"۔ (البقرۃ:۲/۱۴۳)

علومِ دینیہ کے تمام شعبوں پر آپ کی مکمل نظر تھی اور یہ بات آپ کی شخصیت، آپ کی تقاریر اور تصنیفات میں خوب عیاں تھی، قاضیٔ ہند مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ شاید ہی دین کا کوئی شعبہ ایسا ہو جس میں آپ کی تصانیف موجود نہ ہوں۔

ان کے مذہبی نظریات زیر بحث مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہیں، اور مختلف مسائل پر ان کی آراء خالص روایتی اسلامی افکار کی عکاس ہیں، آپ کی ذکاوت وذہانت، درس وتدریس اور تربیت کا نیا انداز، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، وقت کا صحیح نظم، وسعت ظرف، صبر وضبط، اسلامی احکامات کی سمجھ کی وجہ سے آپ کو اسلامی تاریخ میں ایک مستقل جگہ مل گئی ہے۔

آپ کو عظیم مصلح، شیخِ طریقت، کثیر التصانیف، مصنف، روحانی معالج، دانشور حکیم اور اسلامی روایات کے امین کے طور پر یاد کیا جائے گا، جنہوں نے اس وقت جب کہ مسلمان مغربی سامراجی طاقتوں کے جسمانی اور ذہنی حملوں کا شکار تھے، اپنی تقریروں، تحریروں، فتاوی، اور روحانی تربیت کی شکل میں علمی اور ادبی اسلحہ سے ان مسلمانوں کی مدد کی تاکہ جدید دور کے تمام غیر دینی اثرات کا مقابلہ کر سکیں۔ حضرت حکیم الامت ؒ کی گراں قدر دینی خدمات اور کارناموں کے ذکر میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ کی خدمات کی نظیر گذشتہ کئی صدیوں میں نہیں ملتی۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت والا مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے معمولاتِ رمضان المبارک کے متعلق معمولاتِ اشرفیہ میں یہ مضمون لکھا ہے کہ رمضان میں حضرت والا اکثر خود قرآن شریف سناتے ہیں اور بلا ناغہ قرآن سناتے کبھی نہیں چھوڑتے ،نصف قرآن تک سوا پارہ، پھر ایک پارہ روز پڑھتے ہیں، ستائیسویں شب کو اکثر ختم کرتے ہیں، جو خوبیاں حضرت والا کے پڑھنے میں ہیں وہ سننے ہی سے تعلق رکھتی ہیں، ترتیل وہی رہتی ہے جو عام طور سے نماز پڑھانے میں ہوتی ہے، اگر کبھی جلدی بھی پڑھانا ہوتا ہے تو حرفوں کا تناسب وہی قائم رہتا ہے جو آہستہ پڑھنے میں ہوتا ہے، اوقاف ولہجہ کی رعایت جیسی حضرت والا کے پڑھنے میں ہوتی ہے، کہیں کم پائی جا سکتی ہے، یاد اتنا اچھا ہے کہ متشابہ شاذ و نادر ہی لگتا ہے، کوئی لفظ یا کوئی آیت پوچھی جائے کہ کہاں آئی ہے تو فی البدیہہ جواب دے سکتے ہیں۔

بمقام کانپور جماعت تراویح میں مجمع اس قدر ہوتا تھا کہ جو کوئی مغرب کے بعد پھرتی کے ساتھ کھانا کھا کر پہنچ گیا تو جگہ ملی ورنہ محروم رہا، اس قدر مجمع میں سجدۂ تلاوت کرنے میں دقت تھی اور بہتوں کی نماز جاتے رہنے کا اندیشہ تھا، اس واسطے ایک مرتبہ اس روایت پر عمل کیا گیا کہ آیت سجدہ کے بعد اگر فوراً رکوع کیا جاوے تو سجدۂ صلوٰۃ میں سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے، مگر تعریف یہ ہے کہ رکعتیں چھوٹی بڑی نہیں ہوتی تھی۔

رمضان میں روزہ عموماً مدرسہ میں مہمانوں کے ساتھ افطار فرماتے ہیں اور اذان اول وقت بہت ٹھیک وقت پر ہوتی ہے اور اطمینان کے ساتھ افطار کر کے ہاتھ دھو کر کلی کر کے باطمینان وسکون نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، اذان اور جماعت کے درمیان اتنا وقت بخوبی ہوتا ہے کہ کوئی چاہے تو اطمینان سے وضو کر لے اور تکبیر اولیٰ نہ جائے۔

اہل محلّہ اپنے گھروں پر افطار کر کے بخوبی تکبیر اولیٰ میں شریک ہوتے ہیں، نماز مغرب سے حسب معمول مع اوراد فارغ ہو کر کھانا نوش فرماتے ہیں اور عشاء کی نماز کے لیے روزانہ وقت کے قریب ہی کھڑے ہوتے ہیں تراویح نہایت اطمینان کے ساتھ پڑھتے ہیں، بین الترویحات اذکار مسنونہ ادا فرماتے ہیں، رکعات کے رکوع وسجود ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے تمام نمازوں کے۔

تہجد کے وقت بھی قراءت اکثر سری اور کبھی جہری کرتے ہیں، اگر مسجد میں بوجہ معتکف ہونے کے ہوتے ہیں تو بسا اوقات حضرت کے پیچھے تہجد میں دو چار آدمی مقتدی بن جاتے ہیں اور حضرت اس کو منع نہیں کرتے، ہاں اس

کا اہتمام بھی نہیں کرتے کہ تہجد جماعت کے ساتھ ہوا کرے؛ بلکہ ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا کہ آنکھ ذرا دیر میں کھلی تو مقررہ قرآن دو رکعت میں پڑھ کر فرمایا سحری کھالو، پھر اگر وقت بچے تو اپنا اپنا تہجد پورا کرلو، بعد تہجد آرام فرما کر فجر کے لیے حسب معمول اُٹھ بیٹھتے ہیں، دن اور رات کے تمام معمولات جاری رہتے ہیں، کبھی اعتکاف کرتے ہیں۔

پورے عشرۂ اخیرہ یا تین روز اعتکاف میں رہتے ہیں، اس وقت انوار و برکات کا گویا مینہ برستا ہے، اعتکاف میں تصنیف کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ ''قصد السبیل'' اعتکاف ہی میں آٹھ دن میں لکھی گئی ہے، ایک اور کتاب بھی قصد السبیل کے ساتھ ان ہی دنوں میں لکھی گئی تھی، یعنی ''**الفتوح فیمایتعلق بالروح**''۔

ایک مرتبہ احقر (حکیم محمد مصطفیٰ) کو ۲۸؍رمضان کو تھانہ بھون حاضر ہونے کا موقع ملا، خیال غالب یہ تھا کہ قرآن ختم ہوگیا ہوگا؛ کیونکہ اکثر جگہ ستائیسویں شب میں ختم ہوجاتا ہے، نیز مسجد کی کسی ہیئت میں یا جماعت میں معمول کے خلاف کوئی تبدیلی نہ تھی اور اس کے خلاف کا وہم بھی نہ ہوا، مگر اتفاقی بات ہے کہ حضرت نے تراویح سورۂ والضحیٰ سے شروع کی اس سے اور اس خیال کی تائید ہوئی؛ کیونکہ والضحیٰ سے اکثر اس وقت پڑھتے ہیں جبکہ قرآن ختم ہوچکا ہو، جب حضرت نے سورۂ اقرأ پر بسم اللہ پڑھی تو خیال ہوا کہ آج ختم کا دن ہے، چنانچہ یہ خیال صحیح نکلا، بعد ختم دعا مانگی گئی، جس میں معمول سے کچھ بھی زیادتی نہ تھی، اور ایک چراغ جو روزانہ جلتا تھا اس کے علاوہ نہ کوئی دوسرا چراغ تھا اور نہ آدمیوں میں زیادتی تھی نہ مٹھائی بٹی، ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں کچھ مٹھائی بانٹوں، مگر حضرت نے منع فرمادیا کہ آج نہیں، آپ کا دل چاہے تو کل بانٹ دیجیے، نہ اجوائن وغیرہ پر دم ہوا، حضرت نے اوائل سورۂ بقرہ **الی المفلحون** تک پڑھا۔ (معمولاتِ اشرفی)

دوسری جگہ حضرت نوراللہ مرقدہ کے روزانہ کے معمولات میں لکھتے ہیں کہ حضرت اکثر نصف شب کے بعد تہجد کے لیے اُٹھتے ہیں، کبھی سدس لیل میں کبھی اس سے مقدم موخر، اکثری عادت آٹھ رکعت کی ہے کبھی کم زیادہ بھی، ماہ مبارک میں تہجد کی نماز میں ایک پارہ روزانہ پڑھتے دیکھا اور بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ، جب حضرت تہجد کی نماز پڑھتے تو محسوس ہوتا تھا کہ ایک نور مثل صبح صادق اوپر کو اُٹھتا اور سفید رنگ کے شعلے حضرت کے جسم سے بار بار اوپر کو اُڑتے تھے۔
(معمولاتِ اشرفی)

حسن العزیز جلد اول کے ملفوظات رمضان ۴۴ھ میں ایک ملفوظ ہے کہ افطار کے بعد کسی قدر کم کھاوے؛ تاکہ سحری رغبت کے ساتھ کھائی جاوے، یہ بھی فرمایا کہ میں زائد چیزیں مثلاً آم وغیرہ بعد تراویح کے کھاتا ہوں

تاکہ نماز میں گرانی نہ رہے۔

اس کے آگے لکھتے ہیں فرمایا کہ مجھ سے رمضان شریف میں اور عبادتیں نہیں ہوتیں، اوقات میں گڑبڑ ہوجاتی ہے، پس آج کل روزہ اور تراویح کے سامنے ساری عبادتیں ماند ہوجاتی ہیں، گویا رمضان شریف کا پورا نور مجھے حاصل ہوتا ہے، تراویح میں قاری صاحب کا کلام مجید سن کر پھر مستورات میں جاکر چار رکعت میں اپنا کلام مجید سناتے ہیں اس میں لیٹتے لیٹتے بارہ بج جاتے ہیں، پھر ڈھائی بجے سحری کے لیے اُٹھ بیٹھتے ہیں، پھر اکثر صبح تک نہیں سوتے، پھر نیند بھی حضرت کو بمشکل تمام بہت دیر کے بعد آتی ہے اور وہ کبھی آتی ہے کبھی نہیں، نیند کی کمی کی ہمیشہ سے سخت شکایت ہے، آج کل برائے نام دو گھنٹے سونے کو ملتے ہیں، پھر فرمایا کہ اس صورت میں تو خواہ مخواہ ہی سونے کا نام کرتا ہوں، بہت ہمت کروں تو ساری رات بیدار رہوں، دو گھنٹے بیٹھ کر کچھ پڑھتا ہوں، لیکن شاید اس لیے توفیق ہمت نہیں ہوتی کہ نفس کو یہ فخر کرنے کا موقع نہ ملے کہ ہم ساری رات جاگتے ہیں۔ (حسن العزیز)

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب مقیم تھانہ بھون راوی ہیں کہ حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ میرے معمولات ہی کیا ہیں، جن کو بیان کیا جائے میرے معمولات تو رمضان اور غیر رمضان میں یکساں ہیں، تمام اوقات گھرے ہوئے ہیں، اس لیے رمضان میں کوئی نیا وقت نہیں ملتا جس سے زیادتی کی توفیق ہو، تمام وقت رمضان اور غیر رمضان میں ان ہی کاموں میں گھرا رہتا ہے۔

ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ فجر کے بعد اپنی جگہ ذکر تلاوت میں مشغول رہنا اور اشراق کی نفلیں پڑھ کر اٹھنا حسب روایت حدیث حج وغیرہ کا ثواب رکھتا ہے ہوسکتا ہے کہ بعض اعمال اس سے بھی فوق ہوں، میرے ذوق میں نماز فجر کے بعد چہل قدمی اور تلاوت بہ نیت ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ﴾ الخ، اس سے افضل ہے؛ چنانچہ حضرت کا خود یہ معمول تھا کہ بعد نماز فجر تقریباً دو میل مشی فرماتے (پیدل چلتے، ٹہلتے) اور اس مشی میں کلام مجید کی ایک منزل کی تلاوت، مناجات مقبول کی ایک منزل بھی پوری فرمالیتے، پھر اشراق کی نفلیں پڑھتے۔

یہ تلاوت چونکہ تدبر کے ساتھ ہوتی تھی اس لیے عموماً بہت سے آئے ہوئے فقہی فتاویٰ اور تصوف کے سلسلہ کے سوالات کے جوابات بھی تلاوت کے ضمن میں آیات سے حل ہوجاتے، جن کو حالت مشی ہی میں ذہول کے خطرہ کی بنا پر پنسل کاغذ سے نوٹ فرمالیتے اور جائے قیام پر پہنچ کر اپنے موقع پر نقل فرمالیتے، بظاہر تو یہ صرف مشی ہوتی تھی جس کو عرفاً اوراد و وظائف سے متعلق نہیں سمجھا جاتا اور حقیقت کے اعتبار سے یہ عرفی وظائف

سے بلدہ جو بہرحال بعد علمی اور اصلاحی خدمت تھی خانقاہ سے مکان تک جانے میں راستہ میں ملنے والے بچوں سے تفریح اور خوش طبعی کی ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے جاتے ان کے جوابات سے نتائج اخذ فرماتے۔

دولت خانہ میں پہنچ کر گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے تفریحی گفتگو فرماتے، مہمان عورتوں کی حاجات سنتے، ان کے لیے اصلاحی باتیں فرماتے، گویا زندگی کا ہر لمحہ بظاہر دنیا کے مشاغل میں مصروف نظر آتا اور حقیقت میں وہ سب اصلاحی درس تھا، اس لیے عرفی اوراد و وظائف سے کہیں بالاتر تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کا میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ بہت ہی معاصرانہ، بے تکلفانہ اور مزاحانہ برتاؤ تھا، اس کے تو بہت سے واقعات وقتاً فوقتاً ذہن میں آئے۔

ایک مرتبہ ماہ مبارک میں میرے والد صاحب حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے یہاں مہمان ہوئے تو والد صاحب نے حضرت حکیم الامت ؒ سے پوچھا کہ افطار کا کیا معمول ہے تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ گھنٹہ کے بعد تین چار منٹ شرح صدر کا انتظار کرتا ہوں اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی وجہ سے اس دن کچھ اہتمام بھی زیادہ تھا، میرے والد صاحب نے جنتری کے موافق گھڑی دیکھی اور پھر آسمان کو دیکھا اور افطار شروع کر دیا یہ کہہ کر کہ آپ اپنے شرح صدر کا انتظار کرتے رہیں اور ان کے ساتھ ان کے خدام نے بھی شروع کر دیا اور حضرت حکیم الامت اور ان کے خدام انتظار میں رہے، ایک دو منٹ کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ لاتے میرا شرح صدر ہو گیا تھا یہاں تو کچھ بچا نہیں تراویح کے بعد حضرت تھانوی ؒ نے میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے پوچھا کہ مولانا سحر کا کیا معمول ہے؟ والد صاحب نے کہا کہ ایسے وقت ختم کرتا ہوں کہ دن بھر یہ خیال رہے کہ روزہ ہوا کہ نہیں (یہ تو مبالغہ تھا ورنہ دو تین منٹ صبح صادق سے پہلے ختم سحر کا معمول تھا) حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا معمول صبح صادق سے ایک گھنٹہ قبل فارغ ہونے کا ہے والد صاحب نے کہا کہ آپ اپنے وقت پر کھالیں میں اپنے وقت پر ڈیڑھ دن کا روزہ میرے بس کا نہیں، حضرت تھانوی ؒ نے فرمایا یہ تو نہیں ہوگا، کھاویں گے تو ساتھ، ایسا کریں کہ ایک دن کے لیے آپ کچھ مشقت اُٹھالیں اور ایک دن کے لیے میں آپ کی خاطر مشقت اُٹھالوں، اس پر فیصلہ ہوا کہ پون گھنٹہ پہلے شروع کر دیا جائے، تا کہ ۱۵-۲۰ منٹ کھانے میں لگیں اور تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے فراغت ہو جائے۔ (آپ بیتی نمبر ۴)

بانیِ تبلیغ حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ (متوفی: ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء)

اسلام کا سورج فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہوا اور صرف ڈیڑھ صدی میں اس کی ضیا پاشی نے ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے تینوں براعظموں کو روشن کرنے لگیں، اسلام کی یہ عظیم الشان اشاعت مسلم سلاطین کی تلواروں کی دھار اور مسلم کمانڈروں کے للکار کا نتیجہ نہیں تھیں؛ بلکہ وہ رسالت مآب ﷺ، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی پیہم اور مسلسل کوششوں اور قربانیوں کا نتیجہ تھیں۔

مگر بعد کی صدیوں میں مسلمانوں کی تعداد تو بڑھ گئی، اسلامی سلطنتوں کے حدود تو وسیع ہو گئے؛ مگر رفتہ رفتہ دین کی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت کا جذبہ ٹھنڈا پڑنے لگا۔ دنیا کے مختلف گوشوں میں مسلمان تو موجود تھے؛ مگر کلمہ کے حقیقی معنی سے نا آشنا۔ اسلامی وضع قطع تو موجود تھی؛ مگر اسلامی روح سے خالی، اسلامی اور عربی نام تو موجود تھے؛ مگر اسلامی تہذیب و تمدن سے عاری اور برصغیر ہند و پاک کی صورتحال بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔

مگر انیسویں صدی میں ہندوستان میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی، جس نے دعوت و تبلیغ اور مسلمانوں کی اصلاح کا ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا، جو قرآن پاک کی آیت ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ کا واضح مصداق تھی۔

اس نے ایک ایسی جماعت کی بنیاد ڈالی جس کا آج بھی بلا تفریق رنگ و نسل چرچا ہے، جس کو کسی سلاطین کی پشت پناہی حاصل نہیں؛ مگر اس جماعت کے ایک کروڑ لوگ دنیا کے ۱۳۸ ممالک میں اپنے خرچ پر اللہ کے دین کو پہنچاتے اور ایک مسلمان کو مسلمان بنانے کے مشن میں مصروف ہیں۔

اسلامی تاریخ میں یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس کی نظیر پورے ایک ہزار سال میں دکھائی نہیں دیتی۔ دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کی زندگی میں جس جماعت نے یہ عظیم انقلاب برپا کیا اس کا نام تبلیغی جماعت ہے اور اس عظیم الشان اور عالمی جماعت کے بانی اور مؤسس کا نام حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ہے۔

معمولاتِ رمضانُ المبارک:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

میرے چچا جان (بانیِ تبلیغی جماعت حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی ثم دہلوی) نور اللہ مرقدہٗ کا معمول کاندھلہ کی خاندانی روایات کے مطابق جیسا کہ اوپر گذر رہا تھا کہ افطار کے وقت جو کچھ کھانا ہوتا تھا اسی وقت

اپنا کھا لیتے تھے، چائے کا اہتمام چچا جان کے دور میں نہیں تھا۔

بہت ہی مختصر کھانا ہوتا تھا وہ کھانا: عَشَاءُ اُبَیْک نہیں تھا، دفعۃً یہ فقرہ ابوداؤد شریف کی حدیث کا یاد آ گیا، ابوداؤد شریف میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب عشاء کی نماز کا وقت ہو جائے اور شام کا کھانا آ جائے تو پہلے کھانا کھا لے۔

حدیث پاک کا مطلب اور اس کے متعلقات تو شروح حدیث سے تعلق رکھتے ہیں، یہاں تو دفعۃً مجھے یہ فقرہ یاد آ گیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ ہم نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے اور گویا تعجب اس پر تھا کہ جب کھانے میں مشغول ہوگا تو جماعت وغیرہ تو سب فوت ہو جائے گی، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: **ویحک ما کان عشاء هم أتراه کان مثل عشاء أبیک**، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ارے تیرا ناس ہو ان کا کھانا ہی کیا تھا، کیا تیرا گمان یہ ہے کہ تیرے باوا جیسے کھانا تھا، یعنی ان کے لمبے چوڑے دسترخوان نہیں ہوتے تھے، جیسے تیرے باوا کے یہاں، دو چار کھجوریں یا ایک آدھ پیالہ ستو کا، فقط یہی دسترخوان میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کا تھا، ایک آدھ روٹی اس وقت کھانے کا معمول تھا، بہر حال افطار کے بعد مغرب کی نماز پڑھاتے۔

مغرب کے بعد طویل نفلوں کا معمول تو ان کا بچپن سے تھا، لیکن ماہ مبارک میں وہ عشاء کی اذان کے قریب ختم ہوتی تھیں، نفلوں کے بعد مسجد ہی میں تھوڑی دیر کو لیٹ جاتے، خدام کچھ بدن دبا دیتے، تقریباً آدھ گھنٹہ لیٹنے کے بعد عشاء کی نماز کا وقت ہو جاتا، خود ہی تراویح پڑھاتے تھے، تراویح پڑھانے کے بعد فوراً لیٹ جاتے اس وقت کسی مجلس یا بات کرنے کا معمول نہیں تھا، بہت دفعہ مجھ سے یہ فرمایا کہ وتروں کا سلام پھیرنے کے بعد تکیہ پر سر رکھنے سے پہلے میں سو جاتا ہوں؛ البتہ جب یہ سیہ کار ماہ مبارک میں حاضر ہوتا اور مجھ حریص واکّال کے یہاں ماہ مبارک میں تراویح کے بعد میری افطاری کا وقت ہوتا جس میں پھلکیاں وغیرہ تو لازمی تھیں اور بھی احباب وغیرہ کچھ پھل وغیرہ لے آتے تو ان سب کا وقت وہی تھا، اس زمانہ میں تھوڑی دیر کے لیے چچا جان ضرور شرکت فرماتے، مگر میں ان کو اصرار سے اٹھا دیا کرتا تھا اور وہ میرے اصرار کے باوجود پندرہ بیس منٹ اکثر لگا ہی دیتے۔

بارہ بجے اٹھنے کا معمول تھا، اس وقت خدام میں سے کوئی شخص دو بیضے ابلے ہوئے گرم گرم پیش کرتا، اس لیے کہ اٹھنے کے بعد اتنے وہ پیشاب وضو کرتے اتنی دیر میں وہ ابل جاتے تھے، وہ دو بیضے نوش فرما کر پھر تہجد کے لیے کھڑے ہو جاتے اور سحر کے آخری وقت میں سلام پھیر کر سحری نوش فرماتے، ایسے وقت میں نے اکثر اوقات خود بھی دیکھا کہ ان

کے داہنے ہاتھ میں لقمہ ہوتا ایک شخص سے کہتے کہ پانی لا اور دوسرے سے فرماتے اذان کہو، اتنے موذن چھت پر پہنچا اتنے وہ اپنے لقمہ اور پانی سے فارغ ہو جاتے اور معنا اذان شروع ہو جاتی۔

میرے اوران کے ایک عزیز جو دہلی میں امام تھے وہ یہ سمجھ کر کہ بھائی جان ساری دہلی کے پیر ہیں رمضان میں بہت فتوحات آتی ہوں گی، ایک رات گذارنے کو وہاں گئے، افطار کے وقت چچا جان نے پوچھا لاؤ بھائی کچھ کھانے کو ہے، لوگوں نے عرض کیا: حضرت! رات کے گولر رکھے ہوئے ہیں، فرمایا: واہ واہ لاؤ، وہی افطار تھا، وہی مغرب کے بعد کا کھانا تھا اور پھر سحر کے وقت بھی انہوں نے دریافت کیا: کچھ ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ وہی گولر ہیں، چار پانچ گولر نوش فرما کر سحر بن گئی، پورا قصہ آپ بیتی میں گذر گیا، اذان کے بعد اول وقت نماز پڑھاتے تھے، صبح کی نماز کے بعد کی تقریر کا دستور رمضان میں چچا جان کے یہاں نہیں تھا۔

اس کی ابتداء عزیز مولوی یوسف مرحوم نے کی، وہ نماز کے بعد اپنے مصلے ہی پر اشراق تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے اور سارے خدام نماز پڑھتے ہی سو جاتے اور حسب توفیق اٹھتے رہے۔

وہ اشراق تک اپنے مصلے پر رہتے اور اشراق کی نماز پڑھ کر وہاں سے اٹھتے، فارغ ہونے کے بعد کبھی تکان محسوس ہوتا اور فراغت رہتی تو تھوڑی دیر کے لیے لیٹتے؛ ورنہ میوات کے جانے والوں کو نصائح، آنے والے مہمانوں سے گفتگو فرماتے، آنے والے مہمانوں کا چچا جان کے یہاں بہت زیادہ اہتمام تھا اور حسب مراتب ان کی خاطر میں اپنے معمولات کا بھی حرج فرما دیا کرتے تھے، سیدوں کا چچا جان نور اللہ مرقدہ کے یہاں خاص اہتمام تھا، ان کے احترام و اہتمام اور خاطر کی مجھ پر بھی بہت مرتبہ تاکید فرمائی، ان کی باوجود شاگرد اور مرید ہونے کے بعض لغزشوں پر بھی چشم پوشی فرماتے۔

میں نے ایک مرتبہ چچا جان کے شاگرد مرید خادم کی ایک شکایت کی، فرمایا کہ مجھے بھی معلوم ہے، مگر وہ سید ہیں اور اس لفظ کو کچھ ایسی عظمت سے فرمایا کہ میں بھی مرعوب ہو گیا۔

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن) علی میاں (ندوی رحمہ اللہ) چچا جان کی سوانح "مولانا الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت" میں لکھتے ہیں کہ مولانا معین اللہ ندوی راوی ہیں کہ میں بیمار تھا، رمضان کا زمانہ تھا، میرا کھانا جانے لگا، مولانا نفل کے لیے کھڑے ہوئے تھے، لڑکے سے کہا کھانا رکھ دو میں لے جاؤں گا، وہ سمجھا نہیں کھانا کوٹھے پر پہنچا دیا، نماز پڑھ کر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے بچہ سے کہا تھا کہ کھانا میں لے جاؤں گا یہ خود لے آیا، پھر میرے پاس بیٹھے ہوئے دیر تک شفقت و محبت اور دلجوئی کی باتیں کرتے رہے۔ (دینی دعوت)

اس میں مولانا معین اللہ صاحب کی سیادت کو زیادہ دخل ہے۔

اور دوپہر کو تھوڑی دیر گھنٹہ دو گھنٹہ آرام فرمانے کا بھی معمول تھا، ظہر کی نماز کے بعد اپنے حجرہ شریف میں تشریف لاکر آنے جانے والے مہمانوں سے گفتگو فرماتے اور عصر تک یہی سلسلہ رہتا، اس درمیان میں ماہ مبارک کا کوئی سبق کسی کا ہوتا تو پڑھاتے۔

عصر کے بعد سے مغرب تک ذکر بالجہر میں مشغول رہتے، بغیر رمضان کے یہ ذکر اخیر شب میں ہوا کرتا تھا جو تہجد کے بعد سے صبح کی نماز کے قریب تک رہتا، اس لیے کہ بغیر رمضان کے صبح کی نماز غایت اسفار میں ہوتی، میں نے اپنے جملہ اکابر میں ذکر بالجہر کا اخیر تک پابند جتنا چچا جان نور اللہ مرقدہ کو پایا اتنا کسی کو نہیں پایا، بیماری کے چند سالوں سے قبل بارہ تسبیح اور اسم ذات کا ذکر بغیر رمضان کے اخیر شب میں اور ماہ مبارک میں عصر سے مغرب تک کا بہت اہتمام تھا۔

مولانا محمد ثانی حسنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ رمضان المبارک کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، میوات کی بکثرت جماعتیں اس ماہ مبارک میں مرکز آتی تھیں، نیز اس مہینے میں مختلف علاقوں میں جماعتیں نکلتی تھیں خود مرکز میں مقامی کام بڑے اہتمام سے کیا جاتا تھا۔ (سوانح یوسفی)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ (متوفی: ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء)

سرزمین ہند پر جتنی اہم اور تاریخ ساز شخصیات رونما ہوئیں، ان میں علمائے دیوبند سرفہرست ہیں، انھیں میں ساداتِ عظام اور خانوادۂ مدنی میں بھی بہت سی قابلِ ذکر ہستیاں ظہور پذیر ہوئیں، جو سب کے سب علم وتقویٰ کے حامل تھے؛ لیکن خالقِ کائنات نے اس خاندان پر مزید احسان یہ فرمایا کہ آخری دور میں ایک ایسی عہد ساز، رجال کار شخصیت کو وجود بخشا، جسے آگے چل کر ایک مجاہدِ جلیل، محدثِ کبیر، جانشینِ شیخ الہند، خلیفۂ گنگوہی، اور مدرّسِ مسجدِ نبوی متعارف ہونا تھا، یعنی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکت۔

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اگر ایک طرف تقویٰ وطہارت میں شانِ قطبیت رکھتے تھے تو دوسری جانب ارشاد وطریقت میں شانِ مجددیت کے حامل تھے۔ ایک طرف دریائے علم و

عمل کے شناور تھے تو دوسری جانب میدانِ سیاست کے شہسوار بھی تھے۔ نیز ایک طرف اتباعِ سنت، اخلاقِ نبوت، سیرتِ صحابہؓ اور اُسوۂ مشائخ کا سرچشمہ تھے، تو دوسری جانب جذباتِ حریت، ترقیِ ملت، حبِ وطن، ہمدردیِ خلقِ خدا، غمخواریِ نوعِ انسانیت، اور ایثار وقربانی جیسے عمدہ شمائل وخصائل سے سرشار تھے، اس لیے کہ آپ کا قلب حاملِ شریعت اور عمل تفسیرِ شریعت تھا، ذکر اللہ آپ کی روح، اتباعِ شریعت آپ کی جان، ایثار آپ کی فطرت، حلم وبردباری آپ کی جبلت، اور جود وعطا آپ کی خصلت تھی، مختصر یہ کہ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

رمضانُ المبارک کے معمولات:

شیخ العرب والعجم، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا سلہٹ (بنگلہ دیش) میں گذارے ہوئے رمضان ۱۳۶۵ھ کا تذکرہ مولانا عبدالحمید اعظمیؒ نے مستقل رسالہ میں بہت تفصیل سے لکھا ہے جس کی چند جھلکیاں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کا قیام تو داروغہ عبدالستار صاحب مرحوم کے مکان پر رہتا تھا اور شہر کی بڑی مسجد قیام گاہ سے تقریباً دو فرلانگ ہے، اس میں حضرت پانچوں وقت کی نمازیں پڑھایا کرتے تھے اور اسی میں زائرین ومعتقدین دور دراز سے آکر ماہِ مبارک میں فروکش ہوتے تھے؛ چونکہ حضرت قدس سرہٗ کا پورے ماہ کا قیام ہوتا تھا اس لیے اقامت کی نیت ہوتی تھی اور جملہ نمازوں میں حضرت خود ہی امامت فرماتے تھے۔

اور ظہر کی نماز کے بعد مصلے کے چاروں طرف جو بیسیوں بوتلیں پانی دم کرنے کی رکھی رہتی تھیں (دم کرتے) اس کے بعد مصلے کے نیچے سے وہ درخواستیں نکالتے جو ظہر کی نماز تک وہاں جمع ہوتی رہتی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو پڑھ کر صاحب درخواست کو بلا کر اس کی درخواست پوری فرماتے، تعویذ وغیرہ لکھتے، جس میں بیعت کی درخواست ہوتی ان سب کو ایک کونہ میں جمع کرتے، ان درخواستوں سے فارغ ہونے کے بعد بیعت ہونے والے حضرات کو بیعت کرتے، پھر کچھ ارشاد ونصیحت کے بعد دولت خانہ پر تشریف لے جاتے، جانے کے ساتھ کبھی ذرا لیٹ گئے؛ ورنہ تلاوت میں مشغول ہوگئے، ڈاک کا کام اگر باقی رہ گیا تو اس کو پورا کیا، اسی درمیان میں خصوصی ملاقاتوں کا بھی سلسلہ جاری رہتا۔

اتنے میں عصر کی اذان ہوجاتی، حضرت ضروریات سے فارغ ہوکر نماز عصر کے لیے تشریف لے جاتے

،نمازعصر سے فارغ ہونے کے بعد مولانا محمد جلیل صاحب ،مدرّس دارالعلوم دیوبند کے ساتھ سوا پارے کا دور فرماتے ،اس طرح پر کہ پاؤ پارہ حضرت پڑھتے اور پھر وہی پارہ مولانا محمد جلیل صاحب پڑھتے ،اگر غروب سے پہلے دور ختم ہوجاتا تو حضرت مراقب رہتے اور رفقاء اپنے ذکر و شغل میں مشغول رہتے۔

حضرت کا افطاری کا دسترخوان بہت وسیع اور متنوع اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا،اس سب کے باوجود حضرت کا افطار بہت ہی مختصر ہوتا،اس وقت میں سارے دسترخوان پر چہل پہل اور فرحت و سرور کا دور ہوتا،مگر حضرت نوراللہ مرقدہ نہایت استغراق میں ساکت رہتے۔(از زکریا للصائم فرحتان)افطار گاہ مسجد کے قریب ہی تھا؛لیکن دور کے ختم ہونے کے بعد سے جو استغراقی کیفیت ہوتی تو بعض مرتبہ اذان کی بھی اطلاع کرنی پڑتی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

"یہ منظر اس ناکارہ نے بھی دیوبند کی حاضری میں بارہا دیکھا کہ لوگ کسی سیاسی مسئلہ پر زور وشور سے بحث ومباحثہ کرتے رہتے اور کسی موقع پر حضرت زور سے فرماتے آئیں آئیں،اس وقت میں سمجھتا کہ حضرت جی تو یہاں ہیں نہیں"۔

افطار کی اتنی تنوعات کے باوجود جو اوپر ذکر کیا گیا کھجور وزمزم کے بعد ایک آدھ قاش کسی پھل کی نوش فرماکر ناریل کا پانی نوش فرماتے اور ایک یا آدھی پیالی چائے کی نوش فرماتے ،لیکن دسترخوان کے ختم ہونے تک وہیں تشریف فرما ہوتے اور کبھی کبھی مزاحی یا تفریحی فقرہ بھی فرمایا کرتے،۸-۱۰ منٹ تک وہیں افطار میں لگ جاتے اس کے بعد حضرت مغرب کی نماز نہایت مختصر پڑھتے۔

اور اس کے بعد دو رکعت نفل نہایت طویل تقریباً نصف گھنٹے تک پڑھتے ،اس کے بعد حضرت طویل دعاء مانگتے ،جس میں سارے اہل مجلس چاہے مشغول ہوں یا فارغ شرکت کرتے اس کے بعد اگر کہیں کھانے کی دعوت ہوتی تو مسجد سے داعی کے مکان پر تشریف لے جاتے؛ورنہ اپنے قیام گاہ پر تشریف لے جاتے۔

کھانے میں دو دسترخوان ہوا کرتے تھے،ایک حضرت اور ان کے رفقاء کا جو روٹی کھانے کے عادی تھے اور دوسرا ان مہمانوں کا جو چاول کھانے والے ہوتے تھے،حضرت کے رفقاء میں صاحب زادے (فدائے ملت حضرت اقدس مولانا (سید) اسعد (مدنی رحمہ اللہ) اور عزیزان (استاذ مکرم امیر الہند حضرت اقدس مولانا سید محمد) ارشد (صاحب مدنی مدظلہ العالی) اور ریحانہ بھی ہوتے ،یہ تینوں بھی چاول کھانے والوں میں ہوتے ،حضرت مزاحاً ارشاد فرمایا کرتے کہ دو بنگالی میرے

پاس بھی ہیں ان کے لیے بھی چاول لگادیجیے۔

حضرت نوراللہ مرقدہ کا عمومی دستر خوان دیوبند میں اور یہاں بھی عرب کے قاعدہ کے موافق ایک بڑے طباق میں ترکاری اوراس کے چاروں طرف حلقہ بنا کر کھانے والے بیٹھتے تھے۔

حضرت نوراللہ مرقدہ کے پاس ایک کپڑے میں گرم چپاتیاں لپٹی رہتی تھیں اور حسب ضرورت مہمانوں کو مرحمت فرماتے رہتے تھے،اگر کوئی شخص اپنی رکابی کو بھری ہوئی چھوڑ دیتا تو حضرت اس کو اُٹھا کر بے تکلف اپنے دست مبارک سے صاف کر دیتے اور دستر خوان پر گرے ہوئے روٹی کے ٹکڑوں کو اُٹھا کر بے تکلف کھا لیتے تھے، جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی اس کا اہتمام ہو گیا۔

حضرت کا معمول دوزانوں بیٹھ کر کھانے کا تھا،ایک چپاتی بائیں ہاتھ میں دبا لیتے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے توڑ کر کھاتے سب سے اول میں افتتاح کرتے ،سب سے آخر میں فارغ ہوتے۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کا مخصوص لہجہ اوران کی نماز کا خشوع وخضوع نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ عرب وحجاز میں بھی ممتاز ومسلم ہے۔

سلہٹ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نماز اور تراویح کی امامت خود فرماتے ،اس لیے تراویح کی شرکت کے لیے دور دراز سے روزانہ سیکڑوں آدمی آتے اور تراویح وتہجد کی شرکت فرما کر صبح کو سب اپنے گھر روانہ ہو جاتے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

چونکہ اس سال (۱۳۶۳ھ) ۲۱ر رجب کی صبح کو چچاجان (حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی ثم دہلویؒ) کا انتقال ہو گیا تھا،اس لیے حضرت قدس سرہ دہلی پہنچنے کے بعد مغرب کے بعد بسلسلۂ تعزیت تشریف لے گئے،تو تراویح کے وقت حضرت نے فرمایا جو امامِ تراویح ہے وہ تراویح پڑھائے ، میں نے عرض کیا کہ کس کی ہمت ہے کہ آپ کے سامنے تراویح پڑھا سکے،آج تو آپ ہی کو پڑھانی ہے تھوڑی سی رد وقدح کے بعد حضرت نے قبول فرمالیا اوراس شب کی تراویح کی امامت حضرت نے (بنگلہ والی مسجد،مرکز) نظام الدین میں فرمائی اوراپنی تراویح کا قرآن جو پہلے سے شروع ہوا تھا اس میں پارہ نمبر ۱۴ر کے نصف سے سورۂ بنی اسرائیل کے ختم تک ایک پارہ بیس رکعت میں ایسے اطمینان سے پڑھا کہ لطف آ گیا۔

مولانا عبدالحمید صاحب اعظمیؒ لکھتے ہیں:

چونکہ مجمع دور دور سے آتا تھا، اذان کے بعد ہی مسجد پُر ہوجاتی تھی، بعد میں آنے والوں کو جگہ بھی نہیں ملتی تھی ،حضرت کے تشریف لے جانے کے لیے درمیان میں تھوڑی سی جگہ خالی رکھی جاتی تھی، مسجد میں تشریف لاتے وقت متولی مسجد پانی کا گلاس پہلے سے بھر کر انتظار میں کھڑے ہوتے کہ حضرت مکان سے چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد ایک پان کھا کر موٹر میں تشریف فرما ہوتے اور کلی کر کے سیدھے مصلے پر پہنچتے تھے، کثرت ہجوم کی وجہ سے ایک دو مکبّر تو ضرور رہتے اور اخیر عشرہ میں کئی مکبّر ہوجاتے تھے، تراویح میں ڈھائی پارے قرآن پاک اس طرح پڑھتے کہ اول چار رکعتوں میں مولوی جلیل سوا پارہ پڑھتے اور اسی سوا پارہ کو سولہ رکعتوں میں حضرت قدس سرہ پڑھتے، ترویحہ بہت لمبا ہوتا۔

حضرت پر تراویح میں قرآن پاک پڑھتے ہوئے بعض اوقات ایک جوش پیدا ہوتا کہ اس وقت کی لذت تو سننے والے ہی کو معلوم ہے، تراویح کے بعد بہت طویل دعا ہوتی جس میں حاضرین پر گریہ و بکاء کا ایسا زور ہوتا کہ بسا اوقات ساری مسجد گونج جاتی، تراویح کے بعد حضرت اپنے رفقاء اور خدام کے ساتھ وہیں چائے نوش فرماتے۔

اور تقریباً دس منٹ بعد حضرت قدس سرہ وعظ کے لیے کھڑے ہوجاتے اور لوگ اپنی اپنی مساجد سے تراویح پڑھنے کے بعد حضرت کے وعظ میں شرکت کے لیے مسجد میں آجاتے اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تل رکھنے کی جگہ نہیں رہتی؛ بلکہ لوگ مسجد سے باہر سڑکوں پر کھڑے ہوتے وہاں آواز نہیں پہنچتی تھی، اس لیے آلۂ مکبّر الصوت کا انتظام کیا گیا اور اس وقت میں وعظ میں شرکت کرنے والوں کو جن کی ہزاروں کی تعداد ہوتی تھی، چائے بھی خاموشی سے ملتی رہتی تھی، مگر اس میں آواز بالکل نہیں ہوتی تھی اور نہ کوئی ایسا شخص ہوتا جس کو چائے نہ ملی ہو، اتنے حضرت نور اللہ مرقدہ اپنی چائے سے فراغت پاتے اتنے مجمع بھی چائے سے فارغ ہوجاتا۔

ایک گھنٹہ بعد وعظ ختم ہو کر مصافحہ کا نمبر شروع ہوتا، باوجود انتظامات کے کار تک پہنچنے میں دیر لگ جاتی ،مکان پر تشریف لانے کے بعد ہلکا سا ناشتہ پیش ہوتا، جس میں جملہ حاضرین شرکت کرتے، اس میں بھی بعض مخصوص حضرات سے تخلیہ میں بات کرتے۔ اس کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ حضرت آرام فرماتے اور پھر تہجد کے لیے بیدار ہوجاتے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

اس کا اس ناکارہ کو بھی بہت ہی کثرت سے تجربہ ہوا ہے کہ میرے حضرت مرشدی سہارنپوری اور حضرت مدنی نوراللہ مرقدہما کی نیند اس قدر قابو کی تھی کہ جب سونے کا ارادہ فرماتے لیٹتے ہی آنکھ لگ جاتی اور جب اُٹھنے کا ارادہ ہوتا بغیر کسی الارم یا جگانے والے کے خود بخود آنکھ کھل جاتی جس کو میں کسی جگہ آپ بیتی میں تفصیل سے لکھوا چکا ہوں۔

حضرت مولانا عبدالحمید اعظمی لکھتے ہیں:

اور ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں تہجد کے لیے تشریف لے جاتے جو لوگ تہجد کی شرکت کے لیے دور دور سے آتے وہ سب حضرت نوراللہ مرقدہ کے پہنچنے سے پہلے، ورنہ پہلی رکعت میں ضرور شریک ہو جاتے، تہجد میں دو قرآن کا معمول تھا، ایک حضرت نوراللہ مرقدہ پڑھتے دوسرا مولانا محمد جلیل صاحب، حضرت تہجد کے لیے تشریف لے جاتے وقت بہت اہتمام کرتے کہ آہٹ نہ ہو اور کسی کی آنکھ نہ کھلے، مگر لوگ فرط شوق میں جاگ ہی جاتے تھے۔

نفلوں کے بعد چونکہ سحری کا وقت بہت کم رہتا اس لیے فوراً اسی وقت مکان پر سحری کا دسترخوان بچھ جاتا اور وقت کی تنگی کی وجہ سے جلدی جلدی انگلیاں اور منہ کھانے میں مشغول اور آنکھیں گھڑیوں پر اور کان مؤذن کی آواز پر ہمہ تن متوجہ رہتے اور حضرت سحری سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر لیٹ جاتے اور پھر معاً نماز کی تیاری کرتے، مسجد میں تشریف لے جاتے اور اسفار میں نماز ہوتی لیکن اخیر عشرہ میں اعتکاف کے زمانہ میں غلس میں شروع ہوتی اور اسفار تام میں ختم ہوتی، واپس جانے والے حضرات الوداعی مصافحہ کرتے اور حضرت اپنے قیام گاہ پر تشریف لاتے اور فوراً لیٹ جاتے، ایک دو خادم بدن دباتے اور سر مبارک پر تیل ملا جاتا۔

اور حضرت بعض مرتبہ باتیں کرتے کرتے ہی سو جاتے، رفقاء بھی سب سو جاتے، حضرت تھوڑی دیر آرام کے بعد وضو استنجا سے فارغ ہونے کے بعد تلاوت قرآن شریف میں مشغول ہو جاتے۔

اور دس بجے سے ان لوگوں کی آمد شروع ہو جاتی جن کو تخلیہ کا وقت دے رکھا تھا، لیکن اس درمیان میں بھی اگر کچھ وقت ملتا تو حضرت قدس سرہ تلاوت میں مصروف ہو جاتے اور اسی وقت میں ڈاک بھی تحریر فرماتے، اس درمیان میں جن لوگوں کو کچھ خصوصی بات کرنی ہوتی وہ بھی آتے جاتے، یہ سلسلہ کبھی کبھی تو ظہر تک چلتا اور اگر کبھی وقت مل

جاتا تو ظہر سے پہلے آدھ گھنٹہ آرام فرما لیتے۔

اس سال حضرت نور اللہ مرقدہ کی طبیعت بہت ناساز رہی اور وسط رمضان سے بخار وغیرہ کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا اس لیے بعض خدام نے اعتکاف کے متعلق استمزاج کیا کہ اعتکاف میں دقت زیادہ ہوگی، حضرت نے فرمایا: نہیں اعتکاف کی نیت کرلی ہے، چنانچہ مسجد کے ایک کونے میں حضرت کا معتکف بنادیا گیا، لیکن بخار کی شدت کی وجہ سے بسا اوقات دوران نماز میں سردی لگ جاتی، حضرت چادر اوڑھ لیتے، برقی پنکھے بند کردیے جاتے اور بعض مرتبہ درمیان میں چائے پی کر اسی طرح نماز میں مشغول ہوجاتے۔

اسی طرح بخار ہی کی حالت میں تہجد میں طویل قیام اور لمبی قرأت کرنا پڑتی، چونکہ قیام گاہ پر حضرت کی ناسازئ طبع کی وجہ سے چار راتوں میں تہجد کی نماز باجماعت نہیں ہوسکی تھی، اس لیے قرآن ختم ہونے کو کافی باقی رہ گیا تھا، اس کی کو اس عشرہ میں پورا کرنا ضروری تھا، اس پر مزید یہ کہ مسجد میں قیام اور لوگوں کے ہجوم وازدحام کے باعث رات کے نصف گھنٹے کا وہ سکون اور خاموشی بھی یہاں میسر نہیں تھی جو قیام گاہ پر حاصل تھی، اس لیے مشاغل کی زیادتی کے ساتھ آرام کا بھی کوئی خاص موقع نہیں، اخیر عشرہ میں ہجوم بہت زیادہ بڑھ گیا تھا، مسجد سے باہر سڑکوں پر بھی آدمی رہتے تھے جس کی وجہ سے ظہر کے بعد کی درخواستوں میں بھی کافی اضافہ ہوگیا تھا، اس طرح سے بیعت ہونے والوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی اور مخصوص طالبین سالکین جن کو اپنے مخصوص حالات سنا کر ہدایات لینی تھیں ان کی تعداد تو بہت ہی بڑھ گئی، حتی کہ ان کے لیے نمبروار باری مقرر کرنی پڑی، صبح کی نماز سے فارغ ہوکر جانے والوں کے مصافحہ کی بہت کثرت ہوتی اس سے فارغ ہوکر حضرت معتکف میں تشریف لے جاتے۔

اور تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد جب کہ رات کا جاگا ہوا سارا مجمع گہری نیند سویا ہوا ہوتا حضرت اُٹھ کر نہایت آہستہ آہستہ قدم بچا کر استنجاء تشریف لے جاتے اور وضو فرما کر اپنے معمولات میں مشغول ہوجاتے اور شب قدر جو لوگوں میں ستائیسویں شب مشہور ہے کے ہجوم کا تو پوچھنا ہی کیا، ظہر کے بعد کے پرچوں میں بھی کثرت ہوگئی اور تراویح کے بعد کی دم کی بوتلیں حضرت نور اللہ مرقدہ کے مصلے کے چاروں طرف پھیل گئیں۔

اور جب تہجد کے بعد حضرت نے دعاء کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو ساری مسجد رونے سے گونج گئی اور خود حضرت نور اللہ مرقدہ کے اوپر جس کیف وسرور کی حالت دیکھی وہ بیان سے باہر ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ (متوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء)

ماضی قریب کی مشہور دینی و روحانی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ، کے تفصیلی حالاتِ زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، ان کا اندازِ تربیت، توازن و جامعیت، تعلق باللہ، خلوص و محبت، فیض و تاثیر اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز اور دل آویز تذکرے کے لیے تو مستقل کتابیں موجود ہیں، یہاں پر مختصر طور پر چند باتیں معمولاتِ رمضان المبارک کے حوالے سے نقل کی جاتی ہیں۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

محسنی و منعمی حضرت رائپوری ثانی نے تو اپنی زندگی کے آخری سالوں میں نہ صرف ارشاد؛ بلکہ اصرار بھی فرمایا کہ یہ سیہ کار ماہ مبارک حضرت کی خدمت میں گذارا کرے، لیکن حضرت نوراللہ مرقدہٗ اعلیٰ مراتبہ کے وصال تک اس سیہ کار پر **العلم الحجاب الاکبر** کا وہ زور تھا کہ علمی حرج بہت ہی شاق تھا شاید آپ بیتی میں کسی جگہ لکھوا بھی چکا ہوں کہ بغیر رمضان بھی حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی اخیر زمانہ میں شفقتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ اس سیہ کار کی جدائی بہت شاق تھی۔

یہ ناکارہ ایک آدھ دن قیام کے بعد بخاری شریف کے سبق کے حرج کا عذر کرکے واپسی کی اجازت چاہتا تو حضرت نے کئی دفعہ ارشاد فرمایا جواب یاد آکر رُلاتا ہے کہ بخاری شریف کا سبق تو پھر پڑھا لوگے مگر ہم کہاں ہوں گے۔

اس ناکارہ کے دو نیم رمضان پہلا ۸۷ھ کا جبکہ حضرت قدس سرہٗ نے یہ رمضان سہارنپور میں بہٹ ہاؤس میں کیا، زکریا بعد ظہر سپارہ سنا کر بہٹ ہاؤس میں حاضر ہوتا اور حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ تراویح پڑھ کر واپس آتا، اس رمضان کے وقائع اور برکات تو بہت ہی ہیں، ایک دن کا واقعہ ہمیشہ ہی نظروں میں رہے گا، حضرت قدس سرہٗ کے حجرہ میں ایک کونے میں اس ناکارہ کے بیٹھنے کی جگہ متعین تھی۔

اور بھائی الطاف کو اللہ بہت ہی جزائے خیر دے اس نے معتکفین کی طرح سے میرے بیٹھنے کی جگہ پردے وردے لگا رکھے تھے، بستر اور تکیے وہاں ہر وقت بھائی کی برکت سے لگے رہتے تھے، میں چپکے سے جا کر اپنے بستر کے قریب کا دروازہ کھول کر اپنے بستر پر بیٹھ جاتا۔

عصر کی نماز کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا، حضرت کو میری حاضری کی اکثر خبر بھی نہیں ہوتی تھی

،ایک دن میں حسب معمول پہنچا تو حجرے کے اندر حضرت کوئی دوانوش فرما رہے تھے، دو تین خادم اِدھر اُدھر کھڑے ہوئے تھے،اس وقت حجرہ میں انوار کا اس قدر مینہ برس رہا تھا کہ مجھ جیسے بے بصیرت کو بھی یہ محسوس ہو رہا تھا کہ حجرہ میں آفتاب نکل رہا ہے، میں دیر تک بلکہ عصر کی نماز تک یہی سوچتا رہا،بعضوں کے افطار میں بھی اتنی برکات کا ظہور ہے کہ لاکھوں کے روزے میں ان کا کوئی حصہ نصیب نہیں ہوتا وہ کیفیت نہ اس سے پہلے کبھی کہیں دیکھی نہ اس کے بعد،اب تک بھی جب وہ منظر یاد آجاوے تو لطف آجاتا ہے۔

اور حضرت کا تو اصرار تھا کہ میری حاضری پر اطلاع ہوجایا کرے ؛لیکن میں نے دوستوں کو یہ کہہ کر منع کردیا تھا کہ حضرت کی توجہ میں فرق پڑے گا۔

اس سیہ کار کا دوسرا رمضان جو حضرت قدس سرہ کی حیات کا آخری رمضان ہے، ۱۳۸۱ھ کا ہے،اس میں چند ماہ سے حضرت کے شدید اصرار پر اور اس اصرار پر کہ مدرسہ اور بخاری تو دونوں رہیں گے ؛مگر ہم کہاں رہیں گے ،نا کارہ کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد فوراً بغیر کھانا کھائے رائپور روانہ ہوجاتا تھا، میں آپ بیتی میں کسی جگہ لکھوا چکا ہوں کہ نظام الدین اور رائپور کی حاضری میں ان دونوں اکابر کے میرے کھلانے پر انتہائی خوشی کی وجہ سے میں دونوں جگہ کے لیے جانے سے ایک دن پہلے کھانا چھوڑ دیتا تھا اور جمعہ کے بعد جا کر دو دن قیام کے بعد پیر کی صبح کو علی الصباح اول وقت حضرت قدس سرہ کے ساتھ نماز فجر پڑھ کر اور چائے پی کر سہارنپور واپس ہوجاتا تھا،ماہِ مبارک کے متعلق یہ طے ہوا کہ آدھا سہارنپور گزرے گا اور آدھا رائپور، اس لیے ۱۵ ر رمضان کو رائپور کی روانگی طے تھی ؛مگر مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی خبر آئی کہ وہ ۱۷ ر رمضان کو آرہے ہیں،ان کے انتظار میں بجائے ۱۵ ر کے ۱۷ ر کو جانا ہوا، اسی دن وہ دہلی سے تشریف لائے اور فوراً ہی ان کی کار میں رائپور حاضری ہوگئی،اور افطار حضرت نوراللہ مرقدہ کی مجلس میں ہوا،مولانا یوسف صاحب تو دوسرے دن واپس تشریف لے آئے اور یہ ناکارہ حضرت قدس سرہ کے ساتھ خانقاہ شریف میں عید کی نماز آزاد صاحب کی اقتداء میں پڑھ کر سہارنپور واپس آیا۔

اس سال حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے یہاں ظہر کے بعد کی خلوت کا بہت اہتمام تھا،ایک آدھ خادم کے سوا جو اس ضرورت سے کہ نہ معلوم کب اجابت یا پیشاب کی ضرورت ہوجائے حاضری کی اجازت نہیں تھی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ اپنے پیرومرشد حضرت والا رائے پوری موصوفؒ کی سوانح میں بعنوان ''رائے پور کا رمضان'' تحریر فرماتے ہیں:

رمضان المبارک میں خاص بہار ہوتی، لوگ بہت پہلے سے اس کے منتظر ہوتے اور تیاریاں کرتے ملازمین چھٹیاں لے کر آتے، مدارس دینیہ کے اساتذہ اس موقع کو غنیمت جان کر اہتمام سے آتے، علماء و حفاظ کی خاصی تعداد جمع ہو جاتی، تقسیم سے پہلے مشرقی پنجاب کے اہل تعلق خدام اور وہاں کے مدارس کے علماء کی تعداد غالب ہوتی، اہل رائے پور اور اطراف کے اہل تعلق اولوالعزمی اور عالی ہمتی سے مہمانوں اور مقیمین خانقاہ کے افطار طعام اور سحر کا انتظام کرتے۔

رمضان المبارک میں اپنے شیخ کی اتباع میں مجلسیں سب ختم ہو جاتیں باتوں کے لیے کوئی خاص وقت نہ تھا ڈاک بھی بند رہتی تخلیہ نماز کے وقت کے علاوہ تقریباً ۲۲ گھنٹے رہتا، کسی ایسے کے آنے سے گرانی ہوتی جس کے لیے وقت صرف کرنا پڑتا، افطار علالت سے پیشتر مجمع کے ساتھ ہوتا، جس میں کھجور اور زمزم کا خاص اہتمام ہوتا، مغرب کے متصل کھانا علالت سے پہلے مجمع کے ساتھ اس کے بعد چائے، عشاء کی اذان تک یہی وقت چوبیس گھنٹے میں مجلس کا تھا۔

اذان کے بعد نماز کی تیاری اس درمیان میں حضرات علماء کا مجمع اگلی صف میں ہوتا، بعض اہم اہم سوالات کرتے اور حضرت ان کا جواب دیتے، عشاء کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ کبھی نشست اور کبھی لیٹ جاتے، خدام بدن دبانا شروع کرتے، مسجد و خانقاہ میں تراویح ہوتی، مسجد میں قرآن مجید ہوتا اور خانقاہ میں بھی، یوں تو حفاظ کی کثرت ہوتی مگر حضرت اچھے پڑھنے والے بہتر حافظ کو پسند کرتے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ہمیشہ سے یہ فکر تھی کہ خانقاہ اور مدرسہ کا سلسلہ میرے بعد بھی جاری رہے، اس لیے کئی بار مشورے بھی ہوئے اور مختلف تجویزیں مختلف اوقات میں سامنے بھی آئیں، لیکن کوئی تجویز اطمینان بخش طریقے پر نہیں چل سکی، اسی سلسلہ میں آخری رمضان سے پیشتر مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب کو پاکستان سے بلایا گیا مولانا اوپر کی منزل میں تشریف رکھتے تھے اور حسب معمول رمضان کے اشغال میں عالی ہمتی سے مشغول تھے رائے پور کی اس خانقاہ کو آباد رکھنے کے لیے کسی موزوں شخصیت کے انتخاب و تعیین کی ضرورت تھی۔

حضرتؒ نے ان کو رائے پور میں قیام کے لیے تجویز فرمایا اور رمضان کے بعد شوال ۱۳۸۱ھ کا پہلا ہفتہ تھا، حضرتؒ کے ارشاد سے حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ) نے جو تشریف رکھتے تھے، متعلقین خانقاہ کے ایک مجمع میں اعلان فرمایا کہ حضرت نے حافظ صاحب کو یہاں قیام کے لیے تجویز فرمایا ہے، اور حافظ صاحب نے اس کو قبول بھی فرما لیا ہے، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، ہمیں تو بڑا فکر ہو رہا تھا کہ یہاں یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا، اللہ کا شکر ہے اور

امید ہے کہ یہ جگہ آ باد اور یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ (سوانح حضرت رائے پوریؒ)

رئیس التبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ (متوفی: ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء)

دعوت وتبلیغ کے نام سے معروف جماعت (جس نے آج پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں ایک غیر معمولی انقلاب برپا کیا ہے) نہ کسی تعارف کی محتاج، اور نہ اس کے سودمند اور مثمر ہونے میں کسی کو التباس۔ بہت کم مدت میں اس کی کرنیں پوری دنیا میں پھیل گئیں۔ مختلف رنگوں والے، مختلف زبانوں والے، مختلف نسلوں والے قرنِ اول کے اس ہیرے کو اپنے سینے سے لگا کر در بدر، کوچہ بکوچہ، اقلیم باقلیم اللہ کے اس مبارک دین کو زندہ کرنے کے لیے ٹھوکریں کھاتے ملیں گے۔

اس محنت نے اگر ایک طرف گرے پڑے، ہندوانہ رسوم کی سنگلاخ وادیوں میں بھٹکے ہوئے مسلمانوں کی ایمانی کیفیات کو درجۂ احسان تک پہنچایا، تو دوسری طرف اہلِ باطل کے دماغ پر چوٹ لگا کر ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح اگر ایک طرف داعیانِ تثلیث اپنی باطل پرستی سے تائب ہو کر گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کے نور سے منور ہو گئے، تو دوسری طرف اہلِ عرب کی غیرت کو بھی للکارا اور ﴿هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا﴾ پکارتے ہوئے اس مبارک فریضے کے لیے کمربستہ ہوئے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

ان تمام ثمرات میں اگرچہ ایک طرف عامۃ المسلمین کی قربانیاں ہیں، تو دوسری طرف خواصِ اُمت (علماء، صلحاء، اہلِ قلوب) کی توجہ اور دعائیں، ان کی تائید وحمایت اور ان کی قربانیوں اور مجاہدات کا بڑا دخل ہے، ان خواصِ اُمت اور علماء ربانیین میں سے ایک شخصیت وہ ہے جن کو آج دنیا "حضرت جی (ثانی) مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ" کے نام سے جانتی ہے، انہوں نے اپنی قربانیوں اور مجاہدوں سے اس مبارک محنت کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

اکابر ومشائخ کے یہاں رمضان المبارک خاص ذوق وشوق اور حلاوت کا مہینہ ہے، اس ماہ میں ان کی طاعات وعبادات: بالخصوص تلاوت قرآن میں کمیت وکیفیت کے اعتبار سے نمایاں اضافہ ہو جاتا ہے، حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کے یہاں بھی رمضان المبارک اور اس کے آخری عشرہ کے اعتکاف کا بہت اہتمام ہوتا تھا، رئیس التبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ بھی ان ہی خاصان خدا میں تھے جو اس ماہ سے

پورا پورا لطف و سرور حاصل کرتے اور دعوتی مشاغل کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت، تسبیحات اور اوراد و وظائف پر کچھ زائد ہی اہتمام فرماتے، نیز تصنیف و تالیف کا اوسط اس ماہ میں پورے سال کے مقابلہ میں بڑھ جایا کرتا تھا، آپ گاہ بگاہ اپنے روزہ و تراویح کے معمولات قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کو بھی تحریر کرتے رہتے تھے۔

بانی التبلیغ حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی ثم دہلویؒ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے آپ بائیس سال حیات رہے، اس بائیس سالہ دور کے رمضان المبارک کی تفصیلات قدرے وضاحت کے ساتھ یہاں پیش کی جاتی ہیں؛ تاکہ دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف اور خلوت و اعتکاف کا ایک مجموعی نقشہ قارئین کے سامنے آجائے۔

دورِ امارت کے رمضان المبارک کی تفصیلات لکھنے سے قبل یہاں آپ کے دورِ شباب کا ایک مکتوب پیش کیا جاتا ہے، اس میں حضرت جی نے بڑی وضاحت کے ساتھ اپنے روزہ و تراویح وغیرہ کے معمولات قطب الاقطاب حضرت اقدس شیخ نور اللہ مرقدہ کو تحریر فرمائے ہیں، ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ۹/جنوری ۱۹۳۴ء میں لکھے جانے والے اس مکتوب کے موقع پر حضرت مولانا کی عمر صرف سترہ (۱۷) سال تھی۔

یا کتابی اذا وصلت الیہ　　فبحق اللہ لہ قبل یدیہ

صف لہ ما تری من الوجد عندی　　وبکائی وطول شوقی الیہ

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے نام مکتوب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومی و مکرمی جناب بھائی صاحب، دام مجدکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خداتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہاں سب خیریت سے ہیں اور آپ کی مع سب اعزہ خیریت مطلوب، عبدالحمید کے ہاتھ ایک عطر کی شیشی اور ایک ٹوکری ارسال کر رہا ہوں، شرفِ قبول سے ممنون و مشکور فرمادیں، نیز گھر میں سے کچھ چیزیں ایک ٹوکری میں بندھی ہوئی ارسال ہیں، حضرت والا کا اب کے کوئی والا نامہ صادر نہیں ہوا، جس سے تشویش ہے، اگرچہ اس میں اپنی نااہلیت اور تساہل کو دخل ہے، بندہ کے لیے اوقات خاصہ میں دعا فرمادیں کہ حق تعالیٰ نیک کاموں کی مع اخلاص کے توفیق عطا فرما کر اپنی رضا سے مالا مال فرمادیں۔

آج تک تو اپنا دستور العمل یہ رہا ہے کہ عشاء کے بعد چائے اور اس کے بعد ایک منزل پڑھنی، پھر کل والے سپارہ کو ایک دفعہ پڑھنا اس کے بعد ڈیڑھ بجے تک لکھنا۔

دو سے تین تک اس سپارہ کو تہجد میں پڑھ کر استغفار درود کی تسبیح پڑھنا، ساڑھے تین بجے سے پونے پانچ تک ڈیڑھ سپارہ کو تین دفعہ پڑھنا، پونے پانچ بجے سے سوا پانچ بجے تک سحری۔

پھر نماز، بعد نماز تا طلوع شمس جو کچھ کام باقی ہو اس کو پورا کر کے سوم کلمہ کی تسبیح پڑھنا اور بعد طلوع فجر اشراق کی نماز پڑھ کر سو رہنا، ظہر کے بعد ایک دفعہ سپارہ کو کہہ کر سنانا۔

نماز مغرب سے قبل چائے وکھانے سے فارغ ہو کر نماز کے بعد اس ڈیڑھ سپارہ کو صلوٰۃ الاوابین میں پڑھنا پھر تراویح، رات قرآن شریف ختم ہو گیا، آج دوسرا قرآن شروع کرنے کا ارادہ ہے، حق تعالیٰ کامیاب فرمادیں، بھائی ظہیر آج کل دہلی آئے ہوئے ہیں اور اس وقت وہ اور حافظ صاحب وغیرہ یہیں موجود ہیں، اب کے رمضان میں بھائی ظہیر بیعت ہوئے ہیں، دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ بہتر فرمادیں۔

خویدکم الفقیر

محمد یوسف غفرلہ

۲۲ ر رمضان ۱۳۵۲ھ (سات بجے)

تمام اکابر ومشائخ کے نام مکتوب:

۱۳۶۳ھ میں رمضان المبارک سے ایک ماہ قبل حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تھا، اسی مبارک ماہ کی نو (۹) تاریخ میں حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے تمام اکابر ومشائخ کو ایک خط تحریر فرمایا، جس میں ان سے اس دعوتی کام کے لیے دعا وتوجہ کی درخواست فرمائی، ذیل میں وہ خط پیش کیا جاتا ہے۔

گذارش خادمانہ آں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ سراپا خلوص اور مجسم دعا تھے اور ہر وقت اس مبارک کام اور تبلیغ کے لیے جلوت وخلوت میں دعا فرماتے رہتے تھے، ساری ساری رات اس کام کے کامیاب ہونے اور اصولوں کی پابندی ونیت رضاء الٰہی کے ساتھ دنیا میں رائج ہونے اور اسلام کے سرسبز ہونے اور اوامر خداوندی کے دنیا میں از سرِ نو چمک جانے کے لئے تڑپتے تھے اور گڑگڑاتے تھے، مگر اس کے باوجود اس کو ناکافی سمجھ کر اہل حق کی

خدمت میں اس کام کی کامیابی کے لئے تمام اوقات میں عموماً اور رمضان میں خصوصاً (دعا کی) استدعاء فرمایا کرتے تھے اور بارہا فرمایا کرتے تھے کہ نظام عالم اہل حق کی توجہات باطنیہ اور دعاؤں کے ساتھ ہے لہٰذا اب ایسے وقت میں جب کہ ہم خدام ان بے نہایت توجہات اور دعاؤں سے بظاہر محروم ہوگئے ہیں، اس وقت آپ کی دعاؤں اور توجہ کی بے حد ضرورت ہے، اب تک یہ کام آپ کی دعاؤں اور توجہات سے چلا اور آئندہ بھی ان شاء اللہ آپ کی توجہات اور دعاؤں سے چلتا رہے گا۔

خویدکم۔محمد یوسف غفرلہ

۹ر رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

آخری رمضان المبارک کے معمولات:

گزشتہ صفحات میں حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے رمضان المبارک کے معمولات لکھے جا چکے ہیں، یہ معمولات آپ کی جوانی اور عہدِ امارت کے تھے، اب آپ کی حیات کے آخری رمضان المبارک کے معمولات قدرے تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ میں ملک اور بیرون ملک سے آنے والی جماعتوں اور آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے والوں کا ہجوم گزشتہ سالوں کے مقابلہ میں کہیں زائد تھا، واردین کو شب میں قیام کی جگہ مسجد میں نہیں ملتی تھی، جس کی وجہ سے قرب وجوار کی مساجد میں شب گذاری کے لیے جانا پڑتا تھا۔

نمازِ فجر اذان ہونے کے بعد ادا کر لی جاتی اور پھر حضرت والاؒ کا ڈھائی تین گھنٹے طویل بیان ہوتا اور اس پورے دورانیہ میں تقریر کی روانی اور درد وسوز میں کوئی کمی نہ ہوتی تھی۔

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

صبح کی نماز کے بعد کی تقریر کا دستور رمضان میں چچا جان (حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ) کے یہاں نہیں تھا، اس کی ابتداء عزیز مولوی یوسف مرحوم نے کی۔ (اکابر کا رمضان)

بیان سے فراغت پر تشکیل ہوتی اس میں بھی کافی وقت صرف ہوتا، اس مرتبہ رمضان المبارک کے شروع ہی سے حضرت جیؒ نے تین چلوں کا مطالبہ شروع کر دیا تھا، تشکیل سے فراغت کے بعد حضرت والاؒ اپنے حجرے میں نوافل پڑھ کر کچھ دیر قرآن پاک دیکھ کر تلاوت فرماتے، تقریباً گیارہ بجے پھر مسجد میں تشریف لا کر دعا فرماتے اور

جماعتوں کو رخصت کرتے، اسی طرح جو جماعتیں اپنا وقت گذار کر واپس مرکز میں آئی ہوئی ہوتیں ان سے بھی مصافحہ وملاقات فرماتے، اس کے بعد حسب گنجائش وقت آرام فرماتے، اذان ظہر پر بیدار ہو کر نماز کی تیاری ہوتی۔

رمضان المبارک میں چونکہ سفر نہ کرنے کا معمول تھا، اس لیے پانچوں نمازوں کی امامت خود فرماتے، نماز ظہر سے فارغ ہو کر حافظ محمد شفیع صاحب کو تراویح میں پڑھا جانے والا سپارہ سناتے، بعد ازاں خصوصی خطوط کے جوابات لکھواتے، یہ سلسلہ عصر کی اذان پر ختم ہوتا۔

نماز عصر کے بعد کچھ دیر کے لیے گھر میں تشریف لاتے، والدہ محترمہ، اہلیہ محترمہ اور خاندان کی دیگر مستورات سے ملاقات، مزاج پرسی اور خانگی اُمور پر بات چیت فرماتے، غروب آفتاب سے دس منٹ قبل قبلہ رو ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتے، روزہ افطار کرنے کا معمول حجرہ میں تھا، جس میں ۱۵-۲۰ رکی تعداد میں مخصوص احباب اور خدام کی شرکت ہوتی، نماز مغرب سے قبل ہی افطاری، کھانا اور چائے سے فراغت ہو جاتی۔

نماز مغرب کے بعد صلوٰۃ الاوابین پڑھتے، جس میں کم وبیش ایک گھنٹہ صرف ہوتا، اوابین سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام فرماتے، اتنے میں عشاء کی اذان ہو جاتی تو نماز اور تراویح کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے۔

حضرت والاؒ اطمینان اور ترتیل کے ساتھ قرآن پاک پڑھنے کے عادی تھے، جس کی بنا پر دو گھنٹے میں تراویح پوری ہوتی تھی، وتر سے فارغ ہو کر کچھ دیر کے لیے حجرے میں تشریف فرما ہوتے، مولانا معین الدین صاحب بلند شہری اس وقت کوئی مقوی خمیرہ یا دوا کھلاتے۔

اس کے بعد پھر مسجد میں آکر کتاب حیاۃ الصحابہ اور اس کا ترجمہ سنا کر اس کی توضیح وتشریح فرماتے، کتاب سے فارغ ہوتے ہوتے تقریباً آدھی رات گذر جاتی، بمشکل ڈیڑھ دو گھنٹے آرام کے بعد نماز تہجد میں مصروف ہو جاتے اور اس سے فارغ ہو کر سحری تناول فرماتے۔ (ماخوذ از سوانح حضرت جی ثالثؒ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (متوفی: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء)

دین ودنیا کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں تدبیر الٰہی کارفرما نہ ہو، حق تعالیٰ شانہٗ نے سلسلۂ نبوت، سید المرسلین، خاتم النبیین، امام المتقین، قائد الغر المحجلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم فرما کر دین کی تکمیل کر دی اور قیامت تک اس دین کو قائم ودائم رکھنے کا وعدہ فرما لیا، اس گلشن نبوی کی غور وپرداخت، اس کی حفاظت وصیانت، اس کی تجدید واحیاء اور اس کی بقاء ودوام کے لیے ایسا معجزانہ اور محیر العقول نظام قائم

فرمایا جس کے ذریعہ ہر دور میں وعدۂ الٰہی: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ کا ظہور ہوتا رہا۔

دین کی حفاظت وصیانت کا یہ کام تدبیر الٰہی نے ایسے رجال کار سے لیا جنہوں نے تمام مشاغل سے یکسو ہو کر اپنی حیات مستعار کے لمحات دینی خدمات کے لیے وقف کر دیے، اور پھر جس سے جو کام لینا منظور تھا اس کو اس کام کے مناسب ہمت واستعداد اور قویٰ وملکات سے آراستہ کیا گیا اور اس کے دل میں اس کا ایسا جذبہ وداعیہ اور ایسا شوق وولولہ پیدا فرمایا کہ گویا دنیا میں کرنے کا بس یہی ایک کام ہے اور انسان کو بس اسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے ۔

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار

بگذارند و خمِ طرۂ یارے گیرند

خدمت دین کے مختلف شعبے ہیں، اور حکمت الٰہیہ کو یہ سبھی شعبے چلانے ہیں، اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے خدام دین کے اذواق بھی مختلف رکھے ہیں، کسی کو کسی شعبہ سے فطری وذوقی مناسبت ہے اور کسی کو کسی دوسرے سے، ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق خدمت دین کی کوئی سی لائن اختیار کر لیتا ہے اور اس فطری اختلاف ذوق ہی کی برکت ہے کہ دین کے تمام شعبے چل رہے ہیں، جس کے لیے نہ کوئی منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور نہ کسی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کارخانۂ خدمت دین میں تقسیم کار کا کوئی تکوینی اصول کارفرما ہے، الغرض خدام دین، دین کا کام خود نہیں کرتے بلکہ تدبیر الٰہی ان سے کام لیتی ہے ۔

کار زلف تست مشک افشاں اما عاشقاں

مصلحت راتہمت بر آہوئے چیں بستہ اند

پھر بعض حضرات ایسے ہیں جو صرف کسی ایک شعبہ کے کارکن ہیں اور بعض سے ایک سے زیادہ شعبوں میں کام لیا جاتا ہے اور بعض حضرات کو عنایتِ ازلیہ خدماتِ دینیہ کا قطب مدار بنا دیتی ہے، حق تعالیٰ ان کی شخصیت میں ایسی محبوبیت ومحبوبیت، ایسی جامعیت وجاذبیت اور ایسی ایمانی وروحانی مقناطیسی قوت ودیعت فرما دیتے ہیں کہ اس دور کے مختلف اذواق ومزاج کے اہل قلوب ورجال کار کشاں کشاں ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، اس طرح ان کی شخصیت دینی خدمات کی تمام لائنوں کے رجال کار کے لیے نقطۂ ارتکاز اور مرکزِ ثقل کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے، ان کی تاثیر صحبت اور تربیت وتوجہ سے دینی کام کے تمام شعبوں میں ایک نئی حرارت اور نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے اور علم وعرفان کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگتا ہے اور خدام دین میں

شوق وولولہ کی ایک نئی لہر پیدا ہو جاتی ہے۔

حفاظت دین کا یہ وہ تکوینی نظام ہے جسے تدبیر الٰہی ہر دور میں بروئے کار لاتی رہی ہے، خود برصغیر (پاک وہند) کے حالات پر غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ جب سے یہ خطہ اسلام کے نور سے منور ہوا ہے ہر زمانے میں ایک نہ ایک ایسی مرکزی شخصیت موجود رہی ہے، خصوصاً امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دور سے مسلسل ایسی طاقتور شخصیتیں مسند اصلاح وارشاد پر جلوہ گر رہی ہیں، مثال کے طور پر مجددی سلسلہ میں حضرت شیخ آدم بنوریؒ، حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور ان کے خلفاء، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے اخلاف رشید، حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے متوسلین، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس اللہ اسرارہم اور دیگر بہت سے اکابر اپنے دور میں مرجع خلائق رہے ہیں۔

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

حضرت قطب الاقطاب شیخ المشائخ الحاج الحافظ الحجہ مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ ہمارے اس آخری دور میں اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی اور اسی مقدس قافلہ کے ایک فرد فرید تھے، جو اپنے تمام اکابر کے محبوب، ان کے جانشین اور ان کی نسبتوں کے جامع تھے، اکابر مشائخ کے بعد جس طرح آپ کی طرف مخلوق کا رجوع عام ہوا اور آپ نے اپنے امراض واعراض کے باوجود جس ہمت وعزیمت، نشاط وتوجہ اور بلند ہمتی کے ساتھ اصلاح وارشاد اور مردم سازی کا کام کیا اس سے اکابر سلف کی یاد تازہ ہوگئی۔ آپ کے فیضان صحبت سے خلفاء ومتوسلین کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جنہوں نے اقلیم در اقلیم دینی خدمات کے مختلف شعبوں کو سنبھالا۔

معمولات رمضان المبارک:

قطب الاقطاب، فخر الاماثل، زبدۃ الافاضل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے یہاں ماہ سعید، رمضان المبارک کا کتنا انتظار واستقبال، اس کی قدر شناسی، اس کے حقوق کی ادائیگی میں کتنا اہتمام وانہماک اور اس کے خصوصی اعمال، ذکر وتلاوت، عبادت میں کتنی محویت واستغراق ہوتا ہے، اس کا کچھ اندازہ دیکھ کر ہی ہوسکتا ہے، یہ

کیفیت دیدنی ہے نہ کہ شنیدنی ع

کاغذ میں کب سمائے جو وہ ماجرا لکھوں

حضرت شیخ قدس سرہ نے لڑکپن کے رمضان اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب ؒ کے ظلِ عاطفت میں بسر کیے، اس کے بعد تقریباً ۱۳۲۸ھ تا ۱۳۴۵ھ ۱۷ سال اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد (انبہٹوی) سہارنپوری ؒ کی خدمت میں گذارے، اسی دوران چند رمضان اپنے چچا جان داعی الی اللہ حضرت جی مولانا محمد الیاس کاندھلوی ؒ کے ساتھ گذارنے کا موقع ملا، قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ کی معیت و رفاقت میں بھی دو رمضان گذارنے کا اتفاق ہوا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی رفاقت میں پورا رمضان گذارنے کا تو موقع نہ ہوسکا، تاہم رمضان المبارک کے مختلف ایام میں متفرق طور پر کئی بار ساتھ ہوا، جن کے قصے حضرت شیخ قدس سرہ نے خود ''اکابر کا رمضان'' میں نہایت ذوق و شوق سے بیان فرمائے ہیں، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بھی اس کی چند مثالیں گذری ہیں۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

حضرت اقدس شیخ قدس سرہ کے معمولات میں سب سے اہم ایک قرآن پاک روزانہ ختم کرنے (پڑھنے) کا معمول ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا ہے:

۱۳۲۸ھ سے ماہِ مبارک (رمضان) میں ایک قرآن شریف روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا، جو تقریباً ۱۳۸۰ھ تک رہا؛ بلکہ اس کے بھی بعد تک، ابتدائی معمول یہ تھا کہ سوا پارہ جس کو عموماً حکیم محمد اسحاق صاحب کی مسجد میں سنانے کی نوبت آتی تھی، یا میرے حضرت نور اللہ مرقدہ کے گھر میں، اس کو تراویح کے بعد شب میں دیکھ کر اور اکثر ترجمہ کے ساتھ سحر تک چار پانچ دفعہ پڑھتا تھا، گرمیوں کی شب میں کچھ کم سردیوں میں کچھ زائد، اس کے بعد تہجد میں اس کو دو مرتبہ، اس کے بعد سحر کھانے سے لے کر صبح کی نماز تک اور نماز کے بعد سونے تک ایک دفعہ، پھر صبح کو سونے کے بعد اٹھ کر جو عموماً دس بجے ہوا کرتا تھا، چاشت کی نماز میں سردیوں میں ایک مرتبہ گرمیوں میں دو دفعہ، اس کے بعد ظہر کی اذان سے پندرہ منٹ پہلے تک ایک یا دو مرتبہ دیکھ کر، پھر ظہر کی سنتوں میں ابتداءً اول کی سنتوں میں ایک دفعہ اور آخر کی سنتوں میں دوسری دفعہ اور بعد میں دونوں سنتوں میں ایک ہی مرتبہ رہ گیا۔

ظہر کے بعد دوستوں میں سے کسی کو ایک مرتبہ سنانا اور پھر عصر تک موسم کے اختلاف کی وجہ سے ایک

یا دو دفعہ پڑھنا، عصر کے بعد کسی او نچے آدمی کو سنانا، ابتداءً حضرت (مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ) کی حیات تک حافظ محمد حسین صاحب اجراڑوی کو اور اس کے بعد دو تین سال تک مولوی اکبر علی صاحب مدرس مظاہر علوم کو، اس کے بعد بہت عرصہ (تقریباً ۲۵/ برس) تک مفتی محمد یحییٰ کو اور ان ہی کے ساتھ ان کے دونوں بھائی حکیم الیاس، مولوی عاقل بھی شریک ہونے لگے۔

مغرب کے بعد نفلوں میں ایک دفعہ پڑھنا اور نفلوں کے بعد تراویح تک ایک دفعہ پڑھنا، تراویح کے بعد یہ پارہ ختم ہو جاتا تھا اور اگلے کا نمبر شروع ہو جاتا تھا، ۲۴/ گھنٹہ میں اس کی تشکیل ضروری تھی کہ ۳۰/ پارے پورے ہو جائیں۔ (آپ بیتی: ۳۵/۲)

بعد العصر کلام پاک سنانے کے معمول کی مزید وضاحت حضرت شیخ قدس سرہ نے مقدمہ اکمال الشیم میں اس طرح فرمائی ہے:

اس سیاہ کار کا معمول رمضان ۱۳۳۵ھ ۔ سے گذشتہ سال ۱۳۸۵ھ تک ۵۱/سال ماہ مبارک میں عصر سے مغرب تک قرآن پاک سنانے کا رہا ہے، رمضان ۱۳۴۴ھ تک جب تک میرے حضرت اور میرے شیخ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کا قیام سہارنپور رہا، اس وقت تک دس برس مخدومی جناب الحاج حافظ محمد حسین صاحب، ناظم مدرسہ اجراڑہ، جو حضرت گنگوہیؒ کے خدام میں تھے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کے انتقال کے بعد حضرت سہارنپوری کی طرف رجوع کر لیا تھا، وہ ہر سال رمضان المبارک حضرت کی خدمت میں گذارنے سہارنپور تشریف لاتے تھے، وہ ظہر کے بعد میرے حضرت قدس سرہ کا پارہ سنا کرتے تھے اور عصر کے بعد اس نا کارہ کا۔ (مقدمہ اکمال الشیم: ۳،۴)

اسی سال (۱۳۳۸ھ) سے ماہ مبارک کی راتوں میں نہ سونے کا معمول شروع ہوا، جو تقریباً آخر عمر تک رہا، یہ معمول کیسے شروع ہوا؟ اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

رمضان المبارک کی راتیں تو جاگنے کے لیے ہوا کرتی ہیں، میں نے ۱۳۳۸ھ میں پہلا سفر حج کیا، اس وقت سے رمضان المبارک کی راتوں کو جاگنے کا معمول بنا لیا تھا، مگر اب پانچ چھ سال سے بیماریوں نے چھڑا دیا ہے، یہ درحقیقت میں نے عرب سے سیکھا ہے، وہاں لوگ رمضان کی راتوں میں بیدار رہتے ہیں۔ (صحبتے با اولیاء: ۲۷، آپ بیتی: ۲۴۰/۴)

گذشتہ اقتباس میں حضرت والاؒ کے جس معمول (تراویح کے بعد قرآن پاک دیکھ کر تلاوت) کا ذکر آیا ہے، اس معمول کی کچھ اور وضاحت حضرت والاؒ نے دوسرے مقامات پر فرمائی ہے، تالیفات کے ضمن میں حواشی کلام پاک کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اس ناکارہ کا معمول ۱۳۲۸ھ سے لے کر ۱۳۸۵ھ تک ماہ مبارک کی راتوں میں سونے کا نہیں تھا، بغیر رمضان کے تو کلام مجید دیکھ کر پڑھنے کا وقت بہت ہی کم ملتا رہا لیکن رمضان المبارک میں دو چار رمضانوں کے علاوہ علمی کام سب بند ہو جاتے تھے اور قرآن پاک کے دیکھ کر پڑھنے کا معمول بہت اہتمام سے ہو جاتا تھا، تراویح کے بعد سے تہجد کے وقت تک ترجمہ کے تدبر و تفکر کے ساتھ پڑھنے کی نوبت آتی تھی اور اس میں جو اشکال پیش آتا تھا، اسی وقت تفاسیر سے مراجعت کر کے بین السطور کے حواشی پر لکھ لیتا۔ (آپ بیتی: ۱۵۲/۲)

حضرت شیخ قدس سرہ کا ذوق تلاوت ۱۳۲۵ھ میں قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد سے آج تک روز افزوں ہی ہے، حضرت نے ایک مرتبہ ماہ مبارک میں اکسٹھ قرآن پاک ختم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اور چند مخصوص متعلقین سے بھی ایسا ہی کرنے کی خواہش ظاہر کی، ان میں سے اکثر نے کوشش کی اور حضرت کو نتائج سے مطلع کیا، حضرتؒ نے اس کا ایک مجلس میں ان الفاظ سے ذکر فرمایا:

”ایک رمضان میں، میں نے اپنے بعض دوستوں کو اکسٹھ قرآن ختم کرنے کے لئے لکھا، میرے دوستوں نے کوشش کی، مولوی انعام نے اکسٹھ قرآن سنائے، ایک نے چھپن اور بعض لوگوں نے ساٹھ ساٹھ ختم کئے“۔

(صحبتے با اولیاء (ملفوظات شیخ): ۲۰۴)

آپؒ کے خلیفۂ ارشد اور محبوب خادم و تلمیذ قطب یورپ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ (بانی و مبانی: دار العلوم العربیۃ الاسلامیہ، بری، لندن) تحریر فرماتے ہیں:

”ایک مرتبہ حضرت مغرب کی نماز کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، حضرت کے مکان کے برابر میں جہاں شیخ عالم کا مکان ہے وہاں خالی میدان ہے، جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا، خدام نے تربوز کاٹ کر چھلکے وہاں پھینکے ہوئے تھے، حضرت کو ان چھلکوں میں کچھ سرخی نظر آئی دو چار ٹکڑے اٹھوا کر دیکھے تو سب میں تھوڑی تھوڑی سرخی پائی غصہ میں فرمایا:

”کون تھا اس طرح کاٹنے والا؟“ ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

”ان سب کو لے جا کر دھو کر سرخ حصہ کاٹ لو“

اور رات کو عشاء کے بعد کی مجلس میں سب سے پہلے اسی میں سے خود کھایا اور فرمایا کہ:

”یہ کوڑے پر سے اٹھا کر اس میں سے کاٹا گیا ہے، جس کا جی چاہے اسے کھائے میں تو آج اسی کو کھاؤں گا“۔

اشراق کے وقت سے قبیل الزوال تک حضرت مسجد کے صحن میں دھوپ میں طویل نفلوں میں مشغول رہتے، جو اس قدر خشوع وخضوع کے ساتھ ہوتیں کہ بارہا دیکھا کہ مکھیاں آپ کی گردن اور رخسار پر شہد کی مکھیوں کے چھتے پر بیٹھنے کی طرح اس قدر چھا جاتیں کہ کھال مبارک کہیں سے نظر نہ آتی پھر بھی ذرا حس وحرکت نہ ہوتی؛ البتہ کبھی کبھی وجد کی حالت میں آپ کا دایاں کندھا بڑی تیزی اور قوت سے حرکت کرتا۔

نوافل سے فراغت پر حضرت وہیں پر ڈاک لکھواتے اور مہمان اپنے طور پر اٹھتے اور نوافل وتلاوت میں مشغول رہتے۔

ظہر کی نماز کے بعد ذکر اور عصر کے بعد حضرت مفتی سید محمد یحییٰ صاحب اور حکیم الیاس صاحب حضرت کا قرآن سنتے اور سارے مہمان مجلس کی ہیئت پر حلقہ بنا کر بیٹھے ہوتے اور ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ پر عمل کرتے اور قرآن پاک کی تلاوت کیسے کی جاتی ہے اسے سیکھتے کہ حضرت والا کا اثناء تلاوت کا حال دیدنی ہے نا کہ شنیدنی، شروع سے اخیر تک مسلسل آنسو جاری رہتے اور گریہ کا اس قدر غلبہ ہوتا کہ آواز بند ہو جاتی، تھوڑی دیر روتے رہتے پھر شروع فرماتے پھر یہی حال ہوتا، اس کا اثر سامعین پر بھی پڑتا اور ان کی آنکھوں سے بھی آنسو برابر جاری رہتے، افطار سے قبل تلاوت بند فرما کر حضرت مراقب ہو جاتے۔

معتکفین اور غیر معتکفین کے لیے دفتر کی سہ دری میں دسترخوان بچھتا جو بعد میں مہمانوں کی کثرت کے بعد صحن میں بچھنے لگا تھا، اس کے بعد نماز مغرب اور سنن ونوافل اوابین سے فراغت کے بعد اسی طرح دونوں طرح کے الگ الگ دسترخوان بچھتے۔

افطار اور شام کے کھانے میں تو معتکفین اور غیر معتکفین کے کھانے میں کوئی نمایاں فرق نہ ہوتا تھا، مگر سحر کے کھانے میں عام دسترخوان کے کھانوں کے علاوہ معتکفین کے لیے حضرت کے گھر والوں کی طرف سے گھی چپڑی روٹی اور کوفتے مزید آتے تھے۔

شام کے کھانے کے بعد قبل العشاء والی مجلس اس سال نہیں ہوتی تھی، جو بعد کے سالوں میں چوبیں گھنٹے کے نظام میں سب سے زیادہ اہم بن گئی تھی۔

پھر عشاء اور تراویح ہوتی، تراویح میں پورے ماہ مبارک میں ایک قرآن پاک پڑھا گیا تھا اور تراویح سمیت تمام نمازوں کی امامت مفتی مظفر حسین صاحب حال ناظم مدرسہ فرماتے تھے، سامع کوئی متعین تھے یا نہیں؟ یہ تو یاد نہیں؛ البتہ ہمیشہ حضرت نوراللہ مرقدہ ہی لقمہ دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحب جونپوریؒ نے کسی غلطی پر ''ہوں'' کے ذریعے ٹوکا اور پھر نئے سرے سے نیت باندھ لی۔

تراویح کے بعد مجلس میں نمکین، میٹھی چیزیں تقسیم ہوتی، مجلس کے بعد سب لوگ اپنے اپنے طور پر مشغول ہو جاتے اور جو سو جاتے انہیں سحری کے وقت جگا دیا جاتا اور صبح صادق کے کچھ دیر بعد فجر کی جماعت ہوتی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں:

شاید میں پہلے کہیں لکھوا چکا ہوں کہ حضرت (مولانا خلیل احمد سہارنپوری) قدس سرہ کے یہاں سے قبل کاندھلہ یا گنگوہ میں سحر میں پلاؤ کھانا جرم تھا، مشہور یہ تھا کہ اس سے پیاس لگتی ہے، مگر حضرت قدس سرہ کے یہاں کھانے کے بعد سے جب تک اس ناکارہ کی صحت رہی اور سحور کا اہتمام رہا اس وقت تک تو میرا معمول سحر میں پلاؤ کھانے کا رہا اور اب تو دس بارہ سال سے جب سے مہمانوں کا ہجوم بڑھ گیا ہے افطار میں پلاؤ اور گوشت روٹی کے علاوہ سحر میں میٹھے چاولوں کا بھی ہو گیا، حضرت قدس سرہ کے یہاں سحر میں تازہ روٹی پکتی تھی؛ البتہ سحر میں چائے کا معمول حضرت کے یہاں تھا، اس ناکارہ کو اپنے سحر میں کبھی چائے پینا یاد نہیں؛ کیونکہ رمضان میں نمازِ فجر کے بعد سونے کا معمول ہے، ۳۸ھ یعنی پہلے سفرِ حج سے رمضان میں رات کو نہ سونے کا معمول شروع ہوا تھا، جو اَب سے ۷-۸ سال پہلے تک بہت اہتمام سے رہا؛ لیکن اب تو امراض نے سارے ہی معمولات چھڑا دیئے۔ (اکابر کا رمضان)

حضرت شیخ قدس سرہ کے یہاں رات کو تراویح کے بعد چائے کا ہمیشہ معمول رہا، اس کے متعلق ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

'' چائے کی عادت شام کو ساری زندگی رہی اور رمضان میں تراویح کے بعد چائے پیتا تھا، مگر دو تین دن سے

اس کی طرف بھی رغبت نہیں رہی"۔ (صحبتے با اولیاء:۲۱۰)

حضرت شیخ قدس سرہ رمضان میں ملاقات کے معمول کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

"رمضان میں ہمیشہ میرا چوبیس گھنٹوں میں تراویح کے بعد کی چائے میں گھنٹہ آدھ گھنٹہ دوستوں اور مہمانوں سے ملاقات کا معمول رہا"۔ (آپ بیتی:۳/۴۱)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ قدس سرہ کے متعدد رمضان سہارنپور میں نہایت یکسوئی کے گذرے، اس وقت حضرتؒ کے اوقات کتنے مصروف اور عبادت وتلاوت میں کتنا انہماک رہتا تھا اس کا کچھ اندازہ اس دلچسپ واقعہ سے ہوگا، جسے خود حضرتؒ نے آپ بیتی میں نقل فرمایا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

میرے عزیز مخلص دوست حکیم طیب رام پوری، میرے دوسرے مخلص دوست مولوی عامر سلمہ کے والد اس زمانہ میں ان کی آمد ورفت بہت کثرت سے تھی اور چونکہ بہت مختصر وقت کے لیے آتے تھے اور سیاسیات کی خبریں بہت مختصر الفاظ میں جلدی جلدی سنا جاتے تھے، اس لیے ان کی آمد میں میرے یہاں کوئی پابندی نہیں تھی۔

ایک مرتبہ رمضان میں ۸-۹ ربجے صبح کو آئے، مولوی نصیر سے کہا: کواڑ کھلوادو، اس نے کہا رمضان ہے! خود زنجیر کھڑ کھڑانے کا ارادہ کیا، اس نے منع کیا اور یہ بھی کہا کہ یا تو وہ سو رہا ہوگا تو نیند خراب ہوگی اور اگر اٹھ گیا ہوگا تو نفلوں کی نیت باندھ لی ہوگی، کھڑ کھڑاتے رہو، اس پر وہ خفا ہو کر مدرسہ چلے گئے، راستہ میں مولانا منظور احمد خاں صاحب ملے، انہوں نے کہا: حکیم جی! تم کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے، اس پر کچھ سوچ پیدا ہوا اور نصیر سے غصہ کم ہوا، اس کے بعد حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، وہ ڈاک لکھوا رہے تھے، فرمایا: حکیم جی! تم کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے، وہاں سے اُٹھ کر مفتی صاحب کے حجرہ میں گئے مفتی صاحب کا قیام اس زمانہ میں مدرسہ قدیم ہی کے حجرہ میں تھا، مفتی صاحب نے بھی یہی فقرہ دہرایا، حکیم نے پوچھا: آخر رمضان میں کوئی وقت بات کا ملاقات کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے کہا: تراویح کے بعد آدھ گھنٹہ، حکیم جی نے کہا: مجھے تو رام پور واپس جانا ہے تب مفتی جی نے کہا: ظہر کی نماز سے پندرہ منٹ پہلے تشریف لائیں گے، اس وقت مل لینا، یا ظہر کی نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے راستہ میں مل لینا، وہ ظہر سے پہلے مسجد میں آئے تو میں نیت باندھ چکا تھا، ظہر کی نماز کے بعد پھر میں نے سنتوں کی نیت باندھ لی، بڑی دیر تک انہوں نے

انتظار کیا، مگر جب دیکھا کہ رکوع کا ذکر ہی نہیں اس لیے کہ اس زمانہ میں سنتوں میں دو دفعہ پارہ پڑھنے کا معمول تھا، وہ بڑی دیر تک انتظار دیکھ کر گشت میں چلے گئے، وہ واپس آئے تو میں اپنے کمرے میں پہنچ کر قرآن پاک پڑھنے میں مشغول ہوگیا تھا، وہ بہت کھٹ کھٹ کر کے اوپر چڑھے اور جاتے ہوئے بہت زور سے کہا: بھائی جی السلام، بات نہیں کرتا صرف ایک فقرہ کہوں گا، ''رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے، مگر یوں بخار کی طرح کہیں نہیں آتا''۔ (آپ بیتی:۲/۳۶-۳۷، صحبتے با اولیاء:۳۱)

اس رمضان کے روح پرور ماحول اور دل آویز کیفیات کا تذکرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ نے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا منور حسین بہاریؒ کے حوالہ سے فرمایا ہے، جس کا دل چاہے اس کی تفصیل ''سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی'' مؤلفہ مولانا محمد ثانی حسنیؒ میں دیکھ سکتا ہے۔

''حضرت نے خود فرمادیا تھا کہ تراویح کے بعد کتاب ہوا کرے گی؛ چنانچہ کتاب ہی سنانے کا معمول رہا، اس وقت چنا یا پھلکی وغیرہ کا جو معمول پہلے سے چلا آرہا تھا اس رمضان میں بند کروادیا گیا تھا کہ وقت ضائع ہوگا، کتاب وغیرہ سے فراغت کے بعد حضرت فرماتے: جاؤ وقت کی قدر کرو؛ چنانچہ اکثر حضرات تلاوت یا نماز میں لگ جاتے اور حضرت بھی مشغول ہوجاتے۔

............اس جفاکشی ومجاہدہ اور قلیل غذا کے باوجود حضرتؒ کا بتیس (۳۲) پارے یومیہ تلاوت کا معمول رہا۔ (سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ:۱۱۲-۱۱۳، معمولاتِ رمضان:۶۸)

مسیح الامت حضرتِ مولانا شاہ مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ (متوفی:۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)

مسلمانانِ ہند کی علمی، مذہبی، ثقافتی اور سیاسی تاریخ میں شروانی خاندان کے نامور علماء، فضلاء، مشائخ وصوفیاء، رؤساء وامراء اور ارباب سیاست نے بہت قیمتی اضافے کیے ہیں اور اس سلسلے میں ان کی خدمات کے نقوش مستحکم اور نہایت وقیع ہیں۔

اسی خانوادہ کے چشم وچراغ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ تھے۔

امام السلوک، مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں شروانی جلال آبادی نور اللہ مرقدہ، دارالعلوم دیو بند کے ممتاز فاضل، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ممتاز خلیفہ ومجاز اور مدرسہ مفتاح العلوم، جلال

آباد کے عظیم مہتمم وشیخ الحدیث، پیر طریقت ورہبر شریعت اور بڑی ہی بافیض شخصیت کے مالک تھے۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

حضرت جلال آبادی قدس سرہ کا معمول اذان فجر سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل اٹھنے کا تھا، صبح اٹھ کر حوائج بشریہ سے فراغت کے بعد وضو فرما کر پہلے تہجد پڑھتے، ہمیشہ عادت شریفہ بارہ رکعت پڑھنے کی رہی۔

چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ سفر، حضر، صحت و بیماری، کسی حال میں آج تک کبھی میری تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی، خواہ میں نے لیٹ کر اشاروں سے پڑھی ہو، مگر تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوئی۔

فجر کے بعد اپنے معمولات کو بیان فرماتے ہوئے بروز بدھ ۷ار رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو مجلس کے دوران ارشاد فرمایا کہ:

(۱) قرآن پاک کی تلاوت

(۲) یٰسین شریف

(۳) مناجات مقبول

(۴) منزل

(۵) شجرۂ طیبہ

(۶) درود شریف عربی

(۷) حزب البحر

ان تمام معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ڈاک بھی تحریر فرماتے تھے۔

آپ کی سحری میں ہمیشہ نہایت ہلکی غذا رہتی اور سحری تاخیر سے فرماتے ہیں، افطار جامع مسجد کا گولا چھوٹنے پر فرماتے تھے۔

گرمی کے موسم میں بالعموم شربت روح افزا نوش فرماتے، بعض مرتبہ زیادہ ضعف ہو گیا، رمضان المبارک میں ضعف، کمزوری اور پیرانہ سالی کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہی تو روزہ کا فدیہ ادا کیا۔

ملفوظ: ۱-۲۱ر رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ فرمایا کہ ضعف بہت زیادہ ہے، بس میرا افطار یہ ہے: ۶ر ماشہ خمیرہ اور تھوڑا سا آبِ زمزم اور نماز مغرب کے بعد ایک چپاتی جو تقریباً آٹھ انگل کی ہوتی ہے۔

حضرتؒ جب تلاوت کے لیے قرآن پاک کو کھولتے ،تو قرآن پاک کو دونوں ہاتھوں سے دونوں جانب سے تھام کر کھلا ہوا قرآن پاک سینے سے لگاتے ،اس کے بعد آنکھوں سے لگاتے ، بوسہ دیتے ،پھر سر مبارک کو جھکا کر قرآن پاک کو سر پر رکھتے ،اس کے بعد پھر سینے سے لگاتے ،اس کے بعد تلاوت فرماتے تھے اور تلاوت ختم فرمانے کے بعد بھی اسی طرح سے قرآن پاک کی تقبیل وتعظیم فرماتے ،اس کے بعد جزدان میں رکھتے تھے۔

حضرتؒ ہمیشہ نماز اعتدال کے ساتھ پڑھتے تھے ،رکوع ،سجود،قیام ہرایک رکن کو تناسب کے ساتھ ادا فرماتے ،نوافل ،تہجد ،چاشت ،اشراق ،اوّابین کی ہمیشہ پابندی فرماتے ،رمضان المبارک میں تراویح گھر پر ہی کسی حافظ کے پیچھے پڑھنے کا معمول تھا،ایک قرآن پاک سنتے تھے جو بالعموم ستائیس (۲۷) رمضان المبارک (یا اس کی شب میں) کو ختم ہو جاتی۔

نماز میں زیادہ طولِ قیام یا طولِ سجود ورکوع نہیں فرماتے ،آپ کی نماز کی ادائیگی خشوع وخضوع کا مکمل نمونہ ہوتی ،نیت باندھنے سے سلام پھیرنے تک پوری طرح سنن ومستحبات کی رعایت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔

نماز باجماعت میں کوئی خاص اہتمام ایک جگہ کا نہیں فرماتے ،جو جگہ خالی ہو صف میں شامل ہو جاتے ،اکثر دوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے،امامت نہیں فرماتے۔

حضرت والا رحمہ اللہ کو اکثر بیماری کی حالت میں جب کہ خود کھڑے ہونے کی سکت بالکل نہیں ،دو آدمی پکڑ کر نماز کے لیے کھڑا کرتے تھے اور جب کھڑے ہو جاتے تو پھر پوری فرض نماز کھڑے ہو کر ہی پڑھتے تھے اور عجیب ہمت وقوت منجانب اللہ پیدا ہو جاتی تھی۔

البتہ نوافل ضعف ونقاہت کے حال میں بیٹھ کر پڑھتے تھے،چنانچہ بعض مرتبہ بھائی جان کے عرض کرنے پر تراویح بھی بیٹھ کر پڑھی تھی اور بحالت معذوری بیماری کے ایام میں لیٹ کر چارپائی پر بھی نماز ادا فرمائی تھی فرض بھی اور نفل بھی۔

حضرتؒ ہمیشہ چستی اور ہمت کے ساتھ کام میں لگے رہتے تھے ،کبھی سستی یا تساہل کی وجہ سے اپنے معمولات کو ترک یا مؤخر نہیں فرماتے ،چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے دریافت کیا :حضرت طبیعت کیسی ہے؟ اس پر ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ! ٹھیک ہوں ،اچھا ہوں ،تم جوانوں سے اچھا ہوں تساہل نہیں ہے ،الحمد للہ! ثم الحمد للہ! پھر فرمایا کہ ’’مولوی اور سستی‘‘ تعجب ہے۔(ماخوذ از سوانح مسیح الامتؒ)

حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ (متوفی:۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء)

مروّجہ دعوت وتبلیغ کی مبارک محنت اور عظیم عالمی تحریک کے تیسرے اُمیر یعنی حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن کاندھلوی نوراللہ مرقدہٗ ایک عظیم صاحب نسبت بزرگ، عالم ربانی، بے مثل واعظ وناصح، اور علم وعمل وصلاح وتقویٰ کی جامع شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے کمالات وخصوصیات سے نوازا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت جی رحمہ اللہ کو علم وعمل کا بحرِ ذخار اور ”**النصح لكل مسلم** “ کا حقیقی نمونہ بنایا تھا، آپ جب کسی مجلس میں گفتگو فرماتے تو جذبۂ نصیحت سے معمور ہو کر علم وحکمت کے موتی بکھیرتے، آپ کی گفتگو میں قرآن وحدیث کی تشریحات بھی ہوتیں اور تصوف وتزکیہ کی توضیحات بھی، اس میں تجربات ومعلومات کے خزانے بھی بکھیرے جاتے اور لطائف ونکات کے چشمے بھی بہائے جاتے، اولیاء کرام اور اسلاف کے حالات بھی بتائے جاتے، دعوت وتبلیغ واصلاحِ معاشرہ کے رہنما اُصول بھی سکھائے جاتے، علماء وطلباء کی تربیت بھی کی جاتی اور انہیں علمائے ربانی بننے کے گر بھی سکھائے اور بتلائے جاتے!

معمولاتِ رمضان المبارک:

ماہ مبارک میں حضرت جیؒ کے چوبیس گھنٹے کے معمولات ومشاغل یہ ہوتے تھے:

نماز فجر کے بعد ضروریات سے فارغ ہو کر اوپر زنان خانہ کے کمرہ میں تقریباً بارہ بجے تک آرام فرماتے، پھر نیچے تشریف لا کر وضو کرتے اور واپسی والوں سے گفتگو وملاقات فرما کر ڈاک ملاحظہ کرتے، اس کے بعد مسجد میں آتے اور روانگی والوں کو پند ونصائح فرما کر دعا ومصافحہ کرتے، پھر مسجد والے حجرہ میں تشریف فرما ہوتے، وہاں بیعت ہوتی، اسی دوران مرکز کے روزمرہ کے مشورہ کے لیے احباب جمع ہو جاتے اور وہاں چوبیس گھنٹہ کی ترتیب بن کر مشورہ ختم ہو جاتا، ذکر بارہ تسبیح سیکھنے والے اور اپنی ضروریات اور حوائج کے لیے دعا کی درخواست کرنے والے بھی اسی وقت آتے تھے ان تمام اُمور سے فارغ ہو کر اگر کچھ وقت بچ جاتا تو تراویح میں سنانے والے سپارہ کی تلاوت کرتے اور اگر تعب محسوس ہوتا تو آرام فرماتے، اذان ظہر تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔

پھر ظہر کی سنتیں پڑھ کر نماز ظہر ادا کرتے اور تراویح والا سپارہ مختلف حفاظ مولانا معین الدین صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، حافظ نور الدین صاحب، مولانا محمد زبیر الحسن صاحب، مولانا محمد سلیمان صاحب جھانجی وغیرہ کو سناتے۔

ماہ مبارک میں گھڑی کا وقت بالکل صحیح رکھنے کا بڑا اہتمام تھا،اس کے لیے مولانا معین الدین صاحب متعین تھے وہ پہلے صحیح وقت معلوم کر کے اپنی گھڑی درست کر لیتے ،اس کے بعد حضرت جی کو بتلاتے ،حضرت کے سامنے اس وقت تین ٹائم پیس رکھے رہتے اور حضرت اپنے ہاتھ سے تینوں کا وقت خود درست فرماتے ،اس کام سے فارغ ہو کر کبھی آرام فرما لیتے یا ڈاک کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہوتا تو اس کو ملاحظہ فرماتے۔

نماز عصر کے بعد کچھ دیر گھر میں مستورات کے پاس تشریف لاتے اور گھر سے متعلقہ اُمور ان سے دریافت فرماتے ،مثلاً کس کس نے آج کتنا قرآن پاک پڑھا،شب میں نوافل میں کتنے سپارے ہوگئے ،افطار میں مہمان مستورات کا کیا اوسط رہا،گھر میں اگر مستورات کی کوئی جماعت آئی ہوتی تو اس کی نوعیت اور حیثیت سے اہل خانہ کو مطلع کر کے ان کی خاطر داری اور مناسب دیکھ بھال کی تاکید فرماتے ،ماہ مبارک سے دو تین یوم قبل گھر کی مستورات سے پورے ماہ کے لیے سامان خورد و نوش کا تفصیلی پرچہ لکھوا لیتے اور پھر یہ سب سامان گھر میں آجاتا۔

روزہ مرہ کے سامان خورد و نوش کے متعلق بھی وقفہ وقفہ سے دریافت فرماتے اور جس چیز کی اہل خانہ ضرورت بتلاتے اس کے متعلق باہر تشریف لاکر ہدایت دیتے۔

افطار سے تھوڑی دیر قبل زنان خانہ کے باہر تشریف لا کر قبلہ رخ متوجہ الی اللہ ہو کر دعا میں مشغول ہو جاتے ،مولانا معین الدین صاحب ،مولانا محمد بن سلیمان پہلے سے کھجور زمزم میں بھگو کر تیار رکھتے تھے ،افطار کا بالکل صحیح وقت ہو جانے پر روزہ کھولتے اور اسی وقت گھر کی جملہ مستورات کو اطلاع کر دی جاتی کہ وہ بھی افطار کر لیں۔

نیچے حجرہ میں ہمیشہ روزہ کھولنے کا معمول رہا،پچیس تیس خواص نیز دہلی کے اہل تعلق احباب بھی ساتھ میں روزہ افطار کرتے ،افطار کے ساتھ کھانا کھا کر فوراً چائے پینے کا ہمیشہ معمول رہا،اس دسترخوان کا نظم مولانا محمد اظہار الحسن صاحبؒ فرماتے تھے،شرکائے دسترخوان کو چائے پلانے کی ذمہ داری ابتدا میں حضرت مولانا محمد ہارون کاندھلویؒ (والد ماجد مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ) کی تھی،ان کی وفات کے بعد یہ خدمت حضرت مولانا زبیر الحسن کاندھلویؒ کے سپرد ہوگئی تھی،آخری سالوں میں حضرت جی مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی زید مجدہٗ بھی شریک ہوگئے تھے۔

کھانے پینے سے فراغت پر نماز مغرب کی ادائیگی ہوتی اور اس کے بعد حضرت مولانا اوّابین ادا فرماتے جس میں اچھا خاصا وقت صرف ہوتا،اس کے بعد تھوڑا سا وقت حجرہ میں گذرتا اور پھر عشاء کی اذان ہو جاتی تو نماز

کی تیاری فرماتے، پھر مسجد میں تشریف لاکر فرض اور تراویح و وتر کی امامت خود فرماتے۔

عادت مبارکہ مناسب جہر کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر صاف پڑھنے کی تھی کہ ایک ایک حرف واضح طور پر سمجھ میں آتا تھا، تراویح سے فراغت پر کتاب "حیاۃ الصحابہ" پڑھتے، اس کے بعد مختصر سی دعا کے بعد آرام فرماتے، سحری سے دو گھنٹہ قبل بیدار ہو کر تہجد میں مشغول ہو جاتے۔

جس زمانہ کے یہ معمولات لکھے جارہے ہیں اس زمانہ میں صرف تہجد میں تین یوم کے اندر ایک کلام مجید ختم فرمالیا کرتے تھے۔

تراویح میں کلام پاک سنانے کا معمول برسہابرس رہا؛ لیکن جب عمر ستر سال سے تجاوز کر گئی اور ضعف بڑھ گیا تو پھر سنانا ترک کر دیا تھا، لیکن مختلف اوقات میں تلاوت کا معمول زیادہ ہو گیا تھا، نیز صحت وقوت کے زمانہ میں سالہاسال تک ایک کلام پاک یومیہ ختم کرنے کا معمول رہا، ایک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ نے اپنے مخصوصین سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اکسٹھ کلام پاک ماہ مبارک میں ختم کریں، چنانچہ حضرت مولاناؒ کے ذریعہ حضرت شیخ کی یہ خواہش پوری ہوئی، ایک مجلس میں حضرت شیخ نے اس کا ذکر ان الفاظ سے فرمایا ہے:

"ایک رمضان میں، میں نے اپنے بعض دوستوں کو اکسٹھ قرآن ختم کرنے کے لئے لکھا، میرے دوستوں نے کوشش کی، مولوی انعام نے اکسٹھ قرآن سنائے، ایک نے چھپن اور بعض لوگوں نے ساٹھ ساٹھ ختم کئے"۔ (صحبتے با اولیاء یعنی مجموعہ ملفوظات حضرت شیخ: ۲۰۴)

آخری عشرہ کا اعتکاف بھی سالہاسال تک بہت اہتمام سے فرماتے رہے، مسجد کی صف اول میں داہنی جانب آپ کا معتکف ہوتا، اس سے متصل حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ اور پھر ترتیب وار مرکز کے دیگر خواص کی جگہیں ہوتی تھیں۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ (متوفی: ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء)

اِتباعِ سنت کے جذبہ وشوق میں اولیاءِ کاملین وعارفین کا بھی ماہِ مبارک میں اہتمامِ عبادت، اعتکاف اور اکثر تلاوت ونوافل کا معمول ہمیشہ رہا ہے۔

متقدمین کا ذکر نہیں، ابھی ماضی قریب کے اکابر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت رائے پوری، حضرت

تھانوی، حضرت مدنی اور اخیر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مراقدہم و برد مضاجعہم کے یہاں رمضان المبارک میں سینکڑوں کی تعداد میں مریدین وخدام اور ماہ مبارک کے قدرداں حضرات جمع ہوجاتے تھے اور ذکر وشغل، تلاوت وعبادت میں پوری سرگرمی وعالی ہمتی سے مشغول رہتے اور گویا ایک رمضان گزرنے کے بعد سے ہی آنے والے رمضان کا انتظار شروع ہوجاتا اور ان اکابرین کے اندر رمضان آتے ہی ایک نیا جوش وولولہ اور ایک نئی نشاط وامنگ پیدا ہوجاتی تھی اور وہ کبھی زبان حال سے گویا ہوتے تھے:

هذا الذي كانت الأيام تنتظر　　فليوف لله أقوام بما نذروا

"یہ وہ دولت ہے جس کا زمانہ کو انتظار تھا، اب وقت آ گیا ہے کہ نذر ماننے والے اپنی نذر پوری کریں"۔ اور کبھی یہ شعر ان کے حسب حال ہوتا:

پلا ساقیا وہ مئے دل فروز　　کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی قدس سرہٗ جو ان اکابر کے علوم ومعارف اور باطنی وروحانی اوصاف وکمالات کے حامل وامین اور ان کے صحیح وارث تھے، کو بھی ماہ مبارک کا اہتمام ہمیشہ سے رہا۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نوراللہ مرقدہ ایک عظیم صاحب نسبت بزرگ، عالم ربانی، مفتی بے مثل اور جامع علمی شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے کمالات وخصوصیات سے نوازا تھا۔ آپ دارالعلوم دیوبند صدر مفتی رہے اور اور مظاہر علوم سہارن پور میں بھی افتاء کے فرائض انجام دیے۔ مسند افتاء پر فائز ہونے کے علاوہ، دارالعلوم میں صحیح بخاری، سنن نسائی ودیگر کتب حدیث وفقہ کی تدریس بھی آپ سے متعلق رہی۔ نہایت منکسر المزاج، وسیع المطالعہ، ذاکر وشاغل، فراخ حوصلہ اور سیر چشم بزرگ تھے۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کے یہاں بھی اتباع سنت میں شعبان ہی سے ماہ مبارک کا اہتمام شروع ہوجاتا تھا، محترم جناب حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ شعبان بلکہ بعض دفعہ اس سے پہلے ہی ماہ مبارک میں آنے والے مہمانوں کے لیے انتظامات شروع فرمادیتے، کیا کیا سامان آنا ہے، کس کس چیز کی ضرورت پیش آئے گی، کھانا کون پکائے گا، تقسیم کون کرے گا، مہمان اور معتکفین کی خدمت کون کون کریں گے، بیرونی ممالک سے آنے والے مہمانوں کا کیا انتظام ہوگا، ٹکٹ وغیرہ کی سہولیات کس طرح ہوں گی، سردی وگرمی کا کیا ہوگا؟

غرضیکہ ماہ مبارک سے پہلے ہی آنے والوں کی ہر امکانی سہولت وراحت رسانی کی فکر کی جاتی اور تمام انتظامات درست کیے جاتے اور ماہ مبارک آنے سے پہلے ہی مسجد مہمانوں سے بھر جاتی، ہر وقت مہمانوں کا تانتا لگا رہتا، کوئی دن میں آرہا ہے کوئی رات میں آرہا ہے، کوئی قافلہ صبح پہنچ رہا ہے کوئی شام میں، کسی کی آمد کی اطلاع آرہی ہے، کسی کو لانے کے لیے اسٹیشن پہنچ رہے ہیں، کوئی اہلیہ کو لیے آرہا ہے اس کے لیے الگ انتظام کیا جارہا ہے، کوئی بچوں کو ساتھ لایا ہے، ایک عجیب بہار ہو رہی ہے، دیکھتے ہی دیکھتے ۲۹؍ رمضان کو مسجد اندر باہر، اوپر نیچے سب بھر گئی، مسجد کے دائیں بائیں اور دارالعلوم کے بعض دیگر کمروں میں غیر معتکفین حضرات کا انتظام کرنا پڑتا، مجمع کی کثرت کی وجہ سے جگہ تقسیم کی جارہی ہے، ایک کے حصہ میں بعض دفعہ ڈیڑھ فٹ ہی جگہ آسکی؛ مگر اس پر ہر ایک خوش ہے کہ کیا دولت میسر آگئی، مہمانوں کی سہولت کے لیے بعض ہدایتیں لکھ کر آویزاں کردی گئیں، آنے والے مہمان فلاں کے پاس اپنا نام اور مدت قیام درج کرائیں، زائد سامان فلاں کمرے میں فلاں کے پاس رکھیں، دیگر ضروریات کے لیے فلاں سے رابطہ قائم کریں، زبانی بھی ان ہدایات کو دہرایا جاتا، احاطۂ مسجد کے غسل خانے، بیت الخلاء ناکافی ہو جاتے، جس کی وجہ سے دارالعلوم کے اندر یا دارالعلوم ہی کی عمارت افریقی منزل میں مزید سہولت فراہم کی جاتی، مہمانوں کو ان کی نشان دہی کی جاتی، آداب اعتکاف اور آداب مسجد نیز باہم ایک دوسرے کے حقوق بھی بتائے جاتے اور بار بار اس پر تنبیہ کی جاتی کہ اس کی کوشش ہو کہ وقت ضائع نہ ہو اور کسی کو اذیت نہ پہنچے، چوبیس گھنٹہ کے نظام الاوقات کا نقشہ بھی آویزاں کردیا جاتا، نیز ایک کاغذ پر ضروری ہدایات بھی آویزاں کی جاتیں۔

غرضیکہ اس کا پورا اہتمام ہوتا کہ کسی کو کسی سے اذیت نہ پہنچے اور وقت بھی ضائع نہ ہو؛ چنانچہ بہت سے حضرات یومیہ قرآن پاک ختم فرما لیتے تھے، بعض حضرات نصف قرآن یومیہ، اس کا بھی اہتمام ہوتا کہ رات کو حفاظ نفلوں میں قرآن پاک سنانے کا اہتمام کریں، اس کی یہ شکل ہوتی کہ ایک حافظ کے ساتھ دو تین آدمی شریک ہوتے، حافظ سناتا یہ حضرات سامع بنتے، بہت سے حضرات مسجد کے باہر صحن میں قرآن پاک دیکھ کر تلاوت میں مشغول رہتے اور پوری رات نوافل وتلاوت کا یہ سلسلہ جاری رہتا، بعض حضرات کچھ دیر آرام کرتے اور پھر اٹھ کر کھڑے ہوتے۔

حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کی طرف سے مہمانوں کی راحت رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جاتا مختلف شہروں، صوبوں اور ملکوں سے آنے والے مہمانوں کے مزاج کی رعایت کھانے میں رکھی جاتی، سحر وافطار اور شام کے

کھانے میں دسترخوان صحیح وقت پر بچھانے اور دونوں وقت چائے کا بھی نظم ہوتا،افطار میں مختلف قسم کے میوہ جات، پھلوں اور مختلف قسم کے مشروبات کا انتظام کیا جاتا،پورے مجمع کے لیے کھجور و زمزم کا بھی انتظام ہوتا،زمزم خواص کے لیے فنجان اور پیالوں میں پیش کیا جاتا اور بقیہ مجمع کے لیے ایک بڑے ٹپ میں زمزم ڈال دیا جاتا،مدنی کھجوروں کا بھی اہتمام کیا جاتا،حکیم وڈاکٹروں کا بھی انتظام کیا جاتا،ان کا وقت مقرر ہوتا کہ فلاں فلاں وقت حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب آئیں گے،بیمار حضرات حسب مزاج ان سے رجوع کرتے۔

تراویح میں عموماً تین قرآن پاک ختم ہوتے،ہر عشرہ میں الگ الگ حافظ سناتا اور درمیانی عشرہ میں بقیہ معتکفین کو موقع دیا جاتا کہ ایک ایک پارہ ایک ایک حافظ پڑھتا اس طرح ہر شب میں تین حافظ تین پارے سناتے۔

سحر میں ڈھائی بجے بیدار کر دیا جاتا،اخیر رمضان میں تقریباً سوا دو بجے بیدار کیا جاتا جو حضرات بیدار کرنے پر مقرر تھے،وہ سونے والوں کا ہلکے سے پیر دباتے یا پیر پر ہاتھ رکھتے اور سونے والا اُٹھ کھڑا ہوتا،چند منٹ میں سب بیدار ہو جاتے،نہ آواز ہوتی،نہ شور،نہ الارم بجایا جاتا،نہ اعلان کیا جاتا،بتی روشن کر دی جاتی جس کو شب میں تقریباً بارہ بجے حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کے بیان کے چند منٹ بعد بند کر دیا جاتا تھا،ہر شخص استنجاء وضوء سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتا اور منتظمین کی جانب سے اڑھائی بجے ہی دسترخوان بچھا دیا جاتا اور برتن لگا دیے جاتے اور اعلان کر دیا جاتا مہمان حضرات دسترخوان پر تشریف لے آئیں،کھانا شروع ہو جاتا،جو حضرات کھانا کھلانے اور پانی پلانے پر مقرر تھے سب خوبصورتی اور خاموشی کے ساتھ اس کو انجام دیتے،کھانے چائے سے فارغ ہونے والے نوافل،تلاوت اور دعاء میں مشغول ہو جاتے،ساڑھے تین بجے یا پونے چار بجے عموماً سب فارغ ہو کر تلاوت میں مشغول ہو جاتے،یہ منظر بھی عجیب پر کیف منظر ہوتا،نماز فجر اول وقت ہوتی اور پھر اندر کے حصہ کی بجلی بند کر دی جاتی اور سب سو جاتے،کچھ حضرات اس وقت بھی تلاوت کرتے اور وہ باہر صحن میں بیٹھ کر تلاوت کرتے؛تاکہ سونے والوں کو اذیت نہ ہو۔

سونے کا یہ وقت دس بجے تک ہوتا،دس بجے سے قبل کسی کو بیدار نہ کیا جاتا؛البتہ از خود حسب توفیق بیدار و مشغول ہوتے رہتے؛لیکن دس بجے سب کو بیدار کر دیا جاتا،دس بجے تک وہی حضرات عموماً سوتے جو شب میں بالکل نہ سوتے ،اور سب استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو کر نوافل وتلاوت میں مشغول ہو جاتے،گیارہ بجے سے بارہ بجے تک کتاب سنائی جاتی،فضائل رمضان،اکابر کا رمضان اور الاعتدال فی مراتب الرجال۔

اس کے بعد پھر تلاوت کا سلسلہ شروع ہو جاتا،کچھ حضرات تھوڑی بہت دیر استراحت فرماتے،اذان پر اُٹھ

کرنمازظہر کی تیاری اوراس سے فارغ ہوکرآیت کریمہ کاختم ہوتا،اس کے بعداجتماعی دعاء ہوکرذکر بالجہر کی مجلس شروع ہوجاتی ، کسی پرذوق وشوق، کسی پرلطف وسروراور کسی پرگریہ وبکا کاغلبہ طاری رہتا،قبل عصر یہ مجلس ختم ہوکرعصر بعد حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کی مجلس ہوتی جس میں ارشادالملوک ،اکمال الشیم پڑھ کرسنائی جاتی ،مغرب سے پندرہ منٹ پہلے یہ مجلس ختم ہوتی اورسب حضرات دعاوتلاوت اورمراقبہ وغیرہ میں مشغول ہوجاتے، منتظمین حضرات افطار کے لیے دسترخوان بچھادیتے اورافطار سے پانچ منٹ پہلے اعلان ہوتا کہ مہمان حضرات دسترخوان پرتشریف لے آئیں ،افطارکااعلان کبھی زبانی ہوتا کبھی صرف اذان پراکتفا ہوتا،گھنٹی یانقارہ کادستورنہیں تھا،افطار اطمینان سے ہوتا،اس کے بعدنمازادا کی جاتی ،نماز کے بعد کھانے کے لیے دسترخوان لگادیا جاتا،مہمان حضرات مختصرنفلیں پڑھ کردسترخوان پرآجاتے اور پھر بعد میں اپنے نوافل پورے کرتے ،کھانے کے بعد چائے کابھی اہتمام ہوتا۔

سحروافطار ہرموقع پرمیزبان یعنی حضرت فقیہ الامت نوراللہ مرقدہ کی سخاوت اورفیاضی کاخوب ظہور ہوتا،مختلف انواع کے ذریعہ مہمانوں کی دلداری کی جاتی ،عشاء کے بعدمعمولات تراویح وغیرہ سے فراغت پرتقریباًبارہ بجے رفقائے کارآپس میں مذاکرہ کرتے ،کسی مہمان کوکسی کے رویہ سے شکایت تونہیں ہوئی ،اگرکسی کے بارے میں معلوم ہوتااس سے احتساب ہوتا،بازپرس ہوتی اوراس مہمان سے معافی اورتدارک کی کوشش کی جاتی۔

دُعاء کے بعدصلوٰۃ وسلام کی چہل حدیث ہوتی ،ایک شخص پڑھتااور پورامجمع سنتا،اس کے بعدحضرت مفتی صاحب قدس سرہ کابیان ہوتا،سیدھے سادھے الفاظ ہوتے مگرآبدارموتیوں کی طرح صاف ستھرے ،نہ واعظوں جیساجوش ہوتا،نہ آوازسخت ہوتی اورنہ ہی اس میں تکلف وتصنع کاشائبہ ہوتا،اخیر سالوں میں ناسازئ طبع کی وجہ سے وعظ کے بجائے فضائل صدقات یاحضرت والاؒ کے مواعظ پڑھ کرسنائے جاتے ،دعاء کبھی بالجہر ہوتی کبھی بالسر،کسی ایک طریق کاالتزام نہیں تھا،دعاء میں بھی سادہ الفاظ ہوتے ،دعابالجہر ہوتی یابالسرمجمع پرگریہ غالب ہوتا،اکثر کی ہچکیاں بندھ جاتیں اوربعض کی چیخیں نکل جاتیں ،دعاشروع ہوتے ہی مجمع کی حالت بدل جاتی ،بجلی کے مثل کوئی چیزقلوب میں کوندجاتی جودلوں میں گرمی ورقت پیدا کردیتی اورمجمع کوبے خود بنادیتی۔

ابتدائی دورکے رمضان کے معمولات تواوپرگزرچکے ہیں ،اخیر دورمیں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ شب میں ڈھائی بجے یااس سے پہلے بیدارہوکرنوافل میں مشغول ہوجاتے ،طویل نفلیں ہوتیں جن سے ساڑھے تین

بجے کے قریب فراغت ہوجاتی، پھر سحری تناول فرماتے جو صرف چند لقمے ہوتی اور پھر نوافل میں مشغول ہوجاتے ،اذانِ فجر پر سنت الفجر مختصر پڑھتے ،فوراً فرض نماز ہوتی، نماز بعد استراحت فرماتے اور سات ساڑھے سات بجے تقریباً بیدار ہوجاتے ،استنجاء ووضو سے فراغت فرماتے۔

اس کے بعد اشراق میں مشغول ہوجاتے ،اس وقت قرأت کافی طویل ہوتی اور نماز میں استغراق اور انقطاع عن الخلق کی وہ کیفیت ہوتی گویا **الصلوٰۃ معراج المؤمنین ومناجات رب العالمین** اور **فلاتسئل عن حسنھن وطولھن** (ان کی خوبصورتی اور لمبائی کومت پوچھ) کا پورا ظہور ہوتا،اس ضعف وپیری اور ناتوانی وکثرت امراض (کہ کھڑے ہوتے ہی عموماً فوراً چکرآتا تھا) کے باوجود نماز میں خدا معلوم کہاں سے یہ قوت آجاتی کہ ضعف کا شائبہ تک بھی نہ ہوتا،کمال خشوع وخضوع کے ساتھ ساڑھے نو بجے تقریباً اشراق سے فراغت ہوتی اس کے بعد ایک دوصاحب کا قرآن پاک سماعت فرماتے تقریباً دس بجے تک۔

اس کے بعد اہم اور ضروری خطوط اور فتاویٰ کے جوابات املا کراتے اسی دوران معتکفین میں سے کوئی سوال کرتا،تو حضرت جواب ارشاد فرماتے تقریباً گیارہ بجے تک یہ سلسلہ رہتا،گیارہ سے ساڑھے گیارہ تک حضرت قدس سرہ کے فتاویٰ یا اور کوئی رسالہ حضرت کو سنایا جاتا اور حضرت مناسب ترمیم،حذف یا اضافہ فرماتے۔

ظہر کی نماز کے بعد معمولات آیت کریمہ وغیرہ کے ختم کے بعد حضرت قدس سرہ اپنے معتکف میں تشریف لے جاتے ،جہاں بیعت ہونے والے حضرات پہلے سے جمع ہوجاتے ان کو بیعت فرماتے ،پہلے سے بیعت شدہ حضرات میں سے کسی کو کچھ پوچھنا ہوتا یا ذکر میں اضافہ کرانا ہوتا وہ بھی حاضر ہوکر اپنی اپنی باتیں مختصراً عرض کرتے حضرت والا ہر ایک کے موافق جواب سے سرفراز فرماتے ،اس کے بعد ذکر میں مشغول ہوجاتے اور ذاکرین کی طرف توجہ فرماتے جس کے اثرات حسب حال ذاکرین محسوس فرماتے۔

نمازِ عصر کے بعد پھر عمومی مجلس ہوتی،جس میں خود حضرت قدس سرہ شرکت فرماتے ،غروب سے تقریباً پندرہ منٹ قبل یہ مجلس ختم ہوتی۔

اس کے بعد افطار میں ایک فنجان زمزم ایک آدھ کھجور تناول فرماتے ،فنجان بھی آدھا خود نوش فرماتے اور آدھا خادم خاص مستغنی عن الالقاب محترم جناب حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور افریقی مدظلہ العالی کے حوالے فرماتے ،چند گھونٹ کوئی شربت نوش فرماتے اور دوسری چند چیزیں بھی چکھتے ،گو بظاہر بالکل اخیر تک مشغول رہتے ،

مگر یہ مشغولی محض خدام کی دلداری کے طور پر ہوتی، اس کے بعد نمازِ مغرب ہوتی، حضرت والاؒ نماز مغرب کے بعد نوافل میں مشغول رہتے اور اطمینان کے ساتھ نوافل سے فراغت پر کھانے میں شرکت فرماتے، یہ شرکت بھی برائے نام ہوتی، آدھی چپاتی شاید ہی بمشکل تناول فرماتے ہوں؛ ورنہ تو کوئی ہڈی چوستے رہتے، جس سے معلوم ہو کہ کھانے میں مشغول ہیں، کئی سال قبل ایک موقع پر ماہ مبارک ہی میں شام کے کھانے کے بارے میں فرمایا تھا: مہمانوں کی رعایت میں بیٹھ جاتا ہوں؛ ورنہ خواہش نہیں ہوتی، کھانے کے بعد ۱۵-۲۰ رمنٹ استراحت فرماتے اور اذان عشاء پر وضوء استنجا سے فارغ ہو کر قبل عشاء کی سنتوں میں مشغول ہوتے، پھر فرض و تراویح ادا ہوتی، اس کے بعد سورۂ یٰسین کا ختم پھر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا، جس میں حضرت والاؒ برابر شریک رہتے اس کے بعد حضرت قدس سرہ کا وعظ ہوتا، آدھ پون گھنٹہ کبھی کم وبیش حسب ذوق، جس کی کچھ کیفیت اوپر گزر چکی، اخیر سالوں میں ناسازیٔ طبع کی وجہ سے کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی، بیان کے بعد نئے آنے والے یا صبح کو جانے والوں کا مصافحہ ہوتا کہ عمومی مصافحہ کا ایک یہی وقت ہوتا تھا دن میں آئے ہوئے مہمان حضرات اسی وقت مصافحہ کرتے اور جو حضرات کل کسی وقت جانے والے ہیں وہ بھی اسی وقت مصافحہ کر لیتے، خواص حضرات دن میں بھی کسی وقت موقع پا کر جب حضرت والاؒ استنجاء ووضوء کے لیے تشریف لے جاتے، آتے جاتے وقت مصافحہ کر لیتے، مصافحہ سے فراغت پر حضرت قدس سرہ اپنے معتکف میں تشریف لے جاتے اور بظاہر استراحت فرماتے کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ سو رہے ہیں؛ ورنہ بعض خدام خواص نے لیٹے ہوئے بھی آہستہ آہستہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا۔

ان تمام معمولات ومشاغل کے ساتھ ایک قرآن پاک یومیہ ختم فرماتے کہ نصف صدی سے زائد سے ہر ماہ مبارک میں یومیہ ختم کلام اللہ کا معمول تھا۔ (مواعظ فقیہ الامت)

ان تمام تر خدمات اور معتکفین و مقیمین کی امکانی راحت رسانیوں کے باوجود حضرت فقیہ الامت قدس سرہ آخری دن میں آنے والوں کا شکریہ ادا فرماتے اور معذرت فرماتے کہ میں آپ حضرات کے شایان شان کوئی خدمت نہیں کر سکا، اپنے گھروں میں آپ حضرات آرام سے رہتے یہاں وہ آرام نہیں مل سکا، اس لیے معافی چاہتا ہوں، آپ حضرات معاف فرمائیں۔

ان کلمات کے سنتے ہی حالت بدل جاتی، چیخ وپکار اور ہچکیوں کی آواز بلند ہو جاتی اور یہ حال ہوتا گویا ذبح کر دیا گیا بہ مشکل حاضرین اپنے آپ کو قابو میں کر پاتے۔ (ماخوذ از: حیات محمود)

حبیب الامت حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی (متوفی:۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء)

اس دنیائے فانی میں اللہ پاک کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو سچے اور کھرے ہوتے ہیں اللہ کے خاص دوست ہوتے ہیں، وہ خشیتِ الٰہی اور عشق خداوندی میں ایسے ڈوبے ہوتے ہیں کہ "**الـذین اذارء وا ذکر اللّٰہ**" کے مصداق بن جاتے ہیں، ان کے ساتھ چند لمحات گذارنا بھی عبادت ہوتا ہے، بقول مولانا روم: ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ایسے لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم "**کونوا مع الصادقین**" کی صورت میں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا ہے، ان حضرات کی صحبتیں، مجلسیں اور باتیں ایسی مشک بار ہوتی ہیں کہ ایک زمانہ ان سے معطر ہوتا ہے، اور بندگانِ خدا انہیں سن کر اپنے رب کے قریب تر ہو جاتے ہیں، ان کے الفاظ میں ان کے ملکات وجذبات سموئے ہوئے ہوتے ہیں، وہ جو کہتے ہیں دل سے کہتے ہیں، اس لیے ان کی گفتگو، پند ونصائح اور وعظ وتذکیر دلوں کی کایا پلٹ دیتی ہے، کسی نے خوب ہی کہا ہے: ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقت پرواز؛ مگر رکھتی ہے

ایسی ہی با اثر شخصیات میں سے ایک اور اسی سلسلۃ الذہب کی ایک روشن کڑی اور اللہ کے ایک نیک بندے، یادگار اسلاف، پیکر زہد وتقویٰ حبیب الامت حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی قدس سرہ بھی تھے۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب اسعدی دامت برکاتہم العالی لکھتے ہیں:

رمضان کے فرض روزوں کی پابندی تو کوئی خاص بات نہیں کہ یہ روزے رکنِ اسلام ہیں، ہر مسلمان کو ان کا اہتمام کرنا چاہیے اور لوگ خوب کرتے ہیں، حضرت کے حالات میں اہمیت ہے رمضان کے اعتکاف کی اور رمضان میں روزوں کے علاوہ دوسرے معمولات کی۔

رمضان میں یوں تو پہلے عشرہ کا معاملہ بھی اعتکاف جیسا ہوتا تھا، اگرچہ باقاعدہ اعتکاف نہیں ہوتا تھا، اصل میں رمضان اور اس کے معمولات کے اہتمام کے پیش نظر حضرت پہلے عشرہ میں بھی مسجد کے اندر ہی رہا کرتے تھے، خاص ضرورت کے تحت نکلتے اور خاص طور سے جب تک جامع مسجد باندہ میں سناتے رہے تو جتنے دن

سناتے اتنے دن کے اعتکاف کی نیت فرما لیتے تھے۔

باقی آخری عشرہ کا اعتکاف جو مسنون ہے، اس کا اہتمام نہیں؛ بلکہ ایک طرح سے التزام تھا، پہلے عشرہ میں ایک ختم کے بعد حضرت سفر فرماتے تھے، مدرسہ کی نسبت سے کچھ لوگوں سے ملنا ہوتا؛ ورنہ اصلاً بزرگوں کے یہاں چند یوم کو جانا ہوتا، حضرت ناظم صاحب (مولانا شاہ محمد اسعد اللہ رام پوریؒ، سابق ناظم اعلیٰ: جامعہ مظاہر علوم رسہارنپور) اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ (مولانا محمد زکریا کاندھلوی) جب تک باحیات رہے تو سہارنپور تشریف لے جاتے، اس کے بعد مفتی محمد صاحبؒ کے قیام ہند کی صورت میں ان کے پاس جاتے؛ حتی کہ جس رمضان میں حضرت مفتی صاحبؒ مدراس میں تھے، حضرت وہاں بھی چند یوم کے لیے تشریف لے گئے اور ایک سال افریقہ کے قیام کے موقع سے وہاں بھی رمضان کے ابتدائی دنوں میں قیام رہا، ان حضرات کی وفات کے بعد یہ سفر مختصر اور مدرسہ کے مصالح کے لیے رہ گیا، بہر حال! جہاں بھی تشریف لے جاتے ۱۸-۱۹ر رمضان کو واپس آ ہی جاتے؛ تاکہ وقت پر اعتکاف کر سکیں، ویسے کوشش ۱۸ویں شب سے ہتورا میں رہنے کی ہوتی؛ تاکہ تین تین پارے کے حساب سے ۲۷ویں شب کو قرآن مجید پورا ہو سکے۔

رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف حضرت کا نہیں چھوٹا، شدید بیماریوں کے زمانے میں بھی حضرت نے یہ معمول پورا کیا، اعتکاف کا معمول حضرت کی نوعمری سے اور خود حضرت کے بیان کے مطابق ۱۶ر سال کی عمر سے تھا، اس میں اس احساس کا بھی دخل تھا کہ گاؤں میں کسی نہ کسی کو اعتکاف کرنا چاہیے، حضرت نے دادا صاحب کو اہتمام کرتے دیکھا تھا، ان کی وفات کے بعد کچھ دن سلسلہ منقطع رہا، پھر حضرت نے جو اہتمام کیا تو الحمد للہ! اب تک ایک جماعت کے اعتکاف کا معمول چلا آ رہا ہے۔

پہلے تو حضرت گاؤں کی مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے، جیسا کہ پہلے عشرہ میں باندہ شہر کی جامع مسجد میں قیام رہتا تھا، بعد میں پہلا عشرہ اور آخری عشرہ دونوں مدرسہ کی مسجد میں گذرنے لگا تھا، جس کی خاص وجہ متعلقین و مہمانوں کی کثرت و وسعت تھی، یوں تو جب تک گاؤں کی مسجد میں اعتکاف کا سلسلہ رہا تب بھی کچھ نہ کچھ لوگ حضرت کے ساتھ اعتکاف میں رہتے اور بعض سالوں میں ۱۵۰ر اور ۲۰۰ر تک صرف معتکفین ہوئے اور دوسرے حضرات الگ ہوئے، جن کے لیے مسجد سے الگ قیام کا نظم کیا گیا، اگرچہ مسجد چھوڑ کر نہ گئے۔

حضرت کی مقبولیت و محبوبیت کے اضافہ کے ساتھ رمضان میں حضرت کے پاس آنے والوں اور اعتکاف

کرنے والوں کو تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا، جامع مسجد میں پہلے عشرہ میں مقامی اور ضلع کے اطراف کے کافی لوگ ہوتے تھے اور باہر سے بھی آنے لگے تھے اور آخری عشرہ کا اعتکاف جو گاؤں میں ہوتا تھا اس میں کہاں تک نوبت پہنچی جاننے والے خوب جانتے ہیں؛ بالخصوص آخری عشرہ کے آخری دنوں، اور ۲۵-۲۶ رکو تو بہت بڑا مجمع ہونے لگا تھا، مدرسہ و گاؤں میں بڑی رونق آجاتی تھی، مدرسہ جو تقریباً دو ماہ سے خالی ہوتا تھا چند دنوں کے لیے پورا مدرسہ آباد ہو جاتا تھا اور ۲۷ رکی صبح سے یہ مجمع واپس ہونے لگتا تھا، کوئی صبح، کوئی شام، کوئی ۲۸ رکو، کوئی ۲۹ رکو۔

جہاں تک رمضان کے مہمانوں کی ضیافت کا معاملہ ہے تو جب تک پہلے عشرہ میں حضرت شہر باندہ میں قرآن مجید سناتے رہے وہاں مہمانوں کا نظم شہر کے محبین کرتے تھے، اگرچہ حضرت اپنے مہمانوں کے نظم میں بے فکر و مستغنی نہیں رہتے تھے خود بھی کچھ نہ کچھ کرتے تھے؛ مگر اصل ذمہ داری شہر کے حضرات سنبھالتے تھے، جس سے حضرت کو بوجھ بھی محسوس ہوتا تھا اور یہی چیز پہلے عشرہ میں بھی ہتورا کے قیام و نظام کا باعث بنی؛ کیونکہ حضرت کو یہ بالکل پسند نہ تھا کہ حضرت کی وجہ سے کسی پر کوئی بوجھ ہو، وہ بھی مستقل اور بار بار۔

اسی طرح آخری عشرہ میں گاؤں کی مسجد کا نظام جب تک رہا تو گاؤں کے حضرات بڑے ذوق و شوق سے ضیافت کرتے رہے اور اس میں حصہ لیتے رہے۔

پھر جب حضرت نے پہلے و آخری، دونوں عشروں کا نظام ہتورا اور مدرسہ کی مسجد کا بنایا تو پھر سارے مہمانوں کی ضیافت حضرت کی طرف سے ہوتی، اس میں محبین مختلف قسم کا سامان پہنچاتے، شہر کے حضرات اور گاؤں کے لوگ بھی اپنی اپنی وسعت کے مطابق حسب سابق کرتے رہے؛ مگر اب آنے والوں کی تعداد بہت ہو چکی تھی اور نظم بھی مختلف قسم کا کرنا ہوتا، اس لیے کہ ملک کے مختلف خطوں کے مہمان اور بیرون ملک کے مہمان بھی ہوتے اور حضرت کا مزاج تھا کہ ضیافت میں آنے والوں کے مزاج و معمول کے مطابق ضیافت و راحت کا نظم کیا جائے، یہ سارا نظم اور فکر تو حضرت اور حضرت کی ہدایات کے مطابق خدام ہی کر سکتے تھے۔

بہر حال! اصلاً یہ سارا بوجھ حضرت کے ذمہ ہوتا تھا اور حضرت ایک ایک چیز کا حساب اپنے پاس سے کرتے، مدرسہ کے بجٹ سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا؛ حالانکہ ان آنے جانے والوں کی وجہ سے مدرسہ کا بہت فائدہ ہوتا تھا، نقد بھی اور بعد میں بھی؛ مگر حضرت نے رمضان کی ضیافت میں مدرسہ کی شرکت کو بالکل پسند نہ کیا؛ بلکہ اپنی ضیافت میں مدرسہ کو شریک کیا، یوں کہ رمضان کی ضیافت صرف مہمانوں تک ہی محدود نہ تھی،

جو طلباء مدرسہ میں ہوتے وہ حضرت کے دستر خوان ہی سے مستفید ہوتے، نیز مدرسہ کے کارکنوں میں جو لوگ ہوتے اور گاؤں کے بھی بہت سے لوگ حضرت کی ضیافت سے خوب خوب بہرہ ور ہوتے اور یہ تو ہوتا ہی تھا کہ حضرت کی طرف سے کھانا اور پھل وغیرہ حسب موقع سب کو پہنچتا رہتا تھا۔

حضرت باندویؒ رمضان کے حساب میں مدرسہ کے مطبخ، عمارت، برتن وغیرہ سب کا کرایہ بھی ادا فرماتے تھے؛ حتی کہ مسجد کی بجلی و جنریٹر، چٹائی سب کو شمار کر لیتے تھے اور سب کا پیسہ ادا فرماتے تھے اور رمضان میں بھی حضرت مزاج کے مطابق مہمانوں کے حق میں یہ اہتمام فرماتے کہ ان کو فلاں جگہ ٹھہراؤ، ان کو فلاں جگہ کھلاؤ اور ان کے لیے فلاں چیز کا نظم کرو اور ماہِ رمضان میں آنے والے حضرات خوب جانتے ہیں کہ کیسے بہتر سے بہتر کھانے کا نظم ہوتا تھا؛ جیسا کہ عام طور سے ماہِ رمضان میں گھروں میں کرتے ہیں، روزانہ مختلف قسم کا ایسا سالن ہوتا کہ پرہیز والوں کو پریشانی نہ ہو، دال، ترکاری، گوشت اور ادھر تو بڑے کا گوشت بند کر دیا گیا تھا، بسا اوقات شکار کا گوشت بھی ہو جاتا تھا اور افطار میں مختلف قسم کے پھلوں کے علاوہ گرمی کے دنوں میں روزانہ شربت کا بھی نظم رہتا تھا اور سحری میں کوئی میٹھی چیز ضرور ہوتی تھی، البتہ چائے کا نظم بہت محدود اور خصوصی ہوتا، اس کے لیے حضرت مسجد کے قریب ہوٹل کا نظم فرما دیتے؛ بلکہ یہ بات پیش نظر رہتی تھی کہ آج کل مدرسہ کی چھٹی کی وجہ سے ہوٹل بند رہتے ہیں تو کچھ ان کا بھلا ہو جائے گا۔

ماہِ مبارک میں باندہ و ہتورا میں رہتے ہوئے حضرت کا جو معمول تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت افطار و سحر بہت مختصر برائے نام فرماتے تھے، دونوں مواقع میں اصلاً سنت کی ادائیگی کی بات تھی، غیر رمضان میں بھی روزہ رکھنا ہو تو سحر میں برائے نام کچھ کھاتے، اسی لیے بے تکلف بغیر سحری کے روزہ رکھ لیتے تھے، کھانا بعد تراویح تناول فرماتے تھے اور اسی وقت کچھ کھا لیتے تھے، چائے وغیرہ پینے کا حضرت کا معمول نہ تھا، قرآن مجید پورا ہو جانے کے بعد مغرب بعد ہی حسب خواہش کھانا تناول فرما لیتے تھے۔

یوں حضرت کا دن بھر کا اپنا ذاتی معمول یہ تھا کہ رات کے کچھ حصے میں آرام فرمانے کے بعد بیدار ہوتے اور تہجد ادا فرماتے، جس میں حسب موقع چند پاروں کی تلاوت فرماتے، پھر اپنی سحر اور مہمانوں کی فکر، اس کے بعد اول وقت فجر ادا فرماتے۔

باندہ کے قیام میں بعد فجر کچھ دیر بیان فرماتے اور اگر کوئی عالم آیا ہوا ہوتا تو اس سے بیان کرواتے، اس کے بعد

اشراق ادا کر کے آرام فرماتے، کچھ گھنٹے آرام کے بعد بیدار ہوتے اور چاشت کی نماز ادا فرماتے، پھر تلاوت فرماتے اور حسب موقع جو حافظ ملتا اس کو سناتے، ظہر سے قبل پھر آرام فرماتے اور ظہر بعد تلاوت سنانے کی صورت میں فرماتے، ان اوقات میں آنے والوں کا کام اور کچھ لکھنے لکھانے کا بھی کام ہوتا۔

عصر بعد حضرت دیکھ کر تلاوت فرماتے، حضرت کے حفظ کا قرآن مجید محفوظ تھا اسی میں تلاوت فرماتے تھے اور اس کے بعد تسبیحات میں مشغول رہتے، مغرب بعد معمول کے مطابق اوابین ادا فرماتے، اس کے بعد مہمانوں کی فکر میں رہتے، تراویح اور حسب خواہش کھانے سے فارغ ہو کر اعتکاف میں آئے ہوئے نیز دیگر مقیم مہمانوں سے کچھ دیر ملاقات فرماتے، پھر آرام فرماتے، رمضان میں روزانہ یا حسب موقع صلوٰۃ التسبیح کا بھی اہتمام فرماتے۔

متعلقین جو رمضان کے لیے آتے تھے وہ بھی اسی کے مطابق معمولات کے پابند تھے، بعد ظہر حضرت کا (تقریباً) ایک گھنٹہ بیان ہوتا، اسکے بعد حضرت تلاوت فرماتے یا جو کام سامنے ہوتا، عصر بعد فضائل اعمال سنائی جاتی اور اس کے بعد لوگ حضرت کی ہدایت کے مطابق ذکر کرتے اور حضرت بھی ذکر کرتے، نیز دیکھ کر تلاوت کرتے اور تراویح کے بعد زاد السعید سے درود پاک سنانے اور دعا کا بھی معمول تھا۔

آنے والوں کا مشغول رہنا اور ان کو مشغول رکھنا ضروری تھا، حضرت اس کی فکر رکھتے اور شروع میں اہتمام سے اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً توجہ دلاتے رہتے، اہم ہدایت یہی تھی کہ وقت کی پوری قدر کی جائے اور وقت کو ضائع نہ کیا جائے اور تلاوت وذکر وغیرہ کس وقت میں کیا جائے؟ اپنے طور پر، اپنے مزاج کے مطابق معمول مقرر کیا جائے، اس بابت تفصیل مطلوب ہو تو ”افاداتِ صدیق“ وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔

ایک اہم سلسلہ بالخصوص آخری عشرہ کے معتکفین کے لیے تعلیمی مجلسوں وحلقوں کا تھا، بعد ظہر حضرت کے بیان کے بعد تمام لوگ چھوٹے چھوٹے حلقوں میں ہو جاتے اور خصوصیت سے قرآن مجید کی تصحیح کرتے اور مزید کچھ ضروری مذاکرے بھی کرتے۔

ماہِ مبارک کے اہتمام میں حضرت کا ذوق ومزاج کیا چاہتا تھا اور کیا جذبہ تھا، ایک ملفوظ ملاحظہ ہو، مولوی احمد عبداللہ صاحب فرماتے ہیں:

”ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا: رمضان المبارک کے مہینے میں طبیعت تو یہ چاہتی ہے کہ میں ہوں اور کچھ ہم مزاج احباب ہوں، قرآن پاک کی تلاوت ہو اور اس کی یاد ہو، لیکن کیا کروں مجبوری ہے، ان دنوں اگر کوئی

مجھ سے (بلا مقصد) بات کرتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی نے مجھ پر گولی چلادی ہے"۔

دن میں جو لوگ موجود تھے ان سے بعد ظہر و عصر خطاب میں فرمایا:

"آج کی رات کا اہتمام کریں، عشاء سے صبح تک رات کو اِدھر اُدھر کے شغل میں نہ لگائیں، کوئی رات تو ایسی ہو کہ جس کے اہتمام میں چائے و پان چھوڑ دیں، یہ جگہ تو ایسی تھی کہ یہاں کچھ نہ ملتا تھا، مگر آپ کھاتے پیتے ہیں اس لیے سب ملتا ہے، مجھے وقت ضائع کرنا بہت کھلتا ہے، مگر میں بخدا کہتا ہوں کہ آپ کے اکرام واحترام میں کچھ نہیں کہتا"۔

اسی دن کچھ لوگوں نے بعد مغرب تعویذ کے لیے سوال کیا تو ناراض ہو کر فرمایا:

"آج بالکل مت چھیڑو، میرا وقت اِدھر اُدھر مت لگاؤ"۔

قرآن کریم کی تلاوت اور اس سے متعلقہ علوم کے ساتھ خصوصی تعلق اور شدید شغف کا معاملہ رہا، حضرت موقع وفرصت ملتے ہی تلاوت میں لگ جاتے؛ بالخصوص سفر میں تو یہ ایک خاص معمول تھا، فرمایا کرتے تھے کہ اسی وجہ سے سفر میں لوگوں کا بات کرنا مجھ کو بہت گراں گذرتا ہے، اپنے لڑکوں کو بھی حضرت سفر میں تلاوت کے اہتمام کو فرمایا کرتے تھے۔

تلاوت کے اس شغف اور اس کی کثرت کا اصل مظاہرہ ماہِ مبارک میں ہوتا تھا کہ حضرتؒ رمضان المبارک میں نہ تو تلاوت سے تھکتے اور نہ تراویح میں سنانے سے تھکتے۔

حضرتؒ نے اولین محراب بلوغ سے پہلے سنائی اور پھر اس وقت سے لے کر عمر کے آخری رمضان تک (یعنی ۵۴-۱۳۵۳ھ سے لے کر ۱۴۱۷ھ تک) جو ساٹھ سال سے زائد کا عرصہ ہوتا ہے بغیر ناغہ کے ہر رمضان میں قرآن مجید سنایا اور کسی سال کا ناغہ نہ ہوا، عمر کے آخری سالوں میں دل کی بیماری اور اس کے بعد آپریشن، کوئی چیز مانع نہ بنی؛ حالانکہ دل کی بیماری کا حملہ حضرت پر ماہِ شعبان میں ہوا تھا اور اس کے چند سال بعد حضرت کے ایک سے زائد آپریشن بھی اخیر شعبان میں ہی ہوئے تھے مگر آپ نے قرآن مجید سنانے سے ہمت نہیں ہاری، قرآن کریم سے شغف وتعلق کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوسکتی ہے، اس لیے کہ اس حال میں بھی سنانا اس شغف وتعلق کے علاوہ کس بنا پر ہوسکتا ہے؟ جبکہ اکثر حفاظ اخیر عمر میں یونہی سنانا بند کردیتے ہیں اور عوارض وبیماریاں وغیرہ تو سبب بن ہی جایا کرتی ہیں۔

حضرتؒ کے پڑھنے کا انداز بڑا پیارا، دل لگانے والا اور دل میں بیٹھنے والا تھا، نہ آواز بہت پست نہ بلند، نہ

رفتار بہت تیز نہ ہی بالکل دھیمی، بس ایک رفتار اور ایک نغمہ، جیسے سمندر کی پرسکون سطح کہ جس میں بالکل ہی تموج نہ ہو اور قواعدِ تجوید کی پوری رعایت۔

شروع کرتے تو بس پڑھتے چلے جاتے اور خود حضرت کی طبیعت منشرح ہوتی اور کھلتی چلی جاتی، جس سال قلب (یعنی دل کے عارضہ) کی شکایت ہوئی ظاہر ہے کہ بڑی پابندیاں تھیں، چاندرات آئی تو فرمایا: ذرا دیکھوں، شاید کچھ پڑھ سکوں اور (امام کی حیثیت سے) بیٹھ کر نیت باندھی اور شروع کیا، تو معمول کے مطابق چند پارے پڑھ ڈالے اور بس پھر چھ سات دن میں قرآن مجید پورا کرلیا۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ (متوفی: ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء)

امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت اس دور میں جہد مسلسل اور حق کی حمایت کے لیے شبانہ روز محنت اور جدو جہد کا عنوان تھی۔ آپ کی ۸۰ سالہ زندگی کے بیشتر لمحے قوم وملت کے لیے وقف رہے، آپ کی مخلصانہ اور دوراندیشانہ رہنمائی سے ملت اسلامیہ برابر مستفیض ہوتی رہی۔

آپ فدائے ملت، امیر الہند ثانی، ہندوستانی مسلمانوں کے عظیم قائد، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے بڑے صاحبزادے وجانشین، جمعیۃ علماء ہند کے صدر اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رُکنِ رکین تھے۔

معمولاتِ رمضان المبارک:

جانشین شیخ الاسلام، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں رمضان المبارک بتراویح، قیام اللیل اور اعتکاف کا خاص اہتمام ہوتا تھا، اس ماہ میں آپ کے مخصوص معمولات ہوتے تھے، ان معمولات کو ذیل میں مختصراً ذکر کیا جارہا ہے۔

محبوب العلماء والاولیاء حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب آسامی قاسمی دامت برکاتہم العالی کا بیان ومشاہدہ ہے:

"رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت کا پورا وقت تراویح، تہجد، اعتکاف، ذکر و وظائف اور دیگر اعمال میں گزرتا؛ لیکن دن کا اکثر حصہ تلاوت کلام اللہ میں صرف فرماتے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں اعتکاف میں آنے والے معتکفین مہمانوں کے انتظام کے لیے اور ان کو سہولیات فراہم کرانے کے لیے حضرت کم از کم تین مہینہ یا اس سے بھی پہلے تیاری شروع فرمادیتے، گیہوں کہاں

سے آئیں گے؟ مہمانوں کے لیے اچھے چاول کا انتظام کون کرے گا؟ لکڑیاں کون لائے گا؟ خرچ کی باریک باریک چیز کی نگرانی حضرت والاؒ خود فرماتے، Sample منگواتے، یہاں تک کہ گوشت کہاں سے آئے گا؟ باورچی کہاں سے اور کتنے آئیں گے؟ مکمل تفصیل حضرتؒ بذات خود معلوم کرتے، معتکفین کے لیے افطار میں زمزم اور مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا پابندی سے اہتمام فرماتے، اس میں بھی اس بات کا اہتمام رہتا کہ وہ خاص مدینہ طیبہ سے منگوائی گئی ہوں، رمضان المبارک میں حضرت امیر الہندؒ دیوبند کے اکابر کے گھروں میں افطار کا سامان بھیجنے کا اہتمام فرماتے، خاص کر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور اپنے رشتہ داروں کے گھروں میں پھلوں کی بڑی بڑی ٹوکریاں اور دوسری اقسام کے افطار کا سامان بھیجنے کا اہتمام فرماتے، تندرستی کے زمانے میں جب حضرت چل پھر سکتے تھے تو ہم نے دیکھا کہ افطار سے فارغ ہو کر مغرب کی نماز کے بعد کھانا لگ جاتا تو حضرتؒ بذات خود چل پھر کر مہمانوں کی نگرانی فرماتے اور ایک ایک دسترخوان پر پہنچتے کہ کہیں کوئی کمی تو نہیں ہے اور یہی معمول حادثے کے بعد بھی رہا، حضرتؒ وہیل چیئر پر تشریف رکھتے اور انتہائی تکلیف کے باوجود گھوم گھوم کر ایک ایک مہمان کی خبر لیتے اور تہجد کے بعد سحری کے وقت بھی یہی معمول دیکھنے میں آتا تھا، کبھی منتظمین کی خبر گیری فرماتے کہ کہیں کوئی بدنظمی نہ ہو اور اگر کہیں کوئی بدنظمی یا کمی ہوتی تو منتظمین حضرات پر خوب برستے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرتؒ کے گھرانے کے سارے بچے خدمت گاروں میں ہوتے اور ہر ایک خادم بن کر تمام معتکفین کی خدمت میں مشغول نظر آتا، رمضان المبارک میں پوری دنیا سے آنے والے معتکفین میں جو مخصوص مہمان ہوتے ان کے لیے حضرت تاکید کے ساتھ ناچیز سے ہدیہ دینے کے لیے اچھے عطر منگایا کرتے اور خود ہی ان میں تقسیم بھی فرماتے۔

آپؒ کے یہاں آخری رمضان المبارک سے پہلی والی رات قرآن کریم ختم کرنے کا معمول تھا، شروع زمانے یعنی ۱۹۷۵ء کی بات ہے کہ اس زمانے میں حضرتؒ کا مدنی مسجد میں اعتکاف کا معمول تھا، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم تراویح پڑھاتے تھے اور ختم والی رات میں بڑی لمبی دعا ہوتی تھی، دور دراز سے ہزاروں لوگ تشریف لاتے، ان کی سحری اور افطار کا انتظام ہوتا۔

آخر میں جب حضرت امیر الہندؒ جامع رشید میں اعتکاف فرمانے لگے تو اکثر مولانا محمود مدنی صاحب نے تراویح پڑھائی، آخری رات میں وہی معمول ہوتا کہ ختم قرآن کریم بڑے اہتمام سے ہوتا، جس میں عورتیں بھی

شریک ہوتیں، مسجد کی بالائی منزل میں دائیں طرف انتہائی پردے کے ساتھ ان کے لیے علیحدہ انتظام ہوتا اور دور دور تک عورتوں اور مردوں کا اختلاط بالکل نہ ہوتا، اکثر رمضان المبارک کے آخری دن بعد نمازِ ظہر حضرت تقریر فرماتے، جس میں رمضان المبارک میں اپنی کوتاہیوں کا ذکر کرتے، رمضان المبارک کی ناقدری پر افسوس کا اظہار فرماتے، مہمانوں سے مہمان نوازی میں کمی کی وجہ سے انتہائی شرمندگی کا اظہار فرماتے، خود بھی روتے اور سارے اہلِ مجلس کو رلاتے، یہاں تک کہ لوگوں کی ہچکیاں بندھ جاتیں، اسی مجلس میں اکثر جن حضرات کو اجازت دینی ہوتی تو اجازت بھی مرحمت فرما دیتے، اجازت دینے کا سلسلہ کبھی رمضان المبارک کے دو تین دن کے بعد بھی ہوتا۔

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ (سابق نائب مہتمم: دارالعلوم دیوبند) اور عزیزم حافظ محسن ابن حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ العالی کا حضرت امیر الہندؒ کے پاس قیام ہوتا تھا، دونوں حضرات مل کر تہجد کی نماز باجماعت پڑھتے تھے، کبھی معتکفین کی درخواست پر حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب بھی چند رکعتیں پڑھا دیا کرتے تھے، تہجد کے بعد حضرت انتہائی پابندی کے ساتھ آخری رات تک اس میں شریک ہوتے رہے، انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ دعا فرماتے، اخیر عشرے میں حضرت کے اوپر گریہ وزاری کی کیفیت بہت زیادہ طاری رہتی، تمام اوقات آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے اور بہت زیادہ رقت طاری رہتی۔

نمازِ عصر کے بعد حضرت امیر الہند قرآن پاک کا دور کرتے، دور ختم ہوتے ہی مسجد میں دو دسترخوان لگا دیے جاتے، ان میں سے ایک عام اور ایک خاص ہوتا۔ افطار ختم ہوتے ہی نماز کے لیے اقامت کہی جاتی، اقامت شروع ہوتے ہی حضرت والاؒ امام کے بالکل پیچھے ذرا سا دائیں طرف کھڑے ہوتے تھے، باوجودیکہ آپ چلنے پھرنے سے معذور تھے اور زیادہ تر ڈیل چیئر پر ہی کہیں آنا جانا ہوتا تھا؛ لیکن نماز الحمدللہ! باقاعدہ کھڑے ہو کر پڑھا کرتے۔

نماز کے بعد فوراً بعد دعا سے فارغ ہو کر مائک ہاتھ میں لے کر آپ یہ اعلان فرماتے کہ:

”بھائی! جتنے معتکفین ہیں، ان کے کھانے کا انتظام مسجد رشید میں ہے، وہ تہہ خانے میں تشریف لے چلیں اور ان کے علاوہ جو مہمانانِ کرام ہیں، وہ مکان میں تشریف لے چلیں، ان کے کھانے کا وہیں انتظام ہے، وہ براہ کرم معتکفین میں نہ بیٹھیں“۔

رمضان المبارک میں بعد نماز عصر تا مغرب متعدد حضرات؛ بالخصوص جملہ صاحبزادگان سے قرآن کریم کے پارے سنتے رہتے، اور تراویح کے بعد حضرت خود دس پندرہ منٹ امداد السلوک پڑھتے، پھر حضرت کے حکم سے مسجد کی

بتیاں بجھادی جاتیں، لوگ ذکر و فکر میں مشغول ہوجاتے اور حضرت بھی کافی دیر تک اس میں تشریف رکھتے اس کے بعد تہہ خانے میں تشریف لے جاتے اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر بیعت ہونے والے لوگوں کو بیعت فرماتے۔

آخری عشرے میں دن میں ظہر کے بعد لوگوں سے پرچیاں لی جاتیں، تصوف و سلوک میں جس کا جہاں درس ہوتا سالک کے احوال کے اعتبار سے حضرت رہنمائی فرماتے، آخری دنوں میں کسی ایک دن ظہر کے بعد سارے معتکفین کو لے کر حضرت صحن میں پہنچ جاتے، آخری تین دنوں میں کبھی ۲۷، کبھی ۲۸، اور کبھی ۲۹ کو جن حضرات کو قرآن پاک یاد ہوتا، وہ ختم قرآن کریم میں شرکت فرماتے اور باقی لوگ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" ختم فرماتے، پھر پوری اُمت کے لیے ایصال ثواب کا اہتمام کیا جاتا۔

اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے بندہ کی کتاب "معمولاتِ رمضان المبارک" کا مطالعہ کیا جائے، جو اسلاف واکابر کے معمولاتِ رمضان المبارک کے ساتھ ساتھ ان کے تذکارِ خیر بھی مشتمل ہے؛ جس کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہو سکے گا کہ یہ حضرات کون تھے؟ ان کا میدانِ عمل کیا تھا؟ دین وملت کے تئیں ان کی خدماتِ جلیلہ کیا تھیں؟ یہ کس درجہ اولوالعزم اور باکردار شخصیات تھیں؟

اُمید ہے کہ ہم ان حضرات کی زندگیوں کے مطالعہ کے بعد اپنی زندگیوں کو بھی ان کے نقوشِ خیر کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں گے۔ **وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ أنیب.**

☆......☆......☆

عید کی رات؛ انعام کی رات

رَمضانُ المبارک کے بابرکت اور مقدس مہینے کے اختتام پر آنے والی رات "لَیْلَةُ الْجَائِزَة" یعنی شبِ عیدالفطر، جو "چاند رات" کے نام سے معروف ہے، خصوصی برکتوں، رحمتوں، بخشش و مغفرت اور نہایت فضیلت کی حامل ہے۔ اِس رات اللہ تبارک وتعالیٰ اِس ماہِ مبارک کی تمام راتوں سے زیادہ سخی اور فیاض ہوکر اپنے بندوں کی مغفرت فرماتا ہے؛ مگر یہ انتہائی کم نصیبی کی بات ہے کہ لوگ عموماً اس سے غافل رہتے ہیں اور نتیجتاً اِس عظیم رات کے فیوض و برکات سے محروم رہ جاتے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں اِس شبِ عید کو "انعام کی رات" سے پکارا گیا ہے، جس میں ایمان واحتساب کے ساتھ ثواب کی نیت سے عبادت کرنے والوں کے لیے بڑی سعادتیں اور خوش خبریاں ہیں کہ جو اپنی عبادات اور روزوں سے ماہِ مقدس کی برکات وفضائل سے فیض یاب ہوئے، اللہ کی رحمت اور مغفرت کو اپنے لیے برحق بنایا، جہنم سے خلاصی کا پروانہ حاصل کیا اور یوں اللہ تعالیٰ کی تجلیات، انوارات اور انعامات کے حق دار ٹھہرے۔

نیز احادیثِ مبارکہ میں بھی شب عید (لیلۃ الجائزہ) کی بہت فضیلت آئی ہے۔

"لیلۃ الجائزہ" پر فرشتوں میں بھی خوشی کی دھوم مچی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اُن پر تجلی فرما کر دریافت فرماتا ہے: "اُس مزدور کی اُجرت کیا ہے، جس نے اپنی مزدوری پوری کرلی"؟ تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ "اُسے پوری پوری جزا اور اُجرت ملنی چاہیے"۔ اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "اے فرشتو! تم گواہ رہو، میں نے اُمتِ محمد (ﷺ) کے روزے داروں کو اُجرت دے دی"، یعنی روزے داروں کو بخش دیا۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام الانبیاء والمرسلین جناب حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أُعْطِيَتْ أُمَّتِيْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِيْ:

أَمَّا وَاحِدَةٌ: فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ نَظَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ وَمَنْ نَظَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِ لَمْ يُعَذِّبْهُ أَبَدًا.

وَأَمَّا الثَّانِيَةُ: فَإِنَّ خُلُوْفَ أَفْوَاهِهِمْ حِيْنَ يُمْسُوْنَ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ.

وَأَمَّا الثَّالِثَةُ: فَإِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ.

وَأَمَّا الرَّابِعَةُ: فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ جَنَّتَهُ فَيَقُوْلُ لَهَا: اسْتَعِدِّيْ وَتَزَيَّنِيْ لِعِبَادِيْ أَوْشَكُوْا أَنْ يَسْتَرِيْحُوْا مِنْ تَعَبِ الدُّنْيَا إِلٰى دَارِيْ وَكَرَامَتِيْ.

وَأَمَّا الْخَامِسَةُ: فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ آخِرُ لَيْلَةٍ غُفِرَ لَهُمْ جَمِيْعًا، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ فَقَالَ: لَا، أَلَمْ تَرَ إِلَى الْعُمَّالِ يَعْمَلُوْنَ فَإِذَا فَرَغُوْا مِنْ أَعْمَالِهِمْ وُفُّوْا أُجُوْرَهُمْ؟.

(أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، ٣٠٣/٣، الرقم: ٣٦٠٣، وفي فضائل الأوقات، ١٤٥/١، الرقم: ٣٦، والمنذري في الترغيب والترهيب، ٥٦/٢، الرقم: ١٤٧٧)

''میری اُمت کو رمضان شریف سے متعلق پانچ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں، جو پہلی اُمتوں کو نہیں ملیں۔ وہ یہ کہ:

(۱) اُن کے (روزے دار کے) منہ کی بُو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۲) اُن کے (روزے دار کے) لیے مچھلیاں تک دُعا کرتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں۔

(۳) جنت ہر روز اُن کے لیے آراستہ کی جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قریب ہے کہ میرے نیک بندے (دنیا کی) مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کر میری طرف آئیں۔

(۴) اس میں سرکش شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں۔

(۵) رمضان کی آخری رات میں روزے داروں کی مغفرت کر دی جاتی ہے''۔ صحابہؓ نے عرض کیا ''کیا یہ شبِ مغفرت، ''شبِ قدر'' ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں؛ بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کا کام ختم ہونے کے وقت اُسے مزدوری دے دی جاتی ہے''۔

شبِ عید کی فضیلت:

حقیقت یہ ہے کہ لیلۃ الجائزہ یعنی عید کی رات دراصل زیادہ سے زیادہ عبادات میں مشغول رہنے کی رات ہے۔ حضرت ابواُمامہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيْدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ، لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ.

(أخرجه ابن ماجه في السنن، كتاب الصيام، باب فيمن قام في ليلتي العيدين: ٥٦٧/١، رقم الحديث: ١٧٨٢، والبيهقي في السنن عن أبي الدرداءؓ: ٣١٩/٣، رقم الحديث: ٦٠٨٧)

''جو شخص ثواب کی نیت (یقین) کر کے دونوں عیدوں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) میں جاگے (اور عبادت میں مشغول رہے) اُس کا دل اُس دن نہ مرے گا (مُردہ نہیں ہوگا) جس دن (اہلِ فسق وضلال کے) دل مر جائیں گے (یعنی فتنہ و فساد کے وقت اور قیامت کے ہول ناک اور دہشت ناک دن میں یہ محفوظ رہے گا)''۔

اور حضرت عبادہ بن صامت ﷛ سے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَلّٰی لَیْلَةَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰی لَمْ یَمُتْ قَلْبُهٗ یَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ.

(أخرجه الطبراني في المعجم الأوسط: ١/٥٧، الرقم: ١٥٩، وذكره الهندي في كنز العمال: ٨/٢٥١، الرقم: ٢٤١٠٨)

''جس نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی شب نماز پڑھی اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا جب (اہلِ فسق و ضلال کے) دل مُردہ ہو جائیں گے''۔

حضرت معاذ بن جبل ﷛ سے ایک مرفوع روایت میں مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ أَحْیَا اللَّیَالِي الْأَرْبَعَ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ: لَیْلَةَ التَّرْوِیَةِ، وَلَیْلَةَ عَرَفَةَ، وَلَیْلَةَ النَّحْرِ، وَلَیْلَةَ الْفِطْرِ.

(أخرجه ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ٤٣/٩٣، وذكره المنذري في الترغيب والترهيب ٢/٩٨، والهندي في كنز العمال: ٥/٢٦، الرقم: ١٢٠٧٦، والمناوي في فيض القدير: ٦/٣٨، وأيضاً في التيسير بشرح الجامع الصغير: ٢/٣٩٠)

''جس نے چار راتوں میں (عبادت کے ساتھ) شب بیداری کی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی: شبِ ترویہ (یعنی ذوالحجہ کی آٹھویں رات)، شبِ عرفہ (یعنی ۹/ذی الحجہ کی رات)، شبِ عید قربان اور شبِ عید الفطر''۔

علامہ منذری اور ابو نعیم اصفہانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی اس طرح نقل کیا ہے:

''جو شخص پانچ راتوں میں (عبادت کے لیے) جاگا، اُس کے واسطے جنت واجب ہو جائے گی۔ (وہ پانچ راتیں یہ ہیں)

(۱) لیلۃ الترویہ (۸/ذی الحجہ کی رات)

(۲) لیلۃ العرفہ (یومِ عرفہ یعنی ۹/ذی الحجہ کی رات)

(۳) لیلۃ النحر (۱۰ ذی الحج، یعنی عید الاضحیٰ کی رات)

(۴) لیلۃ الجائزہ (عید الفطر کی رات) اور (۵) شبِ برأت (پندرہویں شعبان کی رات)"۔

(ذكره المنذري في الترغيب والترهيب ۹۸/۲، حلية الأولياء، رقم الحديث:۳۷٦)

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ہمارے اسلافؒ اِن راتوں کی قدر فرماتے اور ان میں عبادات، ذکر واذکار اور دعا ومناجات کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ فقہاء نے بھی عیدین کی راتوں میں جاگنا مستحب لکھا ہے۔

صحابۂ کرامؓ اور ائمہ سلف صالحینؒ کے اِرشادات ومعمولات:

سیدنا حضرت علی بن ابی طالب ﷺ فرماتے ہیں:

يُعْجِبُنِيْ أَنْ يُفَرِّغَ الرَّجُلُ نَفْسَهُ فِيْ أَرْبَعِ لَيَالٍ: لَيْلَةِ الْفِطْرِ، وَلَيْلَةِ الْأَضْحٰى، وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَأَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَجَبٍ. (ذكره ابن الجوزي في التبصرة: ۲۱/۲-۲۲-٤۲٤)

"مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ بندہ ان چار راتوں میں اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کرلے: عید الفطر کی رات، عید الاضحیٰ کی رات، شعبان کی پندرہویں رات اور رجب کی پہلی رات"۔

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے (بصرہ کے گورنر) عدی بن اَرطاۃؒ کی طرف خط لکھا:

إِنَّ عَلَيْكَ بِأَرْبَعِ لَيَالٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُفْرِغُ فِيْهِنَّ الرَّحْمَةَ إِفْرَاغًا، فَذَكَرَ هٰذِهِ اللَّيَالِيَ الْأَرْبَعَ.

(ذكره ابن الجوزي في التبصرة: ۲۱/۲-۲۲-٤۲٤)

"تجھ پر ان چار راتوں میں عبادت لازم ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان راتوں میں اپنی رحمت کو وسیع فرماتا ہے۔ پھر اُنہوں نے مذکورہ چار راتوں کا ذکر فرمایا"۔

سیدنا حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

خَمْسُ لَيَالٍ لَا يُرَدُّ فِيْهِنَّ الدُّعَاءُ: لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ، وَأَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ رَجَبٍ، وَلَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، وَلَيْلَتَا الْعِيْدِ. (شعب الايمان للبيهقي: ۳٤۱/۳، رقم الحديث: ۳۷۰۹، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

"پانچ راتوں میں دعا رد نہیں ہوتی (ضرور قبول ہوتی ہے) جمعہ کی رات، ماہِ رجب کی پہلی رات، نصف شعبان کی رات، عیدین کی راتیں"۔

اور حضرت اقدس سیدنا امام شافعیؒ نے بیان کیا ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے (صحابہ اور تابعین کے ہاں یہ) کہا جاتا تھا:

إِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَجَابُ فِيْ خَمْسِ لَيَالٍ: فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ، وَلَيْلَةِ الْأَضْحٰى، وَلَيْلَةِ الْفِطْرِ، وَأَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَجَبٍ، وَلَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ.

وَأَنَا أَسْتَحِبُّ كُلَّ مَا حَكَيْتُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيَالِيْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُوْنَ فَرْضًا.

(أخرجه البيهقی فی السنن الكبری، كتاب صلاة العيدين، باب عبادة ليلة العيدين:٣/٣١٩، الرقم:٦٠٨٧، وذكره ابن رجب الحنبلی فی لطائف المعارف:٢٦٤، وانظر:الأم:١/٢٦٤)

”بے شک پانچ راتوں میں دعا قبول کی جاتی ہے:

(١) جمعہ کی رات (٢) عید الاضحیٰ کی رات (٣) عید الفطر کی رات (٤) ماہِ رجب کی پہلی رات اور (٥) ماہِ شعبان کی پندرہویں رات۔

میں نے ان راتوں کے متعلق جو بیان کیا ہے، اسے مستحب سمجھتا ہوں، فرض نہیں سمجھتا“۔

حضرت اقدس امام شافعیؒ یہ بھی نقل فرماتے ہیں:

وَبَلَغَنَا أَنَّ ابْنَ عُمَرَ۔ رضی اللہ عنہما۔ كَانَ يُحْيِيْ لَيْلَةَ جَمْعٍ، وَلَيْلَةُ جَمْعٍ هِيَ لَيْلَةُ الْعِيْدِ لِأَنَّ فِيْ صُبْحِهَا النَّحْرَ. (رواه البيهقی فی شعب الإيمان:٣/٣١٤، الرقم:٣٧١٢)

”ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما لیلۂ جمع میں بیدار رہتے۔ لیلۂ جمع سے مراد عید الاضحیٰ کی رات ہے؛ کیونکہ اس کی صبح کو قربانی ہوتی ہے“۔

حضرت ابراہیم بن محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ مَشْيَخَةً مِنْ خِيَارِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ يَظْهَرُوْنَ عَلٰى مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةَ الْعِيْدِ، فَيَدْعُوْنَ وَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ حَتّٰى يَذْهَبَ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ. (رواه الامام الشافعی فی الأم:١/٢٦٤، والبيهقی فی معرفة السنن والآثار:٣/٦٧، الرقم:١٩٥٩)

”میں نے اہلِ مدینہ کے بہترین افراد کو عید کی رات مسجدِ نبوی میں حاضری دیتے دیکھا ہے۔ وہ رات کے ایک پہر تک مناجات اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتے تھے“۔

علامہ زین الدین بن ابراہیم الشہیر با بن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”رمضان کی آخری دس راتوں، عیدین کی راتوں، ذوالحجہ کی دس راتوں اور شعبان کی پندرھویں رات میں شب بیداری کرنا مستحبات میں سے ہے، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور علامہ منذری نے انہیں ”الترغیب والترہیب“ میں مفصلاً بیان کیا ہے“۔(البحر الرائق: ۵۶/۲)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ عیدین کی شب تمام رات عبادت کرنا اور نفلیں پڑھنا مستحب ہے، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہمیشہ تہجد پابندی سے ادا فرماتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ صرف ایک شب ایسی گذری ہے جس میں آپ نے تہجد ادا نہیں فرمائی اور نہ دن میں اس کی قضا کی، جب کہ آپ مزدلفہ میں تھے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم“۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۴۰/۷، مطبوعہ: ادارۃ الفاروق)

سچی بات یہ ہے کہ لیلۃ الجائزہ، یعنی چاندرات اللہ ربّ العزت کے خصوصی فضل وکرم کی حامل اور بہت عظمت وفضیلت والی رات ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے طرف سے اُمتِ محمدیہ کے لیے ایک خصوصی تحفہ ہے، جس کی اس کے بندوں رمسلمانوں کو بے حد قدر کرنی چاہیے اور اِس مبارک شب کے قیمتی وبابرکت لمحات کو خرافات میں ضائع کرنے کی بجائے توبہ ومناجات، اللہ کے ذکرواذکار، نوافل اور دعاؤں میں بسر کیا جائے۔ عموماً لوگ اِس رات میں شب بیداری میں عبادات کا کوئی اہتمام نہیں کرتے؛ بلکہ اسے سیر وتفریح، پارلرز، ہوٹلز میں کھانے پینے، گانے سننے اور بازاروں ومارکیٹوں میں خریداری کی نذر کردیتے ہیں، یہاں تک کہ بعض تاجر کاروبار میں اِس قدر مشغول رہتے ہیں کہ نمازِ عید تک نکل جاتی ہے، جو انتہائی محرومی کی بات ہے؛ لہٰذا پوری کوشش کریں کہ یہ مبارک رات کسی قیمت خرافات کی نذر ہوکر ضائع نہ ہونے پائے۔

لیکن ذرا غور کیجئے! ذرا تصور کیجئے! ایک شخص اپنی پوری زندگی کی پونجی ایک عالیشان مکان اور محل بنانے پر صرف کردے اور جب خون پسینے کی گاڑھی کمائی سے بننے والا اس کا خوبصورت محل تیار ہوجائے تو یکا یک وہ شخص اپنے ہی ہاتھوں بنائے ہوئے اس محل کو گرانے پر کمربستہ ہوجائے، کیا ایسے شخص کو ہوشمند وعاقل سمجھا جائے گا؟ کیا اسے پاگل اور مجنون نہیں سمجھا جائے گا؟ ایک طالب علم سال بھر امتحان کی تیاری کرے، دن رات کا آرام، چین، نیند اور سکون اپنے اوپر حرام کرے؛ بالآخر اللہ اللہ کرکے وہ کمرۂ امتحان میں داخل ہو، بڑی تندہی، محنت اور

کامیابی سے وہ اپنا پرچہ حل کرے؛ لیکن اچانک وہ اپنا سارا حل شدہ پرچہ پھاڑ کر کمرۂ امتحان سے باہر نکل آئے اور بلاوجہ، بے لگام اچھلنا کودنا، ناچنا گانا اور ہنگامہ کرنا شروع کردے تو ایسے طالب علم کو کیا کہا جائے گا؟ کیا اسے بے وقوف اور دیوانہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے تمام سال کی مشقت اور خونِ جگر کی محنت پر یکلخت پانی پھیر دیا؟ کیا دنیا میں ایسے انسانوں اور ایسے طالب علموں کا تصور کیا جاسکتا ہے؟

جی ہاں! ہمارا تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ دنیا میں ایسے انسان موجود ہیں؛ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے انسان دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔

لیکن یہ کیا؟ یہاں تو معاملہ بالکل الٹا ہے، ایسی مجنونانہ حرکتیں کرنے والوں کی اتنی زیادہ تعداد؟ ذرا اپنے اردگرد دیکھئے یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک ہنگامہ برپا ہے، کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے، ایک ہجوم ہے، انسانوں کا سمندر ہے، چکا چوند روشنیاں ہیں، آنکھوں کو شرم سے پانی پانی کردینے والے مناظر ہیں، یہ کون ہے؟ حوا کی بیٹی ہے، اسلام کی بیٹی ہے، ارے بھئی! ابھی کچھ وقت پہلے ہی کی بات ہے، یہ شرم وحیاء کی پتلی تھی، ایمان میں سرتاپا ڈوبی تھی، صوم وصلوٰۃ کے زیور سے لدی تھی، نظریں شرم سے جھکی تھیں، پردہ وحجاب میں لپٹی اور سمٹی تھی، لیکن آج اسے کیا ہوا؟ یہ چاند نکلتے ہی اس پر کیا جنون چھا گیا، کیا اس کا ایمان ہی رخصت ہوگیا؟ اس کا پردہ اور حجاب کہاں گیا؟

اور ہاں! ذرا ان مسلم نوجوانوں کو بھی دیکھئے! مہینہ بھر صوم وصلوٰۃ کے پابند رہنے والے، پانچوں وقت مسجدوں کو آباد کرنے والے، ایک ماہ میں کئی کئی قرآن ختم کرنے والے، اعتکاف کرنے والے، چاند رات آتے ہی یوں شترِ بے مہار ہوگئے جیسے ایمان ان کو چھو کر بھی نہیں گیا تھا، کہیں عورتوں پر ٹکٹکی بندھی ہوئی ہے تو کہیں ان پر آوازے کسے جا رہے ہیں، کہیں شیطان کی آواز موسیقی کی دھنوں پر بڑے بڑے ڈیک لگا کر ناچ کود رہے ہیں، شریفوں اور مریضوں کا جینا دوبھر کیے ہوئے ہیں، بہت سے وہ ہیں جو فلم اور ڈرامہ میں مست ہیں یا سگریٹ کے مرغولے بنا رہے ہیں۔

کیا یہ سب اپنی محنت کو اپنے ہاتھوں برباد کرنے کے مترادف نہیں؟ کیا یہ جنون اور حماقت نہیں؟ خدارا کچھ سوچیں! ہم رمضان میں بنی ہوئی ایمان کی یہ عمارت عید کی ایک ہی رات میں کیوں زمین بوس کرنا چاہتے ہیں؟

اس کے برعکس ہمارے اکابر اور بزرگوں کا طرزِ عمل تو یہ تھا: حضرت عامر ابن قیس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اختتامِ رمضان پر رونے لگے، تو لوگوں نے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا قسم بخدا متاعِ دنیا کے ضائع ہونے پر

نہیں رو رہا ہوں، میں تو روزے میں پیاس کی شدت پر اور ٹھنڈی رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہونے کی مشقت کے ہاتھوں سے چلے جانے پر رو رہا ہوں۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب رمضان المبارک کی آخری رات ہوتی تو آپ فرماتے، ہائے کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ کون ہے وہ شخص جس کی رمضان المبارک کی عبادت قبول ہوگی، تو میں اسے مبارکباد دیتا، اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون ہے، جس کی عبادت قبول نہ ہو سکی اور وہ محروم رہا تو میں اس کی تعزیت کرتا۔

اس پس منظر میں ضروری ہے کہ ہم انعام کی اس رات کو اس طرح گزاریں کہ انعام دینے والا ہم سے خوش ہو۔ ہم نے مہینے بھر، ربِّ کریم کے ساتھ جو تعلق استوار کرنے کی کوشش کی، اُسے اللہ تعالیٰ سے معافی، بخشش، مغفرت اور جہنم سے آزادی کا پروانہ حاصل کرنے میں صرف کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری مہینے بھر کی محنت اور جدوجہد، جو کہ ہم نے رب سے اپنا ٹوٹا رشتہ استوار کرنے میں صرف کی اور اب جب کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو رہا ہے، اپنے مؤمن بندوں اور بندیوں پر انعامات کی برسات برسانے والا ہے، ہماری کسی معمولی نافرمانی و کوتاہی یا غلط عمل سے خدانخواستہ ضائع ہو جائے؛ لہٰذا شبِ عیدالفطر کو، اللہ تعالیٰ سے اپنی عافیت و سلامتی، مغفرت اور رحمت طلب کرتے ہوئے اِسے خوب یادِ الٰہی میں گزارنا چاہیے۔

☆......☆......☆

عید کا دن

یومِ عید، ماہِ صیام کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ سے انعامات پانے کا دن ہے، تو اس سے زیادہ خوشی و مسرت کا موقع کیا ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں اِس دن کو ایک خاص مقام اور اہمیت حاصل ہے۔

عید کا لفظ ''عَود'' سے مشتق ہے، جس کے معنی ''لَوٹنا'' کے ہیں، یعنی عید ہر سال لَوٹتی ہے، اس کے لَوٹ کے آنے کی خواہش کی جاتی ہے۔ اور ''فطر'' کے معنی ''روزہ توڑنے یا ختم کرنے'' کے ہیں؛ چونکہ عید الفطر کے روز، روزوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور اس روز اللہ تعالیٰ بندوں کو عباداتِ رمضان کا ثواب عطا فرماتے ہیں، تو اِسی مناسبت سے اسے ''عید الفطر'' قرار دیا گیا۔

جاننا چاہیے کہ شوال المکرم کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو عید الفطر (عید) اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ (بقر عید) اور دونوں کو ''عیدین'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ دونوں تاریخیں مذہبِ اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں، جن میں دو رکعت نماز بطورِ شکرانہ ادا کی جاتی ہے، عیدین کی نماز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب؛ جبکہ دوسرے علماء اور فقہاء عیدین کی نماز کو سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں۔

عید کو عید کیوں کہتے ہیں؟

جیسا کہ عرض کیا گیا: ''عید'' لفظِ ''عَوْد'' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں: ''بار بار آنا''؛ چنانچہ اس دن کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دن بار بار یعنی ہر سال آتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس دن کا نام ''عید'' اس لیے ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ عَود کرتا ہے، یعنی بندوں پر اپنی رحمت و رأفت اور بخشش و مغفرت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔

(مظاہر حق جدید: ۲/۲۷۷)

اور چونکہ اہل عرب بھی ہر مسرت بخش اجتماع کو عید سے یاد کرتے ہیں، اس لیے اس اجتماع کو بھی عید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (الصبح النوری علی مختصر القدوری: ۱۷۷)

عیدین کے مشروع ہونے کی دلیل:

عید کی نماز ہجرت کے پہلے سال میں مشروع ہوئی؛ چنانچہ حضرت انس بن مالک انصاری ؓ کی ایک روایت

میں ہے:

قَدِمَ رَسُولُ اللهِ - ﷺ - الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَقَالَ: مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوا: يَوْمَانِ كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ - ﷺ -: إِنَّ اللهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ. (رواه أحمد:۳/۲۵۰، وأبو داوٗد في كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين:۱/۲۹۵، رقم الحديث:۱۱۳٤، والنسائي في أول كتاب صلاة العيدين:۳/۱۷۹، ۱۵۵٦، و الحاكم في المستدرك:۱/۳٤٤)

"رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی بڑی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو دن (بطورِ عید و تہوار) منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دِن جو تم مناتے ہو ان کی حقیقت و حیثیت (یعنی اصلیت و تاریخ) کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں اسلام سے پہلے یہ دو دِن (بطورِ عید و تہوار) اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چلا آ رہا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دونوں (یعنی تہواروں) کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لیے مقرر کر دیے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی دن و تہوار ہیں، ایک) عید الاضحیٰ کا دن اور (دوسرا) عید الفطر کا دن"۔

قوموں کے تہوار دراصل ان کے عقائد و تصورات اور ان کی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی و مذہبی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لیے بظاہر اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج و تصورات اور غلط روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے؛ بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کرا کر ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ (عیدین) دو تہوار اس اُمت کے لیے مقرر فرما دیے، جو اس کے توحیدی مزاج اور اُصولِ حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

کاش! اگر مسلمان اپنے تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں اور بنائیں، تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کے لیے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

(معارف الحدیث:۳/۳۹۸، کتاب الفقہ:۱/۵۱۸)

عیدین (یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کیا ہیں؟

جیسا کہ عرض کیا گیا ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں، جن میں اُس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت وخوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے، اسی لیے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے یہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی دو (۲) دِن رکھے گئے ہیں، ایک: عید الفطر اور دوسرا: عید الاضحیٰ، بس یہی مسلمانوں کے اصل مذہبی وملی تہوار ہیں، ان کے علاوہ کچھ مسلمان جو تیسری اور چوتھی عید یا تہوار وجشن اور عرس مناتے ہیں اُن کی کوئی مذہبی حیثیت اور دینی بنیاد نہیں ہے؛ بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر مذموم قسم کی بدعات، بے دینی اور قبیح قسم کی رسوم وخرافات ہیں۔ **اللّٰھم احفظنامنھم.**

معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ عید الفطر ماہِ رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال المکرم کو منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ (بقر عید) دس ذی الحجہ کو، رمضان المبارک دینی اور روحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے، اسی مہینہ میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینہ کے روزے اُمتِ مسلمہ پر فرض کیے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز (تراویح) کا اضافہ کیا گیا اور ہر طرح نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی، الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی، مجاہدے اور ہر طرح کی طاعات وعبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا، ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے، ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اُمت کے جشن ومسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے؛ چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے عیدین کے موقعے پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشیاں منانے کی اجازت دینے کے ساتھ، دوسروں کو بھی ان خوشیوں میں شامل کرنے کی ترغیب دی اور ان مواقع پر عبادات کی بھی تاکید فرمائی کہ بندۂ مؤمن کسی بھی حال میں اپنے رب کو نہیں بھولتا؛ چنانچہ اوپر بھی بیان کیا گیا کہ احادیث

مبارکہ میں شبِ عید اور یومِ عید کی بہت فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

عید کے دن فرشتوں کا راستوں کے کناروں پر کھڑے ہوکر مبارکباد دینا:

حضرت سعید بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى أَبْوَابِ الطُّرُقِ، فَنَادَوْا: اغْدُوا، يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ، إِلَى رَبٍّ كَرِيمٍ، يَمُنُّ بِالْخَيْرِ ثُمَّ يُثِيبُ عَلَيْهِ الْجَزِيلَ، لَقَدْ أُمِرْتُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَقُمْتُمْ، وَأُمِرْتُمْ بِصِيَامِ النَّهَارِ فَصُمْتُمْ، وَأَطَعْتُمْ رَبَّكُمْ، فَاقْبِضُوا جَوَائِزَكُمْ، فَإِذَا صَلَّوْا، نَادَى مُنَادٍ: أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ، فَارْجِعُوا رَاشِدِينَ إِلَى رِحَالِكُمْ، فَهُوَ يَوْمُ الْجَائِزَةِ، وَيُسَمَّى ذَلِكَ الْيَوْمُ فِي السَّمَاءِ يَوْمَ الْجَائِزَةِ.

(أخرجه الطبراني في المعجم الكبير: ٢٢٦/١، الرقم: ٦١٧، وذكره المنذري في الترغيب والترهيب: ١٥٣/٢، والعسقلاني في الإصابة في تمييز الصحابة: ١٦١/١، الرقم: ٣٦٢)

''جب عید الفطر کا دن آتا ہے تو فرشتے راستوں کے کناروں پر کھڑے ہوکر پکارتے ہیں: اے گروہِ مسلمین! کرم والے رب کی بارگاہ کی طرف چلو! وہی تمہیں نیکی کی توفیق عطا فرما کر احسان فرماتا ہے۔ پھر اس نیکی پر بہت بڑا ثواب عطا فرماتا ہے۔ تمہیں راتوں کو قیام کا حکم دیا گیا تو تم نے قیام کیا، دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تو تم نے روزے بھی رکھے، اور تم نے اپنے پروردگار کی اطاعت و فرمانبرداری کی۔ اب جزائیں سمیٹ لو۔ پھر جب لوگ (عید کی) نماز پڑھتے ہیں تو ایک ندا دینے والا ندا دیتا ہے: سن لو! تمہارے رب نے تمہیں بخش دیا ہے، خیرات و برکات سمیٹتے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ؛ کیونکہ یہ انعام واکرام کا دن ہے۔ آسمانوں میں اس دن کا نام یوم الجائزہ (انعام کا دن) ہے''۔

عید کے دن اللہ تعالیٰ کا اپنے عبادت گزار بندوں پر فخر فرمانا:

سیدنا حضرت انس ابن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيلُ۔ عليه السلام۔ فِي كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، يُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللهَ تَعَالَى، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدِهِمْ يَعْنِي يَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهَى بِهِمْ مَلَائِكَتَهُ، فَقَالَ: يَا مَلَائِكَتِي، مَا جَزَاءُ أَجِيرٍ وَفَّى عَمَلَهُ؟ قَالُوا: رَبَّنَا، جَزَاؤُهُ أَنْ يُوَفَّى أَجْرُهُ، قَالَ: مَلَائِكَتِي، عَبِيدِي وَإِمَائِي قَضَوْا فَرِيضَتِي عَلَيْهِمْ، ثُمَّ خَرَجُوا يَعُجُّونَ إِلَيَّ بِالدُّعَاءِ، وَعِزَّتِي

وَجَلَالِیْ وَکَرَمِیْ وَعُلُوِّیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ، لَأُجِیْبَنَّهُمْ، فَیَقُوْلُ: اِرْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ وَبَدَّلْتُ سَیِّئَاتِکُمْ حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَیَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ. (أخرجه البیهقی فی شعب الإیمان:۳/۳٤۳، الرقم:۳۷۱۷، وأیضا فی فضائل الأوقات:۳۱۸، الرقم:۱۵۵، وذکره الخطیب التبریزی فی مشکاۃ المصابیح:۱/٦٤۷، الرقم:۲۰۹٦)

’’جب شب قدر ہوتی ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اُترتے ہیں، اور ہر اس شخص پر سلام بھیجتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔ جب ان کی عید کا دن یعنی عید الفطر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان عبادت گزار بندوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہوئے فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! اُس مزدور کی اُجرت کیا ہونی چاہیے جو اپنا کام پورا کردے؟ وہ عرض کرتے ہیں: الٰہی! اس کی اُجرت یہ ہے کہ اسے پورا پورا اجر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے فرشتو! میرے بندوں اور بندیوں نے اپنے ذمہ واجب الادا میرا فریضہ ادا کردیا ہے۔ پھر جب وہ مجھ سے دعا کرتے ہوئے دستِ طلب دراز کریں تو مجھے اپنی عزت، اپنے جلال، اپنی سخاوت، اپنی بلند شان اور رفعتِ مکانی کی قسم! میں ان کی دعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر (اپنے بندوں سے) فرماتا ہے: لوٹ جاؤ، میں نے تمہیں بخش دیا اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر یہ لوگ بخشش یافتہ ہوکر لوٹتے ہیں‘‘۔

عید کے دن فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کا ثواب:

سیدنا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَأْمُرُنَا یَوْمَ الْفِطْرِ أَنْ نُفَطِّرَ الْفُقَرَاءَ مِنْ إِخْوَانِنَا، وَکَانَ یَقُوْلُ: مَنْ فَطَّرَ وَاحِدًا، یُعْتَقُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ فَطَّرَ اثْنَیْنِ، کُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْکِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ، وَمَنْ فَطَّرَ ثَلَاثَةً، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَزَوَّجَهُ اللّٰهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ، قَالَ: وَکَانَ یَأْمُرُنَا أَنْ نُطْعِمَ الْخُبْزَ وَاللَّحْمَ، وَالْخُبْزَ وَالزَّیْتَ، وَالْخُبْزَ وَاللَّبَنَ، وَکَانَ یَقُوْلُ: اِدِمُوْا طَعَامَکُمْ، یُؤْدَمْ لَکُمْ عَیْشُکُمْ. (ذکرہ ابن الجوزی فی التبصرة:۲/۱۰۷)

’’رسول اللہ ﷺ ہمیں عید الفطر کے دن حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم اپنے فقراء بھائیوں کو کھانا کھلائیں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: جس نے کسی ایک کو کھانا کھلایا اسے جہنم سے آزاد کردیا جائے گا، جس نے دو کو کھانا

کھلایا اس کے لیے شرک اور نفاق سے پاک ہونا لکھ دیا جائے گا اور جس نے تین کو کھانا کھلایا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کا نکاح حورِعین سے کرے گا۔ آپ ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم روٹی اور گوشت، روٹی اور زیتون کا تیل، روٹی اور دودھ کھلائیں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: تم سالن کے ساتھ کھانا کھایا کرو، تمہاری زندگی تمہارے لیے اُلفت کا باعث ہوگی۔

عید کا دن؛ دعاؤں کی قبولیت کا دن:

حضرت عثمان بن ابی العاتکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے عید الفطر کے خطبہ میں فرمایا:

أَتَدْرُوْنَ مَا مَخْرَجُكُمْ هٰذَا؟ صُمْتُمْ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا، وَقُمْتُمْ ثَلَاثِيْنَ لَيْلَةً، ثُمَّ خَرَجْتُمْ تَسْأَلُوْنَ رَبَّكُمْ أَنْ يَّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ. (أخرجه أبو نعيم الأصبهاني في حلية الأولياء: ۵/۳۰۲، وذكره ابن رجب الحنبلي في لطائف المعارف: ۳۷٦)

”(لوگو!) کیا تم جانتے ہو کہ آج تم کیوں اپنے گھروں سے باہر نکلے ہو؟ تم نے تیس دن روزے رکھے ہیں اور تم نے تیس راتیں قیام کیا ہے؛ لہٰذا آج تم اپنے رب سے سوال کرنے آئے ہو کہ وہ تمہاری ان عبادات کو قبول فرمائے“۔

عید کے دن دُف بجانا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اُنہوں نے فرمایا:

دَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ، تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ: وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ: أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا.

وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ: وَفِيْهِ جَارِيَتَانِ تَلْعَبَانِ بِدُفٍّ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب العيدين، باب سنة العيدين لأهل الإسلام: ۱/۳۲٤، الرقم: ۹۰۹، ومسلم في الصحيح، كتاب صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه في أيام العيد: ۲/۶۰۷، الرقم: ۸۹۲، وابن ماجه في السنن، كتاب النكاح، باب الغناء والدف: ۱/۶۱۲، الرقم: ۱۸۹۸، وابن حبان في الصحيح: ۱۳/۱۸۰، ۱۸۷،

الرقم: ۵۸۷۱، ۵۸۷۷)

”حضرت ابوبکر ﷺ آئے اور میرے پاس انصار کی دو (نابالغ) لڑکیاں (انصار نے جنگ بُعاث میں جو بہادری دکھائی تھی) وہ بیان کر رہی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ (پیشہ ور) گانے والی نہ تھیں۔ حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے گھر میں شیطانی باجہ! یہ عید کے دن کی بات ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

امام مسلمؒ کی روایت میں ہے کہ وہ دونوں لڑکیاں دف بجا رہی تھیں“۔

عید کے دن کھیل کود کے پروگرام اور ان کو دیکھنا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، اُنہوں نے فرمایا:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَعِنْدِيْ جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثٍ، فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْهَهُ، وَدَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ ﷺ فَانْتَهَرَنِيْ وَقَالَ: مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: دَعْهُمَا، فَلَمَّا غَفَلَ، غَمَزْتُهُمَا، فَخَرَجَتَا.

وَكَانَ يَوْمُ عِيْدٍ يَلْعَبُ السُّوْدَانُ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ، فَإِمَّا سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَإِمَّا قَالَ: تَشْتَهِيْنَ تَنْظُرِيْنَ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَأَقَامَنِيْ وَرَاءَهُ، خَدِّيْ عَلٰى خَدِّهِ، وَهُوَ يَقُوْلُ: دُوْنَكُمْ يَا بَنِيْ أَرْفِدَةَ، حَتّٰى إِذَا مَلِلْتُ، قَالَ: حَسْبُكِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَاذْهَبِيْ.

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب العيدين، باب الحراب والدرق يوم العيد: ۱/۳۲۳، الرقم: ۹۰۷، ومسلم في الصحيح، كتاب صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه في أيام العيد: ۲/۶۰۹، الرقم: ۸۹۲، وأبو يعلى في المسند: ۸/۲۴۷، الرقم: ۴۸۲۹، والبيهقي في السنن الكبرى: ۱۰/۲۱۸)

”نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو لڑکیاں جنگ بعاث کے ترانے گا رہی تھیں۔ آپ ﷺ بستر پر آرام فرما ہو گئے اور چہرۂ اقدس دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر حضرت ابوبکر ﷺ تشریف لے آئے تو اُنہوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا: نبی اکرم ﷺ کے پاس شیطانی ساز! نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر ﷺ کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: (ابوبکر) اُنہیں چھوڑ دو۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) جب حضرت ابوبکر ﷺ کسی اور طرف متوجہ ہوئے تو میں نے لڑکیوں کو نکل جانے کا اشارہ کیا۔

وہ حبشیوں کی عید کا دن تھا جو ڈھالوں اور برچھیوں سے کھیلتے تھے۔ میں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا، یا آپ ﷺ نے خود ہی فرمایا: (اے عائشہ! کیا) تم دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور میرا رخسار آپ ﷺ کے رخسارِ مبارک پر تھا اور آپ ﷺ فرماتے رہے: اے بنوارفدہ! اور دکھاؤ۔ یہاں تک کہ جب میں اُکتا گئی، تو مجھ سے فرمایا: بس! تو میں نے عرض کیا: جی (یارسول اللہ!)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "فتح الباری" میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

وَقَالَتْ -أَيْ عَائِشَةُ- رضي الله عنها-: "كَانَ يَوْمُ عِيدٍ" فَتَبَيَّنَ بِهٰذَا أَنَّهُ مَوْصُولٌ كَالْأَوَّلِ، قَوْلُهُ: "يَلْعَبُ فِيهِ السُّودَانُ" فِي رِوَايَةِ الزُّهْرِيِّ الْمَذْكُورَةِ: "وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ". وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ مُعَلَّقَةٍ وَوَصَلَهَا مُسْلِمٌ "بِحِرَابِهِمْ" وَلِمُسْلِمٍ مِنْ رِوَايَةِ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ: "جَاءَ حَبَشٌ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ". قَالَ الْمُحِبُّ الطَّبَرِيُّ: هٰذَا السِّيَاقُ يُشْعِرُ بِأَنَّ عَادَتَهُمْ ذٰلِكَ فِي كُلِّ عِيدٍ، وَوَقَعَ فِي رِوَايَةِ ابْنِ حِبَّانَ: "لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ الْحَبَشَةِ، قَامُوا يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ". وَهٰذَا يُشْعِرُ بِأَنَّ التَّرْخِيصَ لَهُمْ فِي ذٰلِكَ بِحَالِ الْقُدُومِ، وَلَا تَنَافِيَ بَيْنَهُمَا لِاحْتِمَالِ أَنْ يَكُونَ قُدُومُهُمْ صَادَفَ يَوْمَ عِيدٍ وَكَانَ مِنْ عَادَتِهِمُ اللَّعِبُ فِي الْأَعْيَادِ، فَفَعَلُوا ذٰلِكَ كَعَادَتِهِمْ ثُمَّ صَارُوا يَلْعَبُونَ يَوْمَ كُلِّ عِيدٍ، وَيُؤَيِّدُهُ مَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، عَنْ أَنَسٍ - رضي الله عنه - قَالَ: "لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ، لَعِبَتِ الْحَبَشَةُ فَرِحًا بِذٰلِكَ لَعِبُوا بِحِرَابِهِمْ". وَلَا شَكَّ أَنَّ يَوْمَ قُدُومِهِ ﷺ كَانَ عِنْدَهُمْ أَعْظَمَ مِنْ يَوْمِ الْعِيدِ.

(فتح الباری علی صحیح البخاری: ٤٤٣/٢)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: 'وہ عید کا دن تھا'۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح موصول ہے، جس میں ہے کہ "اس دن حبشہ والے مسجد میں رقص کرتے" اور امام زہریؒ کی مذکورہ روایت میں ہے: "اہل حبشہ مسجد میں کھیلتے"۔ اور امام زہریؒ نے ایک روایت (جو امام مسلم سے متصل ہے۔ میں لفظ **بِحِرَابِهِمْ** (اپنے جنگی ساز و سامان کے ساتھ) کا اضافہ کیا ہے اور امام مسلم کی روایت جو کہ حضرت ہشام کی اپنے والد سے ہے) میں یہ الفاظ آتے ہیں: **جَاءَ حَبَشٌ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ** کہ حبشہ کے لوگ مسجد میں کھیلنے کے لیے آئے۔ علامہ محب الدین طبریؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ سیاق بتلاتا ہے کہ

ہر عید میں ان کی یہ عادت تھی کہ وہ مسجد میں (اپنے سامانِ حرب کے ساتھ) کھیلتے تھے۔ امام ابن حبان کی روایت میں ہے کہ جب حبشہ کا وفد آیا تو وہ مسجد میں (اپنے سامانِ حرب کے ساتھ) رقص کرنے لگے۔ یہ چیز بتلاتی ہے کہ انہیں اس کام کی اجازت وہاں آتے وقت ملی تھی۔ ان دونوں چیزوں میں مغایرت نہیں ہے؛ کیوں کہ ممکن ہے ان کا وہاں آنا عید کے روز ہو، اور عیدوں میں کھیلنا ان کی عادت ہو؛ لہٰذا انہوں نے ایسا اپنی عادت کے مطابق کیا ہو، اور پھر وہ ہر عید کو ایسا کرنے لگے ہوں۔ اس چیز کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے، جسے امام ابوداؤدؒ نے حضرت انس ؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب نبیٔ اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہلِ حبشہ نے آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں اپنے سامانِ حرب کے ساتھ رقص کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کا دن ان کے نزدیک (تمام خوشیوں اور) عید کے دنوں سے بڑھ کر تھا"۔

تشریح:

مذکورہ دونوں احادیث پاک سے متعلق چند قابلِ توجہ اور لائق ذکر باتیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) دف بجانا غیر ضروری کام تو ہے؛ مگر حرام نہیں، لہٰذا خوشی کے موقع پر نابالغ وغیر مکلف بچیاں اگر یہ کام کرلیں تو عید کی وسعت چشم پوشی کا تقاضا کرتی ہے۔ اگرچہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی؛ مگر روکا بھی نہیں جائے گا؛ البتہ حرام کام، مثلاً: موسیقی یا ڈھول وغیرہ، کو روکا جائے گا۔ حوصلہ افزائی تو کسی صورت بھی نہ کی جائے گی؛ جبکہ روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ چہرۂ انور ڈھانپ کر لیٹے ہوئے تھے گویا نہ ان کی طرف توجہ کی، نہ دیکھا، نہ ان سے پیار کیا، نہ شاباش دی؛ بلکہ اعراض کیا اور چشم پوشی فرمائی۔

(۲) عید اور شادی وغیرہ کے موقع پر اگر چھوٹی بچیاں اپنے طور پر دف بجالیں اور پاکیزہ گانے گالیں تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ اس کام کا اہتمام نہ کیا جائے۔

(۳) دف نصف ڈھول کو کہہ سکتے ہیں، یعنی ایک طرف سے بند اور دوسری طرف سے کھلا۔ اسے بجانے سے زیادہ آواز نہیں پیدا ہوتی۔ گھڑا یا پرات وغیرہ بجانا بھی دف کی ذیل میں آسکتا ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ بجانے والیں نابالغ بچیاں ہوں؛ البتہ ڈھول کی آواز بہت بلند اور مکروہ ہوتی ہے؛ لہٰذا وہ منع ہے۔

(۴) جنگ بعاث ایک جنگ کا نام ہے جو اہل مدینہ میں اس وقت ہوئی تھی جب اہل مدینہ کو ابھی

قبول اسلام کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا، اس مناسبت سے ہر قبیلے کے شعراء نے جو شیلے شعر کہے تھے۔

چنانچہ علامہ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

یوم بعاث یوم مشهود من أيام العرب كانت فيه مقتلة عظيمة للأوس والخزرج وبقيت الحربة قائمة مائة وعشرين سنة إلى الإسلام على ما ذكر ابن إسحاق وغيره. (فتح الباری)

''یوم بعاث تاریخ عرب میں ایک عظیم لڑائی کے نام سے مشہور ہے جس میں اَوس اور خزرج کے دو بڑے قبائل کی جنگ ہوئی تھی جس کا سلسلہ نسلاً بعد نسل ایک سو بیس سال تک جاری رہا یہاں تک کہ اسلام کا دور آیا اور یہ قبائل مسلمان ہوئے''۔

اور بعاث ایک قلعہ ہے، جس پر اَوس اور خزرج کی جنگ ایک سو بیس برس سے جاری تھی، اسلام کی برکت سے یہ جنگ موقوف ہوگئی اور دونوں قبیلوں میں الفت پیدا ہوگئی، اس جنگ کی مظلوم روداد تھی جو یہ بچیاں گا رہی تھیں جن میں ایک حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی لڑکی اور دوسری حضرت حسان بن ثابتؓ کی لڑکی تھی۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری)

(۵) شعر کہنا سننا جائز ہیں بشرطیکہ شرعی حدود کے اندر ہوں۔

(۶) گانے کا پیشہ اختیار کرنا اسلامی معاشرے میں ایک مذموم فعل سمجھا جاتا ہے اور ایسے افراد قابل احترام نہیں؛ بلکہ قابل نفرت ہیں۔

(۷) غلط کام ہوتا دیکھ کر سختی سے ڈانٹا جا سکتا ہے؛ جبکہ ڈانٹنے والا اس مقام کا حامل ہو کہ غلطی کرنے والا اس کا احترام کرتا ہو اور اس کی ناراضی سے ڈرتا ہو۔

(۸) عید اور شادی وغیرہ کے موقع پر تفریحی پروگرام جائز ہیں؛ بشرطیکہ ان میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو؛ تاہم اس واقعہ سے راگ رنگ کی مخلوط محفلوں اور بے ہودہ گاہوں کا جواز نکالنے کی کوشش کرنا غلط ہے۔

(۹) حبشیوں کے کھیل کا واقعہ ۷ رہجری میں پیش آیا؛ جبکہ حبشہ سے وفد آیا تھا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آلات جنگ کے ساتھ کھیلنا اور جنگی آلات کے کرتب دکھانا جائز ہے؛ کیونکہ یہ ہتھیار اور آلات جنگ میں کام آتے ہیں اور ان کے کھیل اور کرتب سے ان کے استعمال میں مہارت اور ٹریننگ حاصل ہوتی ہے،

اس لیے فوج اور مجاہدین کا فوجی اور جہادی مظاہرے کرنا درست ہے؛ تاکہ دوسروں کے دلوں میں بھی ان کی تربیت لینے کا شوق اور ولولہ پیدا ہو اور فوج اور مجاہدین کی تربیت میں بھی کمال اور ہنر مندی پیدا ہو۔

بنوارفدہ حبشیوں کا لقب ہے، آپ ﷺ نے برچھوں اور ڈھالوں سے ان کے جنگی کرتبوں کو ملاحظہ فرمایا اور ان پر خوشی کا اظہار کیا۔

اس حدیث سے اور بھی بہت سی باتوں کا ثبوت ملتا ہے:

مثلاً یہ کہ خاوند کی موجودگی میں باپ اپنی بیٹی کو ادب کی بات بتلا سکتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے بڑوں کے سامنے بات کرنے میں شرم کرنی مناسب ہے۔

یہ بھی ظاہر ہوا کہ شاگرد اگر استاذ کے پاس کوئی مکروہ اَمر دیکھے تو وہ ازراہِ اَدب نیک نیتی سے اصلاح کا مشورہ دے سکتا ہے، اور بھی کئی امور پر اس حدیث سے روشنی پڑتی ہے، جو معمولی غور وفکر سے واضح ہو سکتے ہیں۔

عید کا دن؛ اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش کا دن:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فإذا كانت ليلة الفطر سميت تلك الليلة ليلة الجائزة، فإذا كانت غداة الفطر بعث الله الملائكة في كل بلاد فيهبطون إلى الأرض فيقومون على أفواه السكك، فينادون بصوت يسمع من خلق الله عز وجل إلا الجن والإنس فيقولون: يا أمة محمد! اخرجوا إلى رب كريم يعطي الجزيل، ويعفو عن الذنب العظيم، فإذا برزوا إلى مصلاهم، يقول الله عز وجل للملائكة: ما جزاء الأجير إذا عمل عمله؟ فتقول الملائكة: إلهنا وسيدنا! جزاؤه أن توفيه أجره، قال: فيقول: فإني أشهدكم يا ملائكتي أني قد جعلت ثوابهم من صيامهم شهر رمضان وقيامه رضائي ومغفرتي، ويقول: يا عبادي، سلوني فوعزتي وجلالي لا تسألوني اليوم شيئاً في جمعكم لآخرتكم إلا أعطيتكم، ولا لدنياكم إلا نظرت لكم، فوعزتي لأسترن عليكم عثراتكم ما راقبتموني، فوعزتي لا أخزيكم ولا أفضحكم بين يدي أصحاب الحدود، انصرفوا مغفوراً لكم قد أرضيتموني ورضيت عنكم، فتفرح الملائكة ويستبشرون بما يعطي الله عز وجل هذه

الأمة إذا أفطروا من شهر رمضان. (شعب الإيمان، التماس ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر من [شهر] رمضان: ۳۳۵/۳، رقم الحديث: ۳۶۹٤، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

"جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے، تو اسے آسمانوں پر "لیلۃ الجائزۃ" یعنی "انعام کی رات" کے عنوان سے پکارا جاتا ہے اور جب صبح عید طلوع ہوتی ہے، تو حق تعالیٰ جل شانہ فرشتوں کو تمام بستیوں میں بھیجتا ہے اور وہ راستوں کے کونوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے، جسے جنات اور انسانوں کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ "اے اُمتِ محمدیہ (ﷺ) اس کریم ربّ کی بارگاہِ کرم میں چلو، جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے"۔ جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں، تو اللہ رب العزت فرشتوں سے فرماتا ہے: "اُس مزدور کا کیا بدلہ ہے، جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟"۔ وہ عرض کرتے ہیں: "اے ہمارے معبود! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اُس کی مزدوری اور اُجرت پوری پوری عطا کر دی جائے"، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اے فرشتو! تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُنھیں رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا فرما دی" اور پھر بندوں سے ارشاد ہوتا ہے کہ "اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزت وجلال اور بلندی کی قسم! آج کے دن آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے، عطا کروں گا۔ دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے، اُس میں تمھاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میرے عزت وجلال کی قسم! میں تمھیں مجرموں اور کافروں کے سامنے رُسوا نہ کروں گا۔ میں تم سے راضی ہو گیا۔ پس فرشتے اس اجر وثواب کو دیکھ کر جو اس امت کو عید کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں"۔

بلاشبہ وہ لوگ نہایت خوش قسمت ہیں کہ جنھوں نے ماہِ صیام پایا اور اپنے اوقات کو عبادات سے منور رکھا۔ پورا رمضان اللہ کی بارگاہِ میں مغفرت کے لیے دامن پھیلائے رکھا۔ یہ عید ایسے ہی خوش بخت افراد کے لیے ہے اور اب اُنھیں مزدوری ملنے کا وقت ہے۔

فرمانبرداروں کے لیے خوشی اور نافرمانوں کے لیے حسرت کا دن:

تاہم حضرات صحابۂ کرامؓ اور بزرگانِ دین اپنی عبادات پر اِترانے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دُعائیں کیا کرتے تھے؛ چنانچہ سیدنا حضرت علیؓ نے عید کی مبارک باد دینے کے لیے آنے والوں سے فرمایا:

"عید تو اُن کی ہے، جو عذابِ آخرت اور مرنے کے بعد کی سزا سے نجات پا چکے ہیں"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عید کا دن جہاں روزے داروں کے لیے خوشی اور انبساط لاتا ہے وہیں یہ دن نافرمانوں اور روزہ نہ رکھنے والے کے لیے عبرت کا بھی دن ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ عید کے دن کچھ لوگ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کاشانۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ دروازہ بند کر کے زاروقطار رو رہے ہیں۔ لوگوں نے حیران ہو کر عرض کیا: "یا امیر المؤمنین! آج تو یومِ عید ہے جو شادمانی و مسرت اور خوشی منانے کا دن ہے، پھر یہ رونا کیسا؟" آپ نے آنسو پونچھتے ہوئے ارشاد فرمایا: **هٰذا یوم العید و هٰذا یوم الوعید** یعنی یہ عید کا دن بھی ہے اور وعید کا دن بھی ہے، بلاشبہ اس کے لیے آج عید کا دن ہے جس کے نماز و روزے مقبول ہو گئے اور جس کے نماز و روزے اس کے منہ پر مار دیے گئے ہوں (یعنی رد کر دیے گئے ہوں) اس کے لیے تو آج وعید کا دن ہے، اور میں اس خوف سے رو رہا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ میں مقبول بندوں میں سے ہوں یا ٹھکرائے جانے والوں میں سے؟۔ (فیضان رمضان: ۳۰۴)

سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

للمؤمن خمسة أعياد: كل يوم يمر على المؤمن ولا يكتب عليه ذنب فهو يوم عيد، اليوم الذي يخرج فيه من الدنيا بالإيمان فهو يوم عيد، واليوم الذي يجاوز فيه الصراط ويأمن أهوال يوم القيامة فهو يوم عيد، واليوم الذي يدخل فيه الجنة فهو يوم عيد، واليوم الذي ينظر فيه إلى ربه فهو يوم عيد. (صيد الفوائد)

"مؤمن کے لیے پانچ مراحل عید کے دن ہیں: مؤمن پر گزرنے والا ہر دن جس میں اس سے گناہ سرزد نہ ہو وہ "عید" کا دن ہے، وہ دن جب وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہو "عید" کا دن ہے، جس دن قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہو کر پل صراط سے گزر جائے وہ "عید" کا دن ہے، وہ دن جب وہ جنت میں داخل کیا جائے "عید" کا دن ہے اور وہ دن جب وہ اپنے رب کا دیدار کرے "عید" کا دن ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کو قبول فرمائے اور ہمیں راہِ راست کی توفیق بخشے۔ آمین۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں "چاند رات" کو ایک لحاظ سے شرعی پابندیوں سے فرار کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے، حالاں کہ چاند رات کو حدیث شریف میں "لیلۃ الجائزۃ" یعنی "انعام والی رات" کہا گیا ہے۔

جو لوگ پورے ماہِ مقدس میں تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ پر کاربند رہے، اُن میں سے بھی بہت سے اس

رات لہو ولعب میں مشغول ہو کر اپنی ساری محنت اکارت کر بیٹھتے ہیں۔

دراصل شیطان آزاد ہوتے ہی خلقِ خدا کو تقویٰ و پرہیزگاری کے راستے سے ہٹا کر فسق و فجور کی طرف مائل کرنے کی کوششوں میں لگ جاتا ہے اور بدقسمتی سے، بہت سے لوگ اُس کے پُرفریب جال میں پھنس جاتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ ”جب یومِ عید آتا ہے، تو شیطان چلا چلا کر روتا ہے، اُس کی ناکامی اور روناد یکھ کر تمام شیاطین اُس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تجھے کس چیز نے غم ناک اور اُداس کر دیا؟ شیطان کہتا ہے کہ ہائے افسوس! اللہ تعالیٰ نے آج کے دن امت محمدیہ کی بخشش فرما دی ہے؛ لہٰذا تم اُنہیں پھر سے لذتوں اور خواہشاتِ نفسانی میں مشغول کر دو“۔

مروی ہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو زمانۂ خلافت میں لوگ عید کی مبارک باد دینے گئے، تو دیکھا کہ امیر المؤمنین خشک روٹی کے ٹکڑے تناول فرما رہے ہیں۔ کسی نے کہا: آج تو عید کا دن ہے؟ یہ سن کر آپؓ نے ایک سرد آہ بھری اور فرمایا: جب دنیا میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہوں، جنھیں یہ ٹکڑے بھی میسر نہیں، تو ہمیں عید منانے کا حق کیوں کر حاصل ہے؟

اسی لیے صدقۂ فطر ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر واجب ہے، اس ضمن میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر واجب کیا؛ تا کہ روزہ لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاک ہو جائے اور مساکین کے لیے کھانے کا بندوبست بھی ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر صدقۂ فطر کا فلسفہ یہی ہے کہ عید الفطر کی خوشیوں میں غریب مسلمان بھی بھرپور طریقے سے شریک ہو سکیں۔

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ”فقراء کو ایسے دِنوں میں سوال کرنے سے غنی کر دو (یعنی تعاون کر کے ان کو خوشحال کر دو)“۔ (سنن الدارقطني، كتاب زكوٰة الفطر: ۱۹۲/۲، رقم الحديث: ۲۱۱٤)

اسی لیے صدقۂ فطر عام طور پر ماہِ رمضان کے آخری دنوں میں ادا کیا جاتا ہے، جب کہ بہت سے لوگ نمازِ عید کے لیے جاتے ہوئے راہ میں بیٹھے بھکاریوں کو فطرانہ دیتے جاتے ہیں، جو کہ مناسب طریقہ نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ عید سے قبل ہی فطرانہ ادا کر دیا جائے؛ تا کہ ضرورت مند افراد بھی عید کی تیاری کر سکیں۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس رات بے مقصد گھومنے پھرنے اور گناہ کے کاموں میں گزارنے کی بجائے نوافل، نمازِ تہجد، تلاوتِ قرآن اور دیگر عبادات میں مشغول رہیں؛ تا کہ اس کی برکات حاصل کر سکیں۔

عید کے اس پر مسرت موقع پر ہمارا ایک کام یہ بھی ہونا چاہیے کہ پاس پڑوس اور رشتے داروں پر نظر دوڑائیں کہ کہیں اُن میں سے کوئی ایسا تو نہیں، جو اپنی غربت اور تنگ دستی کے سبب عید کی خوشیوں میں شامل ہونے سے محروم ہے۔ اگر ایسا ہے، تو یقین جانیے، ہم خواہ کتنے ہی اچھے کپڑے پہن لیں، طویل دستر خوان سجا لیں، عیدیاں بانٹتے پھریں، ہماری عید پھر بھی پھیکی ہی رہے گی؛ بلکہ ایسی عید، عید کہلانے کے قابل ہی نہیں، جس میں دیگر افراد شامل نہ ہوں۔ کوشش کرنی چاہیے کہ ایسے خوشی کے موقع پر سفید پوش افراد کو ڈھونڈ کر ان کی مدد کی جائے؛ تاکہ وہ اور ان کا خاندان بھی عید کی خوشیوں میں شامل ہو سکے۔

عیدالفطر کو خوشی کا دن کیوں قرار دیا گیا؟

عیدالفطر دراصل بہت سی خوشیوں کا مجموعہ ہے۔ ایک رمضان المبارک کے روزوں کی خوشی، دوسری قیام شب ہائے رمضان کی خوشی، تیسری نزول قرآن، چوتھی لیلۃ القدر اور پانچویں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزہ داروں کے لیے رحمت و بخشش اور عذاب جہنم سے آزادی کی خوشی۔ پھر ان تمام خوشیوں کا اظہار صدقہ و خیرات ’جسے صدقۂ فطر کہا جاتا ہے‘ کے ذریعے کرنے کا حکم ہے؛ تاکہ عبادت کے ساتھ انفاق و خیرات کا عمل بھی شریک ہو جائے۔ یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بناء پر اسے مومنوں کے لیے ”خوشی کا دن“ قرار دیا گیا۔



نمازِ عیدالفطر اور اس کے احکام و مسائل

قارئین کرام! اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ "عیدالفطر" اُخوت واجتماعیت، دردِ دل، ایثار و ہمدردی، تقویٰ و پرہیزگاری، خدمتِ خلق اور احترامِ انسانیت کا پیغام اپنے اندر سموئے ہُوئے ہے، جب کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام احترامِ انسانیت، خدمتِ خلق اور معاشرتی و سماجی فلاح کا سب سے بڑا داعی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک جسم کے اعضاء کی مانند قرار دیتا ہے، جس میں ہر ایک، دوسرے کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ درد تصور کرتا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اہلِ ایمان کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے، ایک دوسرے کا غم کھانے اور ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں جسم کی مانند ہے کہ اگر اس کا ایک حصہ تکلیف سے دوچار ہوتا ہے تو سارا جسم اُسی کیفیت کا شکار ہو جاتا اور بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔ (صحیح مسلم)

حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"تمام مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں کہ اگر اُس کی ایک آنکھ کو تکلیف پہنچتی ہے تو تمام جسم اس تکلیف کو محسوس کرنے لگتا ہے اور اگر اُس کے سر کو کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو پورا بدن اُسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔ (صحیح مسلم)

ہمارے پیارے آقا جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"مسلمان، مسلمان کے لیے آئینہ ہے، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اُسے زیاں سے بچاتا ہے، اور ہر وقت اُس کی مدد کے لیے کھڑا رہتا ہے"۔ (سنن ابوداؤد)

عیدالفطر کا پیغام:

"عیدین" کے پُرمسرت مذہبی اور ملّی تہوار اُمت مسلمہ کے توحیدی اور ایمانی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی روایات اور مذہبی و ملّی اقدار کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔ عہدِ نبوی سے آج تک اُمتِ مسلمہ عیدالفطر کے اس عظیم پُرمسرت اور روح پرور دن کو ایک خاص اہتمام اور دینی جوش و جذبے سے مناتی ہے، یہ غلبۂ اسلام، دین کی عظمت و شوکت اور مسلمانوں پر اللہ کے فضل و انعام کی علامت ہیں۔ اس کی

حقیقی مسرت ہمیں تزکیۂ نفس، ایثار و ہمدردی اور تقویٰ وخوفِ خدا کی خصوصی مشق اور عبادت و ریاضت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

رمضان المبارک کا پورا مہینہ عبادت اور اطاعتِ ربانی میں گزارنے کے بعد اہلِ ایمان کو "عید الفطر" کے دن اعزاز واکرام اور انعام سے نوازا جاتا اور رحمت ومغفرت کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ اسلام نے اُمتِ مسلمہ کو اس پُر مسرت مذہبی وملّی تہوار کے موقع پر سب سے پہلے پروردگارِ عالم کی تقدیس وتحمید اور عبادت کی ادائیگی کا حکم دیا، یہ درحقیقت اس کا اظہار ہے کہ اللہ کی عظمت وکبریائی کا اظہار کیا جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے، اس کی تسبیح وتقدیس بیان کی جائے، اعزاز واکرام اور اللہ کی بارگاہ سے انعام کے اس عظیم اور مثالی دن تمام امتیازات کے بندھن توڑ دیے جائیں، ہر قسم کے تعصّبات کا خاتمہ کردیا جائے، گلے شکووں کو فراموش کردیا جائے، اور اس اخوت واجتماعیت کا عملی مظاہرہ کیا جائے، جس کا اسلام داعی ہے، ہر قسم کی تفریق کا خاتمہ کردیا جائے، امیر وغریب شاہ وگدا، حاکم ومحکوم، غرض محمود وایاز ایک ہی صف میں شریکِ عبادت ہوکر اتحاد ویگانگت اور اخوت واجتماعیت کا وہ مظاہرہ کریں، جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے، چناں چہ اُمتِ مسلمہ اجتماعِ عید کے موقع پر اپنے خالق ومالک کے حضور سجدہ ریز ہوکر اخوت واجتماعیت، اتحاد ویگانگت اور اطاعت وفرماں برداری کی عملی تصویر پیش کرتی ہے گویا اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

غریبوں، حاجت مندوں اور معاشرے کے مفلوک الحال طبقے کو بھی اس پُرمسرت مذہبی وملّی تہوار میں ہرگز فراموش نہ کیا جائے، خلقِ خدا اس خالق کا کنبہ ہے، جس کی عظمت وکبریائی کے اظہار کے لیے ہم عید الفطر کے اجتماعات میں جمع ہوتے ہیں۔ ہمدردی، رحم دلی اور غمگساری کا جذبہ نہ صرف اس دن؛ بلکہ پورے سال اور زندگی بھر قائم رہے۔ یہی اسلام میں عید کی حقیقی روح اور اس کا فلسفہ ہے۔

یاد رکھیے! اسلام؛ احترامِ انسانیت، خدمتِ خلق اور معاشرتی وسماجی فلاح کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا

داعی ہے، وہ صاحبِ ثروت مسلمانوں کو پابند کرتا ہے کہ وہ معاشرے کے مفلوک الحال طبقے اور معاشی طور پر بدحال مسلمانوں کا سہارا بنیں۔ اسی حقیقت اور فلسفے کے پیشِ نظر اللہ کی عظمت و کبریائی کے اظہار و فریضۂ عبادت، نماز عید الفطر کی ادائیگی سے قبل ہی حکم ہوا کہ ''صدقۃ الفطر'' ادا کر دیا جائے، اس میں درحقیقت یہ پیغام مضمر ہے کہ اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں، حقیقی جینا وہ ہے جو دوسروں کے لیے ہو۔ انہیں بھی مسرت کے اس عظیم تہوار میں شریک کیا جائے۔ یہی اسلامی طرزِ معاشرت کی بنیاد اور اسلامی فلسفۂ عبادت وحیات کی حقیقی روح ہے، عید کے اس عظیم پُر مسرت تہوار میں بھی درحقیقت یہی روح اور پیغام پوشیدہ ہے۔

مسلم اُمہ آج جن بے پناہ مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہے اور جس طرح دورِ حاضر کی نمرودی اور فرعونی طاقتیں اور طاغوتی قوتیں اسلام اور مسلم اُمّہ کے خلاف صف آرا ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ ہم ''بُنیانِ مرصوص'' بن کر اخوت و یگانگت اور اتحادِ اُمت کا وہ نمونہ پیش کریں، جس کی تعلیم ہمارا دین دیتا ہے۔ اسی میں ہماری عظمت، بقا، اسلام کی سربلندی، دین کی سرفرازی اور اُمتِ مسلمہ کی عظمت کا راز مضمر ہے۔

اسلام کے پیغامِ امن وسلامتی کو دنیا میں عام کرنا، انسانیت کو ہدایت کی راہ پر گام زن کرنا اور دکھی انسانیت کی فلاح کے لیے جدوجہد کرنا ہمارے دین کی تعلیم اور اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ اتحادِ اُمت، دینی اقدار کا تحفظ، اسلامی تعلیمات پر عمل اور دین سے گہری وابستگی میں ہماری شان وشوکت کا راز پوشیدہ ہے، انہیں اپنا کر اور ان پر عمل کر کے ہی درحقیقت ہم حقیقی شادمانی اور مسرت حاصل کر سکتے ہیں، اسی میں ہماری فلاح اور عید کا حقیقی پیغام پوشیدہ ہے۔

عید الفطر کے سنن وآداب:

(۱) عید کی رات میں عبادت کا اہتمام کرنا۔ (معجم ابن الاعرابی ،باب الدال ۳/۱۰۴۷، رقم الحدیث ۲۲۵۲)

(۲) عید کے دن صبح سویرے اُٹھنا۔ (صحیح البخاری، کتاب العیدین: ۱/۱۳۲، رقم: ۹۶۸)

(۳) مسواک کرنا۔ (مصنف عبدالرزاق، کتاب العیدین، باب الاستنان: ۳/۳۰۸، رقم: ۵۷۴۵)

(۴) غسل کرنا۔ (مؤطا امام مالک، باب الاغتسال قبل العیدین: ۱/۱۷۷، رقم: ۷۰)

(۵) پاک وصاف اور عمدہ کپڑے پہننا۔ (شرح السنۃ، کتاب الجمعۃ: ۴/۳۰۲)

(۶) عطر (خوشبو) لگانا۔ (جمع الوسائل: ۳/۵)

(۷)عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کردینا۔

(صحیح البخاری، باب الصدقۃ قبل العید:۲۰۴/۱، رقم الحدیث:۱۵۰۹)

(۸)عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز (خصوصاً کھجور، چھوہارے) کھانا۔

(سنن الترمذی، ابواب العیدین، باب فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج:۱۲۰/۱، رقم الحدیث:۵۴۲)

(۹)عید کی نماز سے پہلے کوئی نفل نماز نہ پڑھنا۔ (سنن ابن ماجہ، ماجاء فی صلاۃ العیدین:۹۳، رقم:۱۲۹۳)

(۱۰)عید کے دن عیدگاہ کی جانب صبح سویرے جانا۔ (صحیح البخاری، کتاب العیدین:۱۳۲/۱، رقم:۹۶۸)

(۱۱)عید الفطر کی نماز تاخیر سے اور عید الاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھنا۔

(السنن الکبریٰ، باب الغدو الی العیدین:۳۹۹/۳، رقم:۶۱۲۹)

(۱۲)نمازِ عید کے لیے جاتے ہوئے عید الفطر میں آہستہ تکبیر پڑھنا۔

(سنن دار قطنی، کتاب العیدین:۳۸۰/۲، رقم:۱۷۱۳)

(۱۳)ایک راستہ سے جانا، دوسرے راستہ سے واپس آنا۔ (صحیح البخاری، کتاب العیدین:۱۳۴/۱، رقم:۹۸۶)

(۱۴)ہوسکے تو نمازِ عید کے لیے پیدل جانا۔ (سنن ابن ماجہ، ماجاء فی صلاۃ العیدین:۹۳، رقم:۱۲۹۴)

(۱۵)عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا۔ (صحیح البخاری، کتاب العیدین:۱۳۱/۱، رقم:۹۵۶)

(۱۶)عیدین کی نماز کے لیے اذان واقامت نہ کہنا۔ (صحیح البخاری، کتاب العیدین:۱۳۱/۱، رقم:۹۶۰)

(۱۷)خطبے کے وقت امام کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونا اور لوگوں کا اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ کر خطبہ سننا۔

(صحیح البخاری، کتاب العیدین:۱۳۱/۱، رقم:۹۶۰)

(۱۸)امام کا خطبے میں لوگوں کو صدقۂ فطر کے فضائل ومسائل بتلانا۔ (ہدایہ اوّل:۱۵۴)

(مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: الدر المختار مع الشامی:۶۲/۳، فتاویٰ ہندیہ:۱۵۰/۱، حلبی کبیر:۵۶۷، احسن الفتاویٰ:۱۲۹/۴، عمدۃ الرعایہ:۲۴۹/۱)

نمازِ عید مع طریقہ:

عید کی نماز دو رکعت ہیں دوسری نمازوں کی طرح، فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں، پہلی رکعت میں ثناء پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے، ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اُٹھانے چاہیے، پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ کے بعد

دو تکبیروں میں سے ہر تکبیر پر ہاتھ چھوڑ دیں، اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ اُٹھا کر باندھ لیں، دوسری رکعت میں تینوں زائد تکبیروں میں سے ہر تکبیر پر ہاتھ اُٹھا کر چھوڑ دیے جائیں اور چوتھی تکبیر بلا ہاتھ اُٹھائے کہہ کر رکوع میں چلے جائیں اور بقیہ نماز حسبِ معمول پوری کی جائے۔ (شرح معانی الآثار: ۲/۳۷۱، معجم کبیر: ۴/۵۹۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/۲۱۶، مصنف عبدالرزاق: ۳/۲۹۳، فتاویٰ تاتارخانیہ: ۲/۶۰۴، حلبی کبیر: ۵۶۷، کتاب النوازل: ۵/۳۲۱)

چند مسائل:

☆......اگر دورانِ نماز امام یا کوئی مقتدی عید کی زائد تکبیریں یا ترتیب بھول جائے، تو ازدحام کی وجہ سے نماز درست ہو جائے گی، سجدۂ سہو بھی ضروری نہیں۔

☆......اگر کوئی شخص نمازِ عید میں تاخیر سے پہنچا اور ایک رکعت نکل گئی، تو فوت شدہ رکعت کو پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق قضاء کرے گا، یعنی ثناء "**سبحانک اللّٰھم**" کے بعد تین زائد تکبیریں کہے گا اور آگے ترتیب کے مطابق رکعت پوری کرے گا۔

☆......یاد رہے کہ نمازِ عید کے بعد خطبہ سننا واجب ہے؛ لہٰذا خطبہ سننے کا اہتمام کرنا چاہیے، خطبہ سے پہلے اٹھنا درست نہیں ہے۔

عید کی نماز سے قبل نوافل پڑھنا:

عید کے دن نمازِ عید سے پہلے گھر، مسجد یا عیدگاہ میں کسی طرح کی بھی نفل نماز (اشراق یا تحیۃ المسجد وغیرہ) پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (سنن الترمذی: ۱/۱۲۰، رد المحتار: ۳/۵۰، البحر الرائق: ۲/۱۶۰، فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۲۷۳)

عید کی نماز کے بعد دعا کا حکم:

عید کی نماز کے بعد بھی باقی نمازوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے، عید کے دن دعا کا ذکر تو صحیح احادیث میں موجود ہے؛ لیکن روایت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ دعا عید کی نماز کے بعد خطبہ سے پہلے ہوتی تھی یا خطبہ کے بعد، اس لیے اس میں دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ امام اور مقتدی مل کر کسی ایک موقع پر دعا مانگ لیں، خواہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد، اور جس بھی موقع پر مانگیں اس کو دعا کے لیے مخصوص اور مسنون نہ سمجھیں، اور نماز کے بعد دعا مانگنے والے خطبہ کے بعد دعا مانگنے والوں کو ملامت نہ کریں اور نہ ہی خطبہ کے بعد دعا مانگنے والے نماز کے بعد دعا کرنے والوں پر طعن و تشنیع کریں۔

صحیح البخاری اور دیگر صحاح ستہ کی اس حدیث میں جو عورتوں کے لیے عیدگاہ آنے سے متعلق ہے یہ الفاظ ہیں: **فلیشهدن الخیر ودعوة المسلمین، ولیعتزلن المصلی.**

یعنی حائضہ عورتیں بھی جائیں اور نیکی اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوجائیں، ہاں نماز (یا نمازگاہ) سے علیحدہ رہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعا مانگنا بالخصوص منقول تو نہیں دیکھا گیا اور **دعـوتهـم** سے استدلال ناتمام ہے؛ کیوں کہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کہ یہ دعا کس وقت ہوتی ہے، پھر محل خاص میں اس کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے، ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں؛ لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداع کا بھی مشکل ہے؛ کیوں کہ عموماتِ نصوص سے فضیلت دعا بعد الصلاۃ کی ثابت ہے، پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے، اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے اس پر بھی ملامت نہیں۔ بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے دونوں جانب میں توسع ہے''۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۳۰۵، ط: دار العلوم کراچی)

مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''عیدین کے بعد دعا مانگنے کا فی الجملہ تو ثبوت ہے، مگر تعیین موقع کے ساتھ ثبوت نہیں کہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد، دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے''۔ (کفایت المفتی: ۳/۲۵۱، ط: مکتبہ حقانیہ)

تاہم بعض کبارِ اہلِ علم کی تحقیق یہ ہے کہ عیدین میں دعا نماز کے بعد ہوگی (کیونکہ اس کی مثال موجود ہے کہ دیگر نمازوں میں بھی نماز سے فراغت پر دعا ہوتی ہے) خطبہ کے دعا مانگنا ثابت نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۶۰۲، احسن الفتاویٰ: ۴/۱۴۵، عزیز الفتاویٰ: ۳/۲۹، فتاویٰ دار العلوم: ۵/۲۲۵، فتاویٰ محمودیہ: ۴/۲۹۵، فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۷۵)

خطبہ کے دوران کی تکبیریں:

عیدین کے خطبہ کے دوران مقتدی دل دل میں ہی تکبیر پڑھیں، زبان سے نہیں۔

(رد المحتار: ۳/۴۵، کتاب النوازل: ۵/۴۶۳)

نمازِ عید؛ عید گاہ میں پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے:

رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ ہے کہ نمازِ عید، عید گاہ میں ہی ادا کی جائے، آپ ﷺ عید والے دن مدینہ سے نکل کر باہر عید گاہ میں نماز ادا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلتے تھے''۔

(صحیح البخاری، کتاب العیدین: باب الخروج إلی المصلی بغیر منبر، رقم:۹۵٦)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ''اخبار المدینہ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ المصلی (عید گاہ) مدینہ میں ایک معروف جگہ ہے، اس کے اور مسجد کے دروازے کے درمیان ایک ہزار ہاتھ کی مسافت ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ عید گاہ کی طرف نکلتے تھے، تو آپ کے ساتھ ایک نیزہ ہوتا جسے آپ کے آگے عید گاہ میں نصب کیا جاتا، آپ اس کی طرف نماز ادا کرتے تھے''۔

(صحیح البخاری، کتاب العیدین: باب حمل العنزۃ أو الحربۃ الخ، رقم:۹۷۳)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی دائمی سنت یہ ہے کہ نماز مسجد کی بجائے عید گاہ میں پڑھی جائے۔

اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے صراحت کی ہے کہ آبادی سے باہر، عید گاہ میں ہی جا کر عیدین کی نماز ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے، بلا کسی عذر کے شہر کی کسی ایک یا متعدد مسجدوں میں نمازِ عید پڑھنا خلافِ سنت ہے۔

(البحر الرائق:۲/۲۷۸، الدر المختار مع الرد:۳/۴۹، احسن الفتاویٰ:۴/۱۲۹، فتاویٰ رحیمیہ:۵/۲۷۵، عمدۃ الرعایہ:۱/۲۴۹، فتاویٰ دار العلوم:۵/۱۸۵)

البتہ عذر کی صورت میں نمازِ عید مسجد میں ادا کی جا سکتی ہے، اس کے بارے میں روایت تو ضعیف ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بارش کی صورت میں مسجد میں نمازِ عید ادا کی؛ لیکن امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرات عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے عید کے دن بارش کی بنا پر لوگوں کو مسجد میں نمازِ عید پڑھائی''۔ (المحلی:۵/۱۲۸، ۱۲۹)

بارش یا کسی اور عذر کی وجہ سے مسجد میں نمازِ عید؟

عیدین میں ''اُمتِ مسلمہ کا تہوار'' اور ''دینی جشن'' ہونے کی جو شان ہے، اس کا تو تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو، حضرت نبی مکرم ﷺ کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس لیے عام حالات میں یہی سنت ہے کہ نمازِ عیدین، عیدگاہ میں ہی ہو؛ تاہم اگر بارش یا ایسا ہی کوئی اور عذر ہو تو عیدین کی نماز بھی کسی ایک یا متعدد بڑی مساجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔ (معارف الحدیث: ۳/۴۰۶، مظاہر حق جدید: ۲/۲۹۴)

جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہونے لگی، تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عید کی نماز مسجد نبوی میں پڑھائی۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عیدین کی نماز میں مسنون قرأت:

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدین کی نماز میں حضرت نبی مکرم ﷺ مختلف سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، جن میں سے مشہور یہ ہیں:

(۱) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِـ"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى" وَ"هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" قَالَ: وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلَاتَيْنِ.

(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، رقم الحديث: ٨٧٨، مشكاة المصابيح: ١/٢٦٦)

''رسول اللہ ﷺ عیدین و جمعہ کی نماز میں **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى** (یعنی سورۃ اعلیٰ) اور **هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ** (یعنی سورۃ الغاشیہ) پڑھا کرتے تھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ''جب عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جاتے، تو آپ ﷺ (عید و جمعہ میں بھی) دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے''۔

اور (۲) حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید اور بقر عید میں سورۂ ق اور سورۃ القمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے (معلوم ہوا کہ کبھی وہ، اور کبھی یہ تلاوت فرماتے تھے)۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، رقم الحدیث: ۸۹۱، سنن ابی داؤد، رقم: ۱۱۵۴)

نمازِ عید میں خطبہ کا حکم:

عید کی نماز کے بعد خطبہ دینا سنت ہے؛ لیکن جب خطبہ شروع ہو تو وہاں موجود لوگوں پر خطبہ سننا واجب ہے، اگر امام نے خطبہ نہیں دیا، تو سنت کو چھوڑنے کی وجہ سے گناہ ہوگا؛ لیکن عید کی نماز ادا ہو جائے گی۔

(الدر المختار مع الرد:۳/۵۹،۱۶۶)

عید الفطر کا خطبہ:

واضح رہے کہ عیدین کے مواقع کے لیے خطبے مخصوص نہیں ہیں؛ بلکہ تکبیر (اللہ تعالیٰ کی بڑائی)، حمد و ثنا، درود شریف اور عیدین کی مناسبت سے احادیث و احکام پر مشتمل کوئی بھی خطبہ پڑھا جا سکتا ہے، عیدین کے خطبوں میں خصوصیت کے ساتھ تکبیر کی کثرت رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، اس لیے سنت (مستحب) یہ ہے کہ پہلا خطبہ نو مسلسل تکبیرات اور دوسرا خطبہ سات مرتبہ مسلسل تکبیرات پڑھ کر شروع کیا جائے اور دوسرے خطبے کے آخر میں منبر سے اترنے سے پہلے چودہ مرتبہ مسلسل تکبیر پڑھی جائے۔ ذیل میں عید الفطر کی مناسبت سے بطورِ نمونہ خطبہ لکھا جا رہا ہے، جو عید کے عمومی احکام و مضامین کی مناسبت کی وجہ سے عید الفطر پر ہمیشہ پڑھا جا سکتا ہے:

﴿عید الفطر کا پہلا خطبہ﴾

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُنْعِمِ الْمُحْسِنِ اللَّيَّانِ ۝ ذِي الْفَضْلِ وَالْجُوْدِ وَالْاِحْسَانِ ۝ ذِي الْكَرَمِ وَالْمَغْفِرَةِ وَالْاِمْتِنَانِ ۝ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۝ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، اَلَّذِيْ أُرْسِلَ حِيْنَ شَاعَ الْكُفْرُ فِي الْبُلْدَانِ ۝ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ مَا لَمَعَ الْقَمَرَانِ وَتَعَاقَبَ الْمَلَوَانِ ۝ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۝

أَمَّا بَعْدُ! فَاعْلَمُوْا أَنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ ۝ لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ فِيْهِ عَوَائِدُ الْاِحْسَانِ ۝ وَرَجَاءُ نَيْلِ الدَّرَجَاتِ وَالْعَفْوِ وَالْغُفْرَانِ ۝ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۝

وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَّهٰذَا عِيْدُنَا ۝ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۝

وَقَدْ قَالَ ـ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَلٰٓئِكَتَهُ، فَقَالَ: يَا مَلَآئِكَتِيْ! مَا جَزَآءُ أَجِيْرٍ وَفّٰى عَمَلَهُ؟ قَالُوْا: رَبَّنَا جَزَاؤُهُ أَنْ يُوَفّٰى أَجْرُهُ، قَالَ: مَلَآئِكَتِيْ! عَبِيْدِيْ وَإِمَائِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ إِلَى الدُّعَاءِ، وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَأُجِيْبَنَّهُمْ، فَيَقُوْلُ: اِرْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ، وَبَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ، فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ ۝ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۝

وَهٰذَا الَّذِيْ ذُكِرَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ كَانَ فَضْلَهُ، وَأَمَّا أَحْكَامُهُ، فَمِنْهَا: صَدَقَةُ الْفِطْرِ، فَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: صَاعٌ مِنْ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ عَنِ اثْنَيْنِ، صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى. وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ ـ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ـ قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلٰوةِ. وَمِنْهَا: اَلصَّلَاةُ وَالْخُطْبَةُ: فَقَدْ كَانَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى إِلَى الْمُصَلّٰى، فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ، وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ، فَيَعِظُهُمْ، وَيُوْصِيْهِمْ، وَيَأْمُرُهُمْ. وَمِنْهَا: اَلتَّكْبِيْرُ فِيْ أَثْنَاءِ الْخُطْبَةِ: فَقَدْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكَبِّرُ بَيْنَ أَضْعَافِ الْخُطْبَةِ، وَ يُكْثِرُ التَّكْبِيْرَ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ ۝ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۝

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝﴾

بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنَا وَإِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ. أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاسْتَغْفِرُوْهُ، إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

﴿عید الفطر کا دوسرا خطبہ﴾

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ○

وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ، مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ○

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ☆ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِهَا وَعَافِيَةِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِهَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِيَائِهَا ○ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ○

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ، وَاَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ، وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ، وَاَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ، وَفَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ، وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ، وَحَمْزَةُ اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ رَسُوْلِهٖ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً لَّا تُغَادِرُ ذَنْبًا، اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ، فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ، وَخَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، وَالسُّلْطَانُ (الْعَادِلُ) ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ مَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ○

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○﴾ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ، وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَهَمُّ وَاَعْظَمُ وَاَكْبَرُ○

اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ ○

خطباتِ عیدین کے آغاز واختتام پر تکبیرات کی تحقیق:

خطبۂ عیدین میں تکبیرات زیادہ سے زیادہ کہنا چاہیے، کھڑے ہوتے ہی پہلے نو دفعہ "اللّٰہ اکبر" کہہ کر خطبہ شروع کرنا چاہیے، اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات تکبیریں کہہ کر خطبہ شروع کرنا چاہیے، اور اس کا اختتام ۱۴ تکبیروں سے کرنا چاہیے، یہ سنت ہے؛ لیکن اکثر لوگ اس سنت پر عمل نہیں کرتے ہیں، اس سنت کو زندہ کرنا چاہیے۔ نیز اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عید الفطر کے مقابلے میں عید الاضحیٰ میں تکبیرات زیادہ کہنا چاہیے۔ ان مسائل کے حوالے مندرجہ ذیل ہیں: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: زَیِّنُوْا أَعْیَادَکُمْ بِالتَّکْبِیْرِ.

(المعجم الصغیر للطبرانی:۵۹۹، إعلاء السنن للعثمانی:۹۶/۸)

عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ: کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ یُکَبِّرُ فِی الْعِیْدَیْنِ تِسْعًا تِسْعًا یَفْتَتِحُ بِالتَّکْبِیْرِ وَیَخْتِمُ بِہٖ.

(السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم الحدیث:۶۲۱۵)

عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ: اَلسُّنَّةُ فِی التَّکْبِیْرِ یَوْمَ الْأَضْحٰی وَالْفِطْرِ عَلَی الْمِنْبَرِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ أَنْ یَّبْتَدِئَ الْإِمَامُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَهُوَ قَائِمٌ عَلَی الْمِنْبَرِ بِتِسْعِ تَکْبِیْرَاتٍ تَتْرٰی لَا یَفْصِلُ بَیْنَهَا بِکَلَامٍ، ثُمَّ یَخْطُبُ، ثُمَّ یَجْلِسُ جَلْسَةً، ثُمَّ یَقُوْمُ فِی الْخُطْبَةِ الثَّانِیَةِ فَیَفْتَتِحُهَا بِسَبْعِ تَکْبِیْرَاتٍ تَتْرٰی لَا یَفْصِلُ بَیْنَهَا بِکَلَامٍ، ثُمَّ یَخْطُبُ.

واضح رہے کہ یہ روایت مرسل ہے، اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے مروی ہے، جو ایک تابعی، محدث اور فقیہ ہیں، مدینہ منورہ کے فقہاءِ سبعہ میں سے ہیں، امام زہریؒ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے استاذ ہیں۔

(تکملہ فتح الملہم، کتاب النذر:۱۲۹)

اور مرسل روایت جب ثقہ راوی سے مروی ہو تو احناف کے نزدیک حجت ہے؛ بالخصوص جب کہ راوی من السنۃ وغیرہ جیسے الفاظ سے نقل کرے۔

وإذا قیل عند التابعی یرفعه أو سائر الألفاظ المذکورة فمرفوع مرسل.

(تدریب الراوی للسیوطی:۱۹۲/۱)

قلت: وسائر الألفاظ المذكورة مثل قوله: من السنة كذا، وأمرنا بكذا، أو نهينا عن كذا، أو أمر فلان بكذا، ونحوه، ويدخل فيه أيضاً ما لايقال من قبل الرأى، لا مجال للاجتهاد فيه، فيحمل على السماع، فإذا جاء عن الصحابى فهو فى حكم المرفوع المتصل، وإذا جاء عن التابعى فمرفوع مرسل، أى مرفوع معنًى ومرفوع لفظاً.

(إعلاء السنن: ٦/٤)

أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنِيْ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَّ التَّكْبِيرَ فِي الْأُولٰى مِنَ الْخُطْبَتَيْنِ بِتِسْعٍ، وَفِي الْآخِرَةِ بِسَبْعٍ.

(معرفة السنن والآثار للبيهقي: ٨٨/٥، والسنن للبيهقي، رقم الحديث: ٦٢١٦)

وَيَبْدَأُ بِالتَّكْبِيرَاتِ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَسْتَفْتِحَ الْأُوْلٰى بِتِسْعِ تَكْبِيْرَاتٍ تَتْرٰى وَالثَّانِيَةَ بِسَبْعٍ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ: هُوَ مِنَ السُّنَّةِ، وَيُكَبِّرُ قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ مِنَ الْمِنْبَرِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ.

(البحر الرائق: ٢٨٢/٢، الدرالمختار: ١٢٠/٢)

وَيُكَبِّرُ فِيْ عِيْدِ الْأَضْحٰى أَكْثَرَ مِمَّا فِيْ خُطْبَةِ الْفِطْرِ. (مراقی الفلاح، باب أحكام العيدين: ٢١٦)

عید کی مبارک باد دینا:

واضح رہے کہ عید کی مبارک باد دینا اس کے بابرکت ہونے کی دعا دینا ہے، جو کہ بذاتِ خود جائز ہے، اس لیے عید کے موقع پر ایک دوسرے کو مبارک باد دینا جائز؛ بلکہ مستحب عمل ہے۔ اس سلسلے میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے مستقل ایک رسالہ "وصول الأماني بأصول التهاني" تصنیف فرمایا ہے، جس میں التهنئة بالعید اور التهنئة بشهر رمضان کے عنوانات قائم کیے ہیں۔

حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كان أصحابُ رسولِ اللهِ ﷺ، اذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض: تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكَ. (فتح الباري لابن حجر: ٥٠٢/٢، الحاوی للفتاوی: ٨١، مجموع الفتاوی: ٢٥٣/٢٤)

"حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عید کے دن جب ایک دوسرے سے ملتے، تو مبارکبادی پیش فرماتے اور تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكَ (اللہ تمہارے اور ہمارے (نیک اعمال) قبول فرمائے) کہا کرتے تھے"۔

اور علی بن ثابت رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے ایک بار پوچھا گیا:

عن قول الناس يوم العيد: تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنكَ ، فقال: ما زَالَ ذالک الأمرُ عندنا، ماترى به بأسًا. (الثقات لابن حبان:۹/۹۰)

"لوگوں کے عید کے دن ایک دوسرے کو **تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنكَ** کے متعلق کہ یہ کہنا کیسا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہمیشہ آج تک ہمارے یہاں (مدینہ منورہ میں) اسی پر عمل چلا آرہا ہے، ہم اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے"۔

ایک اور مقام پر اس طرح ہے کہ امام مالکؒ سے معلوم کیا گیا کہ عید کے دن ایک دوسرے کو **تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنكَ** اور **غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا وَلَکَ** کہنا مکروہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں، بالکل مکروہ نہیں۔

(المنتقى شرح الموطا:۱/۳۲۲)

علامہ شامیؒ نے محقق ابن امیر حاجؒ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے شام میں لوگ ایک دوسرے کو "عید مبارک" کہتے ہیں، تو اس کو بھی اس دعا کے عموم میں شامل کیا جا سکتا ہے، اس لیے جس شخص کے اعمال قبول ہو گئے تو وہ زمانہ اس کے لیے بابرکت ہو گیا، اس لیے برکت کی دعا دینا جائز ہے؛ لیکن "عید مبارک" کہنا فرض یا واجب نہیں؛ اس لیے اس کو لازم سمجھنا اور اس پر اصرار کرنا درست نہیں ہے اور اگر کوئی شخص کسی کو عید مبارک نہ کہے تو اس پر ناراض ہونا درست نہیں۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله لا تنكر) خبر قوله والتهنئة وإنما قال كذلك لأنه لم يحفظ فيها شيء عن أبي حنيفة وأصحابه، وذكر في القنية أنه لم ينقل عن أصحابنا كراهة وعن مالك أنه كرهها، وعن الأوزاعي أنها بدعة، وقال المحقق ابن أمير حاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارا بأسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم قال: والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن أن يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم فإن من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركا على أنه قد ورد الدعاء بالبركة في أمور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء

بها هنا أيضا. (كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۹/۲، ط: سعيد)

معلوم ہوا کہ عید کی مبارک باد دینے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن گفتگو کا آغاز سلام سے ہی ہونا چاہیے ،بغیر سلام کے "عید مبارک" نہ کہا جائے۔ (دیکھیے: معجم کبیر: ۵۲۲/۲، سنن کبریٰ: ۶۴۳/۳، ۷، ردالمحتار: ۴۹/۳)

عید کی نماز کے بعد مصافحہ و معانقہ:

ابتدائے ملاقات کے وقت سلام و مصافحہ کرنا اور طویل وقفے کے بعد ملاقات ہوئی ہو تو گلے ملنا (معانقہ کرنا) مسنون ہے، چاہے عید کا دن ہو یا کوئی اور دن، اگر کسی مسلمان بھائی سے خاص عید کے دن یا عید کی نماز کے بعد ہی ملاقات ہوئی ہے تو اس سے سلام مصافحہ کیا جاسکتا ہے اور گہرا تعلق و محبت ہو تو گلے بھی ملا جاسکتا ہے۔اس سے کوئی منع نہیں کرتا؛ لیکن اپنی طرف سے مصافحہ اور معانقہ کو عید کے دن یا عید کی نماز کے بعد کے ساتھ خاص کرلینا، اس کو عیدین کا جزو (حصہ) سمجھ لینا، صحیح نہیں۔ عموماً یہی دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں سے روزانہ ملاقات ہو رہی ہوتی ہے؛ بلکہ عید کی نماز سے پہلے بھی ملاقات ہو چکی ہوتی ہے وہ لوگ عید کی نماز کے بعد پھر بطور خاص مصافحہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں یہی تخصیص والتزام بدعت ہے، یہ تخصیص نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابۂ کرامؓ کے قول و عمل سے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۴۹۲/۸، ردالمحتار: ۳۸۱/۶، الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۶۲/۳۷، کتاب النوازل: ۳۶۸/۵، مجالس الابرار: ۲۹۸)

عورتوں کا عید کی نماز کے لیے عیدگاہ جانا:

واضح رہے کہ عورتوں کے لیے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا مکروہِ تحریمی ہے، خواہ فرض نماز ہو یا جمعہ و عیدین کی نماز ہو یا تراویح کی جماعت ہو، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں مسجد میں نماز کے لیے آتی تھیں، وہ بہترین زمانہ تھا، آپ ﷺ نفسِ نفیس موجود تھے، اور وحی کا نزول ہوتا تھا، اسلامی احکام نازل ہو رہے تھے اور عورتوں کے لیے بھی علمِ دین اور شریعت کے احکامات سیکھنا ضروری تھا، مزید یہ کہ آپ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب بھی عام مساجد سے کئی گنا زیادہ تھا؛ لیکن اس وقت بھی انہیں یہی حکم تھا کہ عمدہ لباس اور زیورات پہن کر نہ آئیں اور خوشبو لگا کر نہ آئیں، نماز ختم ہونے کے فوراً بعد مردوں سے پہلے واپس چلی جائیں، اور ان پابندیوں کے ساتھ اجازت کے بعد بھی حضرت نبی اکرم ﷺ نے ترغیب یہی دی کہ عورتوں کا گھر میں نماز ادا کرنا مسجد میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے، اور گھر کے کمرے میں نماز ادا کرنا برآمدے میں نماز ادا کرنے سے

افضل ہے،اور گھر کی کوٹھری میں نماز ادا کرنا کمرے میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔

روایات میں ہے کہ حضرت اُمّ حمید رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا شوق (اور دینی جذبہ) بہت اچھا ہے؛ مگر تمہاری نماز اندرونی کوٹھری میں کمرے کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرے کی نماز گھر کے احاطے کی نماز سے بہتر ہے، اور گھر کے احاطے کی نماز محلے کی مسجد سے بہتر ہے، اور محلے کی مسجد کی نماز میری مسجد (مسجد نبوی) کی نماز سے بہتر ہے۔

چناں چہ حضرت اُمّ حمید ساعدی رضی اللہ عنہا نے فرمائش کر کے اپنی کوٹھری کے آخری کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) بنوائی، وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا اور اپنے خدا کے حضور حاضر ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد جب حالات بدل گئے اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے زمانہ میں یہ دیکھا کہ عورتیں اب ان پابندیوں کا خیال نہیں کرتیں تو سیدنا حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں عورتوں کو مسجد آنے سے منع کر دیا گیا، اور اس پر گویا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اتفاق ہو گیا۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں کی جو حالت آج ہو گئی ہے وہ حالت اگر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوئی ہوتی تو آپ عورتوں کو مسجد آنے سے منع فرما دیتے۔

یہ اس زمانہ کی بات ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے وصال کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا، اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم ﷺ کا مزاج خوب سمجھتی تھیں، اسی لیے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ کے زمانے میں عورتوں کی ایسی حالت ہوتی تو آپ عورتوں کو آنے سے منع فرما دیتے۔ اس لیے موجودہ پُرفتن دور جس میں فتنہ، فساد، اور بے حیائی عام ہے، اور مرد و زن میں دین بے زاری کا عنصر غالب ہے، عورتوں میں فیشن، اور بن سنور کر باہر نکلنے کا رواج ہے، آج کے دور میں اگر حضرت عمر فاروق ﷺ موجود ہوتے یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود ہوتیں تو موجودہ زمانہ میں عورتوں کے متعلق کیا رائے قائم کی جاتی؟! علماءِ احناف ان روایات اور دیگر نصوص کی بنا پر عورتوں کو مسجد یا عیدگاہ آنے سے منع کرتے ہیں

عورتوں کو مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، خواہ پردے کے ساتھ ہی کیوں نہ آئیں، پس عورتیں اپنے گھروں میں نماز ادا کریں، یہی ان کے لیے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے نیز عورتوں پر عید کی نماز بھی واجب نہیں۔

مذکورہ بالا گفتگو سے متعلق چند حوالہ جات بھی ملاحظہ فرمالیں۔

سنن أبي داؤد میں ہے:

عن عبد اللّٰه، عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها.

(كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك: ١/٢٦٤، ط: دار الرسالة العالمية)

الترہیب والترغیب میں ہے:

عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي-رضي الله عنهما- أنها جاء ت إلى النبي-صلى اللّٰه عليه وسلم- فقالت: يا رسول الله إني أحب الصلاة معك، قال: قد علمت أنك تحبين الصلاة معي وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي، قال: فأمرت فبني لها مسجد في أقصى شيء من بيتها وأظلمه وكانت تصلي فيه حتى لقيت اللّٰه عز وجل. (رواه أحمد وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما). (كتاب الصلاة: ١/١٤٠، ط: دار الكتب العلمية)

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

(فإن قلت) من أين علمت عائشة-رضي الله تعالى عنها- هذه الملازمة والحكم بالمنع وعلمه ليس إلا الله تعالى (قلت) مما شاهدت من القواعد الدينية المقتضية لحسم مواد الفساد والأولى في هذا الباب أن ينظر إلى ما يخشى منه الفساد فيجتنب لإشارته – صلى الله عليه وسلم – إلى ذلك بمنع الطيب والتزين لما روى مسلم من حديث زينب امرأة ابن مسعود "إذا

شهدت إحداكن المسجد فلا تمس طيبا" وروى أبو داوٗد من حديث أبى هريرة۔ رضى الله تعالى عنه۔ قال:" لا تمنعوا إماء الله مساجد الله ولكن ليخرجن وهن تفلات"، وكذلك قيد ذلک فى بعض المواضع بالليل ليتحقق الأمن فيه من الفتنة والفساد. (کتاب مواقیت الصلوۃ، باب خروج النساء الی المساجد باللیل و الغلس:۱۵۹/۶ ط: داراحیاء التراث العربی)

العنایہ شرح الہدایہ میں ہے:

وقوله: (ويكره لهن حضور الجماعات) كانت النساء يباح لهن الخروج إلى الصلوات، ثم لما صار سببا للوقوع فى الفتنة منعن عن ذلک، جاء فى التفسير أن قوله تعالى ﴿ولقد علمنا المستقدمين منكم ولقد علمنا المستأخرين﴾ (الحجر:۲٤) نزلت فى شأن النسوة حيث كان المنافقون يتأخرون للاطلاع على عوراتهن، ولقد نهى عمر النساء عن الخروج إلى المساجد فشكون إلى عائشة – رضى الله عنها – فقالت: لو علم النبى – صلى الله عليه وسلم – ما علم عمر – رضى الله عنه – ما أذن لكن فى الخروج، فاحتج به علماؤنا ومنعوا الشواب عن الخروج مطلقا. (کتاب الصلاۃ، باب الإمامة:۳٦٥/۱ ، ط: دارالفکر)

فتاوی شامی میں ہے:

(ويكره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعيد ووعظ (مطلقا) ولو عجوزا ليلا (على المذهب) المفتى به لفساد الزمان، واستثنى الكمال بحثا العجائز والمتفانية.

(قوله على المذهب المفتى به) أى مذهب المتأخرين. قال فى البحر: وقد يقال هذه الفتوى التى اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الإمام وصاحبيه، فإنهم نقلوا أن الشابة تمنع مطلقا اتفاقا. وأما العجوز فلها حضور الجماعة عند الإمام إلا فى الظهر والعصر والجمعة أى وعندهما مطلقا، فالإفتاء بمنع العجائز فى الكل مخالف للكل، فالاعتماد على مذهب الإمام.

قال فى النهر: وفيه نظر، بل هو مأخوذ من قول الإمام وذلک أنه إنما منعها لقيام الحامل وهو فرط الشهوة بناء على أن الفسقة لا ينتشرون فى المغرب لأنهم بالطعام مشغولون وفى الفجر والعشاء نائمون؛ فإذا فرض انتشارهم فى هذه الأوقات لغلبة

فسقهم كما في زماننا بل تحريهم إياها كان المنع فيها أظهر من الظهر. الخ. قلت: ولا يخفى ما فيه من التورية اللطيفة. وقال الشيخ إسماعيل: وهو كلام حسن إلى الغاية (قوله واستثنى الكمال إلخ) أي مما أفتى به المتأخرون لعدم العلة السابقة فيبقى الحكم فيه على قول الإمام فافهم. (كتاب الصلاة، باب الإمامة: ١/٥٦٦، ط: دار الفكر)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

سوال: عورتیں مسجد میں جمعہ کی نماز امام صاحب کے ساتھ باجماعت ادا کرسکتی ہیں یا نہیں؟

جواب: عورتوں کا مساجد میں نماز باجماعت کے لیے جانا فسادِ زمانہ اور خوفِ فتنہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (جمعہ کی نماز: ۴/ ۱۵۰، مطبوعہ: مکتبہ لدھیانوی)

جمعہ کے دن عید ہو تو جمعہ کا حکم:

جمعہ کے دن عید کی نماز پڑھ لینے سے جمعہ کی نماز ساقط نہیں ہوتی، جمعہ کی فرضیت اپنی جگہ ہے، دونوں نمازیں جدا جدا اپنے اپنے وقت پر ادا کی جائیں گی اور دونوں کا خطبہ بھی پڑھا جائے گا۔ نمازِ عید کی وجہ سے جمعہ ترک نہیں کیا جائے گا۔

شامی میں ہے:

أما مذهبنا فلزوم كل منهما. قال في الهداية نقلا عن الجامع الصغير: عيدان اجتمعا في يوم واحد فالأول سنة و الثاني فريضة و لايترك واحد منهما الخ. (۲/ ۱۶۶، سعید)

عید کی نماز میں ایک رکعت یا دونوں نکل جائے:

اگر کوئی شخص عید کی نماز میں دوسری رکعت میں پہنچے تو وہ امام کے سلام کے بعد کھڑے ہو کر پہلے ثناء، پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے، پھر تین تکبیرات زوائد کہہ کر رکوع کرے، اور بقیہ نماز پوری کرے۔

اور اگر عیدین کی نماز کی دونوں رکعتیں چھوٹ جائیں تو امام کے سلام کے بعد کھڑے ہو کر دو رکعت عید کی نماز کے طریقہ کے مطابق ادا کرے، یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر پہلے ثناء پڑھے، پھر تین زوائد تکبیرات کہے، پھر تعوذ پڑھے، پھر بسم اللہ، پھر سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت یا چند آیات

پڑھے، پھر دوسری نمازوں کی طرح رکوع، سجدہ وغیرہ کرکے پہلی رکعت مکمل کرے، پھر دوسری رکعت کے شروع میں بسم اللہ، سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت یا چند آیات پڑھے، اس کے بعد تین تکبیراتِ زوائد کہیں، چوتھی تکبیر رکوع کے لیے کہہ کر رکوع میں جائے اور دوسری نمازوں کی طرح دوسری رکعت بھی پوری کرلے۔

ایسے شخص کو دوبارہ نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ نیز اگر کسی کی تنہا عید کی نماز رہ جائے تو گھر میں انفرادی طور پر عید کی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، عید کی نماز کے لیے جماعت شرط ہے۔

الدرالمختار میں ہے:

ولو سبق بركعة يقرأ ثم يكبر لئلايتوالى التكبير.

اور ردالمحتار میں ہے:

(قوله: لئلا يتوالى التكبير) أي لأنه إذا كبر قبل القراءة وقد كبر مع الإمام بعد القراءة لزم توالي التكبيرات في الركعتين، قال في البحر: ولم يقل به أحد من الصحابة، ولو بدأ بالقراءة يصير فعله موافقًا لقول علي –رضي الله عنه– فكان أولى، كذا في المحيط. (فتاویٰ شامی:۲/۱۷۴،سعید)

أما لو أدركه راكعًا فإن غلب ظنه إدراكه في الركوع كبر قائمًا برأي نفسه ثم ركع، وإلا ركع وكبر في ركوعه خلافًا لأبي يوسف ولا يرفع يديه؛ لأن الوضع على الركبتين سنة في محله، والرفع لا في محله وإن رفع الإمام رأسه سقط عنه ما بقي من التكبير لئلاتفوته المتابعة، ولو أدركه في قيام الركوع لايقضيها فيه؛ لأنه يقضي الركعة مع تكبيراتها. (فتاویٰ شامی:۲/۱۷۴)

عید کی جماعت نہ مل سکے تو کیا کرے؟

واضح رہے کہ عید کی نماز دین کے شعائر میں سے ہے، اور اظہارِ شکر کے علاوہ عید کی نماز سے مسلمانوں کی شان وشوکت اور قوت کا اظہار بھی مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان ایک جماعت میں شریک ہوسکیں۔

لہٰذا کوشش یہ کرنی چاہیے کہ عید کی نماز پورے اہتمام کے ساتھ عیدگاہ یا بڑی جامع مسجد میں ادا کی جائے، پھر ایک دفعہ جس جامع مسجد میں عید کی نماز ادا کرلی جائے، اسی مقام پر دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے؛ لہٰذا اگر کسی کی ایک جماعت نکل جائے تو شہر میں دوسری جگہ اگر نماز عید ادا کرنے کا موقع ہو تو وہاں شرکت کرلی

جائے۔ اور اگر شہر کی تمام مساجد میں عید کی نماز ادا کی جا چکی ہو تو بھی نمازِ عید کی علیحدہ جماعت نہ کریں؛ بلکہ اپنے مکان جا کر دو چار نفلیں الگ الگ پڑھ لیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۷/۸)

الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) میں ہے:

فإن عجز صلی أربعًا کالضحی. (۱۷۶/۲)

اگر جمعہ یا عید کی نماز فاسد ہو جائے تو کیا کرے؟

اگر جمعہ یا عید کی نماز میں امام سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہو تو وقت کے اندر جماعت سے اس نماز کا اعادہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مقتدی اس مسجد سے جا چکا ہو اور اسے نماز فاسد ہونے کا علم ہو جائے تو وقت کے اندر اندر دوسرے امام کی اقتدا میں ادا کر سکتا ہے۔

اور اگر وقت گزرنے کے بعد نماز کے فساد کا علم ہو تو جمعے کی بجائے ظہر کی چار رکعت پڑھے، اور عید کی قضا نہیں۔

اور اگر جمعہ یا عید کی نماز میں امام سے ایسی کوئی غلطی ہو جائے جس سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہو؛ لیکن مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے مجمع کے انتشار (غلط فہمی) میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو نہ کرنا افضل ہے۔

الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین (رد المحتار) میں ہے:

(والسهو فی صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء) والمختار عند المتأخرين عدمه فی الأولیین لدفع الفتنة كما فی جمعة البحر، وأقره المصنف، وبه جزم فی الدرر. (۹۲/۲)

☆......☆......☆

رمضان المبارک کے بعد کی زندگی!

رمضان المبارک کا مہینہ گزر گیا، اس کے گزرنے سے بہت سے لوگوں پر ایک مایوسانہ کیفیت طاری ہوئی ، جیسے کوئی عزیز مہمان رخصت ہو جائے اور بہت دنوں میں اس کے آنے کی اُمید ہو۔ بہت سے لوگوں پر اطمینانی کیفیت طاری ہوئی، جیسے ان کا کام ختم ہو گیا اور اب ان پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ دونوں کیفیتیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منشا اور رمضان المبارک کی روح و پیام کے منافی ہیں۔ رمضان اگر رخصت ہوا تو ایمان اور اس کے تقاضے، شریعت اور اس کے احکام، اللہ تعالیٰ اور اس سے تعلق بہر حال باقی ہے۔

رمضان در حقیقت ایک دور کا خاتمہ نہیں؛ بلکہ ایک دور کا آغاز ہے۔ رمضان انتہا نہیں ابتدا ہے۔ رمضان سب کچھ لے کر اور سب نعمتیں تہہ کر کے اور لپیٹ کر نہیں جاتا ہے، وہ بہت کچھ دے کر، جھولیاں بھر کر اور نعمتیں لٹا کر جاتا ہے، رمضان کے بعد آدمی گناہوں سے ضرور ہلکا ہوتا ہے؛ لیکن ذمہ داریوں سے بوجھل اور گرانبار ہو جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود بہت سے بھائی دل میں کہتے ہوں گے کہ رمضان گیا اب کیا کریں؟ اس مختصر مضمون میں اسی سوال کا جواب مقصود ہے، یہاں ان باتوں کا تذکرہ کیا جائے گا جو رمضان کے بعد اور ہمیشہ کرنے کی ہیں۔

اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اللہ رب العزت کی جانب سے دنیا اور آخرت میں انسان کے عمل کے مختلف خوبصورت اور حوصلہ افزا ملنے والے معاوضوں کو اس عمل کا ثواب کہتے ہیں، مثلاً: جب نماز کو اس کے مختلف مسائل کی پابندی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے تو بدلے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے گناہوں سے رکنے اور رزق میں برکت ہونے جیسے انعامات دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان ماہِ رمضان کو اس کے درست شرعی مسائل اور آداب کی رعایت سے بسر کرتا ہے تو دنیا میں اس کا ثواب یہ ہے کہ اس کے کردار میں تقویٰ آتا چلا جاتا ہے اور آخرت میں اللہ کی جانب سے وہ خصوصی اجر کا حقدار ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک سوال اُٹھتا ہے کہ جب ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرۃ:۱۸۳) کا وعدہ موجود ہے، یعنی رمضان میں از خود یہ قوت پائی جاتی ہے کہ اس سے آدمی کے اندر تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے اعمال درست ہو جاتے ہیں

تو پھر آدمی کو رمضان کے بعد کی زندگی کو سیکھنے اور اپنے اعمال کی درستی کی محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

سمجھ لیا جائے کہ قرآن و حدیث کے ایسے وعدوں کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ مثلاً: رمضان کے بعد فرشتے روزہ دار کو زبردستی بازو سے کھینچ کر جوئے کے ڈیرے سے اُٹھا کر نماز کے پھٹے پر کھڑا کر دیں گے۔ اور نہ ہی یہ ایسی سادہ بات ہے کہ جب ایک مہینہ روزانہ بار بار کچھ اعمال کو کیا جائے گا تو جسم کو ان کی عادت ہو جائے گی، اور تقویٰ محض یہ بھی نہیں کہ پانچ وقت مسجد میں جانے کی عادت ہو جائے۔

دراصل تقویٰ تو قلب و روح کی پاکیزگی اور درستی کا ایک قدرتی نظام ہے۔ اس نظام میں ہر عبادت کے ذریعے اللہ پاک بندے کے اندر ایک روحانی کیفیت پیدا فرماتے ہیں جس سے اس کے لیے وہ وہ کام کرنا آسان ہو جاتا ہے جنہیں عموماً سوچا بھی نہیں جا سکتا، چنانچہ رمضان کے روزوں سے بھی آدمی کے اندر دو ایسی صلاحیتیں قوت پاتی ہیں جو آدمی کو نیکی پر چلانے کے لیے کمان کی ڈوری کا کام کرتی ہیں۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ وہ صلاحیتیں کیا ہیں؟

(۱) رمضان میں شیاطین کے قید ہونے سے انسان میں گناہ سے بیزاری اور نیکی کا شوق بڑھتا ہے اور پورے معاشرے میں جو ایک خاص ماحول اس ماہ مبارک میں بن جاتا ہے، اس میں ان جذبات کو مزید تقویت ملتی ہے۔ دیگر الفاظ میں رمضان انسان میں فرشتوں جیسی صفت کو ترقی دیتا ہے۔ فرشتوں کی اس صفت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحریم:۶)

''اللہ کے کسی حکم میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے''۔

اس سے آدمی کے لیے اللہ کی اطاعت میں لگنا قطعاً بوجھ نہیں رہ جاتا اور گناہوں سے بچنا بھی مشکل محسوس نہیں ہوتا۔

(۲) اگر کسی کے دل پر اللہ کی جانب سے پردے نہ پڑ گئے ہوں تو ہر انسان کے دل میں نیکی سامنے آنے پر اس کے لیے رغبت، اور برائی سامنے آنے پر اس سے بچنے کی یاد دہانی ضرور پیدا ہوتی ہے۔ یہ یاد دہانی براہِ راست الہام کے ذریعے ہو، کسی فرشتے کی پکار پر ہو، یا خود اپنے ہی ضمیر کی بے چینی سے ہو، ہوتی ضرور ہے۔ مثلاً: حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یَرِیْبُکَ ، فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِیْنَۃٌ وَّاِنَّ الْکَذِبَ رِیْبَۃٌ.

(سنن الترمذی، الرقم:۲۵۱۸)

ترجمہ: جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے، کیونکہ سچ اطمینان (کا باعث) ہے اور جھوٹ بے چینی (کا باعث) ہے۔

اس کے بعد کسی کا دل اس یاددہانی کو جلد قبول کر لیتا ہے، کسی کا کچھ دیر سے، کوئی اس یاددہانی کے مطابق اپنے اعمال فوراً درست کر لیتا ہے، کوئی کچھ دیر سے۔ رمضان' دل کو اتنا حساس کر دیتا ہے کہ جب اللہ کا حکم سامنے آئے تو یہ فوراً اعضاء کو اس کی تعمیل کے لیے آمادہ کرتا ہے اور جب کوئی پر کشش گناہ سامنے آجائے تو یہ دل فوراً اعضاء کو اس سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے، جیسا کہ پرہیزگاروں کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾(الأعراف: ۲۰۱)

''جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، انہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال آ کر چھوتا بھی ہے تو وہ (اللہ کو) یاد کر لیتے ہیں، چنانچہ اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں''۔

اب رمضان المبارک کے ذریعے اللہ حکیم کے اس تربیتی پروگرام کو ایک مثال سے سمجھیے۔ ایک زنگ آلود اور خستہ حال مشین کو اگر دوبارہ صاف ستھرا اور قابلِ استعمال بنا دیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب وہ ازخود تمام کام کرنے لگے گی، بلکہ کاریگر کو ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے اور جن کاموں کے لیے اس مشین کو تیار کیا گیا ہے، وہ کام اسی کو اس مشین سے لینے ہوں گے، بشرطیکہ اسے پتا ہو کہ یہ مشین کن امور کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اور اگر مشین کی کسی ضرورت، مثلاً: آئل کی تبدیلی، پانی کی کمی، شارٹ سرکٹ وغیرہ کی صورت میں کوئی میٹر یا الارم متنبہ کرے تو یہ ضرورتیں کاریگر کو ہی متوجہ ہو کر پوری کرنی ہوں گی۔ اسی طرح رمضان کے ذریعہ ہمارے قلب و روح کی ایک تربیت درج بالا دو صلاحیتوں کی صورت میں کر دی گئی ہے، اب یہ ہمارا کام ہے کہ رمضان کے بعد جب بھی دل میں نیکی کے لیے رغبت اور بدی کے خلاف کھٹکا پیدا ہو تو ہم پورے شعور سے متوجہ ہوں۔ اور اپنے جسم سے درست سمت میں وہ کام لیں جن کے لیے رمضان میں اسے تیار کیا گیا ہے۔ رمضان کا بنیادی ہدف انسان میں تقویٰ کی صفت کو پیدا کرنا اور اسے بڑھانا ہے۔

تقویٰ:

تقویٰ: جس کے انعام کا وعدہ رمضان کے روزوں کے ساتھ جوڑا گیا ہے، مؤمن کے کردار کے ہر پہلو کو

سنوارنے اور اس کی حفاظت کرنے والی شے ہے۔ البتہ! اس کردار کے کچھ شعبے ایسے ہیں جن کی تقویت میں ان روزوں کا خاص اور براہِ راست اثر ہے، اور یہ شعبے پھر مؤمن کی باقی زندگی کو بالواسطہ متاثر کرتے ہیں۔

اب ہم ان شاء اللہ! ذیل میں ان شعبوں کے بارے میں مختصر تعارف حاصل کریں گے؛ تاکہ انہیں بعد از رمضان نظر انداز نہ کیا جائے۔

تعلق مع اللہ:

کہتے ہیں جس چیز کے لیے جان، مال اور وقت لگتا ہے اس کی اہمیت اور محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مسلسل پورا ماہ جن محنتوں اور مشقتوں سے مسلمان گزرتا ہے، یہ اس کی اللہ کی ذات سے محبت و تعلق کو بہت زیادہ قوی تر کر دیتی ہیں۔ اللہ کی رضا کے لیے بھوک برداشت کرنا، پیاس سہنا، بے آرام ہونا، سونے جاگنے میں اوقات کی بے ترتیبی اور روزمرہ کے گھربار کے دھندوں کے ساتھ لمبی لمبی رکعتیں پڑھنا، اور بسا اوقات یہ سب کچھ کرنے میں اپنے اَمراض کا بھی کچھ خیال نہ کرنا - یہ سب مشقتیں دیکھیے کہ ہمیں کس چیز کے لیے تیار کر رہی ہیں۔ اعتکاف کے زمانہ میں ساری دنیا اور اس کے ظاہری اَسباب سے کٹ کر اللہ ہی کا ہو رہنا اور طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں، بلکہ یہ اس تعلق کو عروج پر پہنچانے والے اعمال ہیں۔

اچھا، پھر ان سب کے ساتھ ایک بڑی اہم بات! آدمی جسمانی تکالیف تو پھر بھی برداشت کر لیتا ہے، البتہ! ذہنی تکلیف اٹھانا اور وہ بھی ایسی جو سمجھ سے باہر ہو، یہ بہت مشکل کام ہے۔ اور جب ایسی تکلیف بلا سوچے سمجھے کسی کی محبت میں اٹھائی جائے تو پھر وہ محبت انتہائی اعلیٰ درجے پر جا پہنچتی ہے۔ ذرا غور کیجیے! ایک عجیب سے وقت پر اٹھ بیٹھنا اور اس وقت نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ کھانا، پھر سارا دن اپنے حلال رزق اور حلال بیوی سے دور رہنا اور پھر سارے دن کے بعد عین آرام کے وقت ٹوٹے ہوئے جسم کو لے کر ایک طویل نماز کے لیے کھڑے ہو جانا، کیا اس میں بہ ظاہر جان، مال اور وقت کا حرج نظر نہیں آتا؟ کیا عموماً ایسے طرز و ترتیب والے کو بے وقوف نہیں کہا جاتا؟ کیا پھر بھی اس ماہ میں یہ سب کچھ خوشی سے نہیں کیا جا رہا؟ کیا یہ سب باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں؟ نہیں، تو کیا ایسا نہیں ہے کہ اس ماہِ مقدس میں انسان کی عقل و سمجھ کو اللہ تعالیٰ کی منشا کے تابع کر دیا گیا ہے؛ اور ایک گوشت پوست کے کمزور خاکی جسم کو حیرت انگیز توانائیاں عطا کر کے اس رحیم و کریم دوست کی دوستی پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار کر دیا گیا ہے؟

اب رمضان کے بعد بھی اس تعلق کو ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے اور ذاتی خواہشات سے اس کو بچاتے رہنے کی ضرورت ہے، یعنی ہم ہر معاملے میں اللہ رب العزت کی منشا کو ترجیح دیں گے، اگر چہ بظاہر اپنا نقصان ہوتا ہوا نظر آئے اور اس کے دین کو سنت طریقے پر اپنی اور دوسروں کی زندگیوں میں لانے کی کوشش کریں گے۔

اخلاص:

اخلاص کا معنی ہے کسی شے کو ہر دوسری شے کی آمیزش سے پاک کر دینا۔ اصطلاحاً: امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے اخلاص کی تعریف فرمائی ہے:

فَحَقِيْقَةُ الْإِخْلَاصِ، اَلتَّبَرِّیْ عَنْ کُلِّ مَادُوْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی. (المفردات فی غریب القرآن: ۲۹۳/۱)

یعنی اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت (اور اس کی رضا جوئی) کے علاوہ ہر ایک کی عبادت (اور اس کی رضا جوئی) سے بری ہو جائے۔ اخلاص تمام اعمال کی بنیاد ہے، اس کے بغیر کوئی عمل میزان تک نہیں پہنچ سکتا۔

کسی کام میں عدمِ اخلاص کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی اس کام کے کرنے میں دوسروں سے ممتاز معلوم ہو، اور ایک دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ اپنے کام کا بہتر معیار لوگوں کو دکھانے کا موقع ملے، وگرنہ دل میں یہ خیال ہی نہیں گزرتا کہ لوگ میری تعریف کریں۔ ایک وجہ عدمِ اخلاص کی یہ بھی ہوتی ہے کہ آدمی کا کوئی دنیوی نفع اس کام سے جڑا ہوا ہو، اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

دیکھیے! سبحان اللہ کہ رمضان کیسے ان تینوں وجوہات کو مٹا کر انسان کو اخلاصِ نیت کا موقع فراہم کرتا ہے:

(۱) ہر کوئی اسی ایک (روزہ رکھنے والے) کام میں لگا ہے۔

(۲) کوئی اپنی کارکردگی کی خوبی نہیں دکھا سکتا۔

(۳) کام کے اختتام پر اللہ کے علاوہ کسی سے کچھ ملے گا بھی نہیں۔

دیکھیے! کیسے ایک مسلمان کو صرف اللہ پاک کی رضا کے لیے مخلص ہو جانے کی مشق سے گزارا جاتا ہے؛ اور یہی کیفیت غیر رمضان کا تقاضا بن جاتی ہے، یعنی: اب جو بھی کام کیا جائے محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی غرض سے ہی کیا جائے۔ اور جب بھی کسی کام کے کرنے میں کوئی اور غرض سامنے آئے، ہم فوراً

چوکنے ہوکر اپنی اصلاحِ نیت کی کوشش میں لگ جائیں۔ ہم ہر کام میں سے عدم اخلاص کی درج بالا تینوں وجوہات کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ باقی ان شاء اللہ جب آدمی اخلاص کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ پاک بڑی رہنمائی فرماتے ہیں۔

عبادات:

اس سالانہ تربیتی پروگرام میں مؤمنین کی کامیابی کے لیے اللہ رب العزت نے ایک دلچسپ اُسلوب اختیار فرمایا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے مسلمان کو نیکیوں پر لانے اور گناہوں سے ہٹانے کے لیے ان سے متعلق ایسے امور کو بنیاد بنایا ہے جو عموماً بہت چھوٹے سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہ کہ نیکیوں کی تربیت کے لیے مسلمان کو ایسے امور پر کھڑا کیا ہے جو فرض نوعیت کے نہیں، اور بعض گناہوں کی شدت کے پیش نظر اسے جائز اور حلال امور سے بھی روک دیا ہے، مثلاً:

آپ جانتے ہیں کہ نماز کی دین میں کتنی اہمیت بتلائی گئی ہے، چنانچہ اس کی قبیل سے تراویح کی نماز، جو کہ فرض درجہ کی نہیں، کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر حیثیت دے دی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ پابندی لگادی کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے متوجہ ہو کر غور سے سنو۔ اس طرح عبادتِ نماز کے ساتھ ایک قلبی لگاؤ پیدا کر دیا۔ بات صرف اتنی ہی نہیں، بلکہ نماز کو تو رسول اللہ ﷺ نے دین میں ایسا بتلایا ہے جیسے جسم پر سر ہوتا ہے:

إِنَّمَا مَوضِعِ الصَّلَاةِ من الدِّين كموضع الرَّأس من الْجَسَد۔ (الترغيب والترهيب عن ابن عمرؓ، الرقم: ۸۱۳)

لہٰذا جسے پورا ماہ روزانہ اس عبادت میں سے گزرتے ہوئے نماز کا شوق ہو گیا ہو اور رکوع وسجود کی لذت سے وہ آشنا ہو گیا ہو اور پھر رمضان گزرتے ہی وہ اس سے لاپروائی برتنے لگے تو اپنا ہی نقصان اور اپنی ہی کم بختی ہے۔ اسی طرح زبانِ رسالت سے مختلف الفاظ و انداز میں قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار و استغفار کو اس مہینے سے مخصوص کر کے بڑی خوبی سے مسلمان کے قلب و زباں کو اللہ رب العزت کی یاد سے مانوس کر دیا گیا ہے، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ: اَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ، فَشَفِّعْنِي فِيْهِ، وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ**۔ (مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ٦٦٢٦)

ترجمہ: روزہ اور قرآن (دونوں) بندے کے لیے قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے

میرے رب! میں نے اسے کھانے پینے اور خواہشِ نفس سے روکے رکھا؛ لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما، اور قرآن کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکے رکھا (اور تراویح میں یہ مجھے پڑھتا یا سنتا رہا) لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دونوں کی شفاعت (اس بندے کے حق میں) قبول کرلی جائے گی۔

پھر اس یاد کے پھل کا سب سے بڑا حصہ اس فردِ بشر کے لیے رکھا گیا ہے جو اس اللہ کریم کے عفو و کرم کی تلاش اور امید میں اپنے گھر، کاروبار، آرام اور ہر شے سے الگ ہو کر اسی ذات کے توکل پر رمضان کے آخری عشرہ میں خود کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ اعتکاف اس کے لیے نفلی تھا، لیکن اس کی ترغیب اور پھر اس کے شروع ہونے کے بعد اس کے احکام کے ذریعہ اس کی اہمیت اتنی بڑھا دی گئی کہ یہ روزہ دار اب ان دِنوں میں مکمل طور پر اللہ پاک ہی کا ہو رہے، اسی کی لو لگی رہے۔ اس قرب کی لذت جسے اللہ پاک عطا فرما دیں، الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

اور یہی اس مشق کا تقاضا ہے کہ ماہِ رمضان کے علاوہ اپنی عمومی زندگی میں بھی ایمان والے ربِ کائنات پر مکمل توکل کرتے ہوئے دنیا اور اس کے دھندوں میں بقدرِ ضرورت ہی لگیں، اللہ اپنے غیب کے خزانوں سے ان شاء اللہ! ان کے سب کام بنائے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ:

اسی طرح دین نے رمضان المبارک میں صدقۃ الفطر یعنی فطرانہ متعارف کرایا۔ یہ صدقہ صاحبِ حیثیت افراد پر، نمازِ عید الفطر سے پہلے پہلے، مستحقین کو ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ معاشرے میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور غرباء کی حاجت روائی کی عمومی فضا قائم کرنے کے لیے، زکوٰۃ اور عام صدقہ سے ہٹ کر، شریعتِ مطہرہ نے فطرانہ میں چار دلچسپ خوبیوں کا اضافہ فرما دیا ہے:

(۱) ایک یہ کہ اس صدقہ کے وجوب کے لیے صاحبِ مال کے مال پر ایک سال گزرنا ضروری نہیں، عید الفطر کے دن صبح صادق کے وقت حسبِ نصاب مال ملکیت میں آگیا، تو فطرانہ واجب ہو گیا۔

(۲) دوسری یہ کہ شریعتِ حکیمانہ نے اس بات کی بھرپور ترغیب دی ہے کہ وہ لوگ جن پر فطرانہ واجب نہیں ہوتا، وہ بھی اس کی ادائیگی کر دیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ ادا کرنے والا محض اپنی طرف سے نہیں، بلکہ اپنے زیرِ کفالت تمام افراد کی جانب

سے صدقہ ادا کرے۔

(۴) اور چوتھی یہ کہ اسی لیے لوگوں کی مختلف مالی حیثیت کے پیش نظر فطرانہ کی مختلف مقداریں مقرر فرمائی ہیں، تاکہ کوئی بھی کمانے والا اس صدقہ کی ادائیگی سے محروم نہ ہو، چنانچہ جب زیادہ سے زیادہ لوگ اس صدقہ کی ادائیگی میں سے گزرتے اور مستحقین کی تلاش میں کھپتے ہیں تو یہ بھلائی محض امراء کے دائرہ تک محدود نہیں رہ جاتی، بلکہ پورے معاشرہ میں رواج پاتی ہے۔ان مستحقین کے اندرونی حالات ان لوگوں پر بھی کھل جاتے ہیں جو پہلے ان سے بے خبر تھے۔ یہ خبر پھر رمضان کے بعد بھی ان کی دلجوئی، غم گساری اور مالی تعاون کے لیے معاشی طور پر ان سے بہتر طبقے کو ضروراً کساتی رہتی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی صفت کو اندر پیدا کرنے کے لیے رمضان میں ہی ایک اور مشق، جو اس سلسلے میں مالدار مسلمان کو غریب مسلمان کے لیے فکر مند کرتی ہے، یہ ہے کہ اُس مالدار کو روزے کی حالت میں اُس کے اپنے رزق سے ہی گھنٹوں دور رکھ کر بھوک کے احساس میں سے گزارا جاتا ہے۔ اس احساس میں سے غریب آدمی سارا سال گزرتا ہے، حالانکہ اللہ پاک نے مالداروں کے رزق میں اس کے لیے ایک حصہ مقرر فرما رکھا ہے، فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ، لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (المعارج: ٢٤)

''اور جن کے مال و دولت میں ایک متعین حق ہے، سوالی اور بے سوالی کا''۔

البتہ قانوناً یہ غریب آدمی اپنی مرضی سے اپنے اُس حصہ سے لے بھی نہیں سکتا۔ اب مالدار کو بھی اس غریب اور مستحق بندے کی طرح اِس احساس کا تھوڑا سا ذائقہ دیا جا رہا ہے کہ اِس مالدار روزے دار کے سامنے اِس کے اپنے گھر میں وہ رزق موجود ہے، جس پر اِس کا اپنا مالکانہ حق ہے، مگر روزہ کی وجہ سے یہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

سو رمضان کی برکت سے پیدا ہونے والی اس مبارک کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے رمضان کے بعد والی زندگی میں بھی حتی المقدور اللہ کے راستے میں اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔

حیا اور شائستگی:

یہی مندرجہ بالا انداز معاشرے سے بے حیائی کے عمومی خاتمہ کے لیے اختیار کیا گیا ہے؛ یعنی لوگ اپنے جائز ازدواجی تعلق میں بھی خود پر ایسا قابو حاصل کریں کہ کسی نامحرم کی طرف نظر نہ اُٹھے۔ یہی ایک دل ہے جس میں نفسانی جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یہی ایک جسم ہے جس سے ان جذبات کی تکمیل ہوتی ہے۔ اب یہ

جذبات مُثبت ہوں یا منفی، ان کا اظہار جائز راستہ سے ہو یا ناجائز راستہ سے، ہر صورت میں یہ جذبات پیدا اسی دل میں ہوں گے اور ان کا اظہار بھی اسی جسم سے ہوگا، لہٰذا جو شخص، مرد ہو یا عورت، باحیا بننا چاہے وہ اپنے اندرونی اسی نظام پر قابو پانا اور اسے درست رخ پر استعمال کرنا سیکھے۔

ایک دوسری بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اگر روزے کی حالت میں مثلاً: میاں بیوی حدود سے آگے بڑھیں تو کیا ان پر بجلی آ گرے گی؟ یا وہ زمین میں دھنس جائیں گے؟ نہیں، اللہ کا عمومی ضابطہ تو ایسا نہیں، تو پھر ان دونوں میاں و بیوی کو باوجود تنہائی کے کئی مواقع ملنے کے ان کے حدود سے آگے بڑھنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ تو جان لیجیے کہ یہ تو دراصل اس ذاتِ اکبر کی ناراضی کا خوف ہے جو ہر کسی کو نافرمانی سے روکے رکھتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ سارا سال یہ خوف ہر نافرمانی کے موقع پر قائم رہنا چاہیے۔

ان دونوں باتوں کی مشق رمضان میں کرائی جاتی ہے، یعنی دل میں اللہ پاک کی ناراضی کا خوف رکھنا اور اپنے آپ پر قابو رکھنا۔ یہ اس تفصیل کا موقع نہیں ہے کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ افراد کے لیے اس سلسلہ میں روزے کے مکروہات و مفسدات کے کیا کیا احکام ہیں؟ یہاں بس یہ اشارہ دینا مقصود ہے کہ ان احکام سے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے سختی نہیں بلکہ ہماری تربیت فرمانا چاہتے ہیں، چنانچہ ہم سارا سال اپنی زندگیاں پاکیزہ طور پر گزارنے کے لیے اس تربیت میں سے شعوری طور پر گزریں، صرف یہی نہیں کہ جناب بڑی مشکل سے کچھ ضابطوں کی پابندی کر لی ہے اور ہر دفعہ کی طرح بس روزے رکھ لیے ہیں۔ اب سوچیں کہ اس مشق کے اعلیٰ تربیت یافتہ شخص کے سامنے جب رمضان کے بعد کسی شیطانی حملے کے موقع پر اندر سے یہ آوازیں پیدا ہوں گی:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾(النور: ۳۰)

”مؤمن مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، وہ جو کاروائیاں کرتے ہیں اللہ ان سب سے پوری طرح باخبر ہے۔“ اور ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾(النازعات: ۴۰) لیکن وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا تھا؛ تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگی، تو کیا یہ شخص ان شاء اللہ اس امتحان سے کامیابی سے گزر نہیں جائے گا؟! یہ تربیت ان شاء اللہ اس وقت

کام آئے گی اور یہ اندر کی آواز کو پہچاننا، سمجھنا اس تربیت کے لیے مفید ہوگا۔ کسی معاشرے کا حسن، اس کی صفتِ "حیا" ہے، جبکہ اس کی کمی اللہ تعالیٰ کے غضب کو متوجہ کرنے کا سبب ہے، اور مذکورہ طریقے سے ان شاء اللہ اس غضب کو ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے۔

أخلاق اور حسنِ معاشرت:

زیرِ مطالعہ یہی اسلوبِ تربیت ایک مسلمان کے انفرادی أخلاق کی تعمیر اور اجتماعی حسنِ معاشرت میں بھی کارفرما ہے۔ ایک بہت چھوٹی سی مثال ملاحظہ فرمائی جائے۔ عام دنوں کی طرح رمضان میں بھی لوگوں کے گھر اور کاروبار کی ذمہ داریوں کے اوقاتِ کار مختلف ہی ہوتے ہیں، پھر بھی اس ماہ میں روزانہ ہر کھانے کے وقت گھر کے تمام افراد اکٹھے ایک دسترخوان پر موجود ہوتے ہیں۔ تو کیا اس ترتیب کو اپنی عمومی زندگی میں لاگو کرنے سے ہر کنبے کے افراد میں باہمی محبت اور تعلق میں بہت زیادہ اضافہ نہیں ہوگا؟!

اسی طرح اس ماہِ عظیم میں بظاہر معمولی دِکھنے والی کوتاہیوں کو بنیاد بنا کر بڑی بڑی اخلاقی برائیوں کی صفائی کردی گئی ہے، مثلاً: غیبت، ایک عام مسلمان سات پردوں میں بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاتا، مگر اس کے لیے غیبت کرنا بیت اللہ میں بیٹھ کر بھی آسان ہے۔ غیبت کے متعلق قرآن وسنت میں واضح ارشادات موجود ہیں، پھر بھی اسے رمضان کے ساتھ خصوصی طور پر منتھی کیا گیا۔ دو خواتین کو روزہ میں حالت غیر ہونے کے باعث قے کروائی گئی اور ان کے اندر سے تازہ گوشت کے لوتھڑے نکلے۔ آپ ﷺ نے ان کی اس حالت کا سبب یہ بتایا کہ وہ دونوں سارا دن لوگوں کی غیبت میں مصروف رہیں۔ ملاحظہ ہو:

حضرت انس ابن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک دن روزہ رکھیں اور جب تک میں اجازت نہ دوں اس وقت تک کوئی روزہ افطار نہ کرے۔ لوگوں نے روزہ رکھا، جب شام ہوئی تو ایک شخص حضرت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوکر عرض کی: میں سارے دن روزے سے رہا ہوں، آپ مجھے افطار کی اجازت دیں، آپ نے اس کو افطار کی اجازت مرحمت فرمائی، پھر ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: آپ کے گھر کی دو کنیزیں صبح سے روزے سے ہیں، آپ انہیں بھی افطار کی اجازت دیں۔ آپ ﷺ نے اس شخص سے اعراض کیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کا روزہ نہیں ہے، ان لوگوں کا روزہ کیسے ہوسکتا ہے جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتے رہے ہوں؟ جاؤ! انہیں جا کر کہو: اگر وہ روزہ دار ہیں تو قے کریں، انہوں نے قے کی تو ہر ایک

سے جما ہوا خون نکلا۔ اس شخص نے جا کر نبی اکرم ﷺ کو خبر دی، آپ نے فرمایا: اگر وہ مر جاتیں اور وہ جما ہوا خون ان میں باقی رہ جاتا تو دونوں کو دوزخ کی آگ کھاتی۔ (مسند ابی داؤد الطیالسی، الرقم: ۲۲۲۱)

گویا قرآن مجید نے جو اس گناہ کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے جیسا قرار دیا ہے، تو روزے کے دوران اس واقعہ سے اس بات کی عملی تشریح لوگوں کے سامنے آ گئی۔ یہ واقعہ اور ایسے ہی کچھ دیگر واقعات کی بنا پر کچھ فقہاء یہاں تک گئے ہیں کہ غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

پھر اتنا ہی نہیں کہ آدمی کسی سے بدزبانی نہ کرے، بلکہ یہاں تک ترغیب دی گئی کہ اگر کوئی تم سے جھگڑنے لگے تو اس سے کہہ دو کہ بھئی میرا روزہ ہے؛ یعنی مجھ سے جھگڑا نہ کرو، یا یہ کہ میں جھگڑنا نہیں چاہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ روزے کی اپنی کیفیات میں ایسا تأثر رکھ دیا کہ خود ہی کسی سے زائد بات کرنے سننے کو جی نہ چاہے۔

اس کے علاوہ خصوصی حکم جاری کیا گیا کہ رمضان میں روزہ داروں کی مشقت کم کر دی جائے۔ اس کا معنی محض یہ نہیں ہے کہ اپنے ملازمین کے اوقات کار کم کر دیے جائیں، بلکہ اس کی وسعت میں تھوڑا غور کر کے دیکھیں؛ باہمی احسان وشکر گزاری، ہمدردی، ایثار، محبت، رشتوں کی قدر و قربت اور احساس کی مٹھاس اس حکم میں پائی جاتی ہے۔ مختصر اشارے سے یوں سمجھیے کہ اپنے گھر میں اور گھر سے باہر اپنے تمام ماتحتوں سے ان کی ذمہ داریوں کا بوجھ جتنا ہو سکے ہلکا کر دیجیے؛ اور اپنے سرپرستوں سے مطالبات جتنا ہو سکے کم کر دیجیے۔ شاید یہ ہے روزہ دار کی مشقت کم کرنے کا مفہوم، اور اگر یہی ہے تو ان لوگوں کا تصور کیجیے جو ان اخلاق کو اپنے مزاج کا حصہ بنا کر رمضان سے نکل رہے ہیں کہ وہ کیسا خوبصورت معاشرہ تشکیل دیں گے۔

شریعتِ حَسنہ کی یہ چھوٹی چھوٹی ترغیبات ہم سے تقاضا کر رہی ہیں کہ ہم رمضان کے بعد بھی اپنی زندگی کو رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنت کی روشنی میں ان صفات کے مطابق ڈھالیں۔

یہ کچھ معروضات ترتیب دے دی گئی ہیں۔ اہلِ علم وتقویٰ تھوڑی سی جستجو کر لیں تو اس سمندر کی تہوں سے اور بھی کئی گوہر نکالے جا سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو محض اس طرف متوجہ کرنا تھا کہ ہم اس پر غور کریں کہ یہ مبارک ومحترم مہینہ کن کن طریقوں سے ہماری تربیت کرتا ہے؟! اور پھر اس تربیت کی روشنی میں یہ غور کریں کہ اب آئندہ کے زمانہ میں یعنی رمضان کے بعد اگلے رمضان تک کے زمانہ میں ہم پر عمومی طور پر ہماری انفرادی و

اجتماعی زندگیوں کے بارے میں کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟!

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی حکمتوں سے آشنا فرمائے اور اخلاص واحسان سے پُر اعمال کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (ماہنامہ بینات: ذوالقعدۃ ۱۴۴۴ھ، جون ۲۰۲۳ء)

احقر اپنی اس خامہ فرسائی کو طوالت کے خوف سے بس اسی مضمون پر ختم کرتا ہے، بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دعا ہوں کہ الٰہی! مجھ عاجز وفقیر کی یہ حقیری کوشش "**دبستانِ رمضانُ المبارَکْ**" بھی اپنے لطف وکرم سے قبول فرما کر مزید دینی وعلمی کاموں کی توفیق خیر رفیق فرمادیجیے، اور اپنے بندوں وبندیوں کو اس سے منتفع فرما کر میرے لیے اور میرے اساتذہ ومشائخ اور والدین مکرمین کے حق میں اس کو ذخیرۂ آخرت وذریعۂ نجات ومغفرت بنادیجیے۔ آمین۔

وللّٰہ الحمد أوله وآخره. فیارب إن کان صوابا فمن فضلک وإن کان خطأ فمن تلقاء نفسي وماأبرئ نفسي.

اللّٰهمَّ إني أسألک رحمةً من عندک تهدي بها قلبي وتجمعُ بها شَملي وتردُّ بها أُلفَتي وتلمُّ بها شَعْثي وتصلحُ بها دِیني وتحفظ بها غایتي وترفع بها شاهدي وتُزکِّي بها عملي وتُبیِّضُ بها وجهي وتُلهِمُني بها رُشدي وتعصمُني بها من کلِّ سوءٍ، اَللّٰهمَّ أعطِني إیمانًا صادقًا ویقینًا لیس بعده کفرٌ ورحمةً أنال بها شرفَ کرامتِک في الدنیا والآخرةِ اللّٰهمَّ إني أسألک الفوزَ عند القضاءِ ونُزُلَ الشهداءِ وعیشَ السُّعَداءِ والنصرَ علی الأعداءِ اللّٰهمَّ إني أُنزِلُ بک حاجتي وإن قصُر رأیي وضعُفَ عملي وافتقرتُ إلی رحمتِک فأسألک یا قاضي الأمورِ ویا شافيَ الصدورِ کما تجیرُ بین البحورِ أن تجیرَني من عذابِ السعیرِ ومن دعوةِ الثُّبورِ ومن فتنةِ القبورِ. آمین بجاه النَّبي الأمي الأمین ﷺ.

راقم الحروف

محمد سلمان الخیر نعیمی سہارنپوری

غفر اللّٰہ ذنوبهٗ وستر عیوبهٗ

خادم: جامعہ عربیہ احسن العلوم، بڈھاکھیڑہ کاتلہ ضلع سہارنپور، یو۔ پی، الہند

۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۴۴۶ھ مطابق: ۱۵ر دسمبر ۲۰۲۴ء، یوم الاحد، بوقت چاشت

یادداشت

یادداشت